تحریکِ ختمِ نبوّت

ڈاکٹر محمد بہاؤالدین

مکتبہ قدوسیہ

تحریک ختم نبوت

۱۸۹۱ء ۔ ۱۹۱۲ء

حصہ چہارم

ڈاکٹر محمد بہاء الدین

مکتبہ قدوسیہ لاہور

نام کتاب ۔ تحریک ختم نبوت حصہ چہارم

مئولف ۔ ڈاکٹر محمد بہاءالدین

طبع اول دسمبر ۲۰۰۶ء ۔ مکتبہ ترجمان ۔ اردو بازار ۔ دہلی

طبع دوم ۲۰۰۷ء ۔ زیر اہتمام مکتبہ قدوسیہ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

صفحات ۵۷۶

تعداد

فہرست عناوین

عنوان	صفحہ نمبر

كلمة الناشر

پیش لفظ

الحمد لله و الصلوۃ و السلام علی خا تم النبیین محمد آ خر رسو ل ر ب العالمین و علی آ لہ و صحبہ اجمعین و بعد

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اشاعی ادارہ .مکتبہ تر جمان ، کوکل یہ شرف حاصل ہوا تھا، کہ وہ تاریخ تحریک ختم نبوت کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے تحریک ختم نبوت کا تیسرا حصہ شائع کیا اور اس سلسلہ کے ذریعہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ جو ساری انسانیت، ہر زمانہ کے لئے مبعوث فرمائے گئے اور رحمۃ للعالمین بنائے گئے اور نبوت و رسالت کا خاتمہ آپ پر فرمایا گیا، اس کی ایک طرف مزید وضاحت ہو، اور اس زمانہ میں ہر رہزن نبوت اور مدعی نبوت کے کذب و افتراء کے پردہ کو فاش کیا جائے اور اس جہادی مشن کو شروع کر کے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کی قلعی بھی کھول دی جائے اور اس عظیم جہاد کے مجاہدین کی خدمات کو منظر عام پر لایا جائے خصوصاً اس تحریک کے اولین روح رواں اور مجاہد اعظم علامہ محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ اور ان کے قائد و مربی شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی جہود مبارکہ کا خاکہ نظروں کے سامنے آجائے۔

دراصل یہ کام جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے (حصہ سوم کی تقدیم میں) بہت قبل ہو جانا چاہیے تھا مگر وقت کی ستم ظریفی یہ کہ تاریخ کی یہ عظیم الشان خدمات جب نظروں سے اوجھل ہونے لگیں اور بسا اوقات ان نقوش کو مٹا کر تاریخ سازی کی جانے لگی تو بعض غیور مورخین اور انصاف پسند و معتدل مزاج حضرات کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ان خدمات کا ایک مربوط و منظّم خاکہ پیش کر دیا جائے اور مختلف اوراق و مجلّات میں بکھرے ہوئے تاریخی حقائق کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے۔ ظاہری بات ہے یہ کام مدتوں بعد انجام دینے کے لئے جو کوئی بھی اٹھے گا گوناگوں مسائل و مشکلات سے دوچار ہوگا۔ سب سے اہم یہ کہ اصل حقائق کی روشنی میں تاریخ کی ان کڑیوں کو ملانا بہت جان جوکھم کا کام ہے، کیونکہ ان جرائد و مجلّات کا کہیں یکجا طور پر حاصل ہو جانا بے حد مشکل ہے۔ بہت سے مجلّات و جرائد کے اہم شمارے نہیں ملتے۔ رسائل مل بھی گئے تو کرم خوردگی کی وجہ سے استفادہ مشکل اور بعض ایسے کہ اوراق پریشان اور فرسودگی

کی وجہ سے اس سے استفادہ نہایت مشکل۔ بعض اجزاء اور شمارے ہندوستان میں مل رہے ہیں تو بعض کا وجود پاکستان میں۔ گویا کہ در در کی خاک چھاننے کے بعد بھی بہت سے سنہرے کارنامے اور مفید معلومات اور بہترین اثاثے شائع ہونے سے رہ گئے۔ ابھی تلاش وجستجو کی راہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

ان حالات وظروف میں مورخ جماعت جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ ورعاہ و متعہ بالصحۃ والعافیۃ نے اب تک اس سلسلے کے چار حصے تیار کر کے اہل علم اور مکتبات اسلامیہ وسلفیہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس پر ہمارے ہر طرح کے شکریے کے مستحق ہیں۔ دعاؤں اور علمی تعاون کے حق دار بھی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ نیز صحت وعافیت کی دولت سے نوازے اور خدمت علم ودین کے لئے آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آپ ایک بزرگ وعظیم عالم دین کے چشم وچراغ ہیں۔ آپ کے والد ماجد محترم جناب مولانا عبداللہ حفظہ اللہ اپنے وقت کے مرجع خلائق اور متشرع عالم دین ہیں۔ اور علامہ ثناء اللہ امرتسری جو تحریک ختم نبوت کے سرخیل وہراول دستہ کے حدی خوان ہیں کے فیض یافتہ اور شاہد قرن ہیں۔ اور ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ ان کی بہت سی عظیم باقیات وصالحات اور ثمرات وبرکات میں سے ایک ثمر ہیں۔ اللہ تعالی خدمت علم دین کے لئے ان دونوں بزرگوں کو عمر نوح عطا فرمائے۔ آمین

محترم ڈاکٹر صاحب کے لئے تشکر وامتنان کے جو جذبات اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ویسے بھی ما فی الضمیر کو ادا کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ اس عظیم الشان کارنامہ کی انجام دہی پوری جماعت اہل حدیث پر قرض وفرض تھا ان دونوں کو ادا کیا ہے۔ نیز ہماری اپنی خواہش کی کشش کہوں یا مسلسل اصرار کہوں مؤلف حفظہ اللہ کی بے پناہ محبت اور عزت افزائی وخاطر داری جو انہیں مجھ سے اور جمیعت سے ہے انہوں نے اس کی اشاعت کا شرف ہمیں بخشا جو بلا شبہ ہم سے ان کی محبت کی دلیل ہے، اللہ اس کا بدلہ دونوں جہان میں عطا کرے آمین

یہاں میں خاص طور پر برادر مکرم جناب مولانا شیر خان جمیل احمد کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب سے بالمشافہ اور بالہاتف ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا، اور ان اجزاء کی نشر واشاعت کی سعادت نصیب ہوئی۔

اصغر علی امام مہدی السّلفی

ناظم عمومی۔ مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند۔ ۱۲ شوال ۱۴۲۷ھ۔ ۴ دسمبر ۲۰۰۶ء

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کئی اہل علم نے گذشتہ ایک سو پندرہ برسوں میں ختم نبوت سے متعلق مختلف موضوعات پر ان گنت تالیفات مرتب کی ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۸ء تک کے پہلے اٹھارہ برسوں میں تصنیفی و تالیفی کام کرنے والے بزرگ، برصغیر کی تحریک ختم نبوت کے سابقون الاولون ہیں، اور بعد کے بزرگوں نے اکثر و بیشتر انہی چراغوں سے اپنے چراغ روشن کر کے عموماً وہی دلائل اور مضامین اپنی تالیفات میں پیش کئے ہیں جو سابقون الاولون نے اپنی تصانیف میں بیان کر دیئے تھے۔

۱۹۰۸ء کے بعد جن بزرگوں نے مسائل متعلق ختم نبوت پر لکھا ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی تصانیف میں یہ نہیں بتا سکے کہ ان سے پہلے حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی یا سید نذیر حسین محدث دہلوی، یا مولانا محمد اسماعیل علی گڈھی، یا حضرت مولانا محمد بشیر سہسوانی، یا حضرت منشی محمد جعفر تھانیسری، یا حضرت مولانا عبدالمجید دہلوی، یا حضرت منشی سعداللہ سعدی لدھیانوی، یا حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوری، یا مولانا عبداللہ شاہجہان پوری یا حضرت مولانا رسل بابا امرتسری یا حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، یا حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی یا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی یا حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی وغیرہم وہی باتیں لکھ چکے ہیں اور ہم انہی کے پیش کردہ دلائل و مضامین کو بطرز نو یا مناسب اختصار یا تفصیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

اور جن بزرگوں نے تحریک ختم نبوت کے تاریخی پہلو پر لکھا ہے ان میں ماسوا ایک آدھ کے سب مئولفین نے فلٹر لگائے رکھے اور مرزائی لٹریچر یا مرزا غلام احمد کے معاصر لٹریچر سے کوئی ایسی تحریر (الا ما شاء اللہ) اپنی تالیفات میں نہیں آنے دی جس سے ظاہر

ہوتا کہ تحریک اٹھانے اور چلانے والے کون تھے۔ان مئولفین میں سے جن کی تالیفات کا معتد بہ حصہ مرزا صاحب کی کتابوں سے اقتباسات پر مشتمل ہے انہوں نے مرزا قادیانی کی ایسی کوئی تحریر یااس کی کسی کتاب کا کوئی ایسا صفحہ اپنی تالیفات میں شامل نہیں کیا جس کو پڑھ کر معلوم ہوسکتا کہ تحریک اٹھانے، چلانے، اور مرزا صاحب کو تابہ دروازہ پہنچانے والے مولانا سید نذیر حسین محدث، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا عبد الحق غزنوی ،مولانا عبدالجبار غزنوی، وغیرہ ہیں۔

کچھ بزرگوں نے تاریخ تحریک میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ذکر کر دیا ہے جس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ تاہم یہ بات کہہ دینا غیر مناسب نہیں ہے کہ حضرت امرتسری کا تحریکی کام اگرچہ بہت وقیع ہے لیکن حضرت بٹالوی اور حضرت سید محمد نذیر حسین کی خدمات ،حضرت امرتسری کی خدمات سے کئی گنا زائد ہیں۔ مرزا قادیانی کا لٹریچر حضرت بٹالوی اور میاں صاحب دہلوی کے ذکر سے معمور ہے۔ (حضرت امرتسری تحریک کی صفوں میں،تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۸۹۴ء کے اواخر میں شامل ہوئے جب کہ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیانی عرصہ میں مرزا کے خلاف بنیادی علمی کام بڑی حدتک ہو چکا تھا) لیکن حضرت بٹالوی کا یا تو ذکر نہیں کیا جاتا ، یا انہیں اسی ریویو پر مطعون کیا جاتا ہے جو انہوں نے دارالعلوم دیو بند کے سند یافتہ مسلمان کی کتاب براہین احمدیہ پر ۱۸۸۵ء میں لکھا تھا، (اور مرزا غلام احمد کے کفریہ عقائد سامنے آنے پر ۱۸۹۱ء کے بعد جس سے رجوع بھی کر لیا تھا)

۱۸۸۴۔۱۸۸۵ء کے مرزا غلام احمد کو اس وقت کے عامۃ المسلمین ایک مسلمان سمجھتے تھے،اوراس کی براہین احمدیہ کے لئے دس ہزار روپیہ چندہ، بطور امداد، اور پیشگی قیمت کی صورت میں دے چکے تھے۔ اس دور میں مرزا غلام احمد کو براہین احمدیہ کے مبہم مضامین اور الہامات کی وساطت سے ایسی باتیں اس کے ذہن میں ڈالنا جو اسے معلوم نہ تھیں، (جیسا کہ وہ خود اپنی بعد کی تحریروں میں جابجا کہتا ہے کہ میرا فلاں الہام براہین میں موجود تھا لیکن اس کے معنی مجھے معلوم نہ تھے۔ یا یہ کہ میں نے یہ بات لکھ کر غلطی کی تھی۔جس کی ایک مثال توفی کے معنوں کی ہے۔اگر براہین لکھنے کے وقت مرزا غلام احمد کے ذہن میں مسیح بننے کا خیال ہوتا تو توفی کے وہ معنی براہین میں کبھی نہ لکھتا جن کو بعدازاں اپنی غلطی کہہ کر معافیاں مانگتا رہا۔

جناب الیاس برنی صاحب نے لکھا ہے۔

. مرزا غلام احمد قادیانی کی علمی اور مذہبی زندگی کے تین نمایاں دور نظر آتے ہیں۔ پہلا دور وہ امت محمدی کے مبلغ کی حیثیت سے ۱۸۸۰ء میں شروع کرتے ہیں جب کہ براہین احمدیہ کے سلسلہ میں وہ اپنی دینی خدمت گذاری کا اعلان کرتے ہیں لیکن خیالات میں ترقی کرتے کرتے دس سال بعد ۱۸۹۱ء میں وہ مسیح موعود ہونے کا باقاعدہ اعلان کرتے ہیں........ پہلے دور کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کا مرزا صاحب خود یوں اعلان فرماتے ہیں

.پھر میں تقریباً بارہ سال تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے۔ اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گذر گئے تب وہ وقت آگیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے تب تواتر سے اس بارے میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص ۷۔ منقول از قادیانیت کا علمی محاسبہ ص ۹۶۔۹۵) تو اس نے بھی سوچنا شروع کر دیا کہ کیوں نہ میں مسیح ہونے کا تجربہ بھی کر لوں۔ اور پھر جب اس نے ۱۸۹۱ء میں بلی تھیلے سے باہر نکال لی تو حضرت مولانا محمد حسین نے سید نذیر حسین محدث کی قیادت میں تحریک چلائی، اور مرزا قادیانی کی وفات تک اس کا ناک میں دم کئے رکھا۔ حضرت بٹالوی کا کام کوئی دوسطری فتوی، یا یک ورقی اشتہار کی بات نہیں ہے، بلکہ ہزاروں صفحات، دسیوں اجلاسوں، بیسیوں اشتہاروں، درجنوں کتابوں،، ان گنت مراسلوں، ہزاروں میل کے تبلیغی اور تحریکی اسفار، بے شمار تقاریر، اور ان گنت علمی مقابلوں، پر مشتمل (حفیظ جالندھری سے معذرت کے ساتھ)

تیس برس کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

ہم نے اس سے قبل کتاب ہذا کے تین حصوں میں بھی وقتاً فوقتاً حضرت بٹالوی کی خدمات تحریک کا جستہ جستہ ذکر کیا ہے، کہیں اجمال کے ساتھ، کہیں تفصیلاً۔ زیر نظر حصے میں مولانا بٹالوی کی مرزا غلام احمد کے ساتھ ۱۸۹۱ء والی مراسلت کی تفصیل بیان ہوئی ہے (جو مختصراً حصہ اول میں بیان ہوئی تھی)۔ اس کے بعد مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء کی تفصیل بیان ہوئی ہے (جو حصہ اول میں اجمالاً بیان ہوا تھا)۔ نیز مولانا بٹالوی کے استفتا در بارہ تکفیر مرزا، اور سید نذیر حسین محدث کے جواب استفتا کو مکمل شامل کیا گیا ہے۔ پھر مباحثہ بٹالہ اور مباحثہ لاہور کے عنوان سے مولوی محمد احسن امروہی قادیانی سے مولانا بٹالوی کے مباحثوں کی تفصیلات ہیں، اس کے علاوہ حکیم نور الدین قادیانی سے ریل گاڑی میں مولانا بٹالوی کے مباحثہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پھر مرزا صاحب سے ۱۸۹۲۔۱۸۹۳ء میں

مولانا بٹالوی کی اس مراسلت کی تفصیل ہے (جو مختصراً حصہ اول کتاب ہذا میں بیان ہوئی ہے)اوراس میں مرزا صاحب کی پیش گوئی در بارہ محمدی بیگم پر مولانا کی جرح نقل کی گئی ہے۔

بعض حلقوں کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ابتدائی چند برسوں کے بعد مولانا بٹالوی، مرزائی ہو گئے تھے یا انہوں نے مرزا کے بارے میں خاموشی اختیار کر کے تحریک سے عملاً علیحدگی اختیار کر لی تھی، اس لئے ہم نے مولانا کے مکتوب مفتوح کو شامل اشاعت کیا ہے جو آپ نے مئی ۱۹۰۷ء میں لکھا اور جس میں آپ نے مرزا صاحب کی پیش گوئی در بارہ طاعون، ان پیش گوئی در بارہ محمدی بیگم، ان کی پیش گوئی در بارہ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی، ان کی دعا آخری فیصلہ بمقابلہ مولانا امرتسری پر بحث کے علاوہ مرزا صاحب کی تصنیف حقیقۃ الوحی کے مندرجات پر ریویو کر کے بتایا ہے کہ یہ کتاب بھی ان کی دیگر کتابوں کی طرح جھوٹ، افتراء، مغالطات ، اور دجل وفریب کا پلندہ ہے ۔ نیز مرزا صاحب کو دعوت دی ہے کہ وہ فلاں فلاں پیش گوئی کی صداقت پر ان سے بحث کر لیں۔اس کے علاوہ اس اشاعت میں مرزا صاحب کی سیاست پر بھی چند گذارشات کی گئیں ہیں۔

۱۸۹۱ء کی مراسلت کا بنیادی ماخذ حضرت بٹالوی کے اشاعۃ السنۃ کی جلد ۱۲ ہے۔ اور مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء کو ہم نے اشاعۃ السنۃ کی جلد ۱۳، اور ۱۴ سے نقل کیا ہے۔اور ضرورت کے مطابق قادیانی حضرات کے مطبوعہ نسخے سے بھی مدد لی گئی ہے۔ فتوی تکفیر بھی اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں فرقان، قادیان جلد ۴ نمبر ۹، بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء میں بھی طبع ہوا تھا۔جس کی نقل دیکھنے کا مجھے موقع ملا ہے۔ بٹالہ، اور لاہور والے مباحثوں (جو مولوی محمد احسن امروہی سے ہونے جا رہے تھے) کی تفصیل اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ سے منقول ہے۔اور ۱۸۹۳ء میں حکیم نورالدین سے ہونے والہ مباحثہ بھی اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ سے منقول ہے ۔ ۱۸۹۳ء والی مراسلت اور مرزا پر سوالات جرح، اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ سے منقول ہیں۔ اور حضرت بٹالوی کا مکتوب مفتوح اشاعۃ السنہ جلد ۲۱ سے منقول ہے (ضرورت کے مطابق دیگر ماخذوں کے حوالے دیئے گئے ہیں)۔ اشاعۃ السنۃ کی مذکورہ جلدیں مجھے فوٹو کاپی کی صورت میں حاصل ہوئیں اور اس سلسلے میں ، میں گرامی قدر محمد اشرف جاوید ، دارارقم، فیصل آباد، اور عزیزم محمد سہیل، بوریوالہ کا ممنون ہوں، اللہ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔

چونکہ خستہ اوراق کی فوٹو کاپی بعض اوقات اچھی نہیں ہوتی اس لئے اشاعۃ السنہ

سے استفادہ میں دقت پیش آتی رہی اور بعض الفاظ وفقرات اور صفحات سرے سے پڑھے نہیں جا سکے۔اس کے علاوہ کئی صفحات کی فوٹو کاپی دست یاب ہی نہیں ہوسکی، اس لئے ان صفحات کی عبارات شامل اشاعت نہیں ہوسکیں۔ مولانا بٹالوی کے بعض حواشی میں نے ختم کردیئے ہیں اور بعض کو ترمیم و اضافہ کا تختہ مشق بنایا ہے، اور ضرورت کے مطابق کچھ حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز مولانا بٹالوی کی پرانی اردو تحریروں کو، معنوی تحریف سے دامن بچا، کر کہیں کہیں لباس جدید پہنایا ہے، بالفاظ دیگر روائت بالمعنی کا انداز اپنایا ہے

میرا ارادہ تھا کہ ۱۹۱۲ء تک جن بزرگوں نے تحریک ختم نبوت میں کام کیا ہے ان کا اور ان کی خدمات کا ذکر کیا جائے۔ اور الفضل للمتقدم کا لحاظ رکھا جائے اور کبر الکبراء پر عمل کیا جائے۔اور میرا خیال تھا کہ اس موضوع پر میں اپنی گذارشات ایک ہی جلد میں بین الدفتین سمیٹ لوں گا۔ لیکن بات بڑھتی چلی گئی اور دو سے تین جلدوں (حصوں) تک پہنچ جانے کے باوجود اندازہ ہوا کہ موضوع کا حق ادا نہیں ہوسکا تو یہ چوتھا حصہ نذر قارئین ہے۔اور چونکہ تحریک ختم نبوت کے ۱۹۱۲ء تک کے خدمت گاروں کی کاوشوں کا ذکر ابھی مکمل نہیں ہوا اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ شائد یہ سلسلہ ابھی جاری رہے۔

بنابریں جس اہل علم کا خیال ہو کہ اس عاجز نے کسی خادم تحریک ختم نبوت کا ذکر نہیں کیا، یا کسی خادم کی خدمات کا کما حقہ ذکر نہیں کیا، تو ایسے اہل علم تنقید کرنا چاہیں تو ضرور کریں اور اس کے ساتھ مجھے اس لٹریچر کی طرف رہنمائی بھی فرمادیں جس میں اس کارکن (خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو) کی خدمات تحریک قبل از ۱۹۱۲ء کا ذکر موجود ہو۔میری کوشش ہوگی کہ اس ذکر جمیل کو آئندہ اشاعت میں جگہ دی جا سکے۔انشاء اللہ۔

میں نے حوالہ جات اور اقتباسات کو باریک خط میں اور حواشی کو متن کے ساتھ ہی بین القوسین باریک تر خط میں پیش کیا ہے۔ امید ہے قارئین اس فقیر کو اس کی غلطیوں سے آگاہ فرمائیں گے اور بہتری کے لئے مشورے دینے کے علاوہ اسے دعائے خیر کی صورت میں بھیک سے بھی نوازیں گے۔

بہت سے اہل علم اور ہمدردان ملت و جماعت کا پیہم اصرار و تقاضا رہا کہ تحریک ختم نبوت کا یہ سلسلہ دراز تر ہو، اور اس کی طباعت و نشر و اشاعت کی سعادت انہیں حاصل ہو۔لیکن چونکہ شروع ہی میں مولانا شیر خان جمیل احمد صاحب کے واسطے سے مولانا اصغر

علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کا شدید تقاضا اور اصرار رہا کہ یہ سلسلہ ختم نبوت مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند سے اشاعت پذیر ہو، نیز یہ کہ جماعت اہل حدیث کی تاریخ منظّم اور مربوط انداز میں مدون کی جائے۔اس لئے مولانا کے بار بار کے اصرار کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریک ختم نبوت حصہ سوم کی طرح حصہ چہارم بھی مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔

محمد بہاء الدین

☆ یاد رہے کہ تحریک ختم نبوت کا پہلا حصہ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں مکتبہ قدوسیہ کے زیر اہتمام مرکزی جمیعت اہل حدیث برطانیہ نے شائع کرایا تھا۔اس کی اشاعت دوم، دہلی کے ادارہ اشاعۃ السنہ کی طرف سے ۲۰۰۴ء میں ہوئی۔ پھر اس کی اشاعت سوم اس بندہ عاجز نے مکتبہ قدوسیہ کے زیر اہتمام لاہور سے ۲۰۰۶ء میں کروائی۔

تحریک ختم نبوت حصہ دوم کی اشاعت اول، ادارہ اشاعۃ السنہ دہلی کی طرف سے اپریل ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔اور اس کی اشاعت دوم اس بندہ عاجز نے مکتبہ قدوسیہ لاہور کے زیر اہتمام ۲۰۰۶ء میں کروائی۔

تحریک ختم نبوت حصہ سوم کی اشاعت اول مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کی طرف سے دسمبر ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔ پھر اس کی اشاعت دوم اس بندہ عاجز نے ۲۰۰۶ء میں مکتبہ قدوسیہ لاہور سے کروائی۔

تحریک ختم نبوت کا چوتھا حصہ مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کی طرف سے دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔اور اب اس بندہ عاجز کی طرف سے پاکستان میں مکتبہ قدوسیہ کے زیر اہتمام شائع کیا جا رہا ہے۔ طبع اول اور طبع دوم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ طبع اول میں رہ جانے والی کمپوزنگ کی بعض اغلاط کو ممکنہ حد تک درست کیا گیا ہے۔

محمد بہاء الدین ۔ ۲۵ مارچ ۲۰۰۷ء

مراسلت ۱۸۹۱ء

انیسویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں تحریک ختم نبوت کا آغاز شیخ محمد حسین بٹالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مابین ۱۸۹۱ء کی اس خط و کتابت سے ہوا جو اس کتاب کے حصہ اول میں مختصراً درج ہو چکی ہے۔ سطور ذیل میں اس تاریخی مراسلت کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جو اشاعۃ السنۃ جلد ۱۲ بابت ۱۸۹۱ء (صفحات ۳۵۴ تا ۳۷۶) سے منقول ہے

☆ اس سلسلے کا پہلا خط حضرت بٹالوی نے لاہور سے تحریر کیا جو درج ذیل ہے

لاہور ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مرزا غلام احمد صاحب ۔ آپ کا رسالہ فتح اسلام، امرتسر میں چھپ ہی رہا تھا کہ میں اتفاقاً امرتسر پہنچا۔ اور میں نے اس رسالہ کے پروف مطبع ریاض ہند سے منگا کر ان کو دیکھا اور پڑھوا کر سنا۔

اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعوی کیا ہے کہ موعود مسیح جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالی نے اپنی کلام مجید میں اشارۃً (مثلاً وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔نساء) اور رسول خدا ﷺ نے اپنی کلام مبارک میں، جو صحاح احادیث میں موجود ہے، صراحۃً وعدہ دیا ہے، وہ آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کے مثیل کہلاتے ہیں، نہ وہ مسیح ابن مریم جن کو عام اہل اسلام مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ مسیح بن مریم کو مسیح موعود سمجھنے میں عام اہل اسلام نے غلطی کی ہے اور دھوکہ کھایا ہے۔ اور ان احادیث کو، جو مسیح موعود کی نسبت صحاح میں وارد ہیں، غور سے نہیں دیکھا۔

میں نے اس اپنی سمجھ کی تصدیق کے لئے پہلے مولوی عبدالکریم عرف کریم بخش سیالکوٹی کی وساطت سے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اپنے مسیح موعود ہونے سے آپ

کی کیا مراد ہے۔ پھر مشفقی مولوی نورالدین صاحب حکیم جموں کے ذریعہ سے یہ سوال کیا۔مگران دونوں صاحبوں نے آج تک نہ تو آپ کی طرف سے میرے سوال کا کوئی جواب پہنچایا اور نہ خود کچھ کہا۔اب میں بارسوم براہ راست آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اس دعوی سے کیا آپ کی وہی مراد ہے جو اوپر معروض ہوئی؟ اور وہ آپکے رسالے کے فقرات ذیل سے مفہوم ہوتی ہے

شکر کے سجدات بجالاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے ،اور بے شمار روحیں اسی شوق میں سفر کر گئیں، وہ وقت تم نے پایا (فتح اسلام ص ۱۰)

. مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے . (فتح اسلام۔ ص ۱۵)

. مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کے لئے بھیجا گیا ہوں. (فتح اسلام۔ص ۱۷)

تیسرا نشان یہ ہے کہ . وہ برگزیدہ نبی جس پر تم ایمان لانے کا دعوی کرتے ہو، اس پاک نبی نے اس عاجز کے بارے میں لکھا ہے جو تمہاری صحاح میں موجود ہے جس پر آج تک تم نے غور نہیں کی ۔ (فتح اسلام۔ص ۲۳)

یا اس دعوی سے آپ کی مراد کچھ اور ہے؟ وہی مراد ہے تو صرف ہاں یا نعم فرماویں۔زیادہ توضیح کی تکلیف نہ اٹھاویں۔

اور اگر اس دعوی سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔اس خط کا جواب پا کر میں اس دعوی کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، بذریعہ تحریر ہو یا بواسطہ تقریر۔امید کہ آپ جواب سے دریغ نہ فرماویں گے۔ اور اگر جواب سے آپ نے سکوت فرمایا تو اس سے بحکم السکوت فی معرض البیان بیان یہ سمجھا جائے گا کہ اس دعوی سے آپ کی وہی مراد ہے جو خاکسار نے عرض کیا ہے۔ اور اس پر جو کہنا ہے سو کہا جائے گا۔اس کے بعد آپ کو یا آپ کے اتباع کو کوئی تاویل کرنے کا موقع نہ ملے گا۔اسی غرض سے اس خط کی نقلیں بعض خاص اتباع جناب کے پاس بھیجی گئی ہیں۔

آپ کا ناصح خیرخواہ۔ ابوسعید محمد حسین

☆ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے حضرت بٹالوی کو لکھا

عنایت نامہ پہنچا۔عاجز کی طبیعت علیل ہے۔اخویم منشی عبدالحق صاحب کو تاکید

فرماویں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو معمولی گولیاں ارسال فرماویں ۔ توجہ سے کہدیں ۔ افسوس میری علالت طبع کے وقت آپ عیادت کیلئے بھی نہیں آئے ۔ اور آپکے استفسار کے جواب میں صرف ہاں کافی سمجھتا ہوں۔ خاکسار غلام احمد ۵ فروری ۱۸۹۱ء

☆ اس کے جواب میں مولانا بٹالوی نے لکھا

لاہور ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء ۔ مکرمی جناب مرزا صاحب

آپ کا کارڈ میں نے وصول پایا۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ مجھے آپ کے اس دعوی کا کہ میں مسیح موعود ہوں ، خلاف مشتہر کرنا پڑا ۔ اس الہام کو آپ خدا تعالی کی طرف سے سمجھتے ہیں تو خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے اس خلاف سے روکے ۔

آپ اگر اس دعوی میں حضرت خضر کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار اور خلاف میں حضرت موسی کی طرح مجبور ہوں (حضرت خضر کا چلتی کشتی کے تختے کو اکھاڑ دینا ، ایک بے گناہ لڑکے کی جان مارنا ، ایک گرتی ہوئی دیوار کو کھڑا کر دینا ۔ اور حضرت موسی کا ان تینوں فعلوں پر معترض ہونا ۔ سورہ کہف کے دسویں رکوع میں مذکور ہے) آپ کے رسائل توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میرے خلاف کو نہیں روکیں گے ۔ مجھے یقین ہے کہ نقلی یا عقلی دلائل سے آپ اور آپکے حواریین آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ کرسکیں گے تاہم آپ تینوں رسائل کی تین تین کاپیاں ارسال کریں۔ میں ان کو غور سے دیکھوں گا ۔ انشاء اللہ

مولوی نور الدین صاحب نے میرے پاس کوئی رسالہ نہیں بھیجا ۔ وہ مجھ سے صرف آپ کی وجہ سے ناراض ہیں ۔

منشی عبدالحق کو آپ کا پیغام پہنچا دیا۔ میں آپ سے ملونگا انشاءاللہ، مگر جلد نہیں مل سکتا

آپ کا ناصح ابوسعید محمد حسین

☆ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب ۔ عنائت نامہ پہنچا ۔ اگرچہ خداوند خوب جانتا ہے کہ یہ عاجز اس کی طرف سے مامور ہے ، اور ایسے امور میں جہاں عوام کے فتنے کا اندیشہ ہو، جب تک کامل اور قطعی اور یقینی طور پر اس عاجز پر ظاہر نہیں کیا جاتا ، ہرگز زبان پر نہیں آتا ۔ لیکن اس میں کچھ حکمت خداوند کریم کی ہوگی کہ اس نزول مسیح کے مسئلے میں

جس کو اصل اور لب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ، اور ایک مسلمان پر اسکی اصل کیفیت کھو لی گئی ہے، جس پر بوجہ اخوت حسن ظن بھی کرنا چاہیے (حسن ظنی کی ایک حد مقرر ہونی چاہیے ۔اگر کوئی مسلمان یہ دعوی کرے کہ میں نبی آخر الزمان ہوں، ۔یا مجھے الہام میں شراب کی اجازت ہو گئی ہے، تو ہم اور آپ اس کے حق میں حسن ظن کریں گے؟ ہرگز نہیں۔محمد حسین) ۔آن مکرم کو مخالفانہ تحریر کے لئے جوش دیا گیا ہے، اور میں جانتا ہوں کہ آپ کی اس میں نیت بخیر ہوگی ۔اور اگرچہ مجھے آپ کے استعجال کی نسبت شکایت ہو، اور اس کو روبرو یا غائبانہ بیان بھی کروں، مگر آپ کی نیت کی نسبت مجھے حسن ظن ہے ۔اور آپ کو زمانہ حال کے اکثر علماء بلکہ، اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ،بعض للہی جدو جہد کے کاموں کے لحاظ سے مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی بہتر سمجھتا ہوں (بے شک میں اس مدح سے ناراض ہوں ۔مولانا وشیخنا وشیخ الکل کے معلومات سے میرے معلومات کو وہ نسبت ہے جو بادشاہ سے ایک گداگر کو ہے۔ اس تفصیل معلومات کے مقابلہ میں میرے وہ کام لائق شمار نہیں ہیں ۔محمد حسین) اور اگرچہ میں آپ سے ان باتوں کی شکایت کروں ، تاہم مجھے بوجہ آپ کی صفائی باطن کے،آپ سے محبت ہے ۔ اگر میں شناخت نہ کیا جاؤں،تو میں سمجھونگا کہ میرے لئے یہی مقدر تھا۔ مجھے فتح اور شکست سے بھی کچھ تعلق نہیں، بلکہ عبودیت اور اطاعت حکم سے غرض ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ اس خلاف میں آپ کی نیت بخیر ہوگی ۔ لیکن میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ اول مجھ سے بات چیت کر کے اور میری کتابوں کو یعنی رسائل ثلاثہ کو دیکھ کر کچھ تحریر کریں ۔ مجھے اس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں ۔کیونکہ یہ مخالفت رائے بھی حق کے لئے ہوگی ۔ کل میں نے اپنے بازو پر یہ لفظ اپنے تئیں لکھتے ہوئے دیکھا کہ

میں اکیلا ہوں اور خدا میرے ساتھ ہے، اور اس کے ساتھ مجھے الہام ہوا

ان معی ربی سیهدین

سو میں جانتا ہوں کہ خداوندتعالی اپنی طرف سے کوئی حجت ظاہر کر دے گا ۔میں آپ کے لئے دعا کروں گا ۔مگر ضرور ہے کہ جو آپ کے لئے مقدر ہے وہ سب آپ کے ہاتھ سے پورا ہو جائے ۔حضرت موسی کی جو آپ نے مثل لکھی ہے اشارۃ النص پایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ موسی نے کیا۔ اس قصے کو قرآن شریف میں

بیان کرنے سے غرض بھی یہی ہے کہ تا آئندہ حق کے طالب معارف روحانیہ اور عجائبات مخفیہ کے کھلنے کے شائق رہیں۔حضرت موسیٰ کی طرح جلدی نہ کریں۔حدیث صحیح بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے (اس حدیث صحیح کا جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ خلاف شریعت پر سکوت کیا جائے۔اور نہ قرآن میں یہ اشارہ ہے۔محمد حسین)

اب مجھے آپ کی ملاقات کے لئے صحت حاصل ہے۔اگر آپ بٹالے میں آجائیں تو اگرچہ میں بیمار ہوں اور دوران سر اس قدر ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی، تاہم افتاں وخیزاں آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔ بقول رنگین

وہ نہ آوے تو تو ہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

ازالۃ الاوہام ابھی چھپ کر نہیں آیا۔فتح اسلام اور توضیح المرام ارسال خدمت ہیں۔ الراقم غلام احمد از قادیان

☆ اس کے جواب میں مولانا محمد حسین نے لکھا

لاہور ۱۶ فروری ۱۸۹۱ء مکرمی جناب مرزا صاحب

آپ کا محبت نامہ اور پمفلٹ توضیح المرام موصول ہوئے۔ توضیح کو میں نے دیکھا، اس نے میری مخالفت رائے کو اور پختہ کر دیا اور مجھے امید ہے کہ جو مخالف مضامین فتح اسلام اس کو دیکھے گا وہ اس مخالفت میں اور پختہ ہوگا۔قیاس مقتضی ہے کہ ایسا ہی ازالۃ الاوہام ہوگا۔مع ہذا میں اس کے مضامین کو دیکھنے یا سننے کے بغیر اپنے خلاف کا اشتہار کرنا، اور آپ کی شکایت استعجال کا مورد بننا نہیں چاہتا۔لہذا ملتمس ہوں کہ اگر وہ رسالہ چھپ گیا ہو تو جلد ارسال فرماویں۔اور اگر اس کے چھپنے میں توقف ہے تو اس کے مضامین کو آپ زبانی بیان کریں، میں حاضر ہو کر سننے کو تیار ہوں، میں ایک شب کے لئے قادیان میں خود پہنچ سکتا ہوں، اور اگر اس سے زیادہ وقت آپ چاہتے ہیں، تو آپ بٹالہ میں تشریف لاویں اور جب تک چاہیں میرے غریب خانہ پر رہیں اور اظہار مافی الضمیر کریں۔

مولوی نورالدین صاحب سے آپ کے معاملہ میں جو مراسلت ہوئی ہے اس کی نقل اس غرض سے ارسال خدمت ہے کہ آپ اس مراسلت کی نسبت اپنی رائے ظاہر

فرمائیں کہ وہ اس میں مصیب ہیں یا مخطی ۔مصیب ہیں تو اس کی توضیح سے مجھے متنبہ کریں، اور اگر مخطی ہیں تو ان کی خطا پر ان کو آگاہ فرمائیں ۔ آپ رسالہ فتح اسلام میں ان کو نورانی اور روحانی بیان کر چکے ہیں، ان کے اس جواب سے اس کا خلاف مفہوم ہوتا ہے۔ آپ کا خیر خواہ ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب ۔محبت نامہ پہنچا۔ چونکہ آں مکرم عزم پختہ کر چکے ہیں تو پھر میں کیا عرض کر سکتا ہوں ۔اس عاجز کی طبیعت بیمار ہے ۔دوران سر اور ضعف بہت ہے، ایسی طاقت نہیں کہ کثرت سے بات کروں ۔جس حالت میں آں مکرم کسی طور سے اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتے ۔اور ایسا ہی یہ عاجز اس بصیرت اور علم سے اپنے تئیں نابینا نہیں کر سکتا جو حضرت احدیت جل شانہ نے بخشا ہے، اس صورت میں گفتگو عبث ہے ۔رسالہ ابھی کسی قدر باقی ہے ۔ناقص کو میں بھیج نہیں سکتا۔ اس جگہ آنے کے لئے آں مکرم کو یہ عاجز تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ مگر ۲۶ فروری ۱۸۹۱ء کو یہ عاجز انشاء اللہ القدیر لودیانہ کے ارادہ سے بٹالہ میں پہنچے گا، وہاں صرف آپ کی ملاقات کرنے کا شوق ہے، گفتگو کی ضرورت نہیں۔ اور یہ عاجز للہ آپکے ان الفاظ کے استعمال سے جو مخالفانہ تحریر کی حالت میں کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں یا اپنے بھائی کی تذلیل اور بدگمانی تک نوبت پہنچاتے ہیں، معاف کرتا ہے و اللہ علی ما قلت شہید

چندروز کا ذکر ہے کہ پرانے کاغذات کو دیکھتے دیکھتے ایک پرچہ نکل آیا جو میں نے اپنے ہاتھ سے بطور یادداشت کے لکھا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ پرچہ ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کو لکھا گیا ہے ۔مضمون یہ تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی امر میں مخالفت کر کے کوئی تحریر چھپوائی ہے اور اس کی سرخی میری نسبت کمینہ رکھی گئی ہے ۔معلوم نہیں اس کے کیا معنی ہیں ۔اور وہ تحریر پڑھ کر کہا ہے کہ آپ کو میں نے منع کیا تھا، پھر آپ نے کیوں ایسا مضمون چھپوایا ہذا ما رأیت و اللہ اعلم بتا ویلہ

چونکہ حتی الوسع خواب کی تصدیق کے لئے کوشش مسنون ہے اس لئے میں آنمکرم کو منع بھی کرتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے دست کش رہیں ۔خدا تعالی خوب جانتا

ہے کہ میں اپنے دعوی میں صادق ہوں، اگر صادق نہیں تو پھر ان یک کا ذباً کی تہدید پیش آنے والی ہے۔

لا تقف ما لیس لک به علم و لا تد خل نفسک فیما لا تعلم حقیقته یا اخی و فو ض امری الی الله، یئو تک اجر صبر ك یا اخی و انا انظر الی السماء و ار جو تا ئید الله و اعلم من الله ما لا تعلمو ن ۔ و السلام علی من اتبع الهد ی (جس چیز کا تجھے حال معلوم نہیں اس کے پیچھے نہ لگ اور جس چیز کی حقیقت تجھے معلوم نہیں اس میں دخل نہ دے۔ میرے معاملہ کو خدا کے سپرد کر۔ خدا تجھے اس کا اجر دے گا اے میرے بھائی۔ اور میں آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور خدا کی تائید کا امیدوار ہوں۔ میں خدا کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہوں جو تم نہیں دیئے گئے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو)۔

حضرت اخویم حبی فی سبیل اللہ مولوی حکیم نورالدین اور آن مکرم کی تحریرات میں یہ عاجز دخل دینا نہیں چاہتا۔ خاکسار غلام احمد

☆ اس کا جواب حضرت بٹالوی نے بایں الفاظ دیا

لاہور ۲۱ فروری ۱۸۹۱ء ۔ مکرمی جناب مرزا صاحب ۔ محبت نامہ کے جواب میں عرض ہے کہ خاکسار شب و روز بطور استخارہ مسنونہ دست بدعا رہتا ہے اور جناب باری میں التجا کرتا ہے کہ آپ کے جواب و خطاب میں خدا تعالی مجھ سے اپنے حق سے زائد نہ کہلوائے اور میرے قلم سے ایسی بات نہ نکلوائے جسکی جواب دہی میرے ذمہ لازم ہو۔

مجھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد لا تکلم بکلام تعذر منه غداً (یعنی ایسی بات نہ کہہ جس کی بابت کل کو تجھے عذر کرنا پڑے) اکثر اوقات پیش نظر رہتا ہے۔ اور مجھے خدا تعالی سے قوی امید ہے کہ آپ کے خطاب میں کوئی ایسی بات نہ لکھونگا جو آپ کی کلام کے منطوق یا قطعی مفہوم سے ثابت نہ ہو۔ اور میں اس جواب میں حسن ظنی ہاتھ سے نہ دونگا (اس حد تک جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں) اور سوء ظنی سے کام نہ لوں گا۔ اور میں کوئی کلمہ توہین وتحقیر آپ کے حق میں نہ لکھوں گا۔ مگر ایسا کلمہ جس کو میں حق اور بحکم شریعت صادق سمجھوں گا (جیسے آپ کا مسیح موعود نہ ہونا، یا اس دعوی میں آپ کا من جانب اللہ نہ ہونا) اس کو آپ توہین اور تحقیر سمجھیں تو میں معذور و مجبور ہوں۔ و لکل امرء ما نوی (ہر آدمی کو

اس کے فعل پر اس کی نیت کا پھل ملے گا)۔

الہام ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کے مضمون کی سرخی جو آپ نے لکھی ہے وہ پڑھی نہیں گئی، اس کو واضح کر کے لکھیں ۔ ازالۃ الاوہام کے جس قدر اوراق چھپے ہیں، بھیج دیں باقی جب چھپیں، تب سہی ۔ اور اگر مجھ کو اجازت ہو تو میں مطبع سے پروف دیکھ لوں ۔

مجھے نہایت افسوس ہے اور بلحاظ آپ کے روحانی اور بے لگاؤ ہونے کے (جیسا کہ آپ مدعی ہیں) آپ پر شکایت ہے کہ آپ نے مولوی نورالدین صاحب کی مراسلت کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہ فرمائی ۔ آپ کی رائے ان کی فیور (تائید) میں ہے تو مجھ پر اس کا اظہار کرنے سے آپ کو تامل نہ چاہیے تھا ۔ حق کہنا چاہیے گو تلخ معلوم ہو ۔ اور اگر وہ میری فیور (تائید) میں ہے تو بھی اس کا اظہار آپ پر واجب تھا ۔ اور ان کی فہمائش آپ کا فرض تھا ۔ وہ (حکیم نوردین) تو اپنا دین و دنیا آپ کی راہ میں کر چکے ۔ کوئی دنیا دار ایک امر حق کے اظہار سے اعراض کرے تو کوئی تعجب و شکایت کا محل نہیں ہوتا ۔

میں کوشش کرونگا کہ ۲۵ فروری ۱۸۹۱ء کو دس بجے دن تک بٹالہ پہنچوں ۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ اگر میں بٹالہ نہ آسکوں تو امرتسر میں آپ سے ملوں ۔ ممکن ہو تو بتائیے کہ امرتسر میں آپ کس وقت کی ٹرین میں آئیں گے اور کس مقام پر وقفہ کریں گے اور کس قدر کریں گے ۔ آپ کا خیر خواہ قدیم ۔ ابوسعید محمد حسین

☆ اس کا جواب مرزا صاحب نے یوں دیا۔

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ و اید ۔ بخدمت مجی اخویم مکرم ابوسعید محمد حسین صاحب ۔ عنائت نامہ پہنچا ۔ چونکہ یہ عاجز اپنی دانست میں نا تمام مضمون ازالۃ الاوہام کا آنمکرم کو دکھلانا مناسب نہیں سمجھتا، اس لئے اجازت نہیں دے سکتا ۔ مگر اس عاجز کی رائے میں صرف بیس پچیس روز تک رسالہ ازالۃ الاوہام چھپ جائے گا، کچھ بہت دیر نہیں ہے ۔ پھر انشاء اللہ القدیر سب سے پہلے یہ عاجز آنمکرم کی خدمت میں بھیج دے گا ۔ آنمکرم کو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعوی نہیں کیا گیا ۔ بلکہ بلاکم وبیش یہ وہی دعوی ہے جس کا براہین احمدیہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے جس کی آنمکرم اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں ۔ پھر

متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آنمکرم کو دیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آنمکرم اشاعۃ السنۃ نمبر۶ جلد ۷ میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جب کہ اول سے آخر تک وہی دعوی، وہی مضمون، وہی بات ہے، تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو، کس قدر تعجب ہے۔

یہ عاجز رسالہ ازالۃ الاوہام میں آنمکرم کے ریویو کی بعض عبارتیں درج بھی کر چکا ہے۔ اس عاجز نے جو ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کو خواب دیکھی تھی اس کی سرخی کمینہ تھا، جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں و اللہ اعلم بالصواب

پھر بھی میں آنمکرم کو للہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس سماوی امر میں آپ کا دخل دینا مناسب نہیں۔ مثیل مسیح کا دعوی کوئی امر عند الشرع مستبعد نہیں۔

اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اس عاجز کی دانست میں اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب کے مقابل آپ کی تحریر میں کسی قدر سختی تھی۔ خدا تعالی انکسار اور تذلل کو ہمیشہ پسند کرتا ہے، اور علماء کے اخلاق اپنے بھائیوں کے ساتھ سب سے اعلی درجے کے چاہییں، جس دین کی حمایت اور ہمدردی کے لئے دن رات کوششیں ہورہی ہیں، وہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ اللہ اور رسول کی منشاء کے موافق ہمارے جمیع احوال و افعال و حرکات سکنات ہوجائیں۔

میرے خیال میں اخلاق کے تمام حصوں میں سے جس قدر خدا تعالی تواضع اور فروتنی اور انکسار اور ہر ایک ایسے تذلل کو جو منافی نخوت ہے، پسند کرتا ہے، ایسا کوئی شعبہ خلق کا اس کو پسند نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک سخت بے دین ہندو سے اس عاجز کی گفتگو ہوئی اور اس نے حد سے زیادہ تحقیر دین متین کے الفاظ استعمال کئے۔ غیرت دینی کی وجہ سے کسی قدر اس عاجز نے و اغلظ علیھم (کافروں پر سختی کر) پر عمل کیا۔ مگر وہ چونکہ ایک شخص کو نشانہ بنا کر درشتی کی گئی تھی اس لئے الہام ہوا کہ تیرے بیان میں سختی بہت ہے، رفق چاہیے رفق۔ اور اگر ہم انصاف سے دیکھیں تو ہم کیا چیز، ہمارا علم کیا چیز؟ اگر سمندر میں ایک چڑیا منقار مارے تو اس سے کیا کم کرے گی۔ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ جیسے ہم درحقیقت خاکسار ہیں، خاک ہی بنے رہیں۔ جب کہ ہمارا مولی ہم سے تکبر

اورنخوت پسند نہیں کرتا تو کیوں کریں ۔ ہمارے لئے ایسی عزت سے بے عزتی اچھی ہے جس سے ہم موردعتاب ہو جائیں۔

(مولوی نورالدین کو) آپ کی تحریر اگر اس طرح پر ہوتی کہ

جس قدر خدا تعالی نے میرے پر کھولا ہے، اگر آپ مہربانی فرما کر ملیں یا میں ملوں ،تو بیان کرونگا ،

تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ حالت اندرونی سے انسان کے منہ سے الفاظ نکلتے ہیں، وہی رنگ الفاظ میں بھی آ جاتا ہے۔ میں نے اس فیصلہ میں مولوی نورالدین صاحب کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔اور محض للہ آنمکرم کی خدمت میں عرض کی گئی ہے۔

اس عاجز کو پختہ طور پر معلوم نہیں کہ کس تاریخ اس جگہ سے یہ عاجز روانہ ہو۔بعض موانع پیش آ گئے ہیں ۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ شائد ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہو جاؤں اس صورت میں بالفعل ملاقات مشکل معلوم ہوتی ہے ۔لہذا اطلاعاً آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں کہ اس عاجز کے لئے بٹالہ تشریف نہ لاویں کیونکہ کوئی پختہ معلوم نہیں ۔ جس وقت خدا تعالی چاہے گا، ملاقات ہو جائیگی ۔غلام احمد از قادیان ۲۲ فروری ۱۸۹۱ء

(جلال دین شمس نے قادیانی خزائن میں اس خط کی تاریخ ۲۱ فروری نقل کی ہے)

☆ اس کا جواب حضرت بٹالوی نے یوں دیا

لاہور ۲۴ فروری ۱۸۹۱ء ۔ مکرمی جناب مرزا صاحب ۔ میں بٹالہ (آنے) کو تیار تھا کہ آپ کا خط موصول ہو کر مانع ہوا۔آئندہ آپ جب عزم بٹالہ کریں مجھے دو روز پیشتر اطلاع دیں۔

جو امکان میں ریویو براہین احمدیہ میں بیان کر چکا ہوں اس کا اب بھی قائل ہوں مگر آپ نے اس امر ممکن سے، جس کا امکان میں نے تجویز کیا تھا، بڑھ کر ان رسائل میں دعوی کیا ہے۔لہذا آپ کے لئے اس ریویو کی عبارات کافی ومفید نہ ہوں گی ۔آپ ان عبارات کو میرے سامنے پیش کرنے کے بغیر ان سے استشہاد کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے ۔بہتر ہے کہ آپ میری کلام کو مجھے دکھا کر شائع کریں۔

صاحب البیت ادری بما فیہ (گھر والا اپنے گھر کی چیز کا حال خوب جانتا ہے)۔

رفق و ملاطفت و انکسار اختیار کرنے کے باب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سرا سر حق ہے۔ مگر میں نے مولوی حکیم نورالدین صاحب کے خط میں (جس کی نقل آپ کے پاس بھیجی گئی ہے) کوئی کلمہ تکبر و تشدد نہیں لکھا۔

عزیزم منشی نجف علی نے مجھے کہا ہے کہ (میرا) یہ کلمہ

. ان (مرزا) کی بابت کچھ سننے اور کہنے کا حوصلہ ہے تو آیئے .

سخت ہے۔ آپ بھی اسی کو سخت سمجھتے ہیں تو میں سچ کہتا ہوں (جیسا کہ میں منشی نجف علی کو کہہ چکا ہوں) کہ میں نے یہ کلمہ اس غرض سے نہ لکھا تھا کہ ان (مولوی نورالدین) کو علم اور لیاقت کے لحاظ سے حوصلہ ہے، تو آویں۔ بلکہ صرف اس نیت سے لکھا تھا کہ اپنے پیر پر اعتراض سننے کا حوصلہ یعنی صبر ہے تو آویں۔ اور اگر پہلے کی طرح طاقت صبر نہ ہو اور اعتراض سن کر خفا ہو جانا ہو تو خیر۔ یہ مطلب اس کلمہ سے پہلے فقرہ سے صاف مفہوم ہوتا ہے مگر حسن ظنی ہو تو سمجھ میں آوے۔

اور اگر آپ کسی اور کلمہ کو سخت سمجھتے ہیں تو اس سے مجھے اطلاع دیں۔ میں اس کلمہ کی نسبت اپنی نیت کو دیکھونگا۔ پھر اس میں فساد پاؤں گا تو اس سے توبہ کرونگا۔

آپ نے میری تحریر کی نسبت تو رائے ظاہر فرمائی مگر حکیم صاحب کی تحریر کی نسبت کچھ نہ فرمایا، کہ میں نے خواہ کسی نیت، بھلی یا بری، سے ان کو یہ کلمہ یا کوئی اور کلمہ لکھا، مگر جو جواب انہوں نے تحریر فرمایا وہ درست و بجا ہے؟ اور ایک روحانی اور نورانی آدمی ایک طالب تحقیق کو ایسا جواب لکھ سکتا ہے؟

دہلی کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث کے پاس آپ کے رسائل نہیں پہنچتے۔ مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس رسائل بھیج دیں۔ حکیم صاحب کے سپرد یہ امر نہ کریں۔ وہ ان لوگوں کے پاس رسائل نہ بھیجیں گے، جن کو وہ اپنے مذاق کے موافق نہیں سمجھتے۔ اس امر کی تصدیق چاہیں تو ان سے ان لوگوں کی فہرست طلب کریں جن کے نام انہوں نے رسائل روانہ کیئے ہیں۔

اخیر میں، میں بھی آپ کو نصیحت کرتا ہوں (جیسے کہ آپ نے مجھے نصیحت کی ہے) کہ آپ اس دعوی سے کہ میں مسیح موعود ہوں، عیسی بن مریم موعود نہیں ہے، دست کش ہو جائیں۔ یہ امر آسمانی نہیں ہے اور نہ یہ الہام رحمانی ہے۔ یہ صرف آپ کا خیال ہے

جس کو آپ الہام سمجھ بیٹھے ہیں ۔ اس دعوی الہام میں اگر آپ سچے ہوں گے تو بخاری و مسلم وغیرہ کتب صحاح مہمل و بے کار ہو جائیں گی ۔ بلکہ دین اسلام کے اکثر اصول و امہات مسائل بے اعتبار ہو جائیں گے ۔

آپ کا ناصح مشفق ابوسعید محمد حسین

جلال دین شمس قادیانی نے لکھا ہے کہ اس خط کا مرزا صاحب نے جواب نہیں دیا ۔ اور ۳ مارچ کو وہ قادیان سے لدھیانہ چلے گئے ۔ پھر ۶ مارچ کو مولوی محمد حسین صاحب نے مرزا صاحب کو خط لکھا ۔ جو یہ ہے

☆ لاہور ۶ مارچ ۱۸۹۱ء ۔ مکرمی جناب مرزا صاحب ۔ میرے خط (۲۴ فروری) کا آپ نے جواب نہیں دیا ۔ میں منتظر ہوں ۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے لکھا تھا کہ آپ ۸ مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور میں آ کر ایک مجلس علماء میں گفتگو کریں گے ۔ آج معلوم ہوا کہ آپ ماہ اپریل میں مجمع کرنا چاہتے ہیں ۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ماہ اپریل میں، میں ہندوستان میں ہونگا ۔ اور سنا ہے کہ مولوی احمد اللہ صاحب و مولوی عبدالجبار صاحب بھی ان دنوں سفر کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ لہذا آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ابھی کریں ورنہ ہم لوگ جو ارادہ رکھتے ہیں آپ پر ظاہر کر چکے ہیں ۔ پھر آپ کو افسوس و شکایت کا موقع و محل نہ رہے گا ۔ اس کارڈ کی ایک نقل قادیان بھیجی گئی ہے ۔

ابوسعید محمد حسین

(اصل خط لودہانہ بھیجا گیا، جہاں مرزا صاحب تین تاریخ مارچ کو بلا اطلاع خاکسار پہنچ گئے ۔ اگر آپ اطلاع دیتے تو میں امرتسر یا بٹالہ میں آپ کو ملتا ۔ محمد حسین)

☆ مرزا صاحب نے اس کا جواب یوں دیا ۔

نحمدہ و نصلی ۔ مخدومی اخویم مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ آج لدھیانہ میں آپ کا محبت نامہ مجھ کو ملا ۔ بظاہر مجھے گفتگو میں کچھ فائدہ معلوم نہیں دیتا ۔ مجھے خدا تعالی نے ایک علم بخشا ہے جس کو میں چھوڑ نہیں سکتا ۔ ایسا ہی آپ بھی اپنی رائے کو چھوڑنے والے نہیں ۔ مجھے ایک ایسا سبیل بخشا گیا ہے جو معرض بحث میں نہیں آ سکتا و لیس الخبر کا لمعاینۃ ۔ ہاں اس نیت سے میں مجلس علماء میں حاضر ہو سکتا ہوں کہ شائد خدا تعالی حاضرین میں سے کسی کے دل کو اس سچائی کی طرف کھینچے، جو

اس نے اس عاجز پر ظاہر کی ہے۔ سو اگر شرائط مندرجہ ذیل آپ قبول فرمائیں تو میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

۱۔ اس مجمع میں حاضر ہونے والے صرف چند ایسے مولوی صاحب نہ ہوں جو مدعی کا حکم رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مجھ سے بجز اس صورت کے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے کہ میں ان کے خیالات واجتہادات کا اتباع کروں۔ اور میری طرف سے بار بار ان کو یہی جواب ہے کہ ان ہدی اللہ ہو الہدی۔ اگر یہ مجمع کسی قدر عام مجمع ہوگا اور ہر ایک مذاق اور طبیعت کے آدمی اس میں ہوں گے، تو شائد کوئی دل حق کی طرف توجہ کرے اور مجھے اس کا ثواب ملے۔ سو میں چاہتا ہوں کہ یہ مجلس صرف چند مولوی صاحبوں میں محدود نہ ہو۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ بحث جو محض اظہاراً للحق ہوگی، تحریری ہوگی۔ کیونکہ بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ صرف زبانی باتیں کرنا آخر منجر بفتنہ ہوتی ہیں۔ اور بجز چند حاضرین کے دوسروں کو ان کی نسبت رائے لگانے کا موقعہ نہیں دیا جاتا، اور کیسی ہی عمدہ اور محققانہ باتیں ہوں، جلدی بھول جاتی ہیں۔ اور جن لوگوں کو غلو یا دروغ بیانی کی عادت ہے، خواہ وہ کسی گروہ کے ہیں، ان کو جھوٹ بولنے کی بہت سی گنجائش نکل آتی ہے۔ کوئی شخص محنت اٹھا کر، اور ہر ایک قسم کے اخراجات سفر کا متحمل ہو کر، اور بہت سی مغز خواری کرنے کے بعد کب روا رکھ سکتا ہے، کہ غیر منتظم طریق کی وجہ سے تمام محنت اس کی ضائع جائے اور طالب حق کو اس کی تقریر سے فائدہ نہ پہونچ سکے۔ سو تحریری بحث کا ہونا ایک شرط ہے۔

۳۔ اس مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیے، جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے، اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہو سکتا، اور مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کی رو سے کافر اور ملحد ٹھہرانے والے تو میاں مولوی عبدالرحمٰن لکھوکی والے ہیں (یہ مولوی صاحب پنجاب کے مشہور مقتداء مولوی محمد بن بارک اللہ صاحب تفسیر محمدی کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اور حضرت مولانا وشیخنا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم کے خلیفہ، ہمارے اعتقاد میں یہ بڑے با خدا، ذاکر اور صاحب خشیت ہیں۔ اکثر بات سوچ کر منہ سے نکالتے ہیں، مگر مزاج میں قدرتی تیزی ہے۔ اوائل عمر میں

معقولات کے پڑھنے کا اثر ہے، اور اپنے مخالفین اعتقاد پر تشدد کی عادت ہے۔محمد حسین) اور جہنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں، جن کے الہامات کے مصدق و پیرو مولوی عبدالجبار ہیں (مولوی عبدالجبار صاحب، حضرت مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم کے صاحب زادہ ہیں اور ان کے جانشین ہیں۔ اور میاں عبدالحق صاحب اس خاندان کے تلامذہ اور اصحاب سے ہیں۔ یہ لوگ الہامی کہلاتے ہیں۔محمد حسین) سوان تینوں کا جلسہ بحث میں حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ مباہلہ کا بھی ساتھ ہی قضیہ طے ہو جائے، اور اگر مولوی صاحب باہم مسلمانوں کے مباہلہ کو صورت پیش آمدہ میں ناجائز قرار نہ دیں تو مباہلہ بھی اسی مجلس میں ہو جائے کیونکہ یہ عاجز اکثر بیمار رہتا ہے۔ بار بار سفر کی طاقت نہیں۔

۴۔ یہ کہ تحریری بحث کے لئے تمام مخالف الرائے مولوی صاحبوں کی طرف سے آپ منتخب ہوں۔ کیونکہ یہ عاجز نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ لعن طعن اور تو تو میں میں متفرق لوگوں کا سنے۔ ایک مہذب اور شائستہ آدمی تحریری طور پر سوالات پیش کرے، کہ اس عاجز کے اس دعوی میں، جس کی الہام الٰہی پر بنا ہے، کیا خرابیاں ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جاوے۔ سو اس عاجز کی دانست میں اس کام کے لئے آپ سے بہتر اور کوئی نہیں۔

۵۔ یہ آپ کا اختیار ہے کہ جس تاریخ میں آپ گنجائش سمجھیں مجھے اور اخویم مولوی نورالدین صاحب کو اطلاع دیں۔ چونکہ یہ عاجز بیمار ہے اور مرض ..... سے لاچار اور ضعیف بہت ہے، اس لئے اخویم مولوی نورالدین صاحب کا شامل آنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس عاجز کی طبیعت زیادہ علیل ہو جائے، جیسا کہ اکثر دورہ مرض کا ہوتا رہتا ہے، اور زیادہ بات کرنے سے سخت دورہ مرض کا ہوتا ہے، اس صورت میں مولوی صاحب موصوف حسب منشاء اس عاجز کے مناسب وقت کاروائی کر سکتے ہیں۔

۶۔ اگر آپ ہندوستان کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں، تو لدھیانہ راہ میں ہے۔ کیا بہتر نہیں کہ لدھیانہ میں ہی یہ مجلس قرار پائے۔ یہ عاجز بیمار ہے۔ حاضری سے عذر کچھ نہیں، مگر ایسی صورت میں مجھے بیماری کی حالت میں شدائد سفر اٹھانے سے امن رہے گا۔ ورنہ جس جگہ غزنوی صاحبان اور مولوی عبدالرحمٰن (اس عاجز کو ملحد اور کافر قرار دینے والے) یہ جلسہ منعقد ہونا مناسب سمجھیں تو اسی جگہ یہ عاجز حاضر ہو سکتا ہے۔

مکرر یہ کہ ۲۳ مارچ ۱۸۹۱ء تاریخ جلسہ مقرر ہوگئی ہے اور یہ قرار پایا ہے کہ بمقام امرتسر یہ جلسہ ہو۔ اشتہارات عام طور پر اپنے واقف کاروں میں یہ عاجز شائع کر دے گا۔ ایسا ہی آپ کو بھی اختیار ہے۔ آپ بواپسی ڈاک جواب سے مطلع فرماویں کہ جواب کا انتظار ہے۔

خاکسار غلام احمد از لدھیانہ محلّہ اقبال گنج مکان شاہزادہ غلام حیدر ۸۔ مارچ ۱۸۹۱ء

(شائد آپ، مرزا، کے ذہن میں تاریخ مقرر ہوگئی ہے۔ کیونکہ نہ آپ کے فریق مقابل نے اس تاریخ کو تسلیم کیا ہے، نہ جلسہ کے ذمہ داروں نے۔ ان میں سے ایک، فتح علی شاہ تو حج کو چلے گئے، دوسرے، حافظ محمد یوسف نے آپ کو صاف جواب دے دیا اور یہ لکھا تھا کہ اس باب میں آپ محمد حسین سے جب چاہیں گفتگو کر لیں۔ ۸ تاریخ مارچ کی حاضری میسر نہیں ہوئی تو اب اور تاریخ میں جلسہ کرا دینے کے ہم ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ پھر معلوم نہیں کہ اس تقرری تاریخ سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ محمد حسین)

☆ اس خط کا جواب حضرت بٹالوی نے یوں دیا۔

۹۔ مارچ ۱۸۹۱ء مکرمی جناب مرزا صاحب

آپ کو معلوم ہے کہ تجویز مجمع علماء کی تحریک میری طرف سے نہیں ہوئی۔ لہذا میں ان شرائط کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا، جو میری ذات خاص سے متعلق نہ ہوں۔ مجمع کے متعلق جو شرائط آپ تسلیم کرانا چاہتے ہیں ان لوگوں سے کرائیں جو آپ کے مدعی ہیں یا محرک سلسلہ مجمع ہیں۔ میں نہ مدعی ہوں نہ محرک۔ میں تو صرف دوستانہ اور برادرانہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے نہ کسی مجمع کی حاجت ہے نہ کسی شرط کی ضرورت۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب پھر لکھتا ہوں کہ آپ ایک شب کے لئے میرا آنا کافی سمجھتے ہیں تو میں آپ کے پاس آتا ہوں۔ اور اگر زیادہ وقت چاہتے ہیں تو آپ تشریف لاویں۔ میں دعوی کے ساتھ تو نہیں کہتا مگر امید پر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اس خاکسار ناچیز کو اپنے دعاوی تسلیم کرا دیں گے، اور ان کو نصوص حدیثیہ سے مطابق کر کے دکھا دیں گے تو میں مولوی عبد الجبار صاحب و مولوی عبد الرحمٰن صاحب کو، گو آپ کے تابع اور موافق نہ کر سکوں مگر، خاموش اور غیر معارض و غیر معترض تو ضرور کر دونگا انشاء اللہ تعالی۔ اور اگر آپ دونوں شق قبول نہ کریں تو تحریری گفتگو مسائل پر شروع کر دیں۔ پس اگر آپ کے دلائل یہی ہیں جو توضیح المرام اور فتح اسلام میں ہیں، تو مجھے اجازت دیں کہ

میں ان پر شرعی بحث وکلام کروں ۔ اور اگر اور بھی دلائل ہیں جو ازالۃ الاوہام میں مکنون ہیں، تو آپ ازالہ اوہام کو جلد میرے پاس بھیج دیں ۔ یا بصورت توقف طبع رسالہ اس کے دلائل کا خلاصہ خطوط کے ذریعہ سے ظاہر کریں ۔ انشاء اللہ یہ تحریری گفتگو اس انداز سے چلتی رہے گی جس انداز سے اب تک میری اور آپ کی مراسلت ہو رہی ہے ۔

آپ کا ناصح مشفق ابوسعید محمد حسین

☆ اس کا جواب مرزا صاحب نے یہ دیا ۔

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب ۔ عنائت نامہ پہنچا ۔ اس عاجز کے لئے بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے

(آپ کی یہ حالت جو کئی سال پہلے سے ہے، آپ کے دعوی مثیل مسیح ہونے کو توڑ رہی ہے ۔ مثل اور مثیل ہونے کے لئے بہمہ وجوہ پوری مشابہت کا ہونا شرط ہے ۔ اور آپ خود اس مشابہت تامہ کے براہین کے صفحہ ۴۹۱ میں مدعی ہیں ۔ چنانچہ آپکے اور ہمارے خطوط آئندہ میں یہی لفظ مشابہت تامہ براہین سے نقل کیا گیا ہے ، اور حضرت مسیح کا یہ حال تھا کہ وہ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرتے ، اندھے مادر زاد اور کوڑھی کو اچھا کرتے ۔ آپ کیسے مثیل مسیح ہیں کہ اپنے آپ کو اچھا نہیں کر سکتے ؟ آپ کے مرید اسی مشابہت تامہ کی نظر سے آپ کی شان میں اشعار ذیل لکھ چکے ہیں

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا

مگر اپنا حال دیکھ کر آپ کو اور آپ کے مریضوں کو اب یہ شعر پڑھنا مناسب معلوم ہوتا ہے

جو طبیب اپنا تھا وہ خود مرض سے ناچار ہے مژدہ باد اے مرگ، عیسی آپ ہی بیمار ہے

میرے عزیز دوست ثبت العرش ثم انقش ۔ پہلے آپ اپنے لئے مسیح بنیں اور خود صحت حاصل کریں پھر اور بیماروں کے لئے مسیح ہونے کا دعوی کریں ۔

اور اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ میں صرف روحانی مسیح ہوں ، روحانی امراض کا علاج کرنے آیا ہوں، لہذا میرا خود بیمار رہنا اس دعوی مسیحائی کے منافی نہیں ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ مشابہ مسیح کہلاتے ، مثیل مسیح ہونے کا دعوی نہ کرتے ۔ مثیل بھی کیسے؟ آسمانی نشان دکھانے کے مدعی ۔ آپ یہی نشان آسمانی کیوں نہیں دکھاتے کہ خود بیمار نہ ہوں، اور صحت وتوانائی حاصل کر کے

اس کام کو پورا کریں جو آپ کے ذمہ مسلمانوں کا ایک دین (قرض) لازم ہے۔ وہ کام براہین احمدیہ کا اتمام ہے جس کے عوض میں آپ مسلمانوں سے ہزار ہا روپیہ وصول کر چکے ہیں۔

یہ نشان دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو آپ آسمانی نشان دکھلانے کے دعوی سے دست بردار ہو جائیں۔ اور مثیل مسیح ہونے کے دعوی کی غلطی کا اشتہار دیں۔ حضرت مسیح ابن مریم سے کسی خاص امر میں مشابہت ہے تو صرف شبیہہ یا مشابہ مسیح کہلائیں۔ اور قرآن اور محاورات عرب کی طرف رجوع فرما کر یہ امر اپنے خیال میں لاویں کہ مماثلت کیلئے تامہ مشابہت کا ہونا شرط ہے۔ محمد حسین)

اور کچھ کچھ علالت تو دن رات شامل حال ہے۔ اگر زیادہ گفتگو کروں تو دورہ مرض شروع ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دورہ شامل حال ہے۔

(اس صورت میں جلسہ عام میں گفتگو کرنے کا کیوں دعوی کرتے ہیں۔ وہاں حکیم نوردین کی امداد کا بھروسہ ہے، تو جلسہ خاص کے لئے کیوں ان کو نہیں بلا لیتے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ فریق مقابل سے آپ خاص کر اسی خاکسار کو گفتگو کیلئے منتخب کرنا چاہتے ہیں، جس کو فریق ثانی بھی، امید ہے کہ پسند کریں گے، پھر آپ کی طرف سے بوقت دورہ مرض حکیم صاحب پیش ہوں اور جو گفتگو ہو وہ تحریری ہو۔ جو آخر چھپ کر عام میں مشتہر ہو۔ تو اس صورت میں یہ جلسہ خاص، جلسہ عام کے حکم میں ہو جائے جو فائدہ آپ جلسہ عام سے مدنظر رکھتے ہیں، اس جلسہ خاص سے حاصل ہو۔ بہتر ہے کہ آپ اس جلسہ کا موقعہ دیں، مگر اس میں جلدی کریں تو میں اس جلسہ کیلئے اپنا سفر ملتوی کر سکتا ہوں، محمد حسین)،

چونکہ آپ کا آخری خط آیا، معلوم ہوتا تھا کہ گویا بشمولیت مولوی عبدالجبار صاحب لکھا گیا ہے، اس لئے جواب اس طرز سے لکھا گیا تھا۔ یہ عاجز غلبہ مرض سے بالکل نکما ہو رہا ہے۔ یہ طاقت کہاں ہے کہ مباحث تقریری یا تحریری شروع کروں

(اس چال کو دیکھیں کہ کہیں مباحثہ سے انکار ہے، کہیں تحدی واقرار ہے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ خلوت اور دوستانہ گفتگو کی طرف بلایا جاتا ہے تو ضعف و بیماری کے عذر سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور مجلس عام میں مباحثہ کرنے کو مستعدی ظاہر کی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مستعدی صرف اس وجہ سے ہے کہ انعقاد مجلس عام کی ان کو امید نہیں، لہذا بےفکری سے دعوی کیا جاتا ہے۔ محمد حسین)،

محض خدا کے فضل سے یہ تینوں رسالے لکھے گئے اور وہ بھی اس طرح کہ اکثر دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر کو لکھتا گیا، اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہو۔ اتنی فرصت نہیں ہوتی جو عبارت کو عمدگی سے درست کر دیا جائے۔ آپ کے

معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک امی اور جاہل آدمی ہے ،نہ عبادت ہے۔نہ ریاضت، نہ علم نہ لیاقت۔غرض کچھ بھی چیز نہیں

(یہ الفاظ آپ کے دل میں ہوتے اور تواضعاً لکھے جاتے تو یہ آپ کی فضیلت اور کمال ثابت کرتے۔مگران الفاظ کا لکھا جانا لوگ تب مانتے جب کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب ساکن علی گڈھ کے حامی ڈاکٹر جمال الدین نامی کے آپ کے حق میں اس قدر کہنے پر کہ،

آپ علمی لیاقت نہیں رکھتے اور اپنی عجز بیانی اور خوف امتحانی کی وجہ سے (آپ نے) علی گڈھ میں وعظ کہنے سے انکار کیا تھا،

آپ ناخوش نہ ہوتے اور ان الفاظ کے سبب غیظ وغضب میں آکر بے چارہ ناکردہ گناہ مولوی محمد اسماعیل کے حق میں رسالہ فتح اسلام کے صفحہ ۳۲ میں یہ کلمات نہ لکھتے

. رہی یہ بات کہ آپ کی عالمانہ عظمت اور ہیبت سے میں ڈر گیا ہوں۔تو اس کے جواب میں آپ یقیناً سمجھیں کہ جو لوگ تاریکی اور نفسانی ظلمتوں میں مبتلاء ہیں اگر وہ دنیا کے تمام فلسفہ اور طبعی کے جامع بھی ہوں، تب بھی میری نگاہ میں ایک مرے ہوئے کیڑے سے ان کی زیادہ وقعت نہیں۔مگر آپ اس مرتبہ علم کے آدمی بھی نہیں، صرف پرانے خیالات کے ایک خشک ملا ہیں اور وہی کمینگی جو تاریک خیال ملاؤں میں ہوا کرتی ہے، آپ کے اندر موجود ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ اکثر میرے پاس محقق اور جامع فنون اور معلومات وسیع رکھنے والے آتے اور اسرار ومعارف سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں کہ اگر میں ان کے مقابل پر آپ کو طفل مکتب بھی کہوں تو اس قدر کلمہ سے بھی آپ کو وہ عزت دونگا جس کے آپ مستحق نہیں۔محمد حسین)،

خدا تعالی کی طرف سے ایک امر تھا اور قطعی اور یقینی تھا۔اس عاجز نے پہنچا دیا۔ ماننا، نہ ماننا، اپنی اپنی رائے اور سمجھ پر موقوف ہے۔ درحقیقت میرے لئے یہ کافی تھا کہ میں صرف الہام الہی کو ظاہر کرتا کہ شائد لوگ اس سے نفع اٹھاویں۔

(کافی نہیں بلکہ لازمی اور ضروری تھا کہ اگر آپ اس الہام کو الہام سمجھتے تھے تو اس کو اپنے خاص حواریوں ظاہر فرماتے، نہ یہ کہ اردو زبان میں چھاپ کر تمام جہان میں شائع کرتے۔اہل اللہ پر جو ایسے معارف وحقائق کھلتے ہیں، جن پر ظاہر شریعت کی شہادت نہیں ہوتی، تو وہ ان کو عامہ متعبدین شریعت پر ظاہر نہیں کیا کرتے۔ کبھی کسی سے نہ سنا ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام یا کسی اور ولی نے اپنے ایسے مکاشفات کا اشتہار دیا ہو، اور ظاہر شریعت کا کچھ لحاظ نہ کیا ہو۔ اس قسم کے اشتہارات کے

سبب آپ کے دوست، جو آپ پر حسن ظنی رکھتے تھے اور آپ کو الہامی جانتے تھے، وہ بھی آپ سے ناخوش ہوگئے ہیں۔ جو کلمات وہ کہتے ہیں ہم ان کو بخوف ملال خاطر سامی نقل نہیں کر سکتے۔ محمد حسین)

لیکن میں نے اپنے رسالوں میں قال اللہ و قال الرسول کا بیان اس لئے مختصر سا کر دیا ہے

(قال اللہ، قال الرسول کا کیا بیان کیا؟ نیچریت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا۔ الفاظ قرآن، جبریل، لیلۃ القدر، نزول ملائکہ، قبض ارواح وغیرہ، کے وہ معنی کئے کہ اس میں نیچریوں کے بھی کان کاٹے۔ بلکہ آریہ اور برہمو سماج کے، جن کے رد و مقابلہ کے آپ بظاہر مدعی ہیں، اصول اختیار کئے۔ آپ اس قال اللہ و قال الرسول کے بیان سے خاموش رہتے تو آپ کے حق میں بہتر تھا۔ محمد حسین)

مجھے اس سے کچھ بھی انکار نہیں کہ خدا تعالی آئندہ کسی کو اس کی روحانی حالت کے لحاظ سے درحقیقت مسیح بنا کر دمشق کی شرقی طرف اس طور سے اتار دے

(اب اس قسم کا اقبال و اقرار آپ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ اور آپ کو اس حدیث صحیح مسلم کا مصداق نہیں بناتا جس میں مسیح کے مشرق دمشق میں اترنے کا بیان ہے۔ اس حدیث میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے، نہ کہ کسی روحانی مسیح یا مثیل مسیح کا۔ اور جس حالت میں آپ اس خط میں اور عبدالحق غزنوی کی درخواست مباہلہ کے جواب میں، جس کو آپ پنجاب گزٹ میں مشتہر کر چکے ہیں، صاف اظہار کر چکے ہیں کہ ابن مریم فوت ہوگیا ہے، وہ اپنے خاکی وجود سے آسمان سے نہ اترے گا، تو پھر ان اقراروں سے آپ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ محمد حسین) ....ا

براقم غلام احمد

اس خط کا جواب حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور سے دیا جس کے جواب میں مرزا صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور جلال الدین شمس نے قادیانی خزائن کی جلد۴ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ۲۹ مارچ ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ سے (مولوی محمد حسین کو لاہور) ایک خط پہنچا جو نہ تو مرزا صاحب کے قلم سے تھا، نہ ان کے دستخط اس پر ثبت تھے۔ اور اس کے ساتھ مرزا صاحب کا اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء بھی تھا۔ مولانا بٹالوی نے یہ لکھ کر اس خط کو واپس کر دیا کہ اس پر مرزا صاحب کے دستخط نہیں ہیں۔ پھر یکم اپریل ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے یہ لکھ کر اسی خط کو واپس بھیجا کہ

یہ اس عاجز کی منشاء کے موافق ہے۔

☆ اس کے جواب میں مولوی محمد حسین صاحب نے لکھا

. اس خط اور اشتہار (۲۶ مارچ) سے آپ نے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو قطع کر دیا۔ اور مخاصمانہ مباحثہ کی بنا کو قائم و مستحکم کر دیا۔ لہذا ہم بھی آپ سے دوستانہ و برادرانہ بحث بلکہ پرائیویٹ ملاقات نہیں چاہتے۔ اور مخاصمانہ مباحثہ کے لئے حاضر و مستعد ہیں. (دیباچہ۔ خزائن ج ۴ ص ۶۔۷)۔

☆ مرزا صاحب کے اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کا مضمون درج ذیل ہے۔

ناظرین پر واضح ہو کہ مسیح ابن مریم کے نزول کی حقیقت جو خدا تعالی نے اس عاجز پر کھولی ہے جس کے بارے میں کچھ تھوڑا سا رسالہ فتح اسلام اور توضیح مرام میں ذکر ہے اور رسالہ ازالہ اوہام میں مبسوط اور مفصل طور پر اس کا بیان ہے۔ ایسا ہی ملائکہ اور لیلۃ القدر اور معجزات مسیح کے بارے میں جو کچھ ان رسالوں میں لکھا گیا ہے، قبل اس کے جو علماء اسلام غور سے ان مباحث کو پڑھیں اور تدبر سے ان کے مطلب کو سوچیں، یونہی مخالفانہ خیالات خلق اللہ میں پھیلا رہے ہیں اور عوام الناس کو اپنے بے اصل وساوس سے ہلاک کرتے جاتے ہیں حالانکہ رسالہ توضیح مرام کے آخر میں نصیحتاً لکھا گیا تھا کہ جب تک تینوں رسالوں کو دیکھ نہ لیں کوئی رائے ظاہر نہ کریں۔ مگر وہ آخر تک صبر نہ کر سکے.... ان مولوی صاحبوں کے بیانات کا ان (عوام) کے دلوں پر سخت اثر پڑا ... لہذا... یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے کہ اگر ان کو اس عاجز کے دعاوی مذکورہ بالا کے قبول کرنے میں شرعی عذر ہو ... تو وہ ایک عام مجلس مقرر کر کے تحریری طور پر اس عاجز سے مقاصد مذکورہ بالا میں مباحثہ کر لیں ... اختصار اور حفظ اوقات کی غرض سے اپنے کل دلائل اول پرچہ ہی میں پیش کر دیں اور اس عاجز کی طرف سے بھی صرف ایک پرچہ اس کے جواب میں ہوگا... اور تحریرات ہر دو فریق سے ہر ایک حاضر اور غائب کو خوب سوچ کے ساتھ حق کے سمجھنے اور رائے لگانے کا موقع مل جاوے گا۔ اگرچہ کتاب ازالہ اوہام چھپ رہی ہے ... مگر مولوی صاحبان اس کو نہیں دیکھیں گے ... میں بآواز بلند کہتا ہوں کہ ... وہ حق جو میرے پر کھولا گیا ہے وہ یہ ہے کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے.. اس زمانہ کے لئے جو روحانی طور پر مسیح آنے والا تھا جس کی خبر احادیث صحیحہ میں موجود ہے وہ میں ہوں .. اور میں کھول کر کہتا ہوں کہ میرا یہ دعوی صرف مبنی بر الہام نہیں بلکہ سارا قرآن شریف اس کا مصدق ہے۔ تمام

احادیث صحیحہ اس کی صحت کی شاہد ہیں ۔ عقل خداداد بھی اس کی مؤید ہے .....اے حضرات ...آپ لوگ جلسہ کے لئے مقام و تاریخ مقرر کر کے ایک جلسہ عام میں مجھ سے بحث تحریری نہیں کریں گے تو آپ خدا تعالی کے نزدیک اور نیز راست بازوں کی نظر میں بھی مخالف حق ٹھہریں گے اور مناسب ہے کہ جب تک میرے ساتھ بالمواجہ تحریری بحث نہ کرلیں اس وقت تک عوام الناس کو بہکانے اور مخالفانہ رائے ظاہر کرنے سے اپنا منہ بند رکھیں ...اور واضح رہے کہ اس اشتہار کے عام طور پر وہ تمام مولوی صاحبان مخاطب ہیں جو مخالفانہ رائے ظاہر کر رہے ہیں اور خاص طور پر ان سب کے سرگروہ یعنی مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی ۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی ۔ مولوی عبدالرحمٰن لکھو کے والے ۔ مولوی شیخ عبیداللہ بتی ۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی معہ برادران اور مولوی غلام دستگیر قصوری ۔ ۲۶ مارچ ۔ المشتھر مرزا غلام احمد قادیانی (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۴)

☆ دوست محمد قادیانی نے تاریخ احمدیت میں لکھا ہے

جن لوگوں نے مرزا صاحب کے دعوی مسیحیت پر مخالفت کا طوفان اٹھایا ان میں سرفہرست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی تھے ۔ ..مولوی محمد حسین نے فتح اسلام کے ابتدائی صفحات پڑھتے ہی ایک طرف تو حضور (مرزا) کو وہ خط لکھا جس کا ذکر تاریخ احمدیت حصہ دوم صفحہ ۱۹۱ پر آیا ہے دوسری طرف حضرت مولوی (نورالدین) صاحب سے طویل خط و کتابت شروع کردی ۔ اور آپ کو مباحثہ کے لئے لکھا ۔ جس کے جواب میں آپ (مولوی نورالدین) نے ۳ مارچ ۱۸۹۱ء کو لکھا کہ

☆ جناب والا کو خاکسار بہت مدت سے مرزا جی کے خلاف پر مستعد یقین کرتا ہے... جناب سورج کے سامنے نجوم کے شعاع کو کون دیکھتا ہے ابھی مرزا زندہ ہے ۔ میں آپ کے دعاوی اور علم سے ناواقف نہیں اور یہ امر اب پبلک کے سامنے آ گیا ہے ۔ اب پرائیویٹ خط و کتابت بند کیجئے ۔ میں لوگوں سے مباحثہ کروں مجھے اختیار ہے مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عقائد کی اصلاح کروں ۔ اس سے زیادہ میں نہیں لکھتا کہ میں آپ سے مایوس ہوں ۔ بحوالہ اشاعۃ السنۃ ج ۱۳ نمبر ۱ ص ۱۴ ۔ ۱۵، حیات احمد ج ۳ ص ۶۷ ۔ (تاریخ احمدیت، ج ۴ ص ۱۲۹ ۔ ۱۳۰)

☆ اس مراسلہ کے بعد حضرت مولوی (نورالدین) صاحب کو مہاراجہ جموں کے ہمراہ لاہور تشریف لانا پڑا۔ مہاراجہ صاحب ابھی لاہور میں مقیم تھے کہ آپ حضرت مرزا صاحب کی زیارت کے لئے لدھیانہ پہنچے اور ۱۳ اپریل ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ سے دوبارہ لاہور آ کر کوچہ کوٹھی داراں میں منشی امیر الدین صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے۔ دراصل لاہور کے مخلصین جماعت کی خواہش تھی کہ حضرت مولوی نور الدین سے مولوی عبد الرحمٰن صاحب لکھوکے، کی گفتگو کرائیں گے اور آپ اسی لئے لاہور آئے تھے۔ مگر معلوم ہوا کہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب تو کہیں چلے گئے ہیں اور طے پایا کہ مسئلہ حیات و وفاۃ مسیح پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے بالمشافہ تبادلہ خیالات کیا جائے چنانچہ منشی امیر الدین صاحب کے مکان پر ہی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بلوایا گیا شیخ یعقوب علی صاحب جو اس موقعہ پر شامل بحث تھے بیان کرتے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب بڑے طمطراق سے اپنے جبہ کو سنبھالتے ہوئے آئے، وہ ہمیشہ بڑا دامن دراز جبہ پہنا کرتے تھے اور پیچھے سے اٹھا کر ایک ہاتھ میں سنبھالے رکھتے تھے.. اس موقع پر مولوی محمد حسین صاحب نے آپ سے گفتگو کی وہ انہوں نے اشاعۃ السنہ ج ۱۳ ص ۱۹۔۱۳۱ میں شائع کر دی تھی (حاضرین مجلس میں محمد عبداللہ پروفیسر عربی کالج، سید فقیر الدین رئیس و آنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور، شیخ خدا بخش جج شامل تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبد الرحمٰن لکھوی بھی بعد ازاں اس مجلس میں پہنچ گئے تھے)۔ (تاریخ احمدیت ج ۴ ص ۱۳۰۔۱۳۱)

اور حکیم صاحب مباحثے کو ناتمام چھوڑ کر ضروری کام کا بہانہ بنا کر واپس لدھیانہ چلے گئے ۔ دوست محمد قادیانی نے لکھا ہے

☆ مولوی نورالدین صاحب صبح چار بجے سے چار بجے شام تک نزیل لاہور رہ کر رات کی گاڑی سے واپس لدھیانہ تشریف لے گئے جہاں ۱۸۔ اپریل تک قیام فرمایا پھر ۱۹۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو لاہور اور لاہور سے جموں پہنچ گئے۔ ....

(تاریخ احمدیت۔ ج ۴ ص ۱۳۱)

☆ جلال الدین شمس قادیانی نے لکھا ہے کہ ۱۳۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو مولوی نورالدین صاحب، حافظ محمد یوسف کے بلانے پر لاہور پہنچے اور

۱۴۔ اپریل کی صبح کو مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بلایا گیا۔ جب وہ تشریف

لائے تو حافظ محمد یوسف صاحب نے فرمایا کہ آپ کو اس غرض سے بلایا ہے کہ آپ مرزا صاحب کے متعلق حکیم نورالدین صاحب سے گفتگو کریں۔ مولوی محمد حسین نے کہا کہ قبل از بحث مقصود چند اصول آپ سے تسلیم کرانا چاہتا ہوں۔ اور ان اصول سے متعلق گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے بعد اپنے طور پر ان دوستوں نے مولوی نورالدین سے وفات و حیات مسیح ...وغیرہ امور سے متعلق باتیں سنیں۔ اور چونکہ آپ کو واپس جانا ضرور تھا۔ اس لئے آپ لاہور بلانے والوں سے اجازت لے کر واپس لدھیانہ پہنچ گئے ......

۱۵۔اپریل کو مولوی محمد حسین صاحب نے مرزا صاحب کو اس مضمون کا تار دیا

☆ . تمہارے حواری مولوی نورالدین نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گیا، اس کو واپس کریں۔ ورنہ یہ متصور ہوگا کہ اس نے شکست کھائی.

اس تار کے جواب میں مرزا صاحب نے ۱۶۔اپریل کو ایک خط لکھ کو ایک خاص آدمی کے ذریعہ لاہور بھجوایا۔ اس میں لکھا

☆ . آپ کا تار ملا جس میں یہ لکھا تھا کہ تمہارے وکیل بھاگ گئے۔ ان کو لوٹاؤ یا آپ آؤ۔ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے ...اس عاجز کو تعجب ہے کہ آپ نے کیونکر گمان کرلیا کہ ..مولوی حکیم نورالدین صاحب آپ سے بھاگ کر چلے آئے۔ آپ نے کب ان کو بلایا تھا کہ تا وہ آپ سے اجازت مانگ کر آتے۔ اصل بات تو صرف اس قدر تھی کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے مولوی صاحب ممدوح کی خدمت میں خط لکھا تھا کہ مولوی عبدالرحمٰن (لکھوی) صاحب اس جگہ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کو دو تین روز کے لئے ٹھہرالیا ہے، تاکہ ان کے روبرو ہم بعض شبہات آپ سے دور کرالیں، اور یہ بھی لکھا کہ ہم اس مجلس میں مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بلالیں گے۔ چنانچہ مولوی (نورالدین) صاحب، حافظ (یوسف) صاحب کے اصرار کی وجہ سے لاہور پہنچے اور منشی امیرالدین کے مکان پر اترے۔ اور اس تقریب پر حافظ (یوسف) صاحب نے اپنی طرف سے آپ کو بھی بلالیا تھا۔ تب مولوی عبدالرحمٰن صاحب تو عین تذکرہ میں اٹھ کر چلے گئے۔ اور جن صاحبوں نے آپ کو بلایا تھا انہوں نے مولوی صاحب کے آگے بیان کیا کہ ہمیں مولوی محمد حسین کا طریق بحث پسند نہیں آیا۔ یہ سلسلہ تو دو برس تک ختم نہیں ہوگا۔ آپ خود ہمارے سوال کا جواب دیجئے۔ ہم مولوی محمد حسین

صاحب کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے (یعنی بحث بھی ہوئی، جس کا سلسلہ دو برس تک ختم ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ پھر یہ بات کہنے کا کیا مطلب کہ ہم ان کے آنے کی ضرورت نہیں سمجھتے ، بہاء)، اور نہ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔ تب جو کچھ ان لوگوں نے پوچھا مولوی صاحب موصوف نے بخوبی ان کی تسلی کردی۔ یہاں تک کہ تقریر ختم ہونے کے بعد حافظ محمد یوسف صاحب نے با نشراح صدر بآواز بلند کہا کہ اے حاضرین میری تو من کل الوجوہ تسلی ہوگئی۔ اب میرے دل میں نہ کوئی شبہ اور نہ کوئی اعتراض باقی ہے۔ پھر اس کے بعد یہی تقریر منشی عبدالحق صاحب اور منشی الٰہی بخش اور منشی امیر الدین صاحب اور میرزا امان اللہ صاحب نے کی اور بہت خوش ہوکر ان سب نے مولوی (نورالدین) صاحب کا شکریہ ادا کیا اور تہہ دل سے قائل ہو گئے کہ اب کوئی شک باقی نہیں اور مولوی صاحب کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ ہم نے محض اپنی تسلی کرانے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی ،سو ہماری بکلی تسلی ہوگئی آپ بلا جرج تشریف لے جائیں (اگر تسلی ہوگئی تھی تو ان میں سے منشی عبدالحق ،منشی الٰہی بخش اور حافظ محمد یوسف بعد میں مسلمان کیوں ہو گئے تھے؟ اور محمد یوسف اور الٰہی بخش نے تو مرزا صاحب کے رد میں کتابیں بھی لکھیں۔ بہاء) سو انہوں نے ہی بلایا اور انہوں نے ہی رخصت کیا۔ آپ کا تو درمیان میں قدم ہی نہ تھا (صبح سے شام تک بحث کس کے ساتھ ہوئی ؟ اور کس کے ساتھ بحث کو نامکمل چھوڑا گیا؟ بہا).. جب کہ ان سب لوگوں نے کہہ دیا کہ اب ہم مولوی محمد حسین صاحب کو بلانا نہیں چاہتے ، ہماری تسلی ہوگئی... ،تو پھر مولوی (نورالدین) صاحب آپ سے اجازت کیوں مانگتے.....اور اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ بحث ہونی چاہیے جیسا کہ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں تو یہ عاجز بسر وچشم حاضر ہے۔ مگر تقریری بحثوں میں صدہا طرح کا فتنہ ہوتا ہے۔ صرف تحریری بحث چاہیے۔ اور وہ یوں ہو کہ سادہ طور پر چار ورق کاغذ پر آپ جو چاہیں لکھ کر پیش کریں اور لوگوں کو بآواز بلند سنا دیں اور ایک نقل اس کی اپنے دستخط سے مجھے دیدیں، پھر بعد اس کے میں بھی چار ورق پر اس کا جواب لکھوں اور لوگوں کو سناؤں۔ ان دونوں پرچوں پر بحث ختم ہوئے

(مرزا صاحب نے اپنا دعوی اور اس کے تشریحی دلائل تین رسالوں میں پیش کئے تھے اور اس پر تنقید کے لئے وہ چار ورق تجویز کرتے ہیں۔ کیا خوب ہے؟ اور مرزا صاحب کو مباحثے میں چار

ورق لکھنے کی اجازت بھی کیوں ہو۔ کیونکہ ان کا دعوی تو سب کے سامنے تھا اوراس کے دلائل بھی سامنے تھے ؟ کیا وہ کوئی نئے دلائل لکھنا چاہتے تھے جو پہلے سے شائع شدہ رسائل میں موجود نہ تھے ؟ ایسا تھا تو پھران کا جواب بھی سننا چاہیے۔ اگر وہ بحث کا آغاز کرنے والہ محمد حسین کو مانتے ہیں تو اصول مناظرہ کی رو سے آخری پرچہ بھی محمد حسین کا ہونا چاہیے نہ کہ مرزا صاحب کا۔ بہاء)

اور فریقین میں سے کوئی ایک کلمہ تک تقریری طور پر اس بحث کے بارہ میں بات نہ کرے جو کچھ ہو تحریری ہو اور پرچے صرف دو ہوں ۔ اول آپ کی طرف سے ایک چوورقہ جس میں آپ میرے مشہور کردہ دعوی کا قرآن کریم اور حدیث شریف کی رو سے رد لکھیں ۔ اور پھر دوسرا پرچہ چوورقہ اسی تقطیع کا میری طرف سے ہو جس میں، میں ...رد الرد لکھوں اور انہی دونوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے ۔ اگر آپ کو ایسا منظور ہو تو میں لاہور آ سکتا ہوں اور انشاء اللہ تعالی امن قائم رکھنے کے لئے انتظام کرا دونگا۔ یہی آپ کے رسالہ کا بھی جواب ہے۔ اب اگر آپ نہ مانیں تو پھر آپ کی طرف سے گریز متصور ہوگی ۔ والسلام ۔ مرزا غلام احمد از لدھیانہ اقبال گنج ۔ ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء۔

(مرزا صاحب کو محسوس ہو گیا کہ چار ورق کی بات انہوں نے غلط لکھی ہے ۔ اس لئے اسی خط کے آخر پر لکھتے ہیں)

☆ مکرر یہ کہ جس قدر ورق لکھنے کے لئے آپ پسند کر لیں اسی قدر اوراق پر لکھنے کی مجھے اجازت دی جاوے ۔ لیکن یہ پہلے سے جلسہ میں تصفیہ پا جانا چاہیے کہ آپ اس قدر اوراق لکھنے کافی سمجھتے ہیں ۔ اور آنمکرم اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ پرچہ صرف دو ہوں گے ۔ اول آپ کی طرف سے میرے ان دونوں بیانات کا رد ہوگا جو میں نے لکھا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں ، اور نیز یہ کہ حضرت ابن مریم درحقیقت وفات پا گئے ہیں ۔ پھر اس رد کے رد الرد کے لئے میری طرف سے تحریر ہوگی ۔ غرض پہلے آپ کا یہ حق ہوگا کہ جو کچھ ان دعوی کے ابطال کے لئے آپ کے پاس ذخیرہ نصوص قرآنیہ و حدیث موجود ہے وہ آپ پیش کریں ۔ پھر یہ عاجز اس کا جواب دے گا۔ اور بغیر اس طریق کے اور کوئی طریق اس عاجز کو منظور نہیں ۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو پھر میری طرف سے یہ اخیر تحریر تصور فرماویں اور خود بھی خط لکھنے کی تکلیف روا نہ رکھیں اور بحالت انکار ہرگز ہرگز کوئی تحریر یا خط میری طرف نہ لکھیں اور اگر پوری پوری و کامل طور پر بلا کم وبیش

میری ہی رائے منظور ہو تو صرف اسی حالت میں جواب تحریر فرماویں ورنہ نہیں۔ فقط۔

☆ آج ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو آپ کی خدمت میں خط بھیجا گیا ہے اور ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۱ء تک آپ کے جواب کی انتظاری رہے گی۔ اگر ۲۰۔ اپریل تک آپ کا خط نہ پہنچا تو یہ خط آپ کے رسالہ کے جواب میں کسی اخبار وغیرہ میں شائع کر دیا جائے گا۔ فقط۔

☆ آج بھوپال سے آپ کا ایک کارڈ مرقومہ ۹۔ اپریل ۱۸۹۱ء مرسلہ اخویم مولوی محمد احسن صاحب پڑھ کر آپ کے اخلاق کریمہ اور مہذبانہ تحریر کا نمونہ معلوم ہو گیا۔ آپ اپنے کارڈ میں فرماتے ہیں کہ میں نے میرزا غلام احمد کے اس دعوی جدید کی اپنے ریویو میں تصدیق نہیں دی۔ بلکہ اس کی تکذیب خود براہین میں موجود ہے۔ آپ بلارویت مرزا پر ایمان لے آئے تسمع با لصدق خیر من ان تراہ۔ اشاعۃ السنۃ میں اب ثابت ہے کہ یہ شخص ملہم نہیں۔ فقط۔

☆ حضرت مولوی صاحب من آنم کہ من دانم۔ آپ جہاں تک کہ ممکن ہے ایسے الفاظ استعمال کیجئے۔ میں کیا ہوں اور میری شان کیا۔ بے شک آپ جو چاہیں کہیں اور اس وعدہ تہذیب کی پرواہ نہ رکھیں جس کو آپ چھاپ چکے ہیں۔ ربی سمیع و یری والسلام علی من اتبع الھدی۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۰۴۔۲۰۷۔ دیباچہ، قادیانی خزائن ج ۴۔ ص ۷۔۹ جلال الدین شمس۔ یہ خط ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۲۵۔ اپریل ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا تھا)

☆ مرزا غلام احمد کے مکتوبات کی جلد ۴ کا مرتب، صفحہ ۹ کے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ

مرزا صاحب نے ۱۳ مارچ والے خط کی وصولی کے بعد مولوی محمد حسین صاحب سے خط و کتابت کو گونہ بند کر دیا تھا۔ اس لئے کہ مولوی صاحب اصل مطلب کی طرف نہ آتے تھے۔ تاہم آپ (مرزا) نے اتمام حجت کے لئے اشتہار ۳ مئی ۱۸۹۱ء میں علمائے لدھیانہ کو مخاطب کیا۔ اور اس میں مولوی محمد حسن (رئیس لدھیانہ) کو آڑ بنا کر (مولوی محمد حسین نے) پھر (مرزا صاحب سے) خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر چند وہ خطوط مولوی محمد حسن صاحب (رئیس لدھیانہ) کے ہاتھ کے تھے لیکن دراصل ان کی تہہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا ہاتھ اور قلم تھا۔

مکتوبات احمدیہ کی جلد چہارم میں اس کے بعد مرزا صاحب کے وہ خطوط درج

ہیں جو بظاہر محمد حسن لدھیانوی کو، لیکن درحقیقت مولانا بٹالوی کو لکھے گئے تھے۔ان میں سے ایک خط میں، جو صفحہ ۲۲ پر منقول ہے، مرزا صاحب لکھتے ہیں

☆ .اب فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے اور مولوی محمد حسین جس جگہ پہنچتے ہیں، یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص (مرزا) ملحد، دین سے خارج اور کذاب اور دجال ہے .

اور صفحہ ۴۰ پر منقول خط میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

☆ .اے شیخ نامہ سیاہ اس دروغ بے فروغ کے جواب میں کیا لکھوں اور کیا کہوں۔خدا تعالی تجھ کو آپ ہی جواب دیوے کہ تو حد سے بڑھ گیا ہے۔

مرزا صاحب کا مذکورہ بالا اشتہار ۳ مئی ۱۸۹۱ء ہم اپنی کتاب کے حصہ اول میں نقل کر کے بتا چکے ہیں کہ بقول دوست محمد قادیانی اس اشتہار کے شائع ہونے پر

☆ لدھیانہ کے مولوی دبک گئے اور بحث کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایک مرید اور دست و بازو مولوی شاہ دین صاحب تھے۔انہوں نے اپنے پیر و مرشد کو لکھا کہ میں مرزا صاحب سے مباحثہ کروں تو کس طرح کروں اور کس مسئلہ میں کروں ؟ جواب آیا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا تمہارا کام نہیں۔اول تو ٹال دینا اور بات نہ ٹلے اور مباحثہ ہو ہی جائے تو نزول (مسیح) میں بحث کر لینا (مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ خط مرزائیوں نے کہاں دیکھا ؟ بہاء) چنانچہ مولوی شاہ دین صاحب کو جب بحث کے لئے اصرار سے کہا جانے لگا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مرزا صاحب بے علم آدمی ہیں۔میری شان سے بعید ہے کہ ایک بے علم آدمی سے بحث کروں لدھیانہ، دیوبند، سہارنپور، گنگوہ میں اس بارے میں خفیہ مشورے ہوئے کہ کیا کرنا چاہیے۔ (خفیہ تھے تو دوست محمد صاحب کو کیونکر خبر ہوئی ؟ بہاء) لیکن مباحثہ کے لئے کوئی آمادہ نہ ہوا۔

(تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۲۲۹۔۲۳۰)

دوست محمد نے یہ بھی بتایا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے مرزا صاحب کے مباحثہ کی بات بھی چلی لیکن شرائط پر سمجھوتہ نہ ہو سکا اور مباحثہ کی نوبت نہ آئی۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی

☆ دعوت مباحثہ پر اور تو کوئی سامنے نہ آیا۔لیکن مولوی محمد حسین کو اپنے علم پر بہت گھمنڈ تھا اور وہ ابتداء ہی سے مرزا صاحب کو نیچا دکھانے کا فیصلہ کر کے ان سے خط و

کتابت کرنے کے علاوہ حکیم نورالدین صاحب سے بھی نوک جھونک جاری رکھے ہوئے تھے۔اسی ترنگ میں وہ شملہ سے لدھیانہ پہنچے اور آتے ہی شہر میں شور مچا دیا کہ مرزا صاحب کو چاہیے کہ وہ مجھ سے مناظرہ کریں. (تاریخ احمدیت۔ج ۲۔ص ۲۳۷)

ہوا یوں کہ مولانا بٹالوی نے مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ کے ذریعہ مرزا صاحب کو پیغام بھیجا کہ وہ ۹ مئی ۱۸۹۱ء کو پٹیالہ جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے لدھیانہ رکیں گے۔اس لئے وہ ہماری یا اپنی قیام گاہ پر ہمارے ساتھ مباحثہ کے لئے تیار رہیں.

۹ مئی کو مولانا بٹالوی لدھیانہ آئے اور مولوی محمد حسن صاحب کو مرزا صاحب کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ وہ اسی روز ۱۱ بجے کی گاڑی سے پٹیالہ جارہے ہیں۔اس لئے مرزا صاحب ان سے بحث کرنا چاہیں تو ان کے ہاں تشریف لے آئیں۔اور موضوع بحث یہ ہوگا کہ کیا وہ مسیح جس کے قدوم کی احادیث نبویہ میں بشارت دی گئی ہے، آپ ہیں؟ اور اس موضوع پر بحث سے پہلے آپ سے چند بنیادی اصول طے کرائے جائیں گے۔ آپ بھی ایسا کرنا چاہیں تو بصد شوق کریں۔ مرزا صاحب نے کہا

☆ . یہ عاجز بسر وچشم تحریری گفتگو کے لئے موجود ہے۔اصول پیش کرنے کو بھی میں مانتا ہوں ۔ چند سوالات آپ کی طرف سے اور چند سوالات میری طرف سے ہوں ۔ اور امر مبحوث عنہ وفاۃ اور حیاۃ مسیح ہوگا۔کیونکہ اس عاجز کا دعوی اسی بنا پر ہے۔جب بنا ٹوٹ جاوے گی تو یہ دعوی خود بخود ٹوٹ جاوے گا۔اصل امر وہی ہے۔اس وقت ۱۲ بجے تک مجھے بباعث نج کے کاموں کے فرصت نہیں۔بہتر ہے آں مخدوم عید کے بعد یعنی شنبہ کا دن بحث کے لئے مقرر کریں۔

☆ حضرت بٹالوی نے جواب بھجوایا کہ

آپ کے اشتہار میں دونوں دعوی ہیں۔یعنی حضرت مسیح ابن مریم کی رحلت کا دعوی۔اور خود آپ کے مسیح موعود ہونے کا دعوی۔ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا ثابت ہو جائے جیسا کہ آپ کے خط میں مرقوم ہے۔لہذا میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے پر بحث ہو۔پھر حضرت مسیح ابن مریم کی حیاۃ پر گفتگو ہو۔آپ اشتہار میں یہ دونوں دعوی کر چکے ہیں تو آپ دوسرے دعوی کی بحث سے کیوں جی چراتے ہیں؟ آپکو لازم ہے کہ اپنے اعلان کے بموجب دونوں دعاوی

پر بحث کرنے کو مستعد رہیں اور ہماری اس تجویز کو کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے پر بحث ہو، منظور کرلیں، کیونکہ بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعوی پر چاہیں، پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے دوسرے دعوی سے دستبردار ہو جائیں اور اس دست برداری کے متعلق عام اعلان کر دیں تو ہم آپ کے اسی پہلے دعوی پر بحث کرنے کو تیار ہیں.

☆ مرزا صاحب نے کہا

. آپ مسیح کا زندہ ہونا کلام الٰہی سے ثابت کر دیں تو میں اپنے دعوی سے دستبر دار ہو جاؤں گا اور اپنے الہام کو کہ مسیح فوت ہو گیا ہے، شیطانی القاء سمجھ لوں گا.

حضرت بٹالوی نے تحریری جواب بھیجا کہ

آپ (مرزا) نے اپنی تمام تحریروں اور اشتہاروں میں یہ دعوے الگ الگ مستقل حیثیت سے کئے ہیں، بلکہ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوی دوسرے سے مقدم رکھا ہے۔ لیکن اب اس دعوی کو پہلے دعوی کی فرع اور اس کے تابع قرار دیتے ہیں۔ پس آپ صاف الفاظ میں کہہ دیں کہ ہم نے س دعوی کو مستقل ٹھہرانے میں غلطی کی ہے۔ اس اقرار و اعتراف کے بعد آپ کا فرض ہو گا کہ آپ وفاۃ مسیح کو ثابت کریں۔ ہم آپ کے اس دعوی کو توڑیں گے۔

مرزا صاحب نے اس تحریر کا جواب نہیں دیا اور ۲۶ مئی تک ان پر خاموشی طاری رہی۔ ۲۷ مئی کو مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ کو ان کی ایک تحریر موصول ہوئی جس کے مطابق انہوں نے اپنے دعوی مسیحائی پر مباحثہ کرنا منظور کرلیا اور فرمایا کہ شرائط کا تصفیہ مباحثہ سے ایک روز قبل ہو گا۔ مولا بٹالوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے مولوی محمد حسن صاحب کو ہدایت کی مرزا صاحب کی ہر شرط منظور کرلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرائط کی آڑ لے کر مباحثہ سے مکر جائیں۔ یوں ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ میں تاریخ تحفظ ختم نبوت کے موسی و فرعون آمنے سامنے ہوئے۔ اور وہ مباحثہ منعقد ہوا جو مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء کے عنوان سے تاریخ تحریک ختم نبوت میں ایک اہم سنگ میل ہے۔

=☆=

مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء

مابین

حضرت بٹالوی و مرزا قادیانی

طویل خط و کتابت کے بعد حضرت بٹالوی اور مرزا قادیانی کے مابین جولائی ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ میں تحریری مباحثہ ہوا جو بارہ روز تک جاری رہا۔ اس مباحثہ کی تفصیلات مولانا بٹالوی کے ماہنامہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ ص ۲۱۴ تا ۳۲۶، اور جلد ۱۴ ص ۱۱۳ تا ۳۵۲ سے نقل کی جارہی ہیں اور ضرورت کے مطابق قادیانی مطبوعہ مباحثہ الحق لدھیانہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یہ روئداد مولانا بٹالوی نے متکلم کے صیغے میں بیان کی تھی، ہم نے متکلم کو غائب میں تبدیل کر کے اسے نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ اس مباحثے میں ایک شرط یہ تھی کہ مباحث، فریق ثانی یا محتسب فریق ثانی کے سامنے پرچے لکھیں۔ غائبانہ اور علیحدگی میں نہ لکھیں۔

اس شرط پر حضرت بٹالوی کی طرف سے پورا عمل ہوا۔ انہوں نے سب پرچے مرزا صاحب کے سامنے بیٹھ کر لکھے، اور جس وقت مرزا صاحب موجود نہ ہوئے، ان کے وکیل کے سامنے ایک جلسہ میں لکھ کر اس کے ہر ایک صفحہ پر اس کے دستخط کرائے گئے۔ مرزا صاحب نے اس شرط کو یوں توڑا کہ اپنے حرم سرا میں بیٹھ کر آخری پرچہ لکھا۔ جب اس پر حضرت بٹالوی نے اعتراض کیا تو آپ نے اپنے خط مورخہ یکم اگست ۱۸۹۱ء میں یہ عذر بدتر از گناہ کیا کہ آپ کے آدمی کو (جو تحریر وصول کرنے کے لئے ہماری رہائش گاہ پر آیا تھا) کہا گیا تھا کہ جس طرح تمہاری مرضی ہو، لکھا جاوے، اس نے منظور کیا کہ میں باہر بیٹھتا ہوں آپ گھر

میں بیٹھ کر لکھیں۔ حضرت بٹالوی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ جو معاہدہ ہم سے ہوا تھا، ہمارے قاصد کو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہی نہ تھا۔

☆ اس مباحثہ کی شرائط میں یہ بھی شامل تھا کہ جب تک امور پیش شدہ کا تصفیہ نہ ہو، تحریرات فریقین جاری رہیں، اور فریقین اپنی اپنی تحریر کی نقل فریق مقابل کو دیں۔

مرزا صاحب نے اس شرط کا بھی خلاف کیا اور اپنی آخری تحریر کی نقل دینے سے انکار کیا اور مباحثہ کو بلا فیصلہ، ناتمام موقوف کیا۔

حضرت بٹالوی بتاتے ہیں کہ پہلے تو مرزا صاحب نے سب کے سامنے یہ وعدہ کیا کہ ہم نقل آپ کے پاس بھیج دیں گے اور جب دوسرے دن بذریعہ رقعہ نقل کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اس عذر سے نقل دینے سے انکار کیا کہ تم نے شروط مقررہ کا جلسہ میں خلاف کیا تھا، اس لئے تمہارا اب یہ حق نہیں رہا کہ تم کو نقل دی جاوے، اور مرزا صاحب نے بحکم

دروغ گو را حافظہ نہ باشد

یہ نہ سوچا کہ اگر بقول ان کے میں نے شروط کو توڑا تھا تو وہ پہلے دن سے توڑا یا خاص آخری جلسہ میں وعدہ نقل دینے سے پہلے توڑا تھا، اور وعدہ اس کے بعد ہوا۔ پھر وہ وعدہ اس جرم متقدم سے کیونکر واجب الایفاء نہ رہا؟

نیز ازالہ اوہام کے صفحہ ۸۶۳ میں مرزا صاحب نے اس نقل نہ دینے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جس حالت میں یہ عاجز بحث تمہیدی ختم کر چکا تھا تو پھر مولوی (محمد حسین) صاحب کو جواب تحریر کرنے کا کیوں موقع دیا جاتا؟ اگر وہ جواب تحریر کرتے تو پھر میری طرف سے بھی جواب الجواب چاہیے تھا۔ اس صورت سے یہ سلسلہ کب اور کیونکر ختم ہوتا؟

اس وجہ کے بیان کے وقت مرزا صاحب نے یہ بھی نہ سوچا کہ جب تک فریق مخالف اختتام منظور نہ کرتا، تمہیدی بحث کیسے ختم ہو سکتی تھی؟

حضرت بٹالوی یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس نقل نہ دینے سے جو مرزا صاحب سے خلاف ورزی شرط مقررہ ہوئی، یہ ان کے خاص مریدوں پر بہت شاق گذری اور انہوں نے آپ کی مذمت بھی کی۔ اور سچ پوچھو تو میر عباس علی لدھیانوی (جو قادیانیت میں حکیم نورالدین کے بعد اعلیٰ ترین مقام و مرتبے کے حامل تھے) کا آپ سے الگ ہونا، اسی دن سے اور اسی خلاف ورزی کے سبب سے شروع ہوا تھا۔ اور آپ کے کئی معتقدوں پر اس نقل نہ دینے سے

یہ امر کھل گیا کہ آپ اپنی اس تحریر (ہشتم) کے جواب سے ڈرتے ہیں، اور جواب الجواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور اسی وجہ سے مباحثہ کو بند کر چکے ہیں۔

ایک وجہ مرزا صاحب کے معتقدین کے منحرف ہو جانے کی یہ ہوئی کہ انہوں نے اس مباحثہ کے بعد ایک جھوٹا بیان اخبار نور افشان لودہانہ ۳ سمتبر ۱۸۹۱ء میں اور پھر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ اخیر میں شائع کر دیا کہ مولوی محمد حسین اپنی وحشیانہ طرز بحث کی شامت سے لودہانہ سے شہر بدر کیئے گئے۔ ڈپٹی دلاور علی شاہ صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لودہانہ، بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر آپ کو ریل پر سوار کر آئے، لیکن اس عاجز کی نسبت کوئی حکم صادر نہیں ہوا، بلکہ میری چٹھی کے جواب میں صاحب ڈپٹی کمشنر نے یہ لکھا ہے کہ آپ کو بمتابعت قانون سرکاری، لودہانہ میں ٹھہرنے کے لئے وہی حقوق حاصل ہیں جیسا کہ دیگر رعایا تابع قانون سرکاری کو حاصل ہیں۔

حضرت بٹالوی کہتے ہیں کہ اس بیان میں مرزا قادیانی نے دو جھوٹ بولے۔ ایک یہ کہ ابوسعید محمد حسین بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر، لودہانہ سے نکالے گئے اور ریل پر پہونچائے گئے، دوسرا یہ کہ اس قسم کا حکم لودہانہ سے چلے جانے کا آپکی نسبت کوئی نہیں ہوا۔

دوسرا جھوٹ تو مرزا صاحب کے نام، ڈپٹی کمشنر کی اسی چٹھی سے ثابت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور جس میں اس نے مرزا صاحب کو لدھیانہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔ نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ مرزا صاحب کو اخراج از لدھیانہ کا حکم نہ ہوا ہوتا تو وہ اپنی چٹھی میں اپنے والد کی خدمات ۱۸۵۷ء کا ذکر کر کے اپنے لئے قیام لودہانہ کی اجازت کیوں چاہتے؟

پہلا جھوٹ اس خط سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت بٹالوی کے نام ڈپٹی کمشنر لودہانہ کی طرف سے بجواب ان کی چٹھی کے موصول ہوا، جس میں انہوں نے مضمون اخبار نور افشان دیکھ کر ان سے دریافت کیا تھا کہ آیا واقعی کوئی حکم ایسا میری نسبت ہوا ہے، یہ سرکاری خط انگریزی میں اشاعۃ السنہ میں درج ہے جس کا اردو ترجمہ یوں ہے۔

> مولوی محمد حسین کو بجواب ان کی درخواست مورخہ ۱۶، ماہ حال اس بات کی اطلاع دی جاتی ہے کہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے حکم سے سٹیشن تک نہیں پہونچائے گئے۔

اس خط کی وصولی کے بعد اڈیٹر نورافشان نے تو اس بیان قادیانی کی تکذیب کر دی۔مگر قادیانی اوراس کے گروہ کو اپنی دروغ گوئی کا اعتراف کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اس کے بعد مولانا بٹالوی کہتے ہیں کہ مباحثہ کے پرچوں کو پڑھتے ہوئے درج ذیل امور کا ملحوظ خاطر رکھنا مناسب ہوگا۔

☆ امر اول ۔ یہاں مرزا قادیانی اوران کے اتباع کے خطاب میں کسی قدر سختی (مگر واجبی) سے کام لیا گیا ہے۔شاید یہ امر کچھ لوگوں کو پسند نہ ہو ۔لیکن اگر وہ ہماری تحریرات متعلقہ قادیانی کی غرض واصول کو غور وتامل سے ملاحظہ فرمائیں گے اور اسلامی ہدایت و اغلظ علیھم کونظر تدبر سے دیکھیں گےتو امید ہے کہ اس سختی پر معترض نہ ہوں گے۔

مولانا کی غرض حسب ہدایت آیت مذکورہ یہ ہے کہ قادیانی کے عقائد ومقالات مستحدثہ سے (جو باتفاق علماء پنجاب و ہندوستان کفر وضلالت قرار دیئے گئے ہیں اوران عقائد ومقالات کی پیروی سےعوام و بعض ناواقف خواص کے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے) ان عوام وخواص کو کفر و ضلالت سے بچائیں ۔ اس غرض کو پورا کرنے اوراس ہدایت کی تعمیل کے لئے انہوں نے الفاظ مثل کفر وکافر وکذب وکذاب ودجالیت ودجال کا استعمال کرنا ناگزیر خیال کیا ہے۔اور بجائے ان الفاظ کے قادیانی کے عقائد باطلہ کی نسبت ، غلط یا غیر صحیح یا خطاء وغیرہ الفاظ کا استعمال کرنا کافی نہیں سمجھا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اگرعوام وخواص کوکفر وضلالت سے روکنے کے لئے، ہمارے الفاظ کےسوا اورالفاظ کوکافی سمجھا جائے ہیں تو ان الفاظ سےہمیں بادلیل آگاہ کریں، ہم آئندہ انہیں الفاظ سے ان لوگوں کومخاطب کیا کریں گے ۔

جولوگ قادیانی کے معتقد یا حامی ہوکر بے جا سختی کا اعتراض کریں،ان کی خدمت میں مولانا نے گذارش کی تھی کہ وہ حضرات پہلے قادیانی کی کلام کوغور وانصاف سے ملاحظہ کریں، اس میں اگر ہمارے مستعملہ الفاظ سے نوحصہ زیادہ سخت الفاظ ہوں،تو ہم کو اس کے دسویں حصہ کے استعمال میں معذوررکھیں ۔قادیانی تو مدعی روحانیت ونبوت اورولایت عظمی ہے۔وہ اس قسم کے الفاظ دس گنا استعمال کر چکا ہے،تو پھر وہ لوگ علماء ظاہر کے لئے ان کے دسواں حصہ کا استعمال کیوں روانہ رکھیں؟

مولانا نے یہ بھی لکھا تھا کہ ان حضرات کوقادیانی کی کلام میں اس قسم کے الفاظ مستعمل ہونے سے انکار ہوتو وہ ہماری کلام میں جس لفظ کوزیادہ سخت سمجھیں اس کی نشان دہی

کریں۔ ہم اس لفظ کا قادیانی کی کلام میں اپنی کلام کی نسبت دس گنا زیادہ مستعمل ہونا ثابت کر دکھائیں گے۔ نیز وہ حضرات قادیانی کے ازالہ اوہام صفحہ ۱۲ سے ۳۶ تک ملاحظہ کریں جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ واقعی امر کا نیک نیتی سے اظہار سخت گوئی خلاف تہذیب نہیں ہے۔اس مقام میں ازالہ اوہام کے چند فقرات نقل کئے جاتے ہیں۔

پہلی نکتہ چینی۔ اس عاجز (مرزا قادیانی) کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مشتعل ہو کر مخالفین نے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی بے ادبی کی اور پر دشنام تالیفات شائع کر دیں ..اما الجواب .... بڑے دھوکہ کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو، محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کا لازم حال ہوا کرتی ہے، دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دشنام اور سب وشتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے، کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں، یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سبب سے بت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں، بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انتم و ما تعبدون حصب جہنم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شر البریہ قرار دینا اور تمام رزیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا، یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں و اغلظ علیھم نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں اشداء علی الکفار نہیں کہا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سور اور کتے کے نام سے

پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمانروا ہیرودیس کا لونبڑی نام رکھنا اور معزز سردار کاہنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلی درجہ کے عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے، ان کریہہ اور نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرام زادے ہو، حرام کار ہو، شریر ہو، بدذات ہو، بے ایمان ہو، احمق ہو، ریاکار ہو، شیطان ہو، جہنمی ہو، تم سانپ ہو، سانپوں کے بچے ہو، کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں؟

اس کے بعد (مرزا نے) ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۶ تک قرآن اور انجیل کے سخت الفاظ کی تفصیل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ سخت گوئی اور گالیاں نہیں، بلکہ حق گوئی ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ اس کلام کو دیکھ کر قادیانی کے حامی ہمارے ان الفاظ کو جو مرزا قادیانی کے حق میں علماء پنجاب و ہندوستان کے اتفاق و اجازت سے اور کمال نیک نیتی سے لکھے گئے ہیں، ہرگز سخت گوئی، خلاف تہذیب نہ کہیں گے، بلکہ سراسر حق گوئی اور مسلمانوں کی خیر خواہی تسلیم کریں گے، اور ان کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کے ان الفاظ کو جو ہمارے اور دیگر علماء کے حق میں وہ فیصلہ آسمانی اور دافع الوساوس و دیگر تصانیف میں شائع کر چکا ہے، فحش گالیاں قرار دیں گے۔ اور قادیانی کے اس اصول و بیان کو ازالہ اوہام کی حد جواز سے ان کو خارج تسلیم کریں گے۔

☆ امر دوم۔ مرزا قادیانی نے مباحثہ لدھیانہ چھپوایا تو اس کے اکثر پرچوں کو الٹ پلٹ کر دیا، سوال کچھ ہے اور اس کا جواب کچھ اور لگا دیا۔ ناظرین اس کے مطبوعہ مباحثہ کو ہماری تحریر سے مقابلہ کر کے ملاحظہ میں لائیں گے تو اس سے قادیانی کے دجال و کذاب ہونے کا یقین فرمائیں گے۔

تمہید ختم ہوئی، اب مباحثہ کے پرچے ملاحظہ فرمائیں۔

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی پہلی تحریر

میں آپ کے چند عقائد وخیالات پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے چند اصول کی تمہید ضروری ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں ان اصول کو پیش کروں۔

۲۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی پہلی تحریر

آپ کو اجازت ہے، بخوشی پیش کریں، لیکن اگر یہ عاجز مناسب سمجھے گا تو آپ سے بھی اصول تمہیدی دریافت کرے گا۔ ۲۰ جولائی۔ ۱۸۹۱ء مرزا غلام احمد

(یہاں تو ان اصول کو پیش کرنے کی اجازت دی ہے بلکہ خود بھی اس قسم کے اصول پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے، مگر بعد از فرار و شکست یابی، ان اصول کو بے ہودہ و لایعنی کہا جاتا ہے۔ ناظرین اس سے ان حضرات کے صدق وانصاف کا اندازہ کریں۔ محمد حسین)

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی دوسری تحریر

میرے ان اصول کو جن کو میں رسالہ (اشاعۃ السنۃ) نمبر ایک جلد ۱۳ میں بیان کر چکا ہوں اور ان کو آپ کے حواری حکیم نور الدین نے تسلیم کیا ہے، آپ بھی تسلیم کرتے ہیں یا کسی اصول کی تسلیم میں عذر ہے؟ ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی دوسری تحریر

مجھے ان اصولوں کی اطلاع نہیں۔ مجھے بتلائے جائیں، تب ان کی نسبت اطلاع دونگا۔ ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء غلام احمد

(قولہ اطلاع نہیں، یہ محض کذب ہے اور ممکن نہیں کہ مرزا صاحب نے ان اصول کو نہ دیکھا ہو۔ رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۱، ۲، ۳۔ جلد ۱۳ آپ کے پاس پہنچا اور وہ آپ کے جواب وخطاب میں ہے۔ پھر کیا امکان تھا کہ آپ رسالہ مذکور کو نہ دیکھتے۔ آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۰ اپریل ۱۸۹۱ء میں میرے ان اصول کو لغو قرار دیا ہے، جس سے ثابت ہے کہ آپ کو ان پر اطلاع ہوئی ہے، ورنہ آپ ان کو لغو نہ کہتے۔ اور اگر اس کے جواب میں یہ کہیں کہ ہم

نے قبل از اطلاع ان کو لغو کہا تھا، تو اس سے آپ کی ایمان داری اور راست شعاری کو بٹہ لگتا ہے کہ ایک امر کو قبل از علم، لغو کہہ دیا۔ محمد حسین)

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی تیسری تحریر

وہ اصول یہ ہیں ۔ ان میں سے جس اصول کی نسبت آپ کو تسلیم یا عدم تسلیم ظاہر کرنا ہو، آپ ظاہر کریں۔ چونکہ رسالہ چھپا ہوا ہے اس لئے ان اصول کے دوبارہ تحریر میں لانے کی حاجت نہیں ۔ آپ ایک ایک اصول پر یکے بعد دیگرے کلام کریں (رسالہ مذکور میں سے اصول پڑھ کر سنانا شروع کئے گئے تو مرزا صاحب نے رسالہ پڑھنے سے روک دیا اور کہا کہ رسالہ مجھے دیدیں میں خود ان اصول کو دیکھتا اور ان کی نسبت اپنی رائے لکھتا ہوں)۔

۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی تیسری تحریر

کتاب اور سنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے، جس امر میں احادیث نبویہ کے معنے جو کئے جاتے ہیں، کتاب کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معنے بطور حجت شرعیہ قبول کئے جائیں گے (معنی حدیث سے سوال نہ تھا۔ صرف صحت حدیث سے سوال تھا جو الفاظ سے متعلق ہے نہ معانی سے ۔ معانی ہمیشہ الفاظ کے تابع ہوتے ہیں ۔ جس حدیث کے الفاظ صحیح ہوں ، اس کے معنے صحیح ہوسکتے ہیں اور وہ قرآن شریف کے موافق ومطابق کئے جاسکتے ہیں اور جس حدیث کے الفاظ غیر صحیح ہوں، اس کے معنی باوجود کہ بجائے خود صحیح ومطابق قرآن ہوں ، قابل اعتبار نہیں ہوتے ۔ اور وہ اپنے الفاظ کے تابع ہوکر غیر صحیح و ناقابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ لہذا ہر ایک منصف و طالب حق کا فرض ہے کہ جب وہ کسی حدیث سے تمسک کرنا چاہے، تب پہلے اس کی صحت الفاظ کی تحقیق کرے۔ پھر اس کے معانی کی طرف رجوع کرے، جو بصورت صحت الفاظ صحیح وموافق قرآن ہوسکتے ہیں ۔ مرزا قادیانی نے جو بحث صحت الفاظ کو چھوڑ کر پہلے ہی سے صحت معانی کی طرف رجوع کیا ہے تو اس سے اس کا مقصود احقاق حق نہیں ہے، بلکہ بحث سے خروج اور احقاق حق سے گریز اس کا مقصود ہے ۔ ناظرین اسی ایک امر کو توجہ سے ملاحظہ کریں گے تو اس سے مرزا قادیانی کے خروج از بحث وشکست وفرار کا یقین کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ ۔ جو لوگ قادیانی کے اس جواب کو، جس سے بڑھ کر اس نے تمام مباحثہ میں ہمارے اصل سوال کا جواب نہیں دیا، ہمارے سوال کا کافی جواب سمجھتے ہیں، وہ اس منصفانہ اصول

کو پیش نظر رکھیں تو یقین کریں کہ قادیانی نے ہمارے سوال کا شروع مباحثہ سے اخیر تک جواب نہیں دیا۔ ہمارا سوال صحت الفاظ حدیث سے ہے۔ مرزا قادیانی کا جواب صحت معانی کے متعلق ہے۔ ونیز اس کا جواب ایک شرطی جواب ہے کہ اگر کسی حدیث کے معنی قرآن کے موافق پائیں گے تو اس کو صحیح سمجھیں گے ورنہ موضوع قرار دیں گے . اور ہمارا مطلوب قطعی جواب ہے جو اگر اور مگر سے ادا نہیں ہوتا۔ اور وہ یہ تصریح چاہتا ہے کہ بخاری ومسلم وغیرہ کتب حدیث کی احادیث، خواہ ان کو اس شرطی اصول روایت مجوزہ قادیانی سے پرکھا جائے یا اصول روایت محدثین سے، سب کے سب صحیح ہیں یا نہیں ہیں۔ اور یہ جواب مرزا قادیانی کی کلام میں اول سے آخر تک صاف وصریح طور پر نہیں پایا جاتا بلکہ جابجا اس کے بیان سے گریز وفرار وخروج از بحث پایا جاتا ہے۔ جس کی یہ پہلی دفعہ ہے۔ محمد حسین)

لیکن جو معنے نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے، ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معنے کریں گے جو کتاب اللہ کی نصّ بین کے موافق ومطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نصّ قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل پر قادر نہیں ہوسکیں گے، تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے۔ (موضوع قرار دینے کی تجویز کو آپ آئندہ جوابات میں خاص کر صحیح بخاری ومسلم کی نسبت بھی ظاہر کر چکے ہیں۔ ناظرین مرزا صاحب کے اقوال اور ہمارے نوٹوں کو توجہ سے دیکھتے جائیں۔ پھر انصاف سے کہیں کہ آپ بخاری ومسلم کی جملہ احادیث کو صحیح جانتے یا نہیں؟ اور آپ کا اقرار اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء کہ میں صحیحین کو بسر وچشم مانتا ہوں اور بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ جانتا ہوں، دل سے ہرگز نہیں کیا گیا۔ محمد حسین)

کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فبای حدیث بعداللہ و آیاتہ یؤمنون یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہاں تک کہ اس فیصلے میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جائے۔ اور مسئلہ اچھی طرح کھل جاوے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہے، مومن کا کام نہیں ہے۔ پھر فرمایا ہے فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون۔ ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ سو آیات متذکرہ بالا کی رو سے ہر ایک مومن کا یہی مذہب ہونا چاہیے کہ وہ کتاب اللہ کو بلاشرط اور حدیث نبوی کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے۔

(آیہ فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون کا ترجمہ مرزا قادیانی نے جوان الفاظ سے کیا تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے، کس حدیث پر ایمان لاؤ گے . تو اس میں انہوں نے یہ جتانا چاہا ہے کہ خدا تعالی نے حدیث نبوی کا حکم خود قرآن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ آیات قرآن کے ہوتے ہوئے کسی حدیث نبوی کو نہ مانو۔ اور اس معنے کے بیان سے اپنا ملحد ومحرف قرآن ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ اس آیت میں لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی، جو وحی خفی اور الہام الہی ہے، ہرگز مراد نہیں ہے۔ بلکہ حدیث کے لغوی معنے ، بات چیت، مراد ہے جس کو اصطلاحی معنے حدیث نبوی وحی خفی سے یہاں تعلق نہیں۔ اللہ تعالی اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ خدا کی آیات چھوڑ کر اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اس بات سے خاص کر آنحضرت ﷺ کی حدیث مراد ٹھہرانا، یا اس بات سے عام باتیں مراد ٹھہرا کر آنحضرت ﷺ کی حدیث کو ان میں داخل وشامل سمجھنا، اس اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث وحی خفی والہام الہی اور معنی آیات میں داخل نہیں، جس پر کوئی مسلمان جرئت نہیں کر سکتا۔ اور قرآن مجید کی وہ آیات جن میں ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ جو تمہیں دیں ،تم قبول کرو اور جس سے روکیں اس سے باز آؤ۔ ما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نہاکم عنہ فانتھوا ۔الحشر۔ اور ارشاد ہے آنحضرت ﷺ جو کچھ، دین میں ،فرماتے ہیں، وہ وحی سے کہتے ہیں اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتے ما ینطق عن الھوی ان ہو الا وحی یوحی ۔ النجم ۔ ع ۱ ۔ اس اعتقاد کے کذب وضلالت ہونے پر شاہد عدل ہیں۔ مرزا قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۳۵ ، ۳۴۱ و ۶۰۱ میں خود اقرار کیا ہے کہ قرآن کے کوئی معنی عام محاورہ قرآن کے مخالف اپنے دل سے گھڑ لینا الحاد وتحریف ہے۔ اس کے اس اقرار وشہادت سے بھی اس کی اس جرئت کا کہ یہ قرآن کے لفظ حدیث سے حدیث نبوی مراد ہے، الحاد وتحریف ہونا ثابت ہے کیونکہ قرآن مجید کے جس مقام میں لفظ حدیث استعمال ہوا ہے اس سے اصطلاحی حدیث نبوی، جو وحی خفی کہلاتی ہے، مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے حدیث کے لغوی معنے ، بات ، مراد ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف صورتوں میں ،حدیث ، الحدیث ،حدیثاً ، بائیس مقامات میں وارد ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ نساء۔ رکوع ۲۰ ۔ فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ ۔ آیات قرآن سے انکار وہنسی کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کوئی اور بات کریں۔

۲ ۔ انعام۔ رکوع ۸ ۔ و اذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ ۔ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں

ٹٹول (کرید) کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیرو یہاں تک کہ وہ اور بات میں ٹٹول کریں۔

۳۔ اعراف۔ رکوع ۲۳۔ فبایّ حدیث بعده یؤمنون ۔ ہماری بات کو چھوڑ کر کس بات میں ایمان لاویں گے۔

۴۔ کہف۔ ع ۱۔ ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث اسفاً۔ شائد تو افسوس سے اپنا گلا گھونٹ ڈالے کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لائے۔

۵۔ طہ۔ ع ۱۔ و هل اتاك حدیث موسی ۔ اور کیا تجھے موسیٰ کی بات، یعنی حکایت، پہنچی ہے

۶۔ لقمان۔ ع ۱۔ و من النّاس من یشتری لهو الحدیث لیضلّ عن سبیل الله بغیر علم ۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو کھیل کی باتیں، یعنی قصے کہانیاں، خریدتے ہیں، اس لئے کہ بن سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے لوگوں کو بہکا دیں۔

۷۔ احزاب۔ ع ۷۔ و اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا و لا مستانسین لحدیث ۔ آنحضرت ﷺ کے گھر جب بلائے جاؤ، اس وقت جاؤ، پھر کھانا کھا چکتے ہی وہاں سے چل دو، آپس کی باتوں میں جی لگاتے نہ ٹھہرے رہو۔

۸۔ زمر۔ ع ۳۔ الله نزّل احسن الحدیث کتاباً متشابهاً مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ۔ ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر الله ۔ خدا تعالیٰ نے اچھی بات اتاری، کتاب آپس میں ملتی۔ دہرائی گئی، جو لوگ اپنے مالک سے ڈرتے ہیں ان کی کھال کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر اللہ کی یاد کی طرف ان کے پوست، اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔

۹۔ جاثیہ۔ ع ۱۔ فبایّ حدیث بعد الله و آیاته یؤمنون ۔ پھر اللہ اور اس کی آیات کو چھوڑ کر کس بات کو مانو گے۔

۱۰۔ زاریات ع ۲ ۔ هل اتاك حدیث ضیف ابراهیم المکرمین ۔ کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟

۱۱۔ طور۔ ع ۲۔ فلیأتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین ۔ وہ سچے ہیں تو ایسی ہی کوئی بات لے آویں۔

۱۲۔ واقعہ۔ ع ۱۔ افبهذا الحدیث انتم مدهنون ۔ کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو

۱۳۔ نجم۔ ع ۳۔ افمن هذا الحدیث تعجبون ۔ کیا اس بات سے تعجب کرتے ہو۔

۱۴۔ القلم۔ ع ۱۔ ذرنی و من یکذب بهذا الحدیث ۔ چھوڑ دے مجھے اور اس بات

کے جھٹلانے والوں کو۔

۱۵۔ مرسلت۔ ع ۲۔ فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون۔ اس کو چھوڑ کر کس بات پر ایمان لائیں گے۔

۱۶۔ نازعات۔ ع ۱۔ ہل اتاک حدیث موسی۔ کیا تجھے موسی کی بات پہنچی۔

۱۷۔ بروج۔ ع ۱۔ ہل اتاک حدیث الجنود۔ کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی۔

۱۸۔ غاشیہ۔ ع ۱۔ ہل اتاک حدیث الغاشیہ۔ کیا تجھے ڈھانکنے والی، یعنی قیامت، کی بات پہنچی۔

۱۹۔ نساء۔ ع ۶۔ ولا یکتمون اللہ حدیثاً۔ اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے۔

۲۰۔ نساء۔ ع ۱۱۔ فمال ھولاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثاً۔ ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایک بات بھی سمجھنے نہیں لگتے۔

۲۱۔ یوسف۔ ع ۱۱۔ ما کان حدیثاً یفتری۔ یہ بناوٹی بات نہیں۔

۲۲۔ تحریم۔ ع ۱۔ و اذ اسرّ النبیّ الی بعض ازواجہ حدیثاً۔ جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات۔

ان مقامات میں سے کسی جگہ لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی جو وحی خفی والہام الٰہی ہوتی ہے، مراد نہیں۔ آخری آیت میں گو حدیث کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہوئی ہے، مگر اس سے بھی اصطلاحی حدیث نبوی وحی الٰہی مراد نہیں بلکہ لغوی حدیث، بات، مراد ہے جو آنحضرت نے صرف اپنے جی سے، نہ وحی الٰہی سے، ایک بیوی کو کہدی تھی کہ میں اپنے حرم ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جاؤں گا۔ یا ایک بیوی کے پاس جا کر شہد نہ پیؤں گا۔ جو خدا تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور اس پر یہ آیت اتری کہ اے نبی تو خدا کے حلال کو حرام کیوں کرتا ہے؟

اس عام محاورہ قرآن کے مخالف مرزا قادیانی کا قرآن کے لفظ حدیث سے حدیث نبوی مراد لینا اپنے اقرار و اصول کے مطابق الحاد و تحریف قرآن کا مرتکب ہونا ہے۔ قادیانی کے اتباع اس الحاد و تحریف پر بھی اس کی اتباع سے دست بردار نہ ہوں تو پھر ان کی ہدایت کی کوئی صورت و امید نہیں ہے۔ و من لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ محمد حسین)

اور آپ کے دوسرے امر مندرجہ صفحہ ۱۹، اشاعۃ السنہ کی نسبت علیحدہ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا جواب اس میں آ گیا ہے، یعنی جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر

جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف سے احادیث میں بیان کیا گیا ہے، ہم اس امر کو بھی اسی محک سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیت شریف فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون وہ حدیث قولی یا فعلی، قرآن کریم کی کسی صریح اور بین آیت سے مخالف تو نہیں۔ اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسر وچشم اس کو قبول کریں گے اور اگر بظاہر مخالف نظر آئے گی تو ہم حتی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کے لئے کوشش کریں گے۔ اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور صاف کھلے کھلے طور پر ہمیں مخالفت معلوم ہوگی تو ہم افسوس کے ساتھ ایسی حدیث کو ترک کردیں گے۔ کیونکہ حدیث کا پایہ، قرآن کریم کے مرتبہ اور پایہ کو نہیں پہنچتا۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اور اس کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں وہ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے جو احادیث کے اہتمام کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہے اور ظنی نتیجہ کے منتج ہیں۔ اور اگر کوئی حدیث تواتر کے درجہ پر بھی ہو، تاہم قرآن کریم کے تواتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں (ظنی یا قطعی ہونے احادیث سے سوال نہ تھا، صرف صحت یا عدم صحت احادیث سے سوال تھا۔ لہذا جواب میں صرف صحت یا عدم صحت کا بیان چاہیے نہ ظنیت وقطعیت کی بحث۔ یہ دوسری دفعہ آپ نے بحث سے خروج کیا۔ محمد حسین)۔ بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔

راقم خاکسار غلام احمد۔ ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء

شیخ محمد حسین بٹالوی کی تحریر چہارم

آپ کی کلام میں میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں ہے (مرزا قادیانی کی تقلید ومحبت میں اندھے حواری، مباحثہ الحق لدھیانہ مطبوعہ قادیانی میں اس کے جواب کو قطعی جانتے اور ہمارے انکار قطعیت پر حیرت ظاہر کرتے ہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ علم سے تو یہ لوگ پہلے ہی عاری وبے بصیرت تھے، رہا فہم سو مرزا قادیانی کی بیعت کر کے اس کی نذر کر چکے ہیں۔ لہذا وہ اس قدر نہیں سمجھ سکتے کہ لفظ اگر حرف شرط ہے اور یہ حرف شرط مرزا کے جواب میں موجود ہے، جو اس کو قطعی نہیں ہونے دیتا۔ جواب قطعی وہ ہوتا ہے جس میں بغیر کسی شرط کے ہست یا نیست کا بیان ہو، لہذا ہمارے سوال کا جواب قطعی یہ ہے کہ احادیث صحیحین سب کی سب صحیح و لائق عمل ہیں۔ یا سب کی سب غیر صحیح وموضوع ہیں۔ یا بعض صحیح اور بعض غیر صحیح۔ جس کا مرزا کی کلام میں اول سے آخر تک کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ محمد حسین)۔ آپ نے قبولیت اور حجیت حدیث یا سنت کی ایک شرط بتائی ہے۔ یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط اس حدیث یا سنت میں جو کتب حدیث خصوصاً صحیحین

میں (جن کا ذکر اصل سوم میں ہے، اور یہاں سے خاکسار نے اصل سوم منجملہ اصول مندرجہ ص ۱۹ اشاعۃ السنۃ کو شامل بحث کر دیا ہے اور آئندہ سوالوں و جوابوں میں خاص کر صحیحین کی حدیثوں سے بحث کی ہے ۔محمد حسین) پائی جاوے، متحقق ہے یا نہیں ۔ و بناء علیہ وہ حدیث یا سنت جو ان کتب میں ہے، شرعی حجت ہے یا نہیں ۔ علاوہ براں اس کلام میں آپ نے جو شرط حجیت و قبولیت بیان کی ہے وہ شرط قانون درایت ہے نہ قانون روایت ۔ اب آپ بیان کریں کہ اصول روایت کی رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین جن کا ذکر اصل سوم میں ہے مثبت سنت نبویہ ہیں یا نہیں ۔ اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ و نظر واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی ہیں جن پر بلا تحقیق صحت بحسب اصول روایت عمل و اعتقاد جائز نہیں (اس سوال جواب اعتقاد کی بنا امام ابن الصلاح اور ان کے موافقین کے مذہب پر ہے جو احادیث صحیحین کو قطعی نظری جانتے ہیں اور موجب اعتقاد سمجھتے ہیں ۔ ہم کو اس مقام میں اس مذہب کی حمایت و تائید مقصود نہیں ۔ ہماری بحث صرف صحت احادیث صحیحین میں ہے، جس کو آپ قطعی صحت مانیں خواہ ظنی ۔ قادیانی نے جملہ احادیث صحیحین کی ظنی صحت کا بھی نہ اقبال کیا اور نہ صاف انکار ۔ اور ہمارے اس سوال کے جواب میں قطعی صحت سے انکار کی بحث کو چھیڑ دیا اور خروج از مبحث کیا جس ذکر آگے آئے گا ۔ محمد حسین) ۔

۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر چہارم

مولوی صاحب کا جواب سن کر میں عرض کرتا ہوں کہ میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک حدیث خواہ وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی ، اس شرط سے ہم کسی خاص معنوں میں جو بیان کئے جاتے ہیں، قبول کریں گے کہ وہ حدیث ان معنوں کی رو سے قرآن کریم کے بیان سے موافق و مطابق ہو (یہاں سے آپ بخاری و مسلم کی طرف متوجہ ہوئے ، اور ان کی احادیث کو موضوع قرار دینے پر آمادہ ہو بیٹھے ہیں ۔ بخاری و مسلم پر آپ کا یہ پہلا کھلا حملہ ہے ۔محمد حسین) ۔ اب آپ کے زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ آپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اصول روایت کی رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین، مثبت سنت نبویہ ہیں یا نہیں؟ اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر عمل و اعتقاد جائز نہیں ۔

(یہ صاف اقرار ہے کہ آپ نے میرے سوال کا مطلب سمجھ لیا ہے مگر افسوس کہ اخیر بحث تک اس کا قطعی جواب نہ دیا ۔ جو کچھ کہا اس میں خروج از بحث کہا ۔محمد حسین)

اس کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ چونکہ حدیثوں کا جمع ہونا ایسے یقینی اور قطعی طور سے نہیں ہے جس سے انکار کرنا کسی طور سے جائز نہ ہو، اور جس پر ایمان لانا ایسے پایہ اور مرتبہ کا ہو جیسا کہ قرآن کریم پر ایمان لانا۔ لہذا ہمارا یہ مذہب ہرگز ایسا نہیں ہے کہ روایت کے رو سے بھی حدیث کو وہ مرتبہ یقین دیں، جیسا کہ ہم قرآن کریم کا مرتبہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حدیثیں غایت کار مفید ظن ہیں تو ہم کیونکر روایت کے رو سے بھی ان کو وہ مرتبہ دے سکتے ہیں جو قرآن کریم کا مرتبہ ہے۔ جس طور سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اس طریق پر ہی نظر ڈالنے سے ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ہم اس یقین کے ساتھ ان کی صحت روایت پر یقین لاویں کہ جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی ہے، لیکن قرآن کریم کے کھلے کھلے منشاء کے برخلاف ہے، تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم اس کی مخالفت کی حالت میں قرآن کریم کو اپنے ثبوت میں مقدم قرار دیں۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ احادیث اصول روایت کی رو سے ماننے کے لائق ہیں، یہ ایک دھوکہ دینے والا قول ہے کیونکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث کے ماننے میں جو مرتبہ یقین کا ہمیں حاصل ہے وہ مرتبہ قرآن کریم کے ثبوت سے ہم وزن ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مرتبہ ثبوت کا قرآن کریم کے مرتبہ ثبوت سے ہم وزن ہے تو بلا شبہ ہمیں اسی پایہ پر حدیث کو مان لینا چاہیے۔ مگر یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں۔ تمام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اکثر احادیث مفید ظن ہیں۔ و الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی قسم کھاوے کہ اس حدیث کے تمام الفاظ نبی ﷺ کی طرف سے ہیں اور تمام الفاظ وحی سے ہیں تو اس قسم کھانے میں وہ جھوٹا ہوگا۔ اور خود حدیثوں کا تعارض جو ان میں واقع ہے صاف دلالت کر رہا ہے کہ وہ مقامات تحریف سے خالی نہیں ہیں۔ پھر کیونکر کوئی مومن یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ حدیثیں روایتی ثبوت کی رو سے قرآن کریم کے ثبوت سے برابر ہیں، کیا آپ یا کوئی اور مولوی صاحب ایسی رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ ثبوت کی رو سے جس مرتبہ پر قرآن کریم ہے اسی قرینہ پر حدیثیں بھی ہیں؟

(یہ میرے سوال کا، جس کو مرزا صاحب خود نقل کر چکے ہیں، جواب نہیں ہے۔ اس طولانی جواب کا خلاصہ دو امر کا بیان ہے جو خارج از بحث ہیں۔

امر اول یہ کہ احادیث صحیحین قرآن کے برابر قطعی و یقینی صحیح نہیں ہیں، جس کے بیان میں

مرزا قادیانی نے تیسری دفعہ خروج از مبحث کیا۔ امر دوم یہ کہ جو حدیث صحیحین قرآن کے موافق نہ ہو، وہ لائق قبول نہیں ہے، جس کے بیان میں مرزا قادیانی نے چوتھی دفعہ خروج از مبحث کیا۔

ناظرین اس جواب کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس میں ان دو امروں خارج از بحث کے بیان و مؤیدات کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔ محمد حسین)

پھر جب کہ آپ خود مانتے ہیں کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے اعلیٰ مرتبہ ثبوت سے گری ہوئی ہیں (مرتبہ اعلیٰ ثبوت و صحت کا جو قرآن کو حاصل ہے، اس کا ادعاء تو احادیث صحیحین کی نسبت کسی نے نہیں کیا۔ ہاں مرتبہ قرآن کے بعد جو اعلیٰ مرتبہ صحت ہے، اسی کا دعویٰ احادیث صحیحین کے حق میں ہم نے کیا ہے اور وہی اہل اسلام میں مسلم ہے اور طرفہ یہ کہ مرزا قادیانی بھی منافقانہ طور پر اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں اس کو مان چکے ہیں۔ محمد حسین) اور غایت کار مفید ظن ہیں۔ تو آپ اس بات پر کیوں زور دیتے ہیں کہ اسی مرتبہ یقین پر انہیں مان لینا چاہیے جس مرتبہ پر قرآن کریم مانا جاتا ہے۔ پس صحیح اور سچا طریق تو یہی ہے کہ جیسے حدیثیں صرف ظن کے مرتبہ تک ہیں، بجز چند حدیثوں کے، تو اسی طرح ہمیں ان کی نسبت ظن کی حد تک ہی ایمان رکھنا چاہیے اور ہر ایک مومن خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایتی نقص سے خالی نہیں (اس تحقیق کو مرزا قادیانی کا ناقص کہنا اپنے عقل کے نقصان کا اظہار ہے اور اس اعتقاد و نقصان کے ساتھ آپ کا اشتہار یکم اگست میں صحیحین کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہنا نفاق نہیں تو کیا ہے؟ یہ آپ کا صحیحین پر چوتھا حملہ ہے۔ محمد حسین) کیونکہ ان کے درمیانی راویوں کی چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقات کامل نہیں ہو سکی (ہو چکی ہے، مگر مرزا قادیانی اس کوچہ سے محض نابلد ہیں۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین) اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح شک باقی نہ رہتا۔ آپ خود اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھ چکے ہیں کہ احادیث کی نسبت بعض اکابر کا یہ مذہب ہوا ہے کہ ایک ملہم شخص صحیح حدیث کو بالہام الٰہی موضوع ٹھہرا سکتا ہے اور ایک موضوع حدیث کو بالہام الٰہی صحیح ٹھہرا سکتا ہے (اشاعۃ السنہ میں نہ یہ تصریح ہے کہ بعض اکابر نے یہ بات اتفاقی احادیث صحیحین کی نسبت کہی ہے اور نہ یہ تصریح ہے کہ ان اکابر، مثل شیخ اکبر، کی رائے سے صاحب اشاعۃ السنہ کو اتفاق ہے۔ بلکہ اشاعۃ السنہ میں صاف تصریح ہے کہ صاحب اشاعۃ السنہ کو قول شیخ اکبر سے اتفاق نہیں ہے ... اور اس قول شیخ اکبر کا صحیح محمل وہی احادیث معلوم ہوتی ہیں جن کی صحت میں اختلاف ہو، لہذا اس عبارت اشاعۃ السنہ کو اس مقام میں پیش کرنا مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے۔ محمد حسین) اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی بذریعہ کشف کے موضوع ٹھہر سکتی ہے تو پھر کیونکر ہم

ایسی حدیثوں کو ہم پایہ قرآن مان لیں گے ۔ ہاں یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ ظنی طور پر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً اکثر ان میں صحیح ہوں گی ۔ لیکن کیونکر ہم اس بات پر حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں جب کہ وہ صرف ظنی طور پر صحیح ہیں نہ یقینی طور پر، تو پھر یقینی طور پر ان کا صحیح ہونا کیونکر مان سکتے ہیں ۔

(یہ صاف اقرار ہے کہ آپ کشف کے ذریعہ احادیث صحیحین کو موضوع ٹھہرانے کے مدعی ہیں، اب آپ کے صحت احادیث صحیحین سے منکر ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے ۔ یہ احادیث صحیحین پر مرزا کا پانچواں حملہ ہے ۔ اگر کہو کہ تم اور شیخ اکبر یہ بات کہہ چکے ہو تو اس کا جواب ابھی دیا گیا ہے کہ یہ محض کذب ہے ۔ یہ بات نہ ہم نے کہی ہے نہ شیخ اکبر نے فرمائی ہے۔ محمد حسین)

الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے گی ۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں ہوتی تھی ۔ بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور ان کی نسبت یقین کا ادعا کرنا ادعائے باطل ہے ۔ دنیا میں جو اس قدر مخالف فرقے اہل اسلام میں ہیں، خاص کر مذاہب اربعہ ان چاروں مذہبوں کے اماموں نے اپنے عملی طریق سے خود گواہی دیدی ہے کہ یہ احادیث ظنی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر حدیثیں ان کو ملی ہوں گی مگر ان کی رائے میں وہ حدیثیں صحیح نہیں تھیں (مرزا کی اس تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے وقت میں موجود تھیں ۔ بعد میں ایک پرچے میں مرزا صاحب نے لکھا کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ امام اعظم کے وقت میں صحیح بخاری موجود تھی ۔ اس کو پڑھنے اور دیکھنے کے وقت قادیانی کے کذب و جرئت و مغالطہ کا اندازہ کریں ۔ محمد حسین) بھلا آپ فرما دیں کہ اگر کوئی شخص بخاری کی کسی حدیث سے انکار کرے کہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ اکثر مقلدین انکار کرتے ہیں، تو کیا وہ آپ کے نزدیک کافر ہو جائے گا ۔ پھر جس حالت میں وہ کافر نہیں ہوسکتا تو آپ کیونکر ان حدیثوں کے روایتی ثبوت کے رو سے یقینی ٹھہرا سکتے ہیں (تحریر نمبر ۸ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ مقلدین مذہب اربعہ کسی حدیث صحیحین کی صحت کے منکر نہیں اور ان کی مخالفت بعض احادیث صحیحین سے اختلاف رائے و فہم معانی و تاویل و ترجیح پر مبنی ہے ۔ صرف آپ ہیں جو بعد اتفاق اہل سنت انکاری ہوئے ہیں ۔ اور احادیث صحیحین کو ایسا یقینی کون کہتا ہے کہ ان کے انکار سے کفر لازم آئے جمہور علماء

بظن غالب ان کو صحیح جانتے ہیں اور امام ابن الصلاح اور ان کے ہم خیال نظری یقینی کہتے ہیں۔ لہذا ان کے انکار سے فاسق اور مبتدع ہونا لازم آتا ہے اور اس سے بڑھ کر کسی کو دعوی نہیں ہے۔ محمد حسین) اور جب کہ وہ یقینی نہیں ہیں تو اس حالت میں اگر ہم کسی حدیث کو قرآن کریم کے مخالف پائیں گے (ایک حدیث صحیح دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی۔ چہ جائے کہ مخالف قرآن ہو۔ حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف قرار دینا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو اس حیلہ سے حدیث کو موضوع بنانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ مرزا قادیانی نے کیا ہے۔ آپ بار بار احادیث صحیحین کو مخالف قرآن ٹھہرا کر ساقط الاعتبار بناتے ہیں اور اپنا منکر احادیث ہونا ثابت کر رہے ہیں جس کا جواب انہیں کئی بار دیا گیا ہے۔ یہ احادیث صحیحین پر ان کا آٹھواں حملہ ہے۔ محمد حسین) اور صریح طور پر دیکھ لیں گے کہ وہ قرآن کریم سے صریح طور پر مخالف ہے اور کسی طور سے تطبیق نہیں دے سکیں گے، تو کیا ہم ایسی صورت میں قرآن کریم کی اس آیت کو ساقط الاعتبار کر دیں گے یا اس کے کلام الٰہی ہونے کی نسبت شک میں پڑیں گے۔ کیا کریں گے؟ آخر یہی تو کرنا ہے کہ اگر ایسی حدیث کسی طور سے کلام الٰہی سے تطبیق نہیں کھائے گی تو اس کو بغیر خوف زید اور عمرو کے وضعی قرار دیں گے (بلا خوف زید و عمرو کیوں کہتے ہیں۔ بلا خوف خدا کہیں۔ بار بار احادیث صحیحین کو مخالف و معارض قرآن کہنے سے آپ کی غرض یہی تھی کہ ان احادیث کو موضوع قرار دیں، سو ان کے منہ سے یہ بات صاف نکل گئی کہ وہ بخاری و مسلم کی احادیث کو موضوع کہیں گے۔ یہ ان کا احادیث صحیحین پر نواں حملہ ہے۔ محمد حسین)، بلا شبہ آپ کا نور قلب اس بات پر شہادت دیتا ہوگا کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے کسی طور سے قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس وجہ سے گو وہ وحی الٰہی ہی ہوں، نماز میں بجائے کسی سورت کے ان کو نہیں پڑھ سکتے (اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ حدیث عین قرآن اور وحی متلو نہیں، نہ یہ کہ حدیث واجب العمل نہیں۔ اور یہ تو ہم نے بھی نہیں کہا کہ حدیث عین قرآن ہے اور بجائے قرآن اس کو نماز میں پڑھ سکتے ہیں۔ صرف یہی کہا ہے کہ حدیث قرآن کی مانند واجب العمل ہے پھر اس بات کے کہنے سے بجز دھوکہ دہی عوام کیا فائدہ متصور ہے۔ محمد حسین)

اور ایک نقص حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ بعض حدیثیں اجتہادی طور پر سے آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں، اسی وجہ سے ان میں باہم تعارض ہو گیا ہے جیسا کہ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت جو حدیثیں ہیں (لفظ اجتہاد سے جو مراد اپنی تحریر نمبر ۵ میں مرزا صاحب نے بیان کی ہے اس مراد سے احادیث متعلقہ ابن صیاد، دجال اجتہادی نہیں ہو سکتیں۔ اس کی تفصیل آئندہ ہو گی۔ محمد حسین)، ان حدیثوں سے صریح اور صاف طور پر معارض ہیں جو گرجا والے دجال کی نسبت ہیں، جس کا

راوی تمیم داری ہے۔اب ہم ان دونوں حدیثوں میں سے کس حدیث کو صحیح سمجھیں۔دونوں حضرت مسلم صاحب کی صحیح میں موجود ہیں۔ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت یہاں تک وثوق پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے آنحضرت ﷺ کے روبرو قسم کھا کر بیان کیا کہ دجال معہود یہی ہے۔تو آپ ﷺ چپ رہے، ہرگز انکار نہیں کیا۔اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا قسم کھانے کے وقت میں چپ رہنا گویا خود آنحضرت ﷺ کا قسم کھانا ہے، اور پھر ابن عمر کی حدیث میں صریح اور صاف لفظوں میں موجود ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ مسیح دجال معہود یہی ابن صیاد ہے۔اور پھر جابر نے بھی قسم کھا کر کہا کہ دجال معہود یہی ابن صیاد ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے آپ بھی فرمایا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔ پھر ایک اور حدیث مسلم میں ہے، جس میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہوگیا تھا کہ دجال معہود ابن صیاد ہی ہے۔لیکن فاطمہ کی حدیث تمیم داری والی جو اسی مسلم میں موجود ہے، صریح اس کے مخالف ہے۔اب ہم ان دونوں دجالوں میں سے کس کو دجال سمجھیں (احادیث صحیح مسلم میں وجود تعارض کا دعوی کرنا، جو مرزا قادیانی کے نزدیک موضوع ہونے کی دلیل ہے، احادیث صحیح مسلم پر دسواں کھلم کھلا حملہ ہے اور اس تعارض کا ادعا محض کذب ہے۔جس حدیث میں ابن صیاد کو دجال کہا گیا ہے وہ حدیث تمیم داری کے مخالف و معارض نہیں اور نہ کسی اور حدیث صحیح کی معارض ہے۔حضرت عمر نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس پر قسم نہیں کھائی کہ ابن صیاد دجال موعود ہے، اور نہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون قسم پر سکوت کیا۔ان کی قسم اور آنحضرت ﷺ کا سکوت تو صرف ابن صیاد کو دجال کہنے پر تھا۔جس کے معنے یہ کئے گئے ہیں کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس دجالوں کے ایک دجال ہے جن کے خروج کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ ایسا ہی حضرت جابر کا ابن صیاد کو دجال کہنا ہے۔اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ ابن صیاد دجال موعود ہے۔ رہا حضرت ابن عمر کا ابن صیاد کو مسیح دجال کہنا۔سو یہ حضرت ابن عمر کا اپنا قول موقوف ہے، جو حدیث صحیح تمیم داری وغیرہ کا معارض نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت ﷺ سے جو مرزا صاحب نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجال موعود ہونے سے ڈرتا ہوں، یہ ایک سفید جھوٹ ہے، جس کا ثبوت مرزا صاحب سے طلب کیا گیا تو اخیر تک کچھ نہ بتلایا اور جو کہا ان میں افتراء سے کام لیا ہے۔ تحریرات فریقین نمبر ۶ و ۷ ملاحظہ ہوں۔ اور قادیانی کا یہ دعوی بھی محض کذب ہے کہ مسلم کی ایک حدیث میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہوگیا تھا کہ دجال موعود ابن صیاد ہی ہے۔صحیح مسلم میں اس مضمون کی کوئی حدیث موجود نہیں۔ مرزا قادیانی سے اس کا ثبوت طلب کیا گیا تو اس نے بھی کوئی پتہ نہیں دیا جس سے اس کا دعوی ثابت ہو۔ جو کہا اس سے مرزا صاحب کا اور بھی کذب ثابت ہوا۔اس کا

مفصل بیان ہماری تحریر نمبرے میں ہے۔ محمد حسین)۔ (نواب) صدیق حسن صاحب، جیسا کہ میرے ایک دوست نے بیان کیا ہے، ابن صیاد کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور تمیم داری کی حدیث کو اپنی کتاب آثار القیامہ میں ضعیف قرار دیتے ہیں (یہ محض کذب و افتراء ہے اور یہ مرزا قادیانی اور اس کے اتباع و احباب کے دجال و کذاب ہونے پر ایک روشن دلیل ہے۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ابن صیاد کے دجال ہونے کو ترجیح نہیں دی اور نہ حدیث تمیم داری کی تضعیف کی ہے، اپنی کتاب حجج الکرامہ فی آثار القیامہ کے ص ۴۱۶ میں ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کے باب میں صحابہ سے دو قول نقل کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری سے احادیث جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن عمر وابوسعید خدری وقسم حضرت عمر بحضور آنحضرت ﷺ نقل کئے ہیں۔ پھر صفحہ ۴۱۷ میں صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ یہ احادیث اس باب میں نص، یعنی بیان واضح نہیں کہ ابن صیاد دجال موعود ہے۔ پھر نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ابن صیاد کے باب میں متردد رہنا، یعنی حضرت عمر کو ارادہ قتل ابن صیاد کے وقت یہ فرمانا کہ اگر ابن صیاد دجال موعود ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی اور اگر یہ اور ہے تو اس کا قتل کرنا اچھا نہیں ہے، تمیم داری کا قصہ سننے سے پہلے تھا۔ اور پھر جب تمیم داری سے آنحضرت ﷺ نے اس کا حال سن لیا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ دجال موعود وہی شخص ہے جو جزیرہ میں محبوس ہے۔ اور تمیم داری اس کو دیکھ آیا ہے۔ پھر حدیث تمیم داری کی نسبت فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی راوی صرف فاطمہ بنت قیس ہی نہیں ہے، بلکہ ابو ہریرہ و عائشہ و جابر بھی اس حدیث کی روایت میں فاطمہ کے ساتھ شریک ہیں۔ پھر ان اصحاب کی روایات حدیث تمیم داری کو کتب محدثین سے نقل کر کے ان کا صحیح و حسن ہونا محدثین سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم سے پوری حدیث تمیم داری نقل کر کے صفحہ ۴۱۸ میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ دجال کہن سال بڈھا ہے۔ پھر اس حدیث کی سند کی صحت نقل کر کے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ دجال اکبر جو اخیر زمانہ میں پیدا ہوگا، ابن صیاد کے سوائے کوئی اور شخص ہے۔ اور ابن صیاد من جملہ دجالین کذابین، جن کے خارج ہونے کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے، ایک دجال ہے۔ اور جو لوگ ابن صیاد کو دجال سمجھتے تھے انہوں نے قصہ تمیم داری نہ سنا تھا۔ پھر صفحہ ۴۱۹ میں اس کے مؤیدات فتح الباری سے نقل کر کے کہا ہے اینست ملخص کلام فتح الباری وحاصلش اصح بودن دجال غیر ابن صیاد ست بوجہ آنکہ اعور باشد واز یہود باشد ودر یہود یہ ساکن بود الی غیر ذالک۔ واحادیث ابن صیاد ہمہ محتمل ست وحدیث جساسہ نص ست، پس مقدم باشد ودر اشاعۃ گفتہ ومئوید مرجح بودن او غیر ابن صیاد است زیرا کہ قصہ تمیم داری متاخر ست از قصہ ابن صیاد پس ہم چو ناسخ . ، ہم چو ناسخ یعنی ناسخ کی مانند یعنی اس کو بے اعتبار کرنے والا، یہ اس لئے کہا ہے کہ حقیقۃ نسخ اخبار میں نہیں ہوتا، ناسخ کی مانند اس لئے ہوا کہ اس روایت تمیم نے ان روایات کو جن سے اس کے خلاف کا وہم پیدا ہوتا تھا، بے اعتبار و کان لم یکن کر دیا۔ باشد برائے او ونیز وقت اخبار آنحضرت ﷺ بآنکہ دجال در بحر

شام یا بحر یمن لا بلکہ از طرف شرق بر آید ابن صیاد در مدینہ بود پس اگر وی دجال می بودی فرمود کہ وی در مدینہ است و نتواں گفت کہ ایں صرف بآن جہت نفر مود کہ مبادا اورا بکشند وخبر داد بانجام کار وزیرا کہ قتل شخصی قبل از اجلے او نمے تواند شد۔ ومقدر آنست کہ قاتل وی نبی خدا عیسی بن مریم علیہ السلام ست و اگر ہم چنیں مے بود بیان نمی کرد آنحضرت ﷺ صنفی خوارج را، صنفی و بمعنی اصل۔ یہ کلمہ بعض خارجیوں کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ اس کے اصل، یعنی نسل سے، ایسے لوگ پیدا ہوں ہوں گے جو دین سے خارج ہوں گے، محمد حسین) **بہر حال اب یہ مصیبت اور رونے کی جگہ ہے یا نہیں کہ ایک ہی کتاب میں جو بعد بخاری کے اصح الکتب سمجھی گئی ہے دو متعارض حدیثیں ہیں، جب کہ ہم ایک کو صحیح مانتے ہیں تو پھر دوسری کو غلط ماننا پڑتا ہے۔** (مرزا قادیانی کا یہ رونا اور اظہار مصیبت و ماتم کرنا اس امر کا صریح اقرار ہے کہ وہ صحیح مسلم کی ان احادیث کو جن میں ابن صیاد اور دجال کا ذکر ہے، باہم متعارض ومتخالف جانتے ہیں اور بناء علیہ حدیث تمیم داری کو جس میں ابن صیاد کے سوا کسی اور شخص کو دجال کہا گیا ہے، غلط وموضوع قرار دیتے ہیں۔ اس تعارض اور غلطی کا وہ یقین نہ رکھتے تو یہ رونا نہ روتے اور ماتم نہ کرتے بلکہ یقین اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے کہ ان سب احادیث میں ایک ہی دجال ابن صیاد مراد ہے۔ لہذا یہ سب احادیث باہم متوافق اور صحیح ہیں۔ ان کا ایسا نہ کہنا اور برخلاف اس کے ان احادیث کے تعارض پر نوحہ کر کے ایک حدیث تمیم داری کو غلط قرار دینا صاف یقین دلاتا ہے کہ اس حدیث کو وہ غلط موضوع جانتے ہیں۔ یہ احادیث صحیح مسلم پر ان کا گیارہواں حملہ ہے۔

مرزا قادیانی کی اس مصیبت پر، جس پر وہ رونا روتے ہیں، تعزیت کی جاتی ہے کہ یہ مصیبت ان کی خیالی مصیبت ہے، نہ واقعی مصیبت۔ کیونکہ واقع اور حقیقت میں تمیم داری کی حدیث میں اور ان احادیث میں، جن میں ابن صیاد کو دجال کہا گیا ہے، کوئی تعارض نہیں۔ حضرت عمر و حضرت جابر نے تو ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ حضرت ابن عمر نے اس کو مسیح دجال کہا ہے سو یہ ان کا قول موقوف ہے جو حدیث مرفوع تمیم داری کا معارض نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ مصیبت کیا ہے اور یہ رونا کیسا؟ محمد حسین)

ماسوا اس کے تمیم داری کی حدیث میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وہی دجال جو تمیم داری نے دیکھا تھا، کسی وقت خروج کرے گا۔ لیکن اسی مسلم کی حدیثیں صاف صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ سو برس کے عرصے تک کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا۔ بلکہ پہلی حدیث میں تو آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس وقت سے سو برس تک کوئی جاندار زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔ اب اگر ابن صیاد اور گرجا والا دجال جاندار اور مخلوق ہیں، تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مر گئے ہوں۔ اب یہ دوسری مصیبت ہے کہ دونوں حدیثوں کے صحیح ماننے

سے پیش آتی ہے۔ آپ فرماویں کہ ہم کیونکر ان دونوں کو باوجود سخت تعارض کے صحیح مان سکتے ہیں۔ پس اب بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ہم ایک حدیث کو غیر صحیح کہیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ جس قدر بعض احادیث میں تعارض و تخالف پایا جاتا ہے اس کے بیان کرنے کے لئے تو ایک رسالہ چاہیے مگر اس جگہ اسی قدر کافی ہے۔

(یہ مصیبت پر مصیبت کا اظہار سخت تعارض احادیث صحیح مسلم کا اشتہار اور عدم تسلیم صحت احادیث ایک جانب کا اقرار، صاف اقبال ہے کہ مرزا قادیانی صحیح مسلم کی حدیث تمیم داری کو صحیح نہیں جانتے اور جو اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں تسلیم صحت کا اقرار کرتے ہیں وہ منافقانہ اقرار ہے، ان کا دلی اعتقاد یہی ہے جو بار بار ان کے منہ پر آتا ہے۔ یہ ان کا احادیث صحیح مسلم پر بارہواں حملہ ہے۔ اس مصیبت بار دوم پر دوبارہ قادیانی کی تعزیت کی جاتی ہے کہ یہ مصیبت بھی ان کی خیالی مصیبت ہے نہ واقعی مصیبت۔ اور جن احادیث ثلاثہ صحیح مسلم میں یہ ذکر ہے کہ سو برس کے بعد زمین پر کوئی زندہ نہ رہے گا، وہ حدیث تمیم داری کی معارض و مخالف نہیں ہے۔ ان احادیث میں ان ساکنین مدینہ یا زمین عرب کا جو اس وقت تک پیدا ہو چکے تھے، حال وفات بیان ہوا ہے، نہ کل زمین کے ساکنین بحر و جزائر کا۔ اور حدیث تمیم داری میں جس دجال کا قرب قیامت تک زندہ رہنا بیان ہوا ہے وہ عرب کی زمین میں نہیں بلکہ سمندر کے ایک مشرقی جزیرہ میں ہے۔ پھر ان احادیث میں اور حدیث تمیم داری میں تعارض کہاں ہوا؟ ان احادیث میں زمین سے خاص زمین عرب کا مراد ہونا ایسا ہے جیسا کہ انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ (مائدہ۔ ع ۵) ۔ میں زمین سے مراد محاربین کا وطن ہے، اور اس زمین سے نکال دینے سے ان کو جلاوطن کرنا مراد ہے۔

محدثین کرام ان احادیث کے یہی معنی کرتے ہیں اور بناء علیہ ان احادیث کے حکم سے حضرت خضر و حضرت عیسیٰ اور ملائکہ اور ابلیس کا مستثنیٰ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے کہ ،سو برس والی ، احادیث سے بعض شاذ و نادر محدث لوگوں نے حضرت خضر کی موت پر استدلال کیا ہے مگر جمہور محدثین ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور ان احادیث کے یہ معنے بیان کرتے ہیں کہ ان میں زمین کے باشندوں کا حال بیان ہوا ہے۔ اور حضرت خضر دریا میں رہتے تھے ، یا ان احادیث میں عام لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جن سے حضرت خضر مخصوص و مستثنے ہیں و قد احتج بھذا الاحادیث من شذ من المحدثین فقال الخضر میت۔ و الجمہور علی حیاتہ کما سبق فی باب فضائلہ ویتاولون ھذہ الاحادیث علی انہ کان علی البحر لا علی الارض او

انها عام مخصص ۔(شرح مسلم۔ج ا ص ۳۱۰) ۔ اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے۔ لا یبقی ممن ھو علی ظھر الارض احد لمن ترونہ او تعرفونہ عند مجیئہ او المراد ارضہ التی نشاء بھا و منھا بعث کجزیرۃ العرب المشتملہ علی الحجاز و تھامہ و نجد فھو علی قولہ تعالی او ینفوا من الارض ای بعض الارض التی صدرت .... فیھا فلیست الف لام للاستغراق و بھذا یندفع قولہ من استدل بھذا الحدیث علی موت الخضر کالمئولف او یحتمل ان یکون الخضر غیر ھذہ الارض... و لئن سلما ان الف لام للاستغراق فقولہ احد عموم یحتمل ان علی وجہ الارض الجن و الانس و الخضر... یدخلھا التخصیص بادنی قرینہ ۔(قسطلانی۔ج ا ص ۲۰۴) ۔کہ آنحضرت ﷺ کے اس قول سے کہ کوئی پشت زمین پر نہ رہے گا، یہ مراد ہے کہ جن کو تم دیکھتے ہو ۔ یا جب وہ تمہارے سامنے آویں تو تم اس کو پہچان لو، وہ لوگ فوت ہو جائیں گے ۔ یا یہ مراد ہے کہ اس زمین کے لوگ فوت ہو جائیں گے جس میں آپ پیدا ہوئے اور نبی ہو کر آئے، یعنی جزیرہ عرب جس میں حجاز تہامہ نجد تینوں حصہ شامل ہیں ۔ اس صورت میں یہ قول نبوی ایسا ہے جیسا قول خداوندی ہے کہ محاربین زمین سے نکال دیئے جائیں، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس زمین سے نکالے جاویں جس میں ان سے جرم بغاوت صادر ہوا۔ اس صورت میں الف و لام استغراق کے لئے نہیں ہے ۔یعنی جو تمام حصص زمین کو شامل ہو ۔ اس تقریر سے ان محدثین کا قول جو اس حدیث سے حضرت خضر کی موت پر استدلال کرتے ہیں، رد ہوتا ہے کیونکہ ان کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت خضر زمین عرب میں نہ تھے اور اگر ہم یہ بھی بطور فرض مان لیں کہ یہ الف لام استغراق کے لئے ہے تو پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خضر اس سے مستثنٰی ہیں ۔

عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے و قیل اراد النبی ﷺ بالارض البلدۃ التی ھو منھا و قال تعالی الم تکن ارض اللہ واسعۃ یرید المدینۃ ۔ کہ اس حدیث میں زمین سے وہ شہر، مدینہ، مراد ہے جس میں آنحضرت ﷺ موجود تھے۔ چنانچہ اس قول خداوندی سے کہ کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی؟ ، مدینہ مراد ہے۔

اور بخاری کی بعض شروح میں ہے کہ اس حدیث میں زمین کا لفظ کہنے سے ملائکہ اور حضرت عیسی جدا ہوئے ۔ بخاری نے اس حدیث سے حضرت خضر کی وفات پر استدلال کیا ہے، مگر جمہور محدثین اس کے مخالف ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک عام بات فرمائی ہے جس سے حضرت خضر مخصوص ہیں ۔ یا یہ کہ اس میں زمین والوں کا حال بیان ہوا ہے۔ اور حضرت خضر دریا میں ہیں ۔ ہاروت ماروت کے موجود ہونے سے بھی اعتراض نہیں پڑتا

کیونکہ وہ دونوں بشر نہیں۔ ایسا ہی ابلیس کے موجود ہونے پر اعتراض کا جواب ہے۔ عینی نے کہا ہے کہ بہت باوجہ جواب یہ ہے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کا حال بیان کیا ہے اور حضرت عیسیٰ وحضرت خضر اس امت سے نہیں ہیں اور شیطان جو موجود ہے تو وہ بنی آدم سے نہیں۔

قولہ ظہر الارض احتراز عن الملائکۃ وعیسی علیہم السلام واحتج بہ البخاری وغیرہ علی موت خضر والجمہور علی خلافہ واجابوا بانہ عام مخصوص البعض او کان فی البحر ولا یعترض بھاروت وماروت لانہما لیسا ببشر وکذا الجواب فی ابلیس قال العینی الا وجہ ان یقال المراد لمن ہو علی ظہر الارض امۃ امۃ اجابتہ کانت او دعوۃ وعیسی وخضر لیسا داخلین فی الامۃ والشیطان لیس من بنی آدم۔ مرزا قادیانی نے اپنے اس قول کی شرح میں زبانی یہ تقریر کی تھی کہ یہ بات کہ سو برس کے بعد کوئی جاندار زمین پر نہ رہے گا۔ آنحضرت ﷺ نے سوال قیامت کے جواب میں فرمائی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث میں قیامت قائم ہونے اور تمام زمین کے زندہ اشخاص کے مرجانے کی خبر دی گئی ہے۔ یہ بات آپ نے اپنے خسر دوم منشی ناصر نواب کو بھی زبانی کہی تھی اور اس کی تصدیق کے لئے مشکوۃ کے صفحہ ۴۷۲ میں ایک حدیث دکھا کر اس کا مطلب یہ سمجھایا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے وقت قیامت سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ سو برس کے بعد زمین پر کوئی نہ رہے گا۔ اس کے بعد زبانی تقریر میں قادیانی صاحب نے فرمایا تھا کہ اس قول نبوی سے زمین سے کوئی خاص زمین مراد ہو تو یہ قول سوال قیامت کا جواب نہیں بنتا کیونکہ کسی ایک زمین کے زندہ اشخاص کے فوت ہو جانے سے قیامت کا قائم ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ قیامت تب ہی قائم ہوگی جب کہ تمام زمین پر کوئی زندہ نہ رہے۔

اس تقریر میں قادیانی نے حاضرین مجلس کو دھوکہ دیا اور اس دھوکہ سے اپنا دجال ہونا خوب ثابت کیا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ سو برس کے بعد کوئی جاندار نفس زمین پر نہ رہے گا۔ سوال قیامت کا جواب ہرگز نہیں ہے۔ یہ قول سوال قیامت کا جواب ہوتا تو پھر کیا ممکن تھا کہ سو برس کے بعد کوئی زمین پر زندہ رہتا۔ اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی میں تخلف ہوتا۔ اور قیامت کا ہنگامہ برپا نہ ہوتا؟۔ ہرگز نہیں۔ یہ قول تو آپ ﷺ نے سوال قیامت کے جواب سے اعراض وانکار کر کے فرمایا تھا۔ لوگوں نے آپ سے وقت قیامت سے سوال کیا۔ آپ نے جواب میں وقت قیامت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور صاف فرمادیا کہ وقت قیامت کا علم تو مجھے نہیں۔ یہ علم تو خدا تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔ ہاں میں یہ بات قسم سے کہتا ہوں کہ جو لوگ آج کے دن تک زمین پر موجود ہو چکے ہیں، وہ سو برس کے بعد زندہ نہ رہیں گے۔

اصل حدیث یہ ہے جو صحیح مسلم کے صفحہ ۳۱۰ میں ہے، وہی حدیث مشکوۃ میں بصفحہ ۴۷۴ منقول ہے

عن جابر بن عبد اللہ سمعت النبی ﷺ یقول قبل ان یموت بشہر تساءلونی عن الساعۃ وانما علمہا عند اللہ واقسم باللہ ما علی الارض من نفس منفوسۃ تاتی علیہا مائۃ سنۃ وھی حیۃ یومئذ ۔ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل قرن، ہم عصر لوگ، سو برس تک فوت ہو جائیں گے، نہ یہ کہ تمام دنیا کے لوگ سو برس تک مر جائیں گے اور قیامت برپا ہوگی۔ چنانچہ اسی کتاب صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ لوگ جو آپس میں سو برس کے بعد قیامت آنے کی باتیں کرتے ہیں اس میں وہ آنحضرت ﷺ کے کلام کے معنے سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جو آج تک پیدا ہو چکے ہیں وہ سو برس کے بعد نہ رہیں گے، جس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ آپ کا قرن سو برس کے بعد گزر جائے گا قال ابن عمر فوہل الناس فی مقالۃ رسول اللہ ﷺ تلک فیما یتحدثون من ہذہ الاحادیث عن ماۃ سنۃ وانما قال رسول اللہ ﷺ لا یبقی ممن ھو الیوم علی ظہر الارض احد یرید بذلک ان ینخرم ذالک القرن۔ (صحیح مسلم۔ص ۳۱۰)۔ یہ قول ایک جلیل الشان صحابی ابن عمر کا بھی اس باب میں نص ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وہ قول سوال قیامت کا جواب نہیں تھا۔ اور اس سے قیامت برپا ہونے کی خبر دینا مقصود نہ تھا، بلکہ بیان انقضاء قرن مقصود ہے۔ اور جب اس قول سے جواب سوال قیامت مقصود نہ ہوا تو پھر اس سے تمام زمین کے زندہ اشخاص کا فوت ہو جانا مراد ٹھہرانا ضروری نہ ہوا۔ کیونکہ یہ تو بقول مرزا قادیانی اسی صورت میں ضروری تھا جب کی یہ قول سوال قیامت کا جواب ہوتا، اور اس سے قیامت ہونے کی خبر دینا مقصود حضرت رسالت ہوتا۔

لفظ قرن کو، جس کے گزر جانے کا بیان بقول حضرت ابن عمر مقصود حضرت رسالت تھا، دیکھا جائے تو اس سے بھی تمام زمین کے لوگوں کا مراد نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے اہل قرن وہی لوگ کہلاتے ہیں جو آپ سے شرف صحبت و ملاقات رکھتے تھے، نہ تمام دنیا کے لوگ۔ حدیث مشہور خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم میں آنحضرت ﷺ نے اپنے قرن والوں کو بہترین اہل زمانہ فرمایا ہے۔ پھر ان کو جو ان کے قریب ہوں، پھر ان کو جو اس سے متصل ہوں۔ اور اس قول سے ان تینوں زمانوں کے تعامل عام کو حجت ٹھہرایا ہے۔ کیا اس حدیث میں ان تین زمانوں کے تمام دنیا کے لوگوں کو، یورپ میں ہوں خواہ ایشیا میں یا امریکہ و چین وغیرہ میں آنحضرت ﷺ نے بہتر کہا؟ اور ان کے تعامل کو حجت ٹھہرایا ہے؟۔ ہرگز نہیں۔

مجمع البحار جلد سوم کے صفحہ ۱۲۸ میں نہایہ جزری سے نقل کیا ہے قرنہ اصحابہ علی الصحیح وقیل قرنہ ما بقیت عین رئتہ والثانی ما بقیت عین راءت من راہ و

الثالث کذا لک ولثا لث ابناء ابنا ئهم ۔ و قیل کل طبقة مقتر نین فی وقت و الصحیح ان قر نه اصحا به و الثا نی التا بعو ن و الثا لث تا بعو هم و قد ظهر ان مدة ما بین البعثة الی آ خر من ما ت من الصحا بة ماة و عشرو ن با لتقر یب و ان نظرا الی و فا ته کا ن ماة اما قر ن التا بعین فا ن اعتبر من سنة ماة کا ن نحو خمسین فظهر ان مدة القر ن مخلتف باعتبار اعمار اہل کل زمان و اتفق ان اخر اتباع التابعین من عا ش الی عشرین و ما تین و فیه ظهر البد ع ظهوراً نا شیاً و اطلقت المعتز لة السنتها و رفعت الفلا سفة رئو سها ۔ کہ آنحضرت ﷺ کا قرن بنا بر قول صحیح آپ کے اصحاب تھے۔ بعض کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قرن اس وقت تک ہے کہ آپ کو دیکھنے والی آنکھ رہے۔ دوسرا قرن اس وقت تک ہے کہ آپ کو دیکھنے والوں کو دیکھنے والی آنکھ رہے۔ ایسا ہی تیسرا۔

اور اسی مجمع البحار جلد ثالث کے صفحہ ۱۲۴ میں طیبی سے نقل کیا ہے قر نه اصحا به و الثا نی ابنا ء هم کہ آپ ﷺ کا قرن آپ کے اصحاب تھے، دوسرا قرن ان کے بیٹے، تیسرا قرن ان کے پوتے۔ بعض کا قول ہے کہ قرن وہ لوگ ہیں جو کسی وقت میں ملے ہوں۔ مگر صحیح یہ تفسیر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قرن آپ کے اصحاب ہیں، دوسرا قرن تابعین کا تیسرا قرن تبع تابعین کا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت سے آخری صحابی کی موت تک تقریباً ایک سوبیس برس ہوتے ہیں اور اگر آنحضرت ﷺ کے سال وفات سے، جس سے ایک مہینہ پیشتر آپ نے وہ قول سو برس تک کسی کے زندہ نہ رہنے کا فرمایا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں بصفحہ ۳۱۰ اور مشکوۃ میں بصفحہ ۴۷۲ تصریح موجود ہے، حساب کیا جاوے تو ایک سو برس ہوتے ہیں۔ تابعین کا قرن اس سو برس کے بعد شمار کیا جائے تو تقریباً ستر برس تک ختم ہوتا ہے اور تبع تابعین کا قرن اس کے بعد سے شمار کیا جائے تو تقریباً پچاس برس تک ختم ہوتا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ قرن ہر ایک زمانہ والوں کی عمر کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ آخری تبع تابعی دوسوبیس ہجری تک زندہ رہا ہے۔ اس کے بعد بدعت وفساد کا عام شیوع ہو گیا۔ معتزلہ نے زبان کو کھولا اور فلاسفہ نے سر اٹھایا وغیرہ وغیرہ۔

ان عبارات کی شہادت سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قرن سے جس کے گزر جانے کی بقول حضرت ابن عمر، آنحضرت ﷺ نے اس قول میں خبر دی تھی، صحابہ مراد ہیں۔ جو عرب وغیرہ بلاد کی زمین میں رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قول میں ان ہی کے فوت ہونے کی خبر دی تھی، نہ تمام دنیا کے لوگوں کی۔

آپ کے قرن سے ساری دنیا کے لوگوں کو مراد ٹھہرایا جائے تو آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مشہور میں جو لفظ قرن وارد ہے اس سے بھی تمام دنیا کے لوگ مراد لینا اور ان کا بہتر ہونا اور ان کے تعامل کا حجت ہونا لازم

آئے گا جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ مرزا قادیانی فن حدیث سے ناواقف ہوکر ناحق دخل در معقولات دیتا ہے اوراحادیث صحیحہ کے غلط معنے کر کے ان کو باہم متعارض ٹھہراتا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ محمد حسین)

اب ظاہر ہے کہ اگر تمام حدیثیں روایت کے طور سے یقینی الثبوت ہوتیں تو یہ خرابیاں کاہے کو پڑتیں (جملہ احادیث کو یقینی الثبوت کہنے کا جواب بارہا دیا گیا۔ان میں تعارض کا عدم وقوع بھی ظاہر کیا گیا۔ مرزا صاحب قادیانی بار بار اسی بات کا اعادہ کرتے اور خروج از مبحث کا ارتکاب عمل میں لائے ہیں جس کی پانچویں دفعہ ہے ۔محمد حسین) ۔**اب میں خیال کرتا ہوں کہ میں آپ کے سوال کا پورا پورا جواب دے چکا ہوں** (پورا چھوڑ ادھورا جواب بھی نہیں دیا اور نہیں بتایا کہ احادیث صحیحین اصول روایت کی رو سے صحیح ہیں یا سب کی سب غیر صحیح یا بعض صحیح بعض موضوع ۔ ہمارے سوال کا یہی جواب تھا جس کا کوئی حصہ بھی مرزا قادیانی کی تمام کلام میں پایا نہیں جاتا) **کیونکہ جس حالت میں یہ ثابت ہوگیا کہ حدیثیں بوجہ اپنی ظنی حالت اور تعارض اور دوسری وجوہ کے یقین کامل کے مرتبہ پر نہیں ہیں، اس لئے وہ بجز شہادت وموافقت قرآن کریم یا عدم خلاف اس کے حجت شرعی کے طور سے کام میں نہیں آسکتیں** (احادیث صحیحین کا واجب العمل ہونا باوجود ظنی تسلیم ہونے کے شرط توافق قرآن سے مشروط نہیں ۔ وہ احادیث بلا مراجعت قرآن واجب العمل ہیں اور کوئی حدیث صحیحین قرآن شریف کے مخالف نہیں ۔محمد حسین) **اور قانون روایت کی رو سے ان کا وہ پایہ ہرگز تسلیم نہیں ہوسکتا جو قرآن کریم کا پایہ ہے** (یہ ہم پایہ ہونا کس نے کہا اور کس نے اس سے سوال کیا؟ یہ چھٹی دفعہ مرزا صاحب نے مبحث سے خروج کیا کہ ایک ایسے امر سے تعرض کیا جس سے بحث وسوال نہ تھا۔محمد حسین) **سو بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے ۔**

۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء مرزا غلام احمد

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی تحریر پنجم

(اس تحریر کے متعلق قادیانی روایت یہ ہے کہ یہ پرچہ ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مختصر سا پرچہ تھا جو محمد حسین ہی کے پاس رہ گیا ہوگا۔ تاہم انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ محمد حسین نے یہ پرچہ ان کے حوالے نہیں کیا۔ ایسا ہوتا تو جب مرزا قادیانی کے آخری پرچے کے بارے میں مولانا نے کہا کہ تم نے یہ پرچہ ہمیں نہ دے کر شرائط مباحثہ کی خلاف ورزی کی ہے،تو مرزا صاحب کہتے کہ تم تو یہ جرم پہلے ہی کر چکے ہو۔ ہمیں الزام دینے کا کیا مطلب؟

دراصل اس پرچہ میں مولانا بٹالوی نے کچھ سوال مرزا صاحب پر وارد کیئے ہیں۔جن کا جواب وہ دے نہیں سکے۔اس لئے اصل سوالات کو غائب کر کے جو کچھ ان کے منہ میں آیا کہتے رہے اور اپنے اتباع پر ظاہر کیا کہ میں نے ایک مدلل تحریر لکھی ہے ۔ بہاء)

مولانا بٹالوی اس پرچہ میں لکھتے ہیں ۔

آپ (مرزا) نے میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہیں دیا اور نہ فرمایا کہ احادیث کا قانون روایت بجز اس عقلی پیمانہ کے کہ موافق قرآن ہوں تو مقبول ورنہ مردود، یعنی پیمانہ صحت کیا ہے اور اصول روایت کی رو سے احادیث صحیحین صحیح ہیں یا نہیں؟

مگر آپ کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کسی حدیث کو، بخاری و مسلم کی کیوں نہ ہو، صحیح و لائق قبول نہیں جانتے جب تک کہ اس کا مطابق قرآن ہونا ثابت نہ ہو ۔

(ہمارے اس اظہار مفہوم پر بعض مرزائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب تم کو اس مفہوم کا علم و اعتراف ہے تو پھر کیوں کہتے چلے گئے ہو کہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔اس کے دو جواب ہیں ۔

اول یہ کہ اس مفہوم کی نسبت مرزا قادیانی سے اسی مقام میں یہ سوال کیا گیا کہ . ہماری کلام کا یہی مطلب ہے تو صرف ہاں کہدو . تو اس نے اس کے جواب میں ہاں نہیں کہا۔لہذا سوال و استفسار کا حق رہا۔

جواب دوم یہ کہ یہ مفہوم مرزا قادیانی کے لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے، مگر ہم اس سے صاف اقرار کرانا چاہتے تھے تا کہ عوام کو اس کا منکر صحت صحیحین ہونا اس کے اقرار سے ثابت ہو۔سو اگر چہ اس نے یہ صریح اقرار نہیں کیا، مگر بار بار کا مفہوم و اشارہ بھی صریح اقرار کے مانند ہو جاتا ۔اسی وجہ سے ہم نے تحریر نمبر ۸ میں اس کو یقیناً منکر صحت صحیحین ٹھہرا دیا اور اس پر جو حکم مناسب تھا، لگایا۔محمد حسین) و بناءً علیہ ان کتب کی احادیث کی نسبت یہ عام حکم نہیں لگاتے کہ وہ صحیح ہیں یا موضوع ہیں۔اور نہ یہ تفصیل و تشقیق کر سکتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح ہے، فلاں موضوع، بجز احادیث متعلقہ ابن صیاد و دجال، جن کی ایک جانب کو آپ موضوع جانتے ہیں ۔آپ کے کلام کا یہی مطلب ہے تو آپ صرف ہاں کہدیں اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیں کہ اس اعتقاد و بیان میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے اور آپ سے پہلے کون اس کا قائل ہے؟ اس کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ بیان کریں ۔(ناظرین خیال رکھیں کہ ہم نے کس اعتقاد و بیان میں قادیانی کے امام کا نام دریافت کیا ہے اور قادیانی نے جواب میں کس مسئلہ میں اپنے لئے امام کا ہونا غیر ضروری ہونا بتایا ہے ۔محمد حسین)

☆ نمبر ۲۔آپ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تم کتب احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے

برابر سمجھتے ہو۔اس کی نسبت یہ سوال ہے کہ میرے کن الفاظ سے آپ نے یہ مطلب سمجھا ہے

☆ نمبر۳۔آپ نے یہ دعوی کیا کہ آنخضرت ﷺ نے بعض احادیث اجتہادی فرمائی ہیں، کیا اس سے آپ کا یہ مقصود ہے کہ وہ وحی الہی نہیں ہے، یا کچھ اور ہے۔ یہی ہے تو فرمائیے کہ احادیث متعلقہ ابن صیاد اسی قسم اجتہادی سے ہیں یا نہیں۔

☆ نمبر۴۔آپ نے لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ ابن صیاد، دجال معہود ہے، اس پر کتب حدیث میں کہاں شہادت پائی جاتی ہے جس سے اجماع ثابت ہو۔مگر اس کے ساتھ یہ بھی بیان کریں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے۔

☆ نمبر۵۔آپ نے دعوی کیا ہے کہ آنخضرت ﷺ نے ابن صیاد کی نسبت فرمایا ہے کہ میں اس کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں۔کتب حدیث میں اس کا کہاں ذکر ہے۔

☆ نمبر۶۔ آپ نے جو مضمون اشاعۃ السنہ سے نقل کیا ہے اس کی تصحیح نقل کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان کریں کہ اس امر کی نسبت میں نے اپنا اعتقاد کیا ظاہر کیا ہے۔

ان سوالات کا آپ جواب دیں گے تو آپ کے طولانی جواب پر مفصل بحث ہو گی۔ بلاحصول جواب سوالات مذکورہ اس پر تفصیلی بحث نہیں ہوسکتی۔

۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد کی تحریر پنجم

میری طرف سے مکرر گذارش یہ ہے کہ آئمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیر صحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ وہ راویوں کے حالات پر نظر ڈال کر باعتبار ان کے صدق یا کذب اور سلامت فہم یا عدم سلامت فہم اور باعتبار ان کی قوت حافظہ یا عدم حافظہ وغیرہ امور کے جن کا ذکر اس جگہ موجب تطویل ہے۔ کسی حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی نسبت حکم دیتے ہیں۔مگر ان کا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے ، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہنچ گئی ہے جس میں امکان غلطی کا نہیں، بلکہ ان کا مطلب صحیح کہنے سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بخیال ان کے ان آفات اور عیوب سے مبرا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقع

اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو (جس قدر ثبوت عمل کے لئے کافی ہے وہ تو کامل ومکمل احادیث صحیحین کو حاصل ہے۔ رہی مرزا صاحب کی قید عدم امکان غلطی ہو، یہ محض دھوکہ ہے۔ عمل کے لئے یہ امر ضروری نہیں ہے اور حدیث صحیح باوجود امکان غلطی، واجب العمل ہے۔ اور صحیحین کی احادیث واقعی صحیح نہ ہوں تو ان کی صحت پر قسم کھانے سے کفارہ لازم آوے، حالانکہ یہ کفارہ لازم نہیں ہے۔ ان کتابوں کی صحت پر امت کا اتفاق واقعی صحت کا مثبت ہے کیونکہ امت اپنے اتفاق میں معصوم ہے، اس کا بیان ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہے۔ محمد حسین)

غرض علم حدیث ایک ظنی علم ہے جو مفید ظن ہے، اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں، تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم وصلوۃ و حج وزکوۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ سے مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکہ کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں وبس۔ بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل ساتھ ساتھ چلا آیا ہے۔ (نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ اعمال کے اتفاقیہ ارکان گو تعامل سے ثابت ومعلوم ہیں مگر ان کے اختلافی اجزاء ومسائل تعامل سے ثابت نہیں۔ ان کا ثبوت احادیث ہی سے ملتا ہے۔ حدیث نہ ہو تو ان مسائل کے ثبوت کا پتہ نہ لگے۔ ان پر تعامل پایا جاتا تو ان میں اختلاف واقع نہ ہوتا۔ مرزا قادیانی جو ان سب کو تعامل سے ثابت بتاتا اور ان کو یقینی ٹھہراتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ تعامل کے معنے جانتا ہے اور نہ ان اختلافات سے واقف ہے جو ان اعمال میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری تحریر نمبر ۸ اور اس کے حواشی میں ہوگی۔ محمد حسین)۔ اگر فرض کرلیں کہ یہ فن حدیث دنیا میں پیدا نہ ہوتا، پھر بھی یہ سب اعمال وفرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے، یا نماز نہیں پڑھتے تھے، یا زکوۃ نہیں دیتے تھے۔ (قادیانی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ احادیث وہی نہیں کہلاتیں جو کسی کتاب میں جمع ہوں اور لکھی بھی جاچکی ہوں۔ صدر اول میں تو احادیث زبانی روایت کی جاتی تھیں اور سینوں میں محفوظ تھیں۔ اور ان ہی حدیثوں کی ہدایت کے موافق صدر اول کے لوگ نماز، روزہ وحج، زکوۃ وغیرہ اعمال و ارکان اسلام بجالاتے اور کسی وقت میں وہ احادیث سے مستغنی نہیں ہوئے۔ حدیث نہ ہوتی تو اسلام کے ایک رکن پر مطلق عمل جاری نہ ہوتا۔ تعامل کیسا اور کس کا؟ محمد حسین) ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام واعمال کو یکدفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں، تو بے شک یہ درجہ یقین وثبوت تام جو اب ان میں پایا جاتا ہے، ہرگز نہ ہوتا (ان اعمال کے

جملہ ارکان ومسائل کا یقین ثبوت آپ کو ہوگا۔ مسلمان تو عموماً ان کی اختلافی تفصیلات کے لئے وہی مرتبہ تجویز کرتے ہیں جو احادیث صحیحہ کا مرتبہ ثبوت ہے، یعنی ثبوت بظن غالب۔ یہی وجہ ہے کہ ان اختلافی مسائل میں ایک فریق دوسرے کی تکفیر وتفسیق نہیں کرتا۔ محمد حسین) سو یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوۃ وغیرہ تفاصیل معلوم ہوئی ہیں، بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو طبعی طور پر ہر یک مذہب کو لازم پڑا ہوا ہوتا ہے اور میرا مذہب احادیث بخاری اور مسلم کی نسبت یہ نہیں ہے کہ میں خواہ مخواہ ان کی کسی حدیث کو موضوع قرار دوں۔

(خواہ مخواہ کیوں موضوع کہیں گے، آپ کوئی وجہ نکال کر موضوع قرار دیں گے۔ مخالفت قرآن کی وجہ وجیہ آپ کو ہاتھ لگ گئی ہے، جس حدیث کو چاہا مخالف قرآن قرار دے کر موضوع قرار دے دیا۔ جیسا کہ احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح کو آپ نے مخالف قرآن وتوحید قرآن قرار دے کر موضوع قرار دیدیا ہے۔ محمد حسین) بلکہ میں ہر یک حدیث کو قرآن کریم پر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر قرآن کریم کی کوئی آیت صاف اور کھلے کھلے طور پر ان کے مخالف نہ ہو تو میں بسر وچشم اس کو قبول کرونگا۔ بلکہ اگر مخالفت بھی ہو تو کوشش کرونگا کہ وہ مخالفت اٹھ جائے۔ لیکن اگر کسی طور سے وہ مخالفت دور نہ ہو سکے تو پھر البتہ کہونگا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں تغیر الفاظ یا پیرایہ بیان میں کچھ فرق آگیا ہوگا، یا جو کچھ کسی صحابی نے بیان فرمایا ہوگا اس کے تمام الفاظ تابعی وغیرہ کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہے ہوں گے۔ مگر اب تک تو مجھے ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بخاری یا مسلم کی کوئی حدیث صریح مخالف قرآن مجھ کو ملی ہو جس کی میں کسی وجہ سے تطبیق نہ کرسکا، بلکہ جو کچھ بعض احادیث میں کچھ تعارض پایا جاتا ہے خدا تعالی نے اس تعارض کے دور کرنے کے لئے بھی میری مدد فرمائی ہے (جس طور سے تطبیق احادیث بقرآن مرزا قادیانی کرتے اور اس کو خدا کی مدد سمجھتے ہیں وہ صریح انکار احادیث سے بدتر ہے۔ وہ اگر ان احادیث کی نسبت، جن کو بزعم خود قرآن کے مخالف سمجھتے، صاف یہ کہہ دیں کہ یہ احادیث موضوع ہیں، تو اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کچھ نقصان نہ ہو۔ مسلمان ان کو اس دعوی میں مبتدع سمجھیں اور ان احادیث کا موافق قرآن ہونا علماء اسلام سے دریافت کرلیں۔ مگر جب ناواقف اردو خوان مسلمان مرزا صاحب کی کلام میں ان احادیث کی قرآن سے تطبیق دیکھتے ہیں اور ایسے ایسے معانی سنتے ہیں جو زمانہ حضرت رسالت سے اس وقت تک کسی مسلمان کے خیال میں نہیں آئے تو وہ اس سے سخت گمراہ ہوتے ہیں اور وہ ان احادیث کے ظاہری معانی کو، جو ابتداء سے آج تک مسلمانوں میں متوارث چلے آئے ہیں، حقارت کی نگاہ سے

دیکھ کران سے انکاری ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ پورے ملحد و باطنی ہو جائیں گے۔ اور صوم وصلوٰۃ کے ظاہری معانی سے بھی انکار کریں گے۔ اس کی تمثیلات فتوی تکفیر مرزا اور ریویو میں بکثرت بیان ہوئی ہیں۔ اس مقام میں ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔

حدیث اتفاقی صحیحین میں آیا ہے کہ مسیح آئیں گے تو وہ خنازیر کو قتل کریں گے، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ خنزیر پالنے اور اس کو کام میں لانے کو موقوف کر دیں گے۔ موجودہ خنزیروں کو قتل کا حکم دیں گے اور آئندہ خنزیر رکھنے سے لوگوں کو روک دیں گے۔

مرزا قادیانی نے جب دیکھا کہ عام دنیا کو خنزیر پالنے سے روکنا تو ریاست وسیاست کا کام ہے۔ اور حاکم وقت کے سوا کسی سے ممکن نہیں ہے، اور ان کا اپنا حکم تو خاص قادیان کے ایک محلّہ میں بھی نہیں چلتا۔ حکم کیسا، انہیں تو اپنی جان بچانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ قادیان میں سر چھپا کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دہلی گئے تو پولیس کی پناہ میں رہے۔ پھر مسیح موعود بنیں تو کیونکر بنیں۔ یہ سوچ کر انہوں نے پہلے اس حدیث کے معنے کو بگاڑا اور اس لائق کر دیا کہ ان کے بے علم اتباع کی نظر میں ان کا مخالف قرآن ہونا دکھائی دے، اور کہا کہ اس حدیث کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ حضرت مسیح جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتے پھریں گے۔ اور چوہڑے (بھنگی) اور سانسی، جو پنجاب میں ایک قوم ہے جو چوہڑوں کی طرح مردار کھاتے ہیں، گھنڈیلے اور شکاری کتے آپ کے ساتھ ہوں گے پھر ان معنے کے مخالف قرآن ہونے کے ثبوت میں فرمایا کہ یہ معنے نبی کی شان کے برخلاف ہیں، جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لہذا یہ حدیث اپنے ظاہری معنے کی رو سے قرآن کریم کے مخالف ہے۔ پھر اس حدیث کے قرآن سے تطبیق کرنے کی غرض سے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ اس حدیث میں خنزیر سے مراد خنزیر صفت انسان مراد ہیں اور قتل سے ان کا مغلوب کرنا۔ اور اس معنی سے یہ حدیث قرآن کے موافق ہوسکتی ہے۔ دیکھو توضیح مرام ص ۱۳ اور ازالہ اوہام ص ۱۴۱ وغیرہ۔

اس تاویل وتطبیق قادیانی کو جو لوگ مان چکے ہیں وہ قتل خنزیر کے ظاہری معنے پر خوب قہقہہ اڑا رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کے حق میں جو زمانہ رسالت سے اس وقت تک اس کے ظاہری معنی مراد سمجھتے چلے آئے ہیں، یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کی نسبت خنزیروں کا شکار کھیلنے اور چوہڑوں اور چماروں اور کھنڈیلوں اور کتوں کو ساتھ لے کر جنگلوں میں دوڑتے پھرنے کا اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں اور اس گمان سے وہ نصوص نبویہ اور قرآنیہ کے ظاہری معنے مراد لینے کو ایک نہایت شرمناک اور غیر مہذبانہ واحمقانہ خیال سمجھنے لگے ہیں۔ جس کا عنقریب یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ وہ آیات حرمت خنزیر میں بھی خنزیر سے خنزیر صفت انسان مراد لیں گے۔ اور اصل خنزیر کو حلال سمجھ کر نوش جان فرمائیں گے۔

اس اصول پر وہ نماز و روزہ و حج و زکوۃ کی نصوص کی وہ تاویلیں کریں گے جو فتوی تکفیر مرزا میں باطنیہ سے منقول ہوئی ہیں۔ اس وقت تک تو وہ احادیث کے ظاہری معانی پر قہقہے اڑا رہے ہیں۔ چند روز بعد جب اصول تاویل قادیانی ان کے خیال میں استحکام کے ساتھ جاگزین ہوگا، تو وہ آیات قرآن کے ظاہری معانی پر ان کو دوسری آیات اور تعلیم قرآنی و تقدس رحمانی کے برخلاف سمجھ کر قہقہے اڑائیں گے اور ان ظواہر سے انکار کریں گے۔ اس انکار ظواہر آیات کی پٹڑی بھی ان کے پیغمبر قادیانی نے جما دی ہے۔ اور آیات لیلۃ القدر و سجود آدم و معجزات مسیح از قسم احیاء موتے و خلق طیور وغیرہ کے ظاہری معانی کو خلاف تعلیم قرآنی و تقدس رحمانی و برخلاف حقائق نفس الامریہ قرار دے کر ان کی تاویل کر دی ہے اور یہ انکار ان کا حدیث نبوی کے ظاہری معانی میں محدود و محصور نہیں رہا۔ ظواہر حدیث کو تو انہوں نے ظنی ہونے کے بہانہ سے نشانہ بنایا ہے، ظواہر قرآن کو اس حیلہ سے اڑانا شروع کر دیا ہے کہ وہ ظواہر دوسری آیات کے مخالف ہیں، اور تعلیم قرآنی و تقدیس رحمانی کے منافی ہیں، جس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تطبیق و تاویل آپ کے اتباع میں مسلم ہوگئی تو مرزا اور مرزائی جملہ نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ کے ظواہر و حقائق سے منکر اور پکے اور پورے باطنی و ملحد ہو جائیں گے۔ محمد حسین) **ہاں میں دعوی نہیں کر سکتا کہ میں ہر ایک تعارض کو دور کر سکتا ہوں کیونکہ جو حقیقی اور واقعی تعارض ہوگا اس کو میں کیوں کر دور کر سکتا ہوں یا کوئی اور شخص کیونکر دور کر سکتا ہے** (یہ صاف و صریح اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک صحیحین کی بعض احادیث میں حقیقی اور واقعی تعارض بھی موجود ہے جس کو نہ آپ دور کر سکتے ہیں نہ ان کے زعم میں کوئی اور شخص۔ اور تعارض آپ کے نزدیک وضع و تحریف کی علامت ہے۔ چنانچہ اپنی تحریر نمبر ۴ وغیرہ میں آپ بیان کر چکے ہیں۔ ان دونوں مقدمات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ صحیحین میں مرزا صاحب کے نزدیک بعض احادیث موضوع بھی ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر ان کا تیرہواں حملہ ہے۔ محمد حسین)۔

☆ **اور آپ نے جو مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ جو تعارض ابن صیاد والی حدیث اور گرجا والے دجال والی حدیث میں پایا جاتا ہے، اس تعارض کے ماننے میں کون تمہارے ساتھ ہے؟** (میں نے یہ سوال نہیں کیا، اور جو اس سوال کے جواب میں آپ نے کہا، وہ بھی بے محل ہے۔ اور جس عبارت ریویو سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ آپ کے مدعا سے اجنبی ہے۔ اس عبارت میں آیہ و حدیث کے ہوتے تقلید کو غیر ضروری بتایا گیا ہے اور آپ کا دعوی تعارضی احادیث ابن صیاد اور دجال محض باطل خیال ہے، احادیث نبویہ سے اس پر شہادت نہیں پائی جاتی۔ محمد حسین)

اس سوال سے میں متعجب ہوں کہ جس حالت میں مدلل اور موجہ طور پر میں تعارض کو ثابت کر چکا ہوں تو پھر میرے لئے ضرورت کیا ہے کہ میں کسی کی سلف میں سے تقلید

ضروری سمجھوں ۔ اور آپ بھی تو ریویو براہین احمدیہ صفحہ ۳۱۰ میں اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ بلا تقلید غیری استدلال منع نہیں ۔ چنانچہ آپ اس صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے معاصرین جو باوجود ترک تقلید کے غوگر ہیں بلاواسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے تمسک نہیں کرتے اور جو بلاواسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے استدلال کرے اس کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔

☆ اور آپ کا یہ فرمانا کہ میرے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے مرتبہ صحت سے برابر سمجھتا ہوں، یہ مجھے آپ کی فجوائے کلام سے خیال گذرا تھا۔ اگر آپ کا یہ منشاء نہیں ہے اور آپ میری طرح احادیث کا مرتبہ صحت، قرآن کریم کے مرتبہ صحت سے متنزل سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو امام قرار دیتے ہیں اور محک صحت احادیث ٹھہراتے ہیں تو پھر میری غلطی ہے کہ میں نے ایسا خیال کیا (حدیث صحیح کا مرتبہ ثبوت میں قرآن کے مساوی نہ ہونا تو میں نے ظاہر کیا تھا مگر قرآن کا محک صحت احادیث صحیحہ ہونا مرزا صاحب نے اپنی طرف سے ملا کر مجھے ان دونوں باتوں کا قائل قرار دیا اور اس میں اپنی دجالیت کا ایک ثبوت پیش کیا ہے۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ احادیث صحیحہ کا معیار صحت، اصول روایت ہیں اور احادیث صحیحہ، ثبوت صحت کے بعد خود بخود موافق قرآن ہو جاتی ہیں۔ احادیث صحیحہ کی صحت کو قرآن سے نہیں پہچانا جاتا۔ ممکن ہے کہ ایک حدیث کا مضمون قرآن کے مطابق ہو اور وہ حدیث صحیح نہ ہو۔ محمد حسین) لیکن اگر آپ درحقیقت قرآن کریم کا اعلیٰ مرتبہ مانتے ہیں اور اس کو واقعی طور پر محک صحت احادیث قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کی حالت میں کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر تو آپ مجھ سے متفق الرائے ہیں ۔ پھر اس لمبی چوڑی تکرار سے فائدہ کیا ہے؟

☆ اور یہ جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے کیا مطلب ہے، تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس جگہ اجتہاد سے مراد، اس عاجز کی، اجتہاد فی الوحی ہے، کیونکہ یہ تو ثابت ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت وحی مجمل میں اجتہادی طور پر دخل دیا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ تفسیر اور تشریح جو آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے صحیح اور سچی ہوتی تھی اور بعض اوقات غلطی بھی ہو جاتی تھی چنانچہ اس کی نظیریں بخاری اور مسلم میں بہت ہیں ۔ (اس قول میں مرزا قادیانی نے عجیب تدلیس وتلبیس سے کام لیا ہے، اس کی جملہ تلبیسات وتحریفات نصوص قرآن وحدیث کا اصل اصول یہی امر ہے جو اس قول میں اس نے اختیار کیا ہے ۔

اس قول میں مرزا صاحب نے دعوی یہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ وحی مجمل میں اجتہاد کرتے اور اس میں غلطی کیا کرتے۔ جو جملہ مجملات وحی متلو، قرآن مجید، اور وحی غیر متلو، حدیث شریف، کو شامل ہے اور اس دعوی سے مرزا قادیانی نے یہ جتایا ہے کہ قرآن کی جو آیت مجمل ہے یا احادیث نبویہ سے جو حدیث مجمل ہے، وہ محل اجتہاد ہے اور اس میں غلطی ہوسکتی ہے۔ اسی نظر سے قادیانی نے اپنی تحریر نمبر ۴ میں یہ دعوی کیا تھا کہ بعض حدیثیں اجتہادی طور سے آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں۔ اس وجہ سے ان میں باہم تعارض ہوگیا ہے، جس پر ہم نے اپنی تحریر نمبر ۵ میں معنے اجتہاد سے سوال کیا تھا۔ اسی کا جواب مرزا قادیانی نے اس قول میں دیا ہے جس کا مطلب اس کے مضمون تحریر نمبر ۴، اور ازالہ اوہام کا مضمون صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۷ وغیرہ ملا کر یہ ہوا

. بعض آیات و احادیث کی وحی آنحضرت ﷺ کو مجمل ہوتی۔ آنحضرت ﷺ اپنے اجتہاد سے اس کی تفسیر و تشریح فرماتے۔ اور اس میں غلطی بھی کیا کرتے۔ اسی وجہ سے ان میں تعارض واقع ہوگیا۔ اور احادیث متعلقہ دجال و ابن صیاد و حضرت مسیح اسی قسم سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس باب میں کچھ مجمل وحی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی تشریح و تفسیر اپنے اجتہاد سے کر کے وہ حدیثیں فرمادی ہیں۔ اور ان میں غلطی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان احادیث میں تعارض واقع ہوگیا ہے .

اس عام دعوی، وحی مجمل قرآن و حدیث کو آپ ﷺ کا اجتہاد سے تفسیر کرنا اور اس میں غلطی کا مرتکب ہونا .
پر جو دو دلیلیں مرزا قادیانی نے پیش کی ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے دو خواب ہیں، چنانچہ آئندہ ان کی تشریح ہوگی، اور نبی کا خواب گو ایک خاص قسم کی وحی ہے، جس کی تعبیر اجتہاد سے ہوسکتی ہے اور اس میں غلطی ممکن ہے، مگر اس خاص قسم کی وحی کو محل اجتہاد و غلطی ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر قسم کی وحی مجمل قرآن و حدیث کی تفسیر آنحضرت ﷺ اجتہاد سے فرماتے اور اس میں غلطی کیا کرتے۔

دعوی تو مرزا صاحب نے عام کیا کہ ہر ایک وحی مجمل قرآن و حدیث میں آنحضرت ﷺ اجتہاد کرتے اور اس میں غلطی کے مرتکب ہوتے، اور دلیل خاص ایک قسم، خواب، میں آنحضرت ﷺ کا اجتہاد و غلطی کرنا پیش کیا، اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور اس دھوکہ سے اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔ مسلمان اور غیر مسلم سبھی عقلاء اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ دلیل خاص سے دعوی عام ثابت نہیں ہوتا۔ مگر مرزا صاحب کو ایسے اتباع مل گئے ہیں جو عقل سے بھی اب کوئی تعلق نہیں رکھتے، جیسا کہ نقل کو پہلے ہی آپ کی بیعت کر کے سلام کہہ چکے ہیں۔ لہذا آپ بے دھڑک و بلا پابندی نقل و عقل جو چاہتے ہیں، کہہ دیتے ہیں اور وہ آمنا کل من ربنا کہہ کر اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد صاحب دو تین خوابوں کی تعبیر میں آنحضرت ﷺ کے اجتہاد و خطا کو ہتھکنڈا بنا کر انہیں کی دست آویز سے جس پیش گوئی قرآن و حدیث کو چاہتے ہیں، وحی مجمل قرار دیتے ہیں اور اس کو آنحضرت ﷺ

کے اجتہاد کا ایک غلط نتیجہ ٹھہرا کر اس کے ظاہر معانی کو بے کار و بے اعتبار ٹھہراتے اور اپنی تاویل کا محل بنا لیتے ہیں ۔ اور نصوص قرآن وحدیث کو زیر و بالا کر دیتے ۔ اور ان کے مرید اس کو حقائق و معارف سمجھ کر اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ ہم اہل اسلام کو یہ بتاتے ہیں کہ اسلام میں مجملات قرآن حدیث کا کیا حکم مقرر و مسلم ہے ۔

اسلام و مسلمانوں میں مجملات قرآن و حدیث کا یہ حکم مسلم و مقرر ہے کہ جس مخزن و مخرج سے مجمل کا صدور ہوتا ہے اسی مخزن و مخرج سے اس کا بیان صادر ہوتا ہے، یعنی وحی الٰہی و نص شارع سے جس کو اجتہاد اور اجتہادی غلطی ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی کتاب اصول فقہ حسامی میں لکھا ہے

و ضد المفسر المجمل و هو ما اند حمت فيه المعا نى فا شتبه المراد به اشتبا ها لا يد رك ا لا ببيا ن من المجمل كآ يت الر بوا و حكمه التو قف فيه على اعتقا د حقيقة المراد به الى ان ياتيه البيا ن ۔ (حسامی۔ص٦) مفسر کی ضد مجمل ہے، جس کی مراد میں کثرت معانی کے سبب ایسا اشتباہ واقع ہو جو بلا بیان شارع رفع نہ ہو جیسے آیت ربوا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد قرار دینے میں توقف کیا جائے جب تک کہ شارع سے بیان وارد نہ ہو ۔

آیہ ربو کے مجمل ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ رباء عربی زبان میں ہر ایک بڑھوتری کو کہا جاتا ہے اور کوئی بیع ایک جانب کی بڑھوتری سے خالی نہیں ۔ لہذا یہ معنی لغوی ربو کے اس آیت میں مراد نہیں ہو سکتے ۔ اور وجوہات سے بڑھوتری مراد لیں تو ان میں کثرت وجوہات کے سبب اشتباہ واقع ہے ۔ اور کسی خاص وجہ کی بڑھوتری مراد نہیں لی جا سکتی ۔ لہذا اس کی مراد قرار دینے میں توقف کیا گیا۔ یہاں تک کہ شارع ﷺ نے اس کی مراد کو خود بیان کر دیا اور صاف فرما دیا کہ چھ چیزوں گندم، جو، نمک، کھجور، سونا، چاندی، کا اپنی ہم جنس سے مبادلہ ہو تو اس میں ایک جانب کی بڑھوتری رباء ہے ۔ تو وہ اشتباہ رفع ہوا۔ اس بیان نبوی کی نسبت کوئی مسلمان یہ تجویز نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بیان اجتہاد سے فرمایا ہے، جس میں خطا کا احتمال ہے۔ بلکہ بالاتفاق یہی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ بیان وحی الٰہی سے ہوا ہے۔ جس کو شریعت کہا جاتا ہے ۔ اور اس بیان میں آپ ﷺ کو شارع تسلیم کیا جاتا ہے ۔ اس کی مثالیں کتاب وسنت میں اور بہت ہیں ۔ کتاب اللہ کی اور تمثیلات کا کوئی شائق ہو تو تفسیر اتقان مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۳۰۸ میں دیکھے ۔ اور احادیث کی تمثیلات کتب احادیث میں ۔

نبی کے خواب کے مجملات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور اس کی تعبیر وحی الٰہی پر موقوف نہیں، وہ اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے ۔ نبی کا خواب گو ایک قسم کا وحی ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم اور بخاری کی حدیث میں آیا ہے رؤیا

الانبیاء وحی۔ رواہ ابن ابی حاتم مرفوعاً والبخاری من قول عبید بن عمر۔ مگر چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خوابوں کی اجتہاد سے تعبیر کی اور اس میں بعض جگہ غلطی بھی ظاہر ہوئی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی مجمل وحی منامی کا حکم عام مجملات قرآن وحدیث سے متغائر ہے۔ اس میں اجتہاد سے کام لینا جائز ہے۔ اور شرع اور وحی سے ورود بیان کی تعبیر خواب میں ضرورت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی وحی منامی کے چھیالیسویں حصہ، مومنوں کے خواب، میں جس کو بخاری کی حدیث نبوی میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے رؤیا المومن جزء من ستۃ و اربعین جزءْ من النبوۃ۔ (بخاری۔ص ۱۰۲۵)، اجتہاد سے تعبیر کو جائز رکھا گیا ہے اور اگر اس قسم کی وحی کی تعبیر بھی بیان شارع پر موقوف رکھی جاتی تو اس کے جزء (چھیالیسواں حصہ) میں بھی اس بیان شارع کے کسی جزء کی ضرورت ہوتی۔ اور چونکہ یہ ناممکن امر ہے کہ ہر ایک مومن کی سچی خواب کی تعبیر کا کوئی حصہ بیان شارع میں پایا جائے، لہذا اس کے کل یعنی منامی وحی نبوی میں بھی اس بیان کی ضرورت کو اٹھایا گیا اور اجتہاد سے اس کی تعبیر کو جائز رکھا گیا۔

الحاصل خاص خواب کا حکم اور ہے، عام مجملات قرآن وحدیث کا حکم اور۔ مرزا قادیانی، مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ عام وحی مجمل قرآن وحدیث کو خواب کے حکم میں ٹھہرا کر جس آیت، حدیث کو چاہتا ہے وحی مجمل قرار دے کر اجتہادی غلطی کا محل قرار دیتا اور اس میں جو تاویل چاہتا ہے، کرتا ہے۔

یہ مرزا صاحب کے ملحدانہ اصول کا ابطال ہے۔ اب اس باطل اصول کے بداثر سے ان احادیث کو بری کیا جاتا ہے جن کو اس اصول کے شکنجہ میں پھنسا کر مرزا قادیانی نے خواب یا تعبیر ٹھہرا کر محل اجتہاد وغلطی اجتہادی وناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ یعنی احادیث متعلقہ دجال وابن صیاد خصوصاً حدیث تمیم داری جس کو خصوصیت کے ساتھ مرزا قادیانی نے اپنی تحریر نمبر ۴ میں نشانہ بنایا ہے۔

پس واضح ہو کہ جن احادیث میں دجال کی آمد کی خبر ہے ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں کسی قسم کا اجمال ہو یا احادیث ابن صیاد سے اس کا تعارض ہو، یا اس میں آنحضرت ﷺ کے خواب کی حکایت یا کسی خواب کی تعبیر ہو۔ یا اس کا خلاف مشاہدہ میں آیا ہو جس سے ثابت ومفہوم ہو کہ وہ اجتہادی تعبیر تھی جو خلاف واقعہ نکلی بلکہ وہ احادیث اپنے منطوق ومفہوم والفاظ وسیاق سے صاف بتا رہی ہیں کہ ان احادیث میں آنحضرت ﷺ نے جو حالات بیان کئے ہیں وہ آپ ﷺ کے چشم دید واقعات ہیں، جو بمشاہدہ عینی بوحی الٰہی آپ پر منکشف ہوئے ہیں۔ اور ان احادیث میں کسی قسم کا تعارض وتخالف نہیں ہے۔

احادیث متعلقہ ابن صیاد کا احادیث دجال سے متعارض نہ ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے اور احادیث دجال کا آپس میں متعارض نہ ہونا ریویو ازالہ اوہام قادیانی میں ثابت کیا جائے گا۔ اور حدیث تمیم داری ہماری تحریر نمبر ۸ میں منقول ہے

اس مقام میں چند احادیث متعلقہ آمد دجال نقل کی جاتی ہیں جو ابطال عموم دعوی قادیانی کے لئے کافی ہیں ۔ ناظرین بتائیں کہ ان میں کسی قسم کا اجمال یا ان کا خواب یا تعبیر ہونا، یا ان کا اجتہادی ہونا، کس لفظ سے مفہوم ہوتا ہے؟

عن عبد اللہ بن عمر قال قام رسول اللہ ﷺ فی الناس فاثنی علی اللہ بما ھو اھلہ ثم ذکر الدجال فقال انی لانذر کموہ و ما من نبی الا انذرہ قومہ ولاکنی ساقول فیہ قولاً لم یقلہ نبی لقومہ انہ اعور و ان اللہ لیس باعور ۔ (بخاری ص ۱۰۵۵ ومعناہ فی مسلم ص ۴۰۰) ۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے ۔ خدا کی تعریف کے بعد آپ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس سے اپنی قوم کو ڈرایا نہ ہو، ولیکن میں اس کے حق میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو پہلے کسی نبی نے نہیں کہی، وہ یہ ہے کہ وہ دجال کانا ہوگا اور خدا تعالی کانا نہیں

عن انس بن مالک ما بعث نبی الا انذر امتہ الاعور الکذاب و ان ربکم لیس باعور و ان بین عینیہ مکتوب کافر ،(بخاری ص ۱۰۵۲ و مسلم ۴۰۰ و فیہ یقرء کل مومن کاتب و غیر کاتب) ۔ حضرت انس آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی نبی نہیں ہے جس نے اس کانے کذاب سے نہ ڈرایا ہو، اور تمہارا رب کانا نہیں ہے ۔ اس کانے کذاب کی دو آنکھوں کے مابین ك ف ر لکھا ہوگا جس کو ہر ایک مومن پڑھا ہوا ہو، یا ان پڑھ، پڑھ لے گا ۔

عن حذیفہ عن النبی ﷺ قال فی الدجال ان معہ ماء و نارا فنارہ ماء بارد و مائہ نار ۔ (بخاری ۱۰۵۲ و مسلم ۴۰۰) ۔ و فیہ فاما ادرکن احد فلیأت النھر الذی یراہ ناراً فلیغمر۔ حضرت حذیفہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے ساتھ پانی بھی ہوگا، آگ بھی ہوگی ۔ سو اس کی آگ (واقعہ میں) پانی ہوگا اور پانی (واقعہ میں) آگ ۔ پس اگر کوئی اس کو پائے تو جو آگ نظر آوے اس میں غوطہ لگائے ۔

و عن ابی سعید الخدری قال حدثنا رسول اللہ ﷺ یوماً حدیثاً طویلاً عن الدجال فکان فیما حدثنا قال یاتی و ھو محرم علیہ علیہ ان یدخل نقاب المدینہ فینتھی الی بعض السباخ التی تلی المدینۃ فیخرج الیہ یومئذ رجل ھو خیر الناس او من خیر الناس فیقول اشھد

انک الد جا ل الذی حد ثنا رسو ل اللہ حد یثہ فیقو ل الد جا ل ارأ یتم ان قتلت ہذا ثم احیتہ اتشکو ن فی ا لا مر فیقو لو ن لا قا ل فیقتلہ ثم یحییہ فیقو ل حین یحییہ و اللہ ما کنت فیک قط اشدبصیرۃ منی ا لآ ن فیر ید الد جا ل ان یقتلہ فلا یسلط علیہ ۔ (مسلم ۴۰۴۔ بخاری ۱۰۵۶)

حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کوایک دن دجال کے حق میں ایک لمبی حدیث سنائی اس میں یہ ذکر بھی تھا کہ یہ دجال پر شہر مدینہ کے دروازوں میں داخل ہونا حرام کیا جائے گا، وہ مدینہ کے متصل بعض شور میں پہنچے گا تو اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو اس دن تمام لوگوں سے بہتر ہوگا (علما کہتے ہیں وہ خضر ہوں گے، لو یہ ایک اور مصیبت مرزا قادیانی پر نازل ہوئی وہ حیات حضرت مسیح کو ناممکن سمجھتا تھا، یہاں ایک اور بھی غیر معمولی زندہ پیر نکل آئے) وہ شخص دجال کو کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دجال ہے جس کی بات ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے کہی ہوئی ہے۔ دجال اپنی ذریات کو کہے گا بتاؤ اگر میں اس شخص کو مارڈالوں اور پھر زندہ کروں تو تم کو میرے معاملہ میں کچھ شک رہے گا؟ وہ کہیں گے نہیں۔ پھر وہ اسکوقتل کرے گا پھر زندہ کریگا تو وہ شخص کہے گا کہ مجھے جیسا اس وقت (یعنی تیرے افعال دیکھ کر) تیرے دجال ہونے کا یقین حاصل ہوا ہے، ایسا یقین پہلے حاصل نہ تھا پھر وہ اس کو (دوبارہ) مارنا چاہے گا تو اس پر قدرت نہ پائے گا۔

عن انس بن ما لک قا ل قا ل النبی یجئی الد جا ل حتی ینز ل فی نا حیۃ المد ینۃ تر ف ثلث ر جفا ت فیخر ج الیہ کل کا فر و منا فق (بخاری ص ۱۰۵۵مسلم ۴۰۵)۔

حضرت انس کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے دجال آئے گا تو مدینہ کی ایک جانب اترے گا۔ اس وقت مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ واقع ہوگا جس سے ہر ایک منافق وکافر جو مدینہ میں ہوگا، نکل کر دجال کے پاس چلا جاوے گا۔

ان احادیث کے الفاظ اور سیاق اور محل بیان (موقعہ خطبہ) صاف بتا رہے ہیں کہ ان احادیث میں جو حالات دجال، آنخضرت ﷺ نے بیان کئے ہیں وہ آپ کے چشم دید حالات ہیں۔ اوران احادیث کے الفاظ وسیاق وسباق میں کوئی تصریح یا اشارہ پایا نہیں جاتا کہ یہ خواب کی حکایت یا خواب کی تعبیر ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ان میں فرمایا ہے وہ ظن واجتہاد سے کہا ہے۔ یہ تصریح یا اشارہ نہ ان احادیث میں پایا جاتا ہے نہ کسی اور حدیث میں۔

اب ہم ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے ان احادیث کو اپنے اس باطل اصول کے شکنجہ میں کیوں کر پھنسایا اور کس تحریر میں ان کو خواب ٹھہرا کر اجتہادی و ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اور اس کا جواب کیا ہے جس سے ان کی احادیث کے خواب ہونے سے برات ہو۔

پس واضح ہو کہ مرزا قادیانی نے ایک تو مسلم کی حدیث دمشقی روایت نواس بن سمعان سے دجال کے

حق میں آنحضرت کا لفظ کا نی ا شبہ بعبد العزی جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں گویا دجال کو عبد العزی سے تشبیہ دے رہا ہوں، لے لیا اور اس لفظ کو اس امر کا مشعر ٹھہرایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کو حقیقۃً نہیں دیکھا تھا بلکہ کشف یا خواب کی حالت میں دیکھا تھا، تب ہی لفظ گویا فرمایا۔

دوسری بخاری کی وہ حدیث لے لی ہے جو اس کے صفحہ ۴۸۹ وغیرہ میں مروی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دجال کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا،

اس حدیث کے بیان خواب اور حدیث نواس بن سمعان کے لفظ گویا کے مشعر کشف یا خواب ہونے سے اس نے یہ نکال لیا ہے کہ نواس بن سمعان کی تمام حدیث اور حضرت مسیح اور دجال کی جملہ احادیث خواب و مکاشفات ہیں جو تعبیر و تاویل کے محتاج ہیں، نہ حقائق واقعیہ۔ چنانچہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۳ میں حدیث نواس بن سمعان کے لفظ مذکور سے استدلال کر کے قادیانی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو حضرت عیسی اور دجال کی نسبت امور معلوم ہوئے تھے وہ حقیقت میں سب کے سب مکاشفات نبویہ تھے، جو اپنے اپنے محل پر مناسب تاویل و تعبیر رکھتے ہیں۔ ان ہی میں سے یہ دمشقی حدیث بھی ہے جو مسلم نے بیان کی ہے، جس کا اس وقت ہم ترجمہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس بیان پر کہ تمام پیش گوئیاں مکاشفات نبویہ ہیں اور رویا صالحہ کی طرح بالتزام قرائن محتاج تعبیر ہیں خود آنحضرت ﷺ کے بیانات مقدسہ شاہد ہیں۔ پھر اس کی تمثیل و تائید میں صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵ میں بخاری کی حدیث مذکور متضمن خواب طواف دجال نقل کر کے صفحہ ۲۰۷ میں اس کی نسبت کہا ہے کہ

. ایسے کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔ یہ درحقیقت مکاشفات اور خوابوں کے پیرایہ میں بیانات ہیں، جن کی تعبیر و تاویل کرنی چاہیے جیسا کہ عام طور پر خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے، سو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دجال اپنے ظہور کے وقت میں فتنہ اندازی کے کام کے گرد پھرے گا.

اس کے بعد بڑے زور شور کے ساتھ جلی قلم سے کہا ہے کہ اب کہاں ہیں وہ حضرات مولوی صاحبان جو ان حدیثوں کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے معانی کو ظاہر عبارت سے پھیرنا کفر و الحاد سمجھتے ہیں، ذرہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ سلف صالح نے اس حدیث کے معنے کرنے کے وقت مسیح دجال کے طواف کرنے کو ایک خواب کا معاملہ سمجھ کر کیسی اس کی تاویل کر دی جو ظاہر الفاظ سے بہت بعید ہے۔ پھر جس حالت میں لاچار ہو کر ان مکاشفات کے ایک جزو کی تعبیر کی گئی تو پھر کیا وجہ کہ باوجود موجود ہونے قرائن قویہ کے دوسری جزو کی تعبیر نہ کی جائے۔ اس کے بعد ص ۲۱۰ میں لکھا ہے کہ جس طرح ہمارے علماء نے مسیح دجال کے طواف کو ایک کشفی امر سمجھ کر اس کی ایک روحانی تعبیر کر دی ایسا ہی جناب خاتم الانبیا ﷺ نے کئی مقامات میں ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ میرے پر کشفی طور پر کھلتا ہے، جب تک من جانب اللہ قوی اور یقینی معنے اس کے معلوم نہ ہوں، میں ظاہر پر حمل نہیں

کرسکتا۔ پھراس کی تمثیل میں ایک حدیث صحیح بخاری کی صفحہ۵۵۱ سے یہ نقل کی ہے۔ آنخضرت ﷺ کوخواب میں بی بی عائشہ دکھائی گئیں اور یہ کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہے۔تسپر آنخضرت ﷺ نے فرمایا یہ امرخدا کی طرف سے ہےتو خدااس کونافذکرے گا۔ دوسری حدیث خواب میں مقام ہجرت دیکھنے کی ہے جس کا بیان آگے ہوگا

یہ مرزا قادیانی کی تقریر پرتزویر ہے جس میں اس نے احادیث متعلقہ دجال اورحضرت مسیح کو اپنے اصول کے شکنجہ میں پھنسا کرخواب قرار دیا ہے۔اب اس کا جواب ناظرین سنیں۔

مرزا قادیانی نے جوکچھ اس تقریر میں کہا ہے اس کا حاصل مطلب وماحصل وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آنخضرت ﷺ کی دوتین خوابوں کوہتھ کنڈا بنا کران کے ذریعے سے جس آیت یا حدیث کو چاہتا ہے وحی مجمل اورخواب یا مکاشفہ محتاج تشریح وتاویل بنا دیتا ہے۔ اوراسکا جواب بھی گذر چکا ہے کہ یہ محض مغالطہ اور صاف دھوکہ ہے۔بعض احادیث میں جوآنخضرت ﷺ کی خاص خوابوں کا بیان ہے وہ جملہ احادیث نبویہ متعلقہ دجال وحضرت مسیح کووحی مجمل اورخواب نہیں بنا سکتا۔اوردلیل خاص سے دعوی عام ثابت نہیں ہوتا۔ اورخاص خواب کاحکم اور ہےاور عام مجملات قرآن وحدیث کاحکم اور ہے۔مگراس مقام میں مرزا قادیانی کے مغالطات مسلمانوں پر ظاہرکرنے کی غرض سےاس جواب کی تشریح کی جاتی ہے۔

مرزا قادیانی کا حدیث نواس بن سمعان کے لفظ کانّی بمعنی گویا کومشعرکشف یا خواب کہنا، پھر کشف اورخواب دونوں کویکساں محتاج تعبیروتاویل کہنا، پھراس لفظ کی شہادت سےتمام حدیث نواس کوایک کشف یا خواب قرار دینا مغالطہ درمغالطہ ہے۔

اس میں ایک مغالطہ مرزا قادیانی کا آنخضرت ﷺ کی روئت دجال کوخواب تجویز کرنا ہے جومحتاج تعبیرومحل تاویل ہوتا ہے۔ دوسرا مغالطہ اس خواب کے ساتھ لفظ یا کشف ملا دینا تاکہ ناظرین کو یہ متوہم ہو کہ وہ کشف بھی خواب میں ہی ہوگا۔ یا یہ کشف بھی خواب کی طرح محتاج تعبیروتاویل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر یہ بات اس نے بتصریح بھی کہدی ہے۔ یہ دونوں مغالطے اس ایک تجویز سے دفع ہوسکتے ہیں کہ آنخضرت ﷺ کوخدا تعالی نے بحالت بیداری دجال کی اصل صورت دکھائی ہو جیسے آپ ﷺ کی سیر بیت المقدس کواہل مکہ کے نہ ماننے کے وقت بیت المقدس کی اصل صورت آپ کودکھائی تھی۔ آپ مکہ کے مقام حجرمیں بیت المقدس کوبچشم خود دیکھ رہے تھے اورکفارقریش کواس کے پتے بتاتے جاتے تھے۔ قال رسول الله لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی الله البیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته وانا انظر الیه ۔ متفق علیه ۔ (مشکوۃ۔ص۲۴۲)

یا جیسے حضرت عمرفاروق کوخطبہ کی حالت میں کئی منزلوں کے فاصلہ پرایک امیرلشکر(ساریہ نامی) کی

(جولڑائی میں بے موقع کھڑا ہونے کے سبب شکست پا چکا تھا) صورت و حالت خدا تعالی نے دکھادی تو آپ نے اسی حالت خطبہ میں چلا کر یہ بات کہی کہ اے ساریہ پہاڑ کو پس پشت لے۔ اور ادھر ساریہ کو خدا تعالی نے یہ آواز سنادی تو اس نے پہاڑ کو پس پشت لے کر جنگ کی اور فتح پائی۔

عن ابن عمر ان عمر بعث جیشاً و امر علیه رجلا یقال له سارية فبينما عمر يخطب فجعل يصيح يا سارية الجبل فقدم رسول من الجيش فقال يا امير المومنين لقينا عدونا فهزمونا فاذا بصائح يصيح يا سارى الجبل فاسندنا ظهورنا الى الجبل فهزمهم الله تعالى. رواه البيهقى فى دلائل النبوت۔ (مشکوۃ۔ص ۵۴۸)۔

یہ رؤیت عینی اور کشف بحالت بیداری ہوا تھا جو کسی تاویل کا محل اور تعبیر کا محتاج نہیں سمجھا گیا اور زمانہ صحابہ سے اس وقت تک اہل اسلام کے نزدیک اپنے ظاہری معانی پر محمول ہوا۔ پھر کیوں جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا دجال کو دیکھنا بھی ایسا ہوا ہو۔ اور جو آنحضرت ﷺ نے اس روایت کے بیان اور صورت دجال کی تشبیہ کے وقت بلفظ کانی یعنی گویا، تردد ظاہر فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ رویت اس تشبیہ و بیان کے وقت سے پہلے کسی وقت ہوئی ہو اور بوقت تشبیہ، دجال کی پوری صورت آپ کے یاد و خیال سے جاتی رہی ہو۔ اس لئے کانّی، گویا کا لفظ فرمایا۔

اس میں تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ قادیانی نے اس رویت صورت دجال کا وقوع خواب یا کشف میں تجویز کر کے جملہ مضامین حدیث دمشقی روایت نواس بن سمعان کو خواب یا کشف قرار دے دیا۔ حالانکہ اس حدیث کے واقعات واحکام و ہدایات صاف شہادت دے رہے ہیں کہ وہ خواب یا کشف نہیں بلکہ واقعات خارجیہ واحکام نفس الامر یہ ہیں۔

اس میں ایک ہدایت یہ ہے کہ جو شخص دجال کو پاوے وہ اس کے سامنے سورہ کہف پڑھے۔ وہ دجال کے فتنے سے اس کی محافظ ہوگی۔ ایک واقعہ آئندہ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب دجال نکلے گا چالیس روز زمین پر ٹھہریگا جس میں ایک دن برس روز کا ہوگا۔

اس کو صحابہ نے ظاہری معنی پر محمول کر کے ایک واقعہ آئندہ خارجی سمجھا تو اس پر آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا کہ کیا برس روز کے دن میں ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ تو اس کے جواب میں یہ حکم ہوا کہ کافی نہ ہوں گی، بلکہ اوقات پنجگانہ کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھنی ہوں گی۔ یعنی نماز صباح سے چھ یا سات گھنٹہ کے بعد نماز ظہر پھر تین یا چار گھنٹہ کے بعد نماز عصر پھر دو یا تین گھنٹہ کے بعد نماز مغرب پھر ایک دو گھنٹہ کے بعد نماز عشا۔ پھر

آٹھ دس گھنٹہ کے بعد نماز فجر۔ وعلی ہذا القیاس۔ اسی قسم کے واقعات واحکام اس حدیث میں اور بیان ہوئے ہیں جن کو کوئی صاحب ہوش وحواس سلیمہ خواب نہیں کہہ سکتا۔ وہ بیان خواب ہوتا تو اس کے سامعین اصحاب اس پر اس قسم کے سوالات نہ کرتے اور نہ آنحضرت اس کے متعلق یہ احکام ہدایات فرماتے۔

اور مرزا قادیانی کا حدیث طواف دجال سے استدلال بھی مغالطات کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک مغالطہ تو قادیانی نے یہ دیا ہے کہ اس ایک واقعہ خواب سے جملہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کو خواب بنا دیا اور یہ کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ کو جو امور حضرت عیسی اور دجال کی نسبت معلوم ہوئے ہیں وہ سب کے سب مکاشفات نبویہ تھے۔ اس کا جواب گذر چکا ہے کہ حدیث طواف دجال میں ایک واقعہ خواب بیان ہوا ہے، اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دجال اور مسیح کے باب میں فرمایا ہے، وہ سب کا سب اس واقعہ خواب کا بیان یا تعبیر ہے۔ یہ بات نہ اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے نہ کسی اور حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اور نہ عقل اس کی مجوز ہے۔ کیا جو شخص ایک دفعہ زید کو (مثلاً) خواب میں دیکھے اور پھر وہ زید کے حالات واقعیہ وسوانح عمری (کہ وہ عمرو کا بیٹا ہے اور خالد کا باپ اور وہ تجارت پیشہ ہے، دہلی میں دس برس رہا۔ کلکتہ میں ۵۰ برس اور سال آئندہ وہ بمبئی جانے والا ہے وغیرہ) بیان کرے تو ان واقعات وحالات کو سن کر کوئی عاقل سلیم الحواس یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی خواب کی تعبیر کا بیان ہے۔ ہرگز نہیں۔

اور اس میں دوسرا مغالطہ مرزا قادیانی کا یہ کہنا ہے کہ مکاشفات رویاء صالحہ کی مانند محتاج تعبیر ہیں۔ اس کا جواب گذر چکا ہے کہ مکاشفات بحالت بیداری محتاج تعبیر نہیں ہوتے۔ اور وہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوتے ہیں جیسے مکاشفہ بیت المقدس ومکاشفہ جنگ ساریہ وغیرہ

تیسرا مغالطہ حدیث طواف دجال کو نقل کر کے قادیانی کا یہ کہنا ہے کہ ایسے کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔ اس میں قادیانی نے پیش تو وہ حدیث خواب طواف دجال کی ہے جو کسی کے نزدیک ظاہر معنی پر محمول نہیں، مگر اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جملہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح خواب ہیں اور ظاہری معنی پر محمول نہیں۔ اس کا جواب بھی سابق میں ادا ہو چکا ہے کہ بے شک حدیث طواف دجال ایک خواب ہے، جو ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جملہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح (جن میں واقعات خارجیہ ومشاہدات عینیہ واحکام عملیہ کا بیان ہے اور ان کو کوئی مسلمان خواب یا تعبیر خواب نہیں کہہ سکتا) خواب یا تعبیر خواب ہوں اور ظاہری معانی پر محمول ہوں۔

چوتھا مغالطہ حدیث طواف دجال کی تعبیر کرنے کے بعد مرزا قادیانی کا قلم جلی سے یہ لکھنا ہے کہ کہاں ہیں وہ علماء جو ان حدیثوں کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے معانی کو ظاہر

عبارت سے پھیرنا کفر والحاد سمجھتے ہیں .

اس میں آپ نے وہی (تیسرا) دھوکہ دیا ہے کہ پیش تو ایک حدیث خواب طواف دجال کی اور اس سے ان سب حدیثوں کا جو دجال اور حضرت مسیح کے باب میں وارد ہیں، ظاہر پر محمول نہ ہونا اور ان کی تاویل کا کفر نہ ہونا، نکال کر علماء پر اعتراضی سوال قائم کر دیا۔

اس کا جواب بھی وہی ہے کہ کوئی عالم ایسا نہیں کہ حدیث طواف دجال کو ظاہر پر حمل کرتا ہو اور اس کی تعبیر و تاویل کو کفر و الحاد سمجھتا ہو ۔ مرزا کو جو علماء وقت کافر وملحد کہتے ہیں تو وہ حدیث خواب طواف دجال کی تاویل کے سبب نہیں کہتے، بلکہ اس لئے کافر وملحد کہتے ہیں کہ وہ دیگر نصوص قطعیہ قرآن واحادیث میں (جن میں احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح بھی شامل ہیں) تاویل وتحریف کرتے ہیں اور بلا وجہ قوی و مانع قطعی ان کے ظاہری معانی کو چھوڑ جاتے ہیں جو ملحدین باطنیہ کا شیوہ ہے۔

پانچواں مغالطہ قادیانی کا تاویل طواف دجال کو ذکر کر کے یہ کہنا ہے کہ جس حالت میں لاچار ہو کر ان مکاشفات کے ایک جزء کی تعبیر کی گئی ہے،تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسری اجزاء کی تعبیر نہ کی جاوے۔اس میں مرزا قادیانی نے حدیث طواف دجال کو ایک جزء ٹھہرا دیا ہے اور دوسری احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کو دوسرے اجزاء۔اور ان سب روایات کو ایک حدیث قرار دیا ہے اور ناواقف مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔

اس کا جواب بھی جوابات سابقہ میں ادا ہوا اور ثابت ہو چکا ہے کہ یہ محض کذب قادیانی ہے۔حدیث طواف دجال خاص ایک وقت کا واقعہ ہے، جن کو دوسری احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح سے کوئی اتحاد نہیں ہے ۔ نہ وہ اس کے اجزا ہیں، نہ ایک دوسرے کا جز، نہ جانبین کسی تیسری حدیث کا جزء۔

اخیر تقریر میں جو مرزا قادیانی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے کئی مقامات میں فرما دیا ہے کہ جو کچھ میرے پر کشفی طور پر کھلتا ہے، میں ان کو ظاہر معانی پر حمل نہیں کر سکتا جب تک من جانب اللہ اس کے قطعی اور یقینی معنے معلوم نہ ہوں۔

یہ بھی مرزا نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو بھی دھوکہ دینا چاہا ہے کہ جو تاویل وتحریف نصوص قرآن وحدیث کا ملحدانہ اصول اس نے بیان کیا ہے وہ خود آنحضرت کا فرمودہ ہے لہذا اس میں کسی مسلمان کو جائے کلام نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ملحدانہ اصول اور قول ہرگز نہیں فرمایا اور نہ مکاشفات عینیہ حالت بیداری کو اپنے ظاہری معنے پر حمل کرنے سے کہیں انکار یا توقف وتردد ظاہر فرمایا ہے ۔ یہ مرزا قادیانی نے آنحضرت ﷺ پر محض افتراء کیا ہے۔

اس کذب صریح و بہتان قبیح کے ثبوت میں جو حدیثیں مرزا صاحب نے پیش کی ہیں ان میں یہ ملحدانہ قول واصول نہیں پایا جاتا۔ پہلی حدیث میں صرف یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عائشہ صدیقہ خواب میں دکھائی گئیں اور کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر خدا کی طرف سے ہے تو خدا اس کو نافذ کرے گا تو دیکھو اس میں آنحضرت ﷺ نے صرف ایک خواب کے ظاہری معنے مراد ہونے میں اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے نہ اس کو تمام خوابوں کی نسبت عام اصول وقانون بنایا ہے اور نہ خواب کے سوا مکاشفات حالت بیداری کی نسبت اس میں کچھ ارشاد ہے۔ پھر قادیانی نے جو اس خاص خواب کی تعبیر میں آپ ﷺ کے متردد ہونے سے وہ عام ملحدانہ اصول نکال لیا اور اس کو آپ ﷺ کا قول قرار دیا ہے۔ یہ آپ ﷺ پر افتراء اور کذب محض نہیں تو کیا ہے؟

دوسری حدیث میں بھی آنحضرت ﷺ کا خواب میں اپنے ہجرت کی جگہ کو دیکھنا اور پھر تعبیر میں وہم کرنا بیان ہوا ہے۔ اس میں بھی نہ قادیانی کے اصول ملحدانہ کا نام ونشان ہے، نہ بجز خواب مکاشفات خارجیہ حالت بیداری کا حکم پایا جاتا ہے۔

بالجملہ مرزا صاحب نے جو کچھ اس تقریر پر تزویر میں کہا ہے وہ ازسرتا پا کذب ومغالطہ ہے۔ اس سے احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کا خواب اور محتاج تعبیر ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح، قادیانی کے ملحدانہ اصول کے اثر سے بری ہیں۔ وہ احادیث وحی مجمل اور اجتہادی اور خواب اور ظاہری معنے سے مصروف ومحتاج تعبیر ہرگز نہیں ہوسکتیں بلکہ وہ اپنی معانی میں نصوص ہیں اور ظاہری معانی پر محمول ہیں۔ محمد حسین)

☆ **اور حدیث فذہب وہلی بھی اس کی شاہد ہے**

(یہ حدیث بخاری میں ہے جس کا پورا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کرتا ہوں جس میں درخت خرما ہیں۔ پس میرا وہم اس طرف گزرا کہ وہ زمین یمامہ ہے یا موضع ہجر ہے۔ ناگاہ وہ مدینہ نکلا۔

عن النبی ﷺ رئیت فی المنام انی اھا جر من مکه الی ار ض بھا نخل فذھب وھلی انھا یما مۃ او ھجر فا ذا ھی مد ینه ۔(بخاری۔ص ۵۵۱)۔

اس حدیث کو ناظرین بنظر غور وانصاف ملاحظہ کریں اس میں خاص ایک واقعہ خواب کی تعبیر میں آنحضرت ﷺ کو وہم ہو جانا بیان ہوا ہے۔ اس سے عام وحی مجمل قرآن وحدیث کا محل اجتہاد وغلطی ہونا ثابت نہیں ہوتا، جس کا مرزا قادیانی نے تحریر نمبر ۵ میں دعوی کیا ہے، اور نہ اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ قول پایا جاتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر کشفی طور پر کھلتا ہے، میں اس کو ظاہر پر حمل نہیں کرسکتا جیسا کہ اس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۰ میں دعوی کیا ہے۔ قادیانی نے ان دونوں دعاوی میں کذب سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا ہے۔ محمد حسین)

☆ اور آنحضرت ﷺ کا ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینے سے مکہ کی طرف بعزم طواف کعبہ سفر کرنا، یہ بھی ایک اجتہادی غلطی ہے۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔

(یہ اجتہاد یا اس میں غلطی آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی بلکہ آنحضرت ﷺ کے ایک خواب کی تعبیر میں بعض صحابہ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کو آنحضرت ﷺ نے اصحاب کے پاس بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر میں یہ سمجھ لیا کہ اسی سال آپ مکہ فتح کریں گے اور اس میں داخل ہو کر طواف کریں گے اور جب آنحضرت ﷺ اس سال بعزم عمرہ و زیارت کعبہ وبحکم حکمت الٰہی، جس کا ظہور بیعت الرضوان سے ہوا، نہ بنا بر تعبیر خواب خود، مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ میں کفار مکہ کی طرف سے روکے گئے تو وہ صحابہ اپنی تعبیر کی غلط فہمی سے آپ پر معترض ہوئے کہ کیا آپ ہم کو نہ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ میں داخل ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا۔ اس پر آپ نے ارشاد کیا کہ پھر تم ضرور، ایک نہ ایک دن، اس میں داخل ہو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے اور حضرت صدیق اکبر نے بھی آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہی جواب دیا اور ان لوگوں کو مطمئن کیا جب ان کے سامنے یہ اعتراض پیش ہوا

و قد کا ن اصحا ب رسول اللہ خر جوا و ہم لا یشکو ن فی الفتح لرؤیا راھا رسول اللہ۔ (معالم التنزیل)۔

قا ل عمر قلت لہ ﷺ او لیس کنت تحد ثنا انا سنا تی البیت فنطوف بہ و عند الواقدی انہ ﷺ کا ن رای فی منا مہ قبل ان یعتمر انہ دخل ہو و اصحا بہ البیت فلما راو ا تا خیر ذا لک شق علیھم قا ل علیہ السلام بلی فا خبر تک انا ناتیہ العا م ہذا قا ل عمر قلت لا قا ل فا نک آ تیہ و تطوف بہ قا ل عمر فا تیت ابا بکر فقلت او لیس کا ن یحدثنا انا سنا تی البیت و نطو ف بہ قا ل ابو بکر بلی افا خبر ك علیہ السلام انک تا تیہ العام ہذا قا ل عمر قلت لا۔ قا ل فا نک آ تیہ و مطوف بہ۔ (قسطلانی۔ ج ۴)

یہ صحیح بخاری اور اس کی شرح قسطلانی اور تفسیر معالم التنزیل کے بیان کا خلاصہ ہے اور اس سے صاف ثابت ہے کہ اس خواب کی تعبیر میں جو غلطی ہوئی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی۔ وہ بعض صحابہ کے فہم کی غلطی

تھی آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر نے ان کی غلطی ان پر ثابت کردی اور اس غلطی سے آپ ﷺ کی برئت ظاہر کی۔

مرزا قادیانی نے جو اس غلطی کو آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کی غلطی قرار دیا ہے تو اس میں آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔محمد حسین)

☆ پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کا صحابہ کا کہاں اجماع تھا؟ اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اجماع مسلم کی حدیث سے جو ابی سعید الخدری سے بیان کی ہے، ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں ابن صیاد کہتا ہے کہ لوگ کیوں مجھے دجال معہود کہتے ہیں؟ اب ظاہر ہے کہ اس وقت کہنے والے صرف صحابہ تھے اور کون لوگ تھے جو اس کو دجال کہتے تھے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔صحابہ کوئی ایسی بڑی جماعت نہیں تھے جن کے اجماع کا حال معلوم ہونا محالات میں سے ہوتا۔ بلکہ ان کا اجماع بباعث وحدت مجموعی ان کی کے بہت جلد معلوم ہو جاتا تھا۔ (یہ محض کذب ہے یا صریح مغالطہ۔اس حدیث میں نہ اجماع صحابہ کا بیان ہے اور نہ وہ اجماع اس کے کسی لفظ سے مستنبط ومفہوم ہوسکتا ہے۔ ابن صیاد کے ان الفاظ سے کہ لوگ مجھے دجال سمجھتے ہیں، یہ اجماع مستنبط نہیں ہوسکتا۔ ہاں بجائے لوگ، سبھی لوگ بولتا، تو ابن صیاد کے بڑے بھائی اور اس کو سچا جاننے والے مرزا قادیانی کو اجماع استنباط کرنے کا موقع ملتا اور جس حالت میں اس نے یہ لفظ نہیں کہا۔اور بہت سے صحابہ کا ابن صیاد کو دجال نہ کہنا کتب حدیث میں ثابت وموجود ہے۔ تو پھر قادیانی کا اس قول ابن صیاد کے تمسک سے دعوی اجماع کذب یا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ محمد حسین)

پھر تین صحابیوں کا قسم کھانا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے، صاف اجماع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کی مخالفت منقول نہیں۔

(اس قول میں مرزا قادیانی نے ایک صریح جھوٹ بولا ہے اور ایک مغالطہ دیا ہے۔اس کا صریح جھوٹ تین صحابہ، حضرت عمر، حضرت جابر وحضرت ابن عمر، جن کا نام وہ تحریر نمبر ۴ میں بتا چکا ہے، کو اس بات کا قائل بنانا ہے کہ ابن صیاد دجال معہود ہے۔ حالانکہ ان حضرات ثلاثہ سے صرف ایک ابن عمر ہیں جنھوں نے ابن صیاد کو مسیح دجال کہا ہے۔ باقی حضرت عمر وحضرت جابر نے تو اس کو صرف دجال کہا ہے، جس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ منجملہ ان تیس دجالوں کے ایک دجال ہے جن کے خروج کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی ہے، نہ دجال معہود۔ اور اس کا مغالطہ صرف تین صحابہ کے، بزعم خود، اتفاق کو اجماع قرار دینا ہے حالانکہ صحابہ میں صرف تین یا دس بیس صحابہ کا اتفاق، شرعی اجماع نہیں کہلاتا۔مفصل بیان ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہوگا۔محمد حسین)

☆ پھر بعد اس کے آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ ایک جماعت کا ایک بات کو باتفاق مان لینا، یہی اجماع کی حقیقت ہے جو صحابہ میں بآسانی محقق ہوسکتی تھی اگرچہ دوسروں میں نہیں۔

(یہ بھی کذب یا مغالطہ ہے، ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا، بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے۔ اور کل میں ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔ اس کا ثبوت بھی ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہے۔ محمد حسین)

☆ اور یہ جو آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے پر ڈرتے تھے سو واضح ہو کہ وہ حدیث مشکوۃ میں بحوالہ شرح السنۃ موجود ہے اور اصل عبارت حدیث کی یہ ہے فلم یزل رسول اللہ ﷺ مشفقاً انہ ہو الدجال۔

(اس سوال و جواب کے بیان میں بھی قادیانی نے اپنا شیوہ کید و مغالطہ پورا ظاہر کیا ہے اور اس سے اپنا دجال ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ ناظرین اس کا بیان توجہ سے سنیں۔

نہ ہم نے اس سے دریافت کیا تھا کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اور نہ اس نے صرف ابن صیاد کے دجال ہونے سے آنحضرت ﷺ کے فعل ڈرنے کا دعوی کیا تھا، تاکہ اس کا ثبوت اس سے طلب کیا جاتا۔ اس نے تو تحریر نمبر ۴ میں آنحضرت کے قول کا دعوی کیا اور یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔ جس پر اپنی تحریر نمبر ۵ میں، میں نے سوال کیا کہ آپ (مرزا) نے دعوی کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کی نسبت فرمایا ہے کہ میں اس کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں، کتب حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے۔ اس سوال کے جواب میں مرزا قادیانی نے اخیر مباحثہ تک نہیں بتایا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول فلاں فلاں کتب حدیث میں ہے۔ بلکہ اول تو ہمارے سوال کو بدلا دیا۔ اور ہم کو بہلانا چاہا۔ اور بجائے سوال ثبوت قول نبوی، سوال ثبوت فعل نبوی (خوف کرنے کا) ہماری طرف سے قائم کیا۔ اور اس کے جواب میں حدیث شرح السنہ کو ثبوت فعل میں پیش کر دیا اور اس چالاکی سے یہ ثابت کر دیا کہ مخاطب کو دھوکہ دینے اور اس کا سوال اس کو بھلا دینے میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور اس وجہ سے آپ ہمیشہ تحریری مباحثہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ایسی بات زبانی کہیں تو حاضرین مجلس سے کوئی تو اس کو سمجھ لے اور ایسی بات کو واپس لینے پر آپ کو مجبور کرے۔ طولانی تحریروں میں ایسی باتیں پڑی ہی جاتی ہیں تو غالباً ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا ہے اور آپ کا داؤ چل جاتا ہے۔ پھر جب کہ آپ کی اس بھول بھلیاں کو ہم نے سمجھ لیا اور آپ کے اس جواب کا اپنی تحریر نمبر ۶ میں یہ جواب دیا کہ شرح السنۃ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں۔ بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کے فہم میں آتا ہے، کہ آپ ﷺ ابن صیاد کے

دجال ہونے سے ڈرتے تھے، اس قول صحابی کو آنحضرت ﷺ کا قول قرار دینا آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں تو اور کیا ہے؟ تو مرزا صاحب نے تحریر نمبر ۶ سے یہ کہنا شروع کیا کہ صحابی نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں، تب ہی اس نے آپ ﷺ سے یہ فعل نقل کیا کہ .آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے، جس کا جواب تحریر نمبر ۷ میں مفصل دیا گیا ہے۔

اس مقام کے بیان سے اور بیان ہائے تحریرات آئندہ سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ قول کہ، میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں، آنحضرت ﷺ سے کسی کتاب حدیث میں مروی و منقول نہیں ہے۔ اور نہ قادیانی نے اس قول کا ثبوت کسی کتاب کی نقل سے پیش کیا ہے۔ اس قول کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں اس نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ اب اس جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے ان احتمالات سے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ قول فرمایا ہوگا، یا صحابی نے آپ کے اشارہ سے یہ قول سمجھ لیا ہوگا، ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ جن کے مقابلہ میں ایسے احتمال بھی موجود ہیں جن سے ممکن وقرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد سے ایسے معاملات کئے جن سے آنحضرت ﷺ کا ابن صیاد سے ڈرنا صحابی کے خیال میں آیا۔ جیسے آنحضرت ﷺ کا چھپ کر ابن صیاد کے حالات دیکھنا اور اس کا امتحان کرنا وغیرہ، جو ہماری تحریر نمبر ۷ و ۸ میں بیان ہوئے ہیں، تو اس صحابی نے کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد سے ڈرتے تھے۔ لہذا اس کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ کہ میں ابن صیاد کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا۔ اور صحابی نے اس کو آنحضرت ﷺ کے منہ سے سنا۔ محمد حسین)

☆ اور آپ نے جو دریافت فرمایا تھا کہ بعض اکابر کا قول اشاعۃ السنہ میں کہاں ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ بعض موضوع حدیثیں کشف کے ذریعہ سے صحیح ٹھہر سکتی ہیں اور صحیح موضوع ٹھہر سکتی ہیں۔ سو وہ قول ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۴۰ میں موجود ہے، جس میں آپ نے بتائید اپنے خیالات کے شیخ ابن عربی صاحب کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ہم اس طریق سے آنحضرت ﷺ سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں۔ بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو اس فن کے لوگوں کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں ان کے نزدیک موضوع ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔ (اس سوال کے جواب میں بھی مرزا صاحب نے تدلیس وتلبیس سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ نہ ہمارا سوال پورا نقل کیا ہے اور نہ اس کا جواب پورا دیا ہے۔ ہمارا سوال تحریر نمبر ۵ میں ہے اور آپ کا دعوی تحریر نمبر ۴ میں، جس پر وہ سوال کیا گیا تھا

۔ناظرین انصاف سے کہیں کہ ہمارا صرف یہی سوال تھا؟ اوراس کا یہی جواب ہے؟ محمد حسین)

☆ اب اگرچہ میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ ایمانی طور پر آنمکرم کا یعنی آپ کا یہی عقیدہ ہے لیکن میں آپ کے فحوائے بیان سے سمجھتا ہوں، بلکہ ہر یک تدبر کرنے والہ سمجھ سکتا ہے، کہ امکانی طور پر ضرور آپ کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ اگر یہ امر بکلی آپ کے عقیدہ سے باہر نہ تھا تو پھراس کا ذکر لغو ٹھہرتا ہے جو آپ کی شان سے بعید ہے۔

(اب آپ کو سوجھا کہ ہمارا جواب ، پورا جواب نہیں تو آپ کو بر طبق مثل مشہور چور کی داہڑی میں تنکا ، یہ کھٹکا ہوا کہ اس سوال میں یہ امر بھی تو درج تھا کہ کشف سے احادیث کو صحیح وموضوع قرار دینے کی نسبت مؤلف رسالہ اشاعۃ السنہ نے اپنا اعتقاد کیا ظاہر کیا ہے؟ جس کا ہم نے کوئی جواب نہیں دیا، تو آپ نے تنکا نکالنے کو یہ کہا ہے کہ اگرچہ اس امر کی نسبت آپ نے اپنا اعتقاد ظاہر نہیں کیا مگر آپ کے فحوائے کلام سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کا عقیدہ اس کے موافق ہو گا، ورنہ وہ قول آپ کے مؤیدات میں مذکور نہ ہوتا۔اس کا جواب ہم نے اپنی تحریر نمبر ٦ و ٧ میں مفصل دیدیا اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ کشف کے ذریعہ سے احادیث کی تصحیح وتضعیف سے ہم نے اشاعۃ السنہ میں اتفاق نہیں، بلکہ اختلاف ظاہر کر دیا تھا۔اوراس قول کی نقل سے ہمارا اور ہی مقصود تھا جس سے اس قول کو تسلیم کرنا لازم نہیں آتا۔

ہماری نقل اس صورت میں لغو ٹھہرتی ہے کہ اس کی نقل سے کوئی اور مقصود نہ ہواور جس حالت میں اس قول کے نقل سے اور مقصود اسی پرچہ اشاعۃ السنہ میں، جہاں یہ قول منقول ہے، بیان ہو چکا ہے تو پھراس کی نقل بلا اعتقاد کو لغو ٹھہرانا خود لغو کہنا ہے۔محمد حسین) انسان جس کسی کا قول یا مذہب اپنے ریویو میں بطور نقل کے ذکر کرتا ہے وہ اپنے مؤیدات دعوی اور رائے کے مدد میں لاتا ہے اور یا اس کے رد کی غرض سے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ آپ اس قول کو اپنے مؤیدات دعوی کے ضمن میں لائے ہیں چنانچہ آپ نے بغیر اس کے ایسے دعوی کی تائید کیلئے ایک بخاری کی حدیث بھی لکھی ہے کہ محدث کا الہام دخل شیطان سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں تو آپ نے کھلے طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ آپ اسی قول کے حامی ہیں، گو ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر ضرور حامی ہیں

(اس حدیث کی نقل وتسلیم صحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ کشف کے ذریعہ سے احادیث صحیحہ کا موضوع ہونا ، ہمارے نزدیک مسلم ہے ۔ ہمارے نزدیک جو محدث ہونے کا دعوی کرے اور احادیث صحیحہ اتفاقیہ کو کشف کے ذریعہ سے موضوع کہے وہ محدث نہیں، شیطان ہے ، ہماری تحریر نمبر ٨ ملاحظہ ہو،محمد حسین) اور میرے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کیونکہ میرا مطلب تو صرف اسی قدر ہے کہ حدیثیں اگرچہ صحیح ہی ہوں، لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں (اس قدر کیوں؟ یہ مقدار کس نے مقرر کردی ۔ اوراس امر

میں کہ احادیث صحیحہ کا مرتبہ ظن یا غالب ظن سے زیادہ نہیں، کس نے آپ سے نزاع کی تھی؟ اور یہ مسئلہ آپ سے کس نے پوچھا تھا جس پر آپ کو اس مقدار کے بیان وتقریری کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے اس بیان اور تقریری میں ناحق و بلاضرورت خروج از بحث کیا جس کی ساتویں دفعہ ہے۔ محمد حسین)

سوان حدیثوں کی حقیقی صحت کا پرکھنے والہ قرآن مجید ہے (حقیقی صحت کے لفظ سے اگر مرزا صاحب کی مراد قطعی صحت ہے، تو اس کے پرکھنے کے لئے قرآن معیار نہیں ہوسکتا۔ جو حدیث ظنی ہے وہ موافقت قرآن کی حالت میں بھی ظنی رہے گی۔ موافقت مضمون قرآن اس کو قطعی نہ بنائے گی۔ اور اگر موافقت مضمون قرآن، موجب صحت یا قطعیت ہوسکتی ہے تو چاہیے کہ ایک موضوع حدیث جس کا مضمون قرآن کے موافق ہو، صحیح اور قطعی ہو۔ جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ اور اگر اس قطعی صحت کا مطلب کچھ اور دربطن قائل ہے تو اس کے اظہار پر اس میں گفتگو کی جائے گی۔ محمد حسین) اورر قرآن مجید جس قدر اپنے محامد اور اپنے کمالات بیان کرتا ہے، ان پر نظر غور ڈالنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں اپنے ماسوا کی تصحیح کے لئے محک ٹھہرایا ہے، اور اپنی ہدایتوں کو کامل اور اعلی درجہ کی ہدائتیں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے

فیها کتب قیّمة ۔

فصلناه علی علم ۔

یهدی به الله من اتّبع رضوانه سبل السلام و یخرجهم من الظلمات الی النور ۔

و یعلّمکم ما لم تکونوا تعلمون ۔

قل ان هدی الله هو الهدی فمن اتّبع هدای فلا یضلّ و لا یشقی ۔

لا یأتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه ۔

فمن یکفر بالطّاغوت ویؤمن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقی لا انفصام لها ۔

ان هذا القرآن یهدی للّتی هی اقوم

انّ فی هذا لبلاغاً لقوم عابدین ۔

و انّه لحق مبین ۔

حکمة بالغه ۔

تبیاناً لکل شیء روحا من امرنا ۔

نور علی نور ۔

انزل الکتا ب با لحق و المیزا ن ۔

ہدی للناس و بیّنا ت من الہدی و الفرقا ن ۔

انه لقر آ ن کر یم فی کتا ب مکنو ن۔

فصّلناه علی علم ۔

انه لقول فصل لا ریب فیه ۔

و ما انز لنا علیک الکتا ب ا لا لتبین لهم الذین اختلفوا فیه ہدی و ر حمة لقوم مؤمنو ن

قل نز له روح القدس من ر بک لیثبت الذ ین آ منوا و ہدی و بشری للمسلمین ۔

ہذا بیا ن للناس و مو عظة للمتقین

با لحق انز لناه و با لحق نز ل ۔

قل ہو للذ ین آ منوا ہدی و شفاء ۔

ما کا ن حد یثاً یفتری ۔

اب ظا ہر ہے کہ خدا تعالی نے ان آیات میں کئی قسم کی خصوصیتیں اور صفتیں قرآن کریم کی بیان فر مائی ہیں ۔ازانجملہ ۔ا۔ یہ کہ وہ تمام صداقتوں پر مشتمل ہے ۔ ۲۔ وہ مفصل کتاب ہے ۔۳۔ وہ ان لوگوں کو ہدا یت دیتا ہے کہ جو خدا تعالی کی رضا مندی کے اور دار السلام کے طالب ہے ۔ ۴۔ وہ ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اور نا معلوم باتیں سکھا تا ہے ۔۵۔ ہدایت اس کی ہدایت ہے ۔۶۔ باطل اس کی طرف کسی طور سے راہ نہیں پا سکتا ۔ ۷۔جس نے اس سے پنجہ مارا، عروۃ وثقی کو پنجہ مارا ۔۸۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلا تا ہے ۔۹۔ وہ حق الیقین ہے ظن اور شک کی جگہ نہیں ۔ ۱۰۔ وہ حکمت بالغہ ہے، اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے ۔۱۱۔ وہ حق ہے، یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لئے محک بھی ہے ۔۱۲۔ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے اور حق و باطل میں فرق کرتا ہے ۔۱۳۔ وہ قرآن کریم ہے، کتاب مکنون ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صحیفہ فطرت میں اس کی تعلیمیں منقوش ہیں ۔یعنی اس کی تعلیم فطرتی ہے جیسا کہ فرمایا فطرة الله التی فطر الناس علیها ۔ ۱۴۔ وہ قول فصل ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ۔ ۱۵۔ وہ اختلاف کے دور کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے ۔۱۶۔ وہ ایمانداروں کیلئے ہدایت وشفا ہے ۔

اب فرمائیں کہ یہ عظمتیں اور خوبیاں جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئیں

ہیں احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے (ان صفات وخصوصیات میں ایک خصوصیت بھی ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ قرآن، احادیث نبویہ کی صحت وقطعیت کے لئے معیار ومحک ہے۔ ناظرین غور و انصاف سے ان خصوصیات وصفات کو ملاحظہ کریں اور داد انصاف دے کر کہیں کہ ان آیات کے نقل و بیان سے قادیانی نے خروج از مبحث کیا ہے۔جس کی یہ آٹھویں دفعہ ہے۔

خصوصیت نمبر ۱۱ میں آپ نے قرآن کا سچ کی شناخت کے لئے محک ہونا بیان کیا ہے سو وہ آیات میں سے کسی کا ترجمہ نہیں ہے۔ ہوتا، تو بھی احادیث صحیحہ نبویہ سے اس کا کچھ تعلق نہ ہوتا۔ حدیث صحیح نبوی بذات خود حق ہے۔ وہ صحت وثبوت کے بعد اپنے حق ہونے کے ثبوت میں کسی اور کسوٹی پر لگانے کی محتاج نہیں ہے۔

پھر مرزا قادیانی نے ایک جگہ متعدد آیات کے الفاظ یکجا لکھ کر تاثر دیا ہے کہ وہ ایک آیت ہیں اور ان کا ترجمہ بھی اسی انداز میں کیا ہے۔ جب کہ وہ ایک آیت نہیں ہیں۔ یہ مرزا قادیانی کا تصرف ہے۔جس شخص کا الفاظ قرآن کے حفظ وضبط میں یہ حال ہو وہ قرآن کے حقائق ومعارف خاک بیان کرے گا۔ لاہور کے مباحثہ میں جو مولوی عبدالحکیم کلانوری سے ہوا تھا، مرزا قادیانی نے آیات قرآن کو غلط پڑھا۔ایک کتاب حدیث کی عبارت پڑھی تو غلط پڑھی۔جس سے حاضرین کو یقین ہوا کہ آپ ایک رکوع قرآن شریف اور ایک حدیث صحیح نہیں پڑھ سکتے۔

اور قرآن پاک کی عظمتوں اور خوبیوں کا منکر کون مردود ہے۔اور اس سے بحث ونزاع کس کو ہے۔مرزا قادیانی نے ناحق بلاضرورت ان خوبیوں کو بیان کیا۔اور تحصیل حاصل اور خروج از مبحث کا ارتکاب کیا۔ یہ نویں دفعہ ہے۔محمد حسین)

پس میرا مذہب فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرح پر نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں (آپ کی اس قسم کی نکتہ چینیاں کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ سے اوپر ہوا نہیں، لہذا آسمان پر کسی زندہ کا جانا ممکن نہیں۔ بناء علیہ آنحضرت ﷺ کا جسمانی معراج اور حضرت مسیح کا جسم سے آسمان پر عروج ممکن نہیں ہے۔مسیح آسمانوں پر ہیں تو وہاں کیا کھاتے ہوں گے، اور آپ کے بال بڑھ گئے ہوں گے اور اگر حضرت جبریل امین بذات خود زمین پر نازل ہوں تو سورج، جو ان کا ہیڈ کوارٹر ہے، فاسد اور معدوم ہو جائے، اور حضرت مسیح نے واقعہ میں کوئی جانور نہیں بنایا اور کوئی مردہ زندہ نہیں کیا اور کوئی کوہڑی اور اندھا اچھا نہیں کیا۔ وہ صرف مسمریزم کا عمل کیا کرتے یا اپنے باپ یوسف نجار سے سیکھے ہوئے کام نجاری سے کلیں اور کھلونے بناتے، اور ان چیزوں کے ظاہری معنی مراد لینا عقل وایمان وتوحید قرآن کے مخالف ہیں، وغیرہ وغیرہ، نیچریوں کی طرح نکتہ چینی نہیں تو آپ بیان کریں کہ پھر کس صحابی یا تابعی یا امام ومجتہد قرون ثلاثہ سے اس قسم کی نکتہ چینی قال اللہ وقال الرسول پر مروی ہے

اور مرزا صاحب نے رجل قضی علی نفسہ اپنے نفس پر خود ہی فیصلہ کیا اور صحیح فتویٰ لگایا۔ اسی نظر سے کہ ایسے نکتہ چینی کرنے والے ان کے اعتراف سے ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کو علماء اسلام ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں ۔ محمد حسین) **بلکہ میں جو کچھ آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے، اس سب پر ایمان لاتا ہوں** (محض کذب اور ابلہ فریبی ہے ۔ مرزا صاحب گو ان الفاظ پر جو خدا و رسول نے فرمائے ہیں، ایمان رکھتے ہیں مگر ان معانی پر جو ان الفاظ سے خدا و رسول نے مراد رکھے ہیں، اور زمانہ رسالت سے اس وقت تک مسلمانوں میں وہ مراد خدا اور رسول تسلیم کی گئی ہے، وہ ہرگز ایمان نہیں رکھتے ۔ اور لفظی ایمان ، جو آپ رکھتے ہیں، نیچری بھی رکھتے ہیں ۔ وہ ملک جبریل وحی نزول وغیرہ الفاظ زبان پر لاتے اور ان کو مانتے ہیں بایں ہمہ وہ ان کے اقرار لسانی کے بموجب ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں ، تو پھر مرزا صاحب کیوں خارج نہ ہوئے؟ محمد حسین) ۔ **صرف عاجزی اور انکساری سے کہتا ہوں**

(یہ عاجزی دلی اور مخلصانہ نہیں بلکہ لفظی اور منافقانہ ہے ۔ مصداق بیت صائب

سنگین دل ست ہر کہ بظاہر ملائم ست صائب درون پنبہ نگر مپسند دانہ را

اور ظاہری اور لفظی عاجزی بھی بعض تحریروں میں ہے ۔ اپنی بعض تحریروں میں تو آپ نے درشتی اور سخت گوئی اس وسعت سے اختیار کی ہے کہ اس سے صحابہ تابعین و تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین اور عامہ مسلمین قرون اولیٰ سے لے اس وقت تک نہیں چھوٹے ۔ آپ ان لوگوں کو اعتقاد حیات و معجزات مسیح کی سزا میں مشرک و احمق و بے حیا و بے ایمان لکھ چکے ہیں ۔ کیا عاجزی و انکساری اسی کا نام ہے ۔ یہ تو پرلے سرے کی رعونت و تکبری ہے ۔ ہمارے اس بیان کے تصدیق مطلوب ہو تو نمبر ۴ جلد ہذا کا صفحہ ۱۲۷ ، ۱۲۸ ملاحظہ کریں اور فیصلہ آسمانی اور اشتہار مطبوعہ ۱۷ ۔ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں اس وقت کے علماء کے حق میں گالیاں دیکھیں ۔ محمد حسین) **کہ قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے** (محض کذب ہے اور صریح مغالطہ ۔ ہر چند قرآن کریم رتبہ ثبوت میں حدیث سے مقدم ہے ۔ مگر حدیث صحیح اپنے منصب و خدمت تشریح و تفسیر میں قرآن سے مقدم ہے ۔ حدیث نہ ہو تو قرآن مجید کے بہت سے احکام سمجھ میں نہ آویں اور نہ وہ دستور العمل ہو سکیں ۔ محمد حسین) **اور احادیث کی صحت، عدم صحت پرکھنے کے لئے وہ محک ہے** (غلط محض و مغالطہ ہے چنانچہ بارہا بیان ہوا ہے ۔ مرزا صاحب بار بار ایک ہی بات کا اعادہ کرتے ہیں ہم کہاں تک اس کے جواب کا اعادہ کریں ۔ محمد حسین) **اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے** (اشاعت نہیں، آپ قرآن کا اخمال اور اماتت چاہتے ہیں ۔ کیا قرآن کی یہی اشاعت ہے کہ اس کے معجزات کے حقائق مشہورہ متوارثہ کو مٹا دیں اور اس کے اخبار اور پیش گوئیوں کو نیست نابود کرنا چاہیں جو آپ کر رہے ہیں، مگر آپ خوب یاد رکھیں کہ خدا قرآن کا محافظ خود ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ

لحافظون اور وہ اپنے نور کو آپ پورا کرنے والہ ہے اگر چہ منکر نا خوش ہوں و اللہ متمّ نورہ و لو کرہ الکافرون ۔محمد حسین) تامیں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے، لوگوں پر ظاہر کروں اگر اس خدمت گذاری میں علماء وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھ کو فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالی سے چاہتا ہوں کہ خدا تعالی انہیں وہ بصیرت عطا فرما دے جو مجھے عطا فرمائی ہے، نیچریوں کا اول دشمن میں ہی ہوں

(آپ نیچریوں کے شاگرد اور اس گھرانے کے فیض یاب ہیں ۔اور پھر مدعی عداوت؟ نمک خوردن اور نمک دان شکستن اسی کا نام ہے ۔حضرت آپ نے جو عقائد باطلہ ظاہر کئے ہیں کہ حضرت عیسی فوت ہو چکے ہیں، اور وہ سولی چڑھائے گئے ہیں، اور ان کے معجزات مسمریزم کا اثر تھا، وغیرہ، اس میں سر بسر، سید احمد خان کی زلہ ربائی اور کاسہ لیسی کی ہے ۔چنانچہ حواشی تحریر نمبر ۸ میں تفصیل وتشریح سے ثابت کیا جائے گا۔ محمد حسین)

اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت کرتے، کیونکہ بعض احادیث کا یہ منشا پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علماء وقت اس کی مخالفت کریں گے ۔ اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے آثار القیامۃ میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۷ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علماء وقت اس وقت کے اہل الرائے کہیں گے، یعنی خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے ۔

والسلام علی من اتبع الھدی ۔غلام احمد ۔۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء

(یہاں مرزا صاحب نے کذب و مغالطہ سے کام لیا ہے۔کسی حدیث میں یہ پایا نہیں جاتا کہ حضرت مسیح آئیں گے تو علماء وقت ان کی مخالفت کریں گے ۔اور نہ نواب صدیق حسن مرحوم ومغفور نے کتاب آثار قیامہ میں یہ بات کہی ہے ۔حضرت مجدد سرہندی نے بھی مکتوبات کے صفحہ ۱۰۷ میں یہ نہیں کہا کہ علما وقت حضرت مسیح کو اہل الرائے سے کہیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے جیسا کہ آپ نے ان سے نقل کیا اور اس کو مسیح موعود کا خاصہ سمجھ کر اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ بلکہ مجدد صاحب نے اس مقام میں جو کہا ہے وہ یہ ہے

نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات اورا علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام از کمال دقت وغموض ماخذ انکار نمایند ومخالف کتاب وسنت دانند ۔

اس قول میں مجدد صاحب کی صاف تصریح ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے مجتہدات پر انکار کریں گے وہ

ان کو کتاب وسنت دونوں کے مخالف قرار دیں گے، نہ قرآن کے موافق اور صرف حدیث کے مخالف ۔ یہ مرزا کے کذب کا ثبوت ہے ۔

اب ان کا مغالطہ سنئے کہ انہوں نے صرف الزام مخالفت حدیث کے مورد ہونے سے اپنا مسیح ہونا نکال لیا اور اس مغالطہ سے ناواقف مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالکران کو اس روشن بات کے دیکھنے سے اندھا کرنا چاہا ہے کہ حدیث بلکہ قرآن کے ہزاروں مخالف ہر زمانہ میں گذر چکے ہیں، اور علماء وقت ان کو منکر وملحد و بے دین کہتے چلے آئے ہیں ۔ پھر وہ کیا صرف اس الزام مخالفت کا مورد ہونے سے مسیح بن گئے؟ ہرگز نہیں ۔

ہم ان ناواقف مسلمانوں کو اس مغالطہ سے بچانے کی غرض سے آگاہ کرتے ہیں کہ مسیح کا خاصہ صرف یہی نہیں جو مرزا نے ان کا خاصہ قرار دیا ہے ، بلکہ ان کی خواص وعلامات وہ برکات ومعجزات ہیں جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں ۔ اور زمانہ نزول قرآن سے اس وقت تک اہل اسلام میں مسلم چلے آئے ہیں ۔ اور مرزا کی ذات میں ان خواص وعلامات کا نام ونشان نہیں ۔ بلکہ مسیحی صفات وخواص برکات کے اضداد ان میں موجود ہیں جن کی نظر سے انہیں ضدالمسیح کہنا واجب ہے ۔ حضرت مسیح نے مردہ زندہ کئے ،کوہڑی اچھے کئے ۔ مرزا صاحب خود ہمیشہ مختلف امراض میں مبتلا رہتے ہیں ۔ جن کی نظر سے ان کے حواری آپ کی شان میں بلسان حال یہ کہہ رہے ہیں

جو طبیب اپنا تھا وہ خود ہی مرض سے زار ہے   مژدہ باداے مرگ، عیسی آپ ہی بیمار ہے

حضرت عیسی ایسے اخلاق مجسم تھے کہ خنزیر پاس سے نکلا تو اس کو سلام سے مخاطب کیا ۔ مرزا صاحب ایسے بدخلق وبدگو ہیں کہ مسلمانوں کو کتے اور خنزیر کا خطاب دیتے ہیں ۔ دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۷ وغیرہ ۔ حضرت مسیح برائی کے بدلے میں برائی نہ کرتے ، امرزا صاحب ناحق وناکردہ گناہ مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہیں ۔ اشتہار ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء وفیصلہ آسمانی ملاحظہ ہو ۔ لہذا ممکن نہیں کہ ان اضداد صفات مسیح کے ساتھ ،صرف اس خیالی الزام کے سبب وہ مسیح بن بیٹھیں ۔ محمد حسین)

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی تحریر ششم

آپ نے بایں ہمہ تطویل، میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہ دیا اور آپ کی (اس) کلام میں وہی اضطراب واختلاف پایا جاتا ہے جو پہلی کلام میں موجود ہے

☆ ا ۔ آپ شرط صحت کو، جو آپ کے خیال میں ہے، پیش نظر رکھ کر صاف صاف الفاظ میں دوحرفی جواب دیں کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری وصحیح مسلم بلاتفصیل

صحیح و واجب العمل ہیں، یا بلا تفصیل غیر صحیح و نا قابل عمل، یا ان میں تفصیل ہے۔ یعنی بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض غیر صحیح و موضوع۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی بتا دیں کہ آپ نے اپنی تصانیف میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو غیر صحیح و موضوع کہا ہے یا نہیں؟

☆ ۲۔ آپ نے جو میرے سوال کا کہ سلف میں آپ کا کون امام ہے، جواب دیا ہے، وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ میں نے ابن صیاد کی نسبت وہ سوال نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کے اس اعتقاد کی نسبت سوال کیا تھا کہ صحت احادیث کا معیار قرآن ہے اور جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ موضوع ہے۔ اب بھی آپ فرمادیں کہ صحت احادیث کا معیار، توافق قرآن کو ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا امام کون ہے۔

☆ ۳۔ اجماع کی تعریف میں جو آپ نے کہا ہے، یہ کس کتاب اصول وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ تین چار صحابہ کے اجماع کو علمائے اسلام سے کون شخص اجماع قرار دیتا ہے۔

☆ ۴۔ شرح السنۃ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کی فہم میں آیا ہے۔ اس قول صحابی کو آنحضرت ﷺ کا قول قرار دینا آپ ﷺ پر افتراء نہیں تو کیا ہے؟

☆ ۵۔ اشاعۃ السنۃ میں جو میں نے محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اس کی نسبت کیا میں نے آخر ریویو میں بصفحہ ۳۴۵ ظاہر نہیں کیا کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اس صفحہ میں کیا یہ عبارت درج نہیں کہ

> یہی جتانا اس امر سوم کے بیان سے ہمارا مقصود تھا اس سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے کہ ہم خود بھی اس الہام کو حجت و دلیل جانتے ہیں اور غیر ملہم کو کسی ملہم غیر نبی کے الہام پر عمل کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم صرف کتاب اللہ و سنت کے پیرو ہیں اور اسی کو حجت و دستور العمل اور عام راہ جانتے ہیں، نہ خود الہامی ہیں نہ کسی اور کشفی الہامی غیر نبی کے، متقدمین سے ہو خواہ متاخرین سے، متبع اور مقلد ہیں۔

پھر مجھ کو اس قول ابن عربی کا امکانی قائل بنانا مجھ پر افتراء نہیں تو کیا ہے۔

آیات قرآن، جو آپ نے نقل کی ہیں ان، کو امر متنازعہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ میں اس امر کو اپنے تفصیلی جواب میں بیان کروں گا جب سوالات مذکورہ کا جواب پاؤں گا۔

۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر ششم

آپ نے پھر میرے پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے آپکے سوال کا جواب صاف نہیں دیا۔ میں حیران ہوں کہ میں کن الفاظ میں اپنے جواب کو بیان کروں، یا کس پیرایہ میں ان گذارشوں کو پیش کروں تا آپ اس کو واقعی طور پر جواب تصور فرمائیں (پیرایہ تو آپ کو معلوم ہے اور الفاظ بھی مخفی نہیں۔ الفاظ صرف ہست یا نیست ہیں۔ اور پیرایہ یہ کہ احادیث صحیحین سب کی سب صحیح ہیں یا نہیں۔ یا بعض صحیح ہیں بعض غیر صحیح۔ مگر ان الفاظ اور اس پیرایہ میں جواب دینا آپ کو مشکل ہے اس لئے آپ حیران اور یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر کل یا بعض احادیث صحیحین کو غیر صحیح یا موضوع بناتے ہیں، تو آپ کے دام افتادہ آپ کے دام سے نکلتے ہیں۔ اور اگر جملہ احادیث صحیحین کو صحیح مانتے ہیں تو آپ کے جملہ خیالات ومقالات مثلاً یہ کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں، اور آنے والے مسیح وہ نہیں، آپ ہیں وغیرہ کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، کیونکہ ان کتب کی حدیثوں میں ان خیالات کا صریح خلاف موجود ہے۔ اس حیرت وتردد میں آپ کا اس سانپ کا سا حال وخیال ہے جو چھپکلی کو منہ میں لے کر یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو کھاتا ہوں تو کوہڑی بنتا ہوں، چھوڑتا ہوں تو کلنکی کہلاتا ہوں، جس کی پنجابی زبان کی اس مثل میں حکایت ہے کھائے تاں کوہڑی چھڈے تاں کلنکی۔ محمد حسین)

آپ کا سوال جو اس تحریر اور پہلی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے، یہ ہے کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری وصحیح مسلم، صحیح، واجب العمل ہیں یا غیر صحیح وناقابل عمل۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے منہ سے یہ کہلانا چاہتے ہیں کہ میں اس بات کا اقرار کروں کہ یہ سب کتابیں صحیح اور واجب العمل ہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو غالباً آپ خوش ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ اب میرے سوال کا جواب پورا پورا آ گیا (آپ یہ اقرار نہ کریں، اور کل یا بعض احادیث صحیحین کو غیر صحیح وموضوع قرار دیں، تو اس میں بھی ہم خوش ہیں۔ آپ یہ بات صاف طور پر کہکر دیکھیں ہم اس پر کیسی مسرت ظاہر کرتے ہیں، اور اس سے کیا نتائج نکالتے ہیں۔ محمد حسین) لیکن میں سوچ میں ہوں کہ کس شرعی قاعدہ کے رو سے ان تمام حدیثوں کو بغیر تحقیق وتفتیش کے واجب العمل یا صحیح قرار دے سکتا ہوں۔ طریق تقوی یہ ہے کہ جب تک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو، تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہیں کیا جائے اللہ جل شانہ فرماتا ہے

لا تقف ما لیس لک به علم۔ ان السمع و البصر و الفواد کل اولئک کا ن عنه

مسئو لاً (اس صورت میں تقوی کا طریق یہ ہے کہ اپنی لاعلمی کا اظہار کیا جائے اور لا ادری یعنی میں نہیں جانتا، کہا جائے، جو نصف العلم کہلاتا ہے۔ اور نہ یہ کہ اقبال کریں نہ صاف انکار اور ادھر ادھر کی باتوں میں جواب کو ٹلا دیں ، جیسا کہ آپ کر رہے ہیں اور اگر اس قول سے یہ مقصود ہے کہ جملہ احادیث صحیحین کو صحیح کہنا بے بصیرتی ہے، تو یہ محدثین سلف وخلف پر جو ان احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں، تعریض وطعن ہے۔محمد حسین) سو اگر میں دلیری کر کے اس معاملہ میں دخل دوں اور یہ کہوں کہ میرے نزدیک جو کچھ محدثین خصوصاً امامین بخاری اور مسلم نے تنقید حدیث میں تحقیق کی ہے اور جس قدر احادیث وہ اپنی صحیحوں میں لائے ہیں وہ بلا شبہ بغیر حاجت کسی آزمائش کے صحیح ہیں۔تو میرا ایسا کہنا کن شرعی وجوہات و دلائل پر مبنی ہوگا؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام آئمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے ہیں اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مخطی بھی ہوتا ہے۔جب میں سوچتا ہوں کہ ہمارے بھائی مسلمان موحدین نے کس قانون قطعی اور یقینی کی رو سے ان تمام احادیث کو واجب العمل ٹھہرایا ہے؟ تو میرے اندر سے نور قلب یہی شہادت دیتا ہے کہ صرف یہی ایک وجہ ان کے واجب العمل ہونے کی پائی جاتی ہے کہ یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ علاوہ اس خاص تحقیق کے جو تنقید احادیث میں آئمہ حدیث نے کی ہے۔وہ حدیثیں قرآن کریم کی کسی آیہ محکمہ اور بینہ سے منافی اور متغائر نہیں ہیں اور نیز اکثر احادیث جو احکام شرعی کے متعلق ہیں تعامل کے سلسلہ سے قطعیت اور یقین تام کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان دونوں وجوہ سے قطع نظر کی جائے تو پھر کوئی وجہ ان کے قطعی الثبوت ہونے کی معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ایک وجہ پیش کی جائے گی کہ اسی پر اجماع ہو گیا ہے،لیکن آپ ہی ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۳۰ میں اجماع کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اجماع اتفاقی دلیل نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں

> اجماع میں اولاً یہ اختلاف ہے کہ یہ ممکن، یعنی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ بعضے اس کے امکان کو ہی نہیں مانتے۔ پھر ماننے والوں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا علم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ایک جماعت امکان علم کی بھی منکر ہے۔ امام فخر الدین رازی نے کتاب محصول میں یہ اختلاف بیان کر کے فرمایا ہے کہ انصاف یہی ہے کہ بجز اجماع صحابہ، جبکہ مومنین اہل اجماع بہت تھوڑے تھے اور ان سب کی معرفت تفصیلی ممکن تھی، اور زمانہ کے اجماعوں کے حصول علم کی کوئی سبیل نہیں۔ اسی کے مطابق کتاب حصول المامول میں ہے جو کتاب ارشاد الفحول شوکانی سے ملخص ہے۔اس میں کہا ہے۔

جو یہ دعوی کرے کہ ناقل اجماع ان سب علماء دنیا کی، جو اجماع میں معتبر ہیں، معرفت پر قادر ہے، وہ دعوی میں حد سے نکل گیا اور جو کچھ اس نے کہا، اٹکل سے کہا۔ خدا امام احمد بن حنبل پر رحم فرمائے کہ انہوں نے صاف فرما دیا ہے کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔

(ریویو کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس میں اجماع کے متعلق اختلاف علماء اس غرض سے بیان کیا گیا ہے کہ اجماع باوجود محل اختلاف ہونے کے شرعی حجت اور معتبر سمجھا گیا ہے تو پھر الہام غیر نبی محل اختلاف ہونے کے سبب کیوں نامعتبر ہو۔

یہ غرض عبارت منقولہ قادیانی کے ماقبل و مابعد میں بتصریح بیان کی گئی ہے۔ اس عبارت کے ماقبل صفحہ ۳۳۰ رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر۱۱ کے کہا ہے۔ اس الہام کے متفق علیہ نہ ہونے سے اس کا بے اعتبار ہونا اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ اعتبار کا مدار اتفاق پر نہیں ہے۔ یہ ہو تو کوئی امر اختلاف، لائق اعتبار نہ ہو، حالانکہ مسائل دین اسلام کا حصہ اختلافی، حصہ اتفاقی سے بڑھ کر ہے۔ اور ہر ایک فریق اس حصہ اختلافی کو معتبر اور قابل عمل سمجھتا ہے۔
در آنجا، ادلہ اربعہ میں انحصار دلائل شرعیہ کے مسئلہ ہی کو دیکھو۔

کیا یہ چاروں دلیلیں اتفاقی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان میں دو دلیلیں، کتاب وسنت تو اتفاقی ہیں۔ اور دو باقی اجماع وقیاس اختلافی ہیں۔ اس کے بعد وہ عبارت مرقوم ہے جو مرزا قادیانی نے نقل کی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۳۳۳ میں کہا ہے۔

پھر جب اختلاف کے سبب اکثر مسائل شرعیہ، خصوصاً ادلہ اربعہ میں حصر دلائل شرعیہ کا مسئلہ، بے اعتبار نہ ہوئے، تو اختلاف کے سبب الہام کیوں کر بے اعتبار ہوسکتا ہے۔

یہ عبارات ماقبل و مابعد عبارت منقولہ مرزا قادیانی صاف پکار رہی ہیں کہ مؤلف رسالہ اشاعۃ السنہ کے نزدیک اجماع کی نسبت وہ اختلافات جو عبارات منقولہ قادیانی میں بیان ہوئے ہیں، لائق لحاظ واعتبار نہیں ہیں۔ اور اجماع باوجود محل اختلاف ہونے کے حجت شرعی اور معتبر ہے۔

قادیانی نے اس عبارت کی نقل و بیان میں وہی کام کیا ہے کہ لا تقربوا الصلوۃ کو تو لے لیا اور انتم سکاری کو چھوڑ دیا۔ یعنی اس عبارت کا ماقبل و مابعد اڑا دیا اور صرف درمیانی عبارت متضمنہ اختلافات متعلقہ اجماع کو نقل کر کے مؤلف رسالہ اشاعۃ السنہ کو اس کا قائل ومصدق بنا دیا۔ اور ناظرین کو یہ جتایا کہ مؤلف رسالہ اشاعۃ السنہ وجود اجماع اور اس کے حصول علم سے اور حجت ہونے سے منکر ہے۔ پھر احادیث صحیحین کی صحت پر دعوی اجماع کیوں کرتا ہے۔ محمد حسین)

اب میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بخاری ومسلم کی احادیث کی نسبت

جواجماع کا دعوی کیا جاتا ہے یہ دعوی کیوں کر راستی کے رنگ سے رنگین سمجھ سکیں۔

(چونکہ جو کچھ مرزا صاحب نے اشاعۃ السنہ سے نقل کیا ہے اس میں دجالیت سے کام لیا ہے۔ تو اب ان سوالات کا موقع نہیں رہا۔ ہمارے نزدیک اور ہر ایک محقق قائل اجماع کے نزدیک وہ دعوی درست ہے اور راستی کے رنگ سے رنگین۔ عبارات فقہا ومحدثین اس اجماع کی مثبت ومصدق تحریر نمبر ۸ میں منقول ہوں گی۔ محمد حسین)

حالانکہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کے عہد کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا

(یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ خاکسار ہرگز اس بات کا قائل نہیں ہے کہ عہد صحابہ کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا، بلکہ بہت صریح کہہ چکا ہے کہ اجماع باوصف محل اختلاف ہونے کے حجت ولائق اعتبار ہے۔ محمد حسین)۔

بلکہ آپ امام احمد صاحب کا قول پیش کرتے ہیں کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے

(امام احمد کے اس قول سے ہم نے اپنی رضا تسلیم ظاہر نہیں کی۔ اور اس کی نقل کرنے سے جو غرض ہے وہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ امام احمد کا یہ قول لائق تسلیم ہے تو اس کا محمل ومتعلق اختلافی اور اڑتے پڑتے اجماع ہیں جن کی سند وثبوت کا پتہ نہیں، نہ وہ اجماع جن کی سند وثبوت پر اتفاق ہو، جیسا کہ احادیث صحیحین پر اجماع ہے۔ محمد حسین) **اس سے صاف ظاہر ہے کہ بخاری ومسلم کی صحت پر بھی ہرگز اجماع نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعی امر بھی ایسا ہی ہے کہ بہت سے فرقے مسلمانوں کے بخاری اور مسلم کی اکثر حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے**

(یہ محض کذب ہے۔ اتفاقی احادیث صحیحین کو کوئی مسلمان، جس کے قول کا اجماع واختلاف میں لحاظ ہو، غیر صحیح نہیں جانتا۔ اور بعض احادیث سے ان کا عمل نہ کرنا دیگر وجوہات اجتہادیہ پر مبنی ہے۔ محمد حسین) **پھر جب کہ ان حدیثوں کا یہ حال ہے تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی شرط کے وہ تمام حدیثیں واجب العمل اور قطعی الصحت ہیں۔ ایسا خیال کرنے میں دلیل شرعی کون سی ہے۔ کیا قرآن کریم میں** (پھر مرزا صاحب نے قطعی صحت کی طرف رجوع کیا اور گیارہویں بار مبحث سے خروج کیا۔ قرآن کریم یا آنحضرت ﷺ کے وصایا میں خاص بخاری ومسلم کا نام لے کر حکم بیان ہوتا، تو ان کی احادیث سے انکار پر آپ کو اور دیگر مبتدعین کو جو بخاری مسلم کو نہیں مانتے، قطعی کافر کہا جاتا۔

آپ کو اور دیگر منکرین بخاری ومسلم کو تو اس انکار کے سبب صرف فاسق ومبتدع کہا گیا ہے۔ پھر آپ آیت یا وصیت نبوی کیوں پوچھتے ہیں۔

آیات قرآن اور وصایا نبویہ میں عموماً احادیث صحیحہ کے قبول کرنے کا حکم وارد ہے اور ان احادیث میں بخاری ومسلم داخل ہیں۔ اس عموم کے ترک عمل وانکار قبول سے صرف فاسق ومبتدع ہونے کا فتوی لگایا جاسکتا ہے۔ محمد حسین) **ایسی کوئی آیت پائی جاتی ہے کہ تم بخاری اور مسلم کو قطعی الثبوت سمجھنا اور اس کی**

کسی حدیث کی نسبت اعتراض نہ کرنا، یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی وصیت تحریری موجود ہے جس میں ان کتابوں کو بلا لحاظ کسی شرط اور بغیر توسط محک کلام الٰہی کے واجب العمل ٹھہرایا گیا ہو۔ جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے، تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے، یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب العمل ہیں (علماء محققین حنفی مذہب کا یہ قول نہیں اور نہ اس پر ان کا عمل ہے۔ وہ لوگ سبھی مجتہدات حضرت امام ابوحنیفہ پر عمل نہیں کرتے، بلکہ ان کے بعض مجتہدات چھوڑ کر نصوص شرعیہ پر عمل کرتے ہیں یا اقوال دیگر آئمہ مذہب حنفی پر۔ آپ نے ناحق یہ الزام اہل حدیث کی طرف سے حنفیہ پر قائم کیا اور ان کو اہل حدیث سے لڑانا چاہا۔ محمد حسین) لیکن ایک ادنی شخص سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نصوص بینہ شرعیہ کو چھوڑ کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناحق تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں، تو کیا یہی اعتراض آپ پر نہیں ہوسکتا (اہل حدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ، صحیحین کی احادیث کو صحیح ماننے میں کسی نص بین، آیت یا حدیث کے مخالف نہیں ہیں۔ پھر ان پر یہ اعتراض تقلید مقابل نصوص بینہ، جو حنفیہ پر مرزا صاحب نے ناحق کیا ہے، کیونکر قائم ہوسکتا ہے۔ اس اعتراض کے دعوی میں مرزا نے دروغ گوئم برروئے تو پر عمل کیا اور ناظرین کو دھوکہ دیا۔ محمد حسین) کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید پر زور مار رہے ہیں (یہ تقلید نہیں ہے بلکہ اجماع امت کی پیروی ہے جو ایک دلیل شرعی ہے۔ محمد حسین) حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے۔ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو اس پر عمل کرنا چاہیے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دیا جاوے، اب کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلا شرط صحیح خیال کرتے ہیں اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت کیا ہے۔ (احادیث صحیحین کی صحت باجماع امت ثابت ہے تو تمام احادیث صحیحین کو صحیح ماننا ہمارے اس بیان کے کہ جو حدیث صحیح ہو اس پر عمل کرنا چاہیے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، مخالف نہیں ہے۔ بلکہ عین مطابق وموافق ہے۔ محمد حسین) کہاں سے امام محمد (بن) اسماعیل، اور مسلم کی معصومیت ثابت ہوگئی ہے (اس قول میں بھی مرزا صاحب نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ مسلمانوں نے امام بخاری اور امام مسلم کو معصوم سمجھ کر ان کی احادیث کو صحیح نہیں مانا، بلکہ تمام امت محمدیہ کو، جن کا ان کی کتابوں کی صحت پر اجماع ہے، معصوم مان کر ان کے اجماع کی شہادت سے ان کتابوں کی احادیث کو صحیح مانا ہے۔ اور امت محمدیہ اپنے اتفاق میں معصوم ہے۔ محمد حسین)۔

کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جسکو خدا تعالی اپنے فضل و کرم سے فہم قرآن عطا کرے اور تفہیم الٰہی سے وہ مشرف ہو جائے اور اس پر ظاہر کر دیا جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں حدیث مخالف ہے (کوئی حدیث صحیح، قرآن کے مخالف نہیں ہوتی۔ مرزا صاحب کو جو یہ تفہیم ہوتی ہے کہ بعض احادیث قرآن کے مخالف ہیں، تو یہ تفہیم شیطان کی طرف سے ہے۔ نہ خدا کی طرف سے۔ محمد حسین) اور یہ علم اس کا کمال یقین تک پہونچ جائے تو اس کے لئے یہی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اول ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے۔ اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت ہو نہ سکے تو بدرجہ لاچاری اس حدیث کو غیر صحیح ہونے کا قائل ہو (بخاری و مسلم کو غیر معصوم قرار دے کر ان کی احادیث کا مخالف قرآن ہونا تجویز کر کے ان احادیث کی نسبت یہ بات کہی گئی ہے جو بخاری و مسلم پر مرزا کا تیرہواں حملہ ہے۔ محمد حسین)

کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف، حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ سراسر الحاد اور کفر ہوگا (یہ کفر و الحاد مرزا صاحب ہی کی طرف رجوع کرتا ہے، جو صحیحین کو اصح الکتب مان کر پھر اس کی بعض احادیث کو مخالف قرآن قرار دے کر ان کے چھوڑنے پر مستعدی ظاہر کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم کو صحیح ماننے والے مسلمان کے نزدیک تو ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں جو قرآن کے مخالف ہو۔ محمد حسین) کہ ہم ایسی حدیثوں کی خاطر سے کہ جو انسان کے ہاتھوں سے ہم کو ملی ہیں اور انسان کی باتوں کا ان میں ملنا، نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے، قرآن کو چھوڑ دیں (یہاں مرزا قادیانی نے اپنا ملحد و دجال و منکر قرآن ہونا ثابت کیا ہے۔ قرآن بھی تو حضرت زید بن ثابت وغیرہ انسانوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ لکھا لکھایا عالم بالا سے نہیں اترا۔ بناء علیہ مرزا قادیانی کے نزدیک قرآن میں بھی انسانی باتوں کا ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ محمد حسین)

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے اور وہ عز اسمہ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے۔ اور اصل منشاء بعض آیات کا معہ ان کے ثبوت کے میرے پر ظاہر کرتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ اب میں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کروں۔

(میں مرزا صاحب کو یقین دلاتا ہوں اور خود یقین رکھتا ہوں جس پر میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ خذلان ان کا شامل حال ہے، اور شیطان ان پر مسلط ہے۔ وہی اس قسم کے ملحدانہ خیالات ان کے دل میں ڈالتا

رہتا ہے۔ خدا تعالی کی تفہیم اور اس کا الہام و القاء اس جیسے شخص کے حق میں احاطہ امکان سے خارج ہے۔ خدا تعالی نے قرآن میں قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ جھوٹے بدکاروں کے پاس شیاطین آتے اور وہی ان کے دل میں ایسی باتیں القاء کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا وان الشیا طین لیو حو ن الی اولیائھم لیجا دلو کم ۔ انعام۔ ع ۱۲، کہ شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں خیال ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے لڑیں اور جھگڑیں ہل انبئکم علی من تنز ل الشیا طین علی کل افا ك اثیم میں بتادوں کہ شیطان کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں؟ وہ ان لوگوں پر اترتے ہیں جو بڑے جھوٹے ہیں اور بدکار۔ محمد حسین)

☆ اور یہ بات جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری و مسلم کو میں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ سو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک موضوع قرار نہیں دیا بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم سے مخالف پایا، تو خدا تعالی نے تاویل کا باب میرے دل پر کھول دیا ہے۔ (بہت سی احادیث صحیحین کو مرزا صاحب موضوع کہہ چکے ہیں۔ جیسا کہ گذر چکا۔ محمد حسین)

☆ اور آپ نے یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔ میری اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا بار ثبوت میرے ذمہ نہیں، بلکہ میں تو ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے، خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے، اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے فبای حدیث بعدہ یو منو ن اور فرماتا ہے قل ان ہدی اللہ ہو الہدی اور فرماتا ہے فاعتصموا بحبل اللہ جمیعاً اور فرماتا ہے ہدی للناس و بینات من الہدی اور فرماتا ہے انز ل الکتا ب با لحق و المیزان اور فرماتا ہے انہ لقول فصل لا ریب فیہ تو پھر اس کے بعد کون ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کیلئے حکم مقرر نہ کرے (ان آیات کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ ان آیات کو مرزا قادیانی کے اس دعوی سے کہ حدیث صحیح کی صحت کا محک قرآن ہے، کیا تعلق ہے؟ محمد حسین) اور جبکہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ

کلام حکم ہے اور قول فصل ہے اور حق و باطل کی شناخت کے لئے فرقان ہے اور میزان ہے، تو کیا ایمان داری ہوگی کہ ہم خدا تعالی کے ایسے فرمودوں پر ایمان نہ لاویں۔ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر یک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں (اس عرض کا قرآن یا حدیث میں کہیں حکم نہیں۔ اور اس بات میں جو حدیث مرزا صاحب نے نقل کی ہے وہ موضوع ہے اور اس عرض و موافقت مضمون قرآن سے صحت حدیث ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ بعض موضوعات کا مضمون بھی قرآن کے موافق ہوتا ہے۔ محمد حسین) تا کہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جن سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہے۔ سو چونکہ مومن کے لئے یہ ایک ضروری امر ہے کہ قرآن کریم کو احادیث کا حکم مقرر کرے، اس لئے ثبوت اس بات کا کہ سلف صالحین نے قرآن کریم کو حکم مقرر نہیں کیا، آپ کے ذمہ ہے نہ میرے ذمہ ((مرزا صاحب نے یہ عجیب طریق اختیار کر رکھا ہے کہ جس دعوی کا ثبوت نہ ہوسکے اس دعوی کو بدیہی و اتفاقی و مسلم کل بنا دیا اور بار ثبوت اپنے اوپر سے ٹلا دیا۔ اس طریق کا ابطال یہ ہے کہ یہ ادعا ان کا محض دروغ ہے۔ ان کے خصم کو اس قسم کے دعوی میں یہ کلام ہے کہ کوئی مسلمان ان باتوں کا قائل نہیں پس مرزا کا فرض ہے کہ وہ کوئی قائل بتائیں ورنہ دروغ گو سمجھے جائیں گے۔

بے شک و بلا ریب مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم، ہدایت ہے، حبل اللہ ہے، قول فصل ہے اور جو کچھ اس کے شان میں خدا تعالی نے فرمایا ہے اس پر مسلمانوں کا ایمان ہے مگر کسی آیت قرآن میں یہ بیان نہیں ہوا کہ قرآن مجید، صحت احادیث صحیحہ کا معیار و محک ہے۔ اور جس حدیث کا مضمون قرآن کریم کے موافق نہ ہو وہ حدیث لائق تسلیم نہیں ہے۔ محمد حسین)

اس جگہ مجھے یہ افسوس ہے کہ آپ قرآن کریم کا مرتبہ بخاری اور مسلم کے مرتبہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے کیونکہ اگر کوئی حدیث کسی کتاب کی بخاری و مسلم کی کسی حدیث سے مخالف اور مبائن پڑے اور کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو آپ صاحبان فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ مگر کمال افسوس کی جگہ ہے کہ یہ مذہب قرآن کریم کی نسبت آپ اختیار کرنا نہیں چاہتے (مرزا صاحب کی یہ بات کذب اور بہتان ہے۔ اہل حدیث، صحیح بخاری کا رتبہ صحت، رتبہ کتاب اللہ کے بعد مانتے ہیں، نہ اس کے برابر۔ اور کسی حدیث غیر صحیحین کو صحیحین کی مخالفت کے سبب غیر صحیح قرار نہیں دیتے۔ بلکہ اس حدیث کی صحت ثابت ہو تو اس کو حدیث صحیحین کے موافق کرتے اور ان میں باہم تطبیق دیتے ہیں مرزا صاحب نے جو کچھ اس بات میں کہا ہے اس میں افتراء کر کے اپنا دجال

ہونا ثابت کیا ہے ۔محمد حسین)

اور اجماع کی نسبت جو آپ نے دریافت فرمایا ہے تو میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ ابن صیاد، جو مسلمان ہو گیا تھا، بیان کرتا ہے کہ لوگ مجھے ایسا کہتے ہیں ۔اس کی شہادت میں کوئی استثنا نہیں ،جس سے سمجھا جاتا ہے کہ عام طور پر صحابہ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے ۔ ماسوا اس کے حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کا یہ مذہب ہو گیا تھا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ اس صورت میں دوسرے صحابیوں کا خاموش رہنا صریح اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس مذہب کو مان چکے ہیں اور اگر ان کی طرف سے کوئی مخالفت اور انکار ہوتا تو وہ انکار ظاہر ہو جاتا ۔پس صحابہ کے اجماع کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ بالخصوص حضرت عمر کا آنحضرت ﷺ کے روبرو قسم کھا کر بیان کرنا کہ درحقیقت ابن صیاد ہی دجال معہود ہے، صریح دلیل اجماع پر ہے (نہ تمام صحابہ نے یہ کہا ہے کہ ابن صیاد دجال معہود ہے اور نہ دوسرے صحابہ نے اس پر سکوت کیا، اور نہ حضرت عمر نے ابن صیاد کو دجال معہود ہونے پر قسم کھائی ۔ نہ حضرت ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی ۔ محمد حسین) کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر آنحضرت ﷺ جماعت صحابہ سے اکیلے نہیں ہوتے تھے، اور غالبا جس وقت حضرت عمر نے قسم کھائی ہو گی اس وقت بہت سی جماعت صحابہ کی موجود ہو گی ۔ پس ان کی خاموشی اجماع پر دلیل ہے (جماعت صحابہ کی خاموشی کا جواب پہلے ہو چکا ۔ایک جماعت کے سکوت یا اتفاق کا اجماع نہ ہونا بھی بیان ہو چکا ۔محمد حسین) ۔

پھر آپ نے بیان فرمایا ہے کہ شرح السنہ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے ۔سو حضرت اس کے جواب میں اس قدر کافی ہے کہ آپ لوگوں کے نزدیک تو صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے ہے، گو منقطع ہے صاف ظاہر ہے کہ صحابی، آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں کر سکتا (دیکھو دجال کی چال ۔ ہم نے آنحضرت ﷺ کی اس قولی حدیث کا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں ، جس کو مرزا قادیانی نے آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا تھا، پتہ پوچھا تھا ۔ مرزا نے اس کے جواب میں جابر بن عبداللہ صحابی کے اس قول کو کہ آنحضرت ، ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے شرح السنہ سے نقل کر دیا ۔جس پر ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہے ۔اس کے جواب میں اب مرزا صاحب نے کہا ہے کہ صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے ۔اور شرم وحیا کو کام میں لا کر یہ خیال نہ کیا کہ مطلق حدیث سے یا ہر قسم کی حدیث

سے سوال نہ تھا، بلکہ خاص آنحضرت ﷺ کی قولی حدیث سے سوال تھا۔ اور ہر ایک قسم کی حدیث تو موضوع بھی ہوتی ہے۔ پھر اس سوال کے جواب میں یہی کہا ہوتا کہ گو وہ حدیث جو ہم نے بیان کی ہے وضعی اور ہماری بناوٹی ہے، مگر آخر یہ بھی تو ایک قسم کی حدیث ہے۔ محمد حسین) ۔ اور ڈرنے کی بات ایسی ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ اشارۃً یا صراحۃً بیان نہ فرماتے تو صحابی کی کیا مجال تھی کہ خود بخود آنجناب پر افتراء کر لیتا۔ بلاشبہ اس نے سنا ہوگا تب ہی تو اس نے ذکر کیا۔ سو جو کچھ اس نے سنا اگرچہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ سے ظاہر نہیں۔ لیکن ایک بچہ کو بھی سمجھ آ سکتا ہے کہ اس نے ضرور سنا، تب ہی بیان کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ افتراء نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے۔ کیا آپ اس صحابی پر حسن ظن نہیں رکھتے اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ بغیر سننے کے اس نے کہہ دیا۔

☆ آپ فرماتے ہیں کہ اس نے خیال ظاہر کیا، میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے مافی الضمیر پر اس کو کیا علم تھا جب تک آنحضرت ﷺ اشارۃً یا صراحتاً آپ ظاہر نہ فرماتے (یہ افتراء کون کہتا ہے؟ جابر نے آنحضرت ﷺ کی خوف کی حالت کو دیکھا تو اس سے سمجھ لیا کہ آپ اسکے دجال ہونے سے ڈرتے ہیں اور یہ کلمہ فرما دیا کہ آپ اسکے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ آنحضرت کی طرف تو انہوں نے کوئی قول منسوب نہیں کیا۔ پھر افتراء کیونکر ہوا۔ اور ہم حسن ظن رکھتے ہیں، تب ہی تو یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی حالت خوف کو سیکھا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ اس سے ڈرتے تھے۔ محمد حسین)

☆ پھر آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اشاعۃ السنۃ میں محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اور آخر میں، میں نے لکھ دیا ہے کہ ہم الہام کو حجت اور دلیل نہیں جانتے۔ اس کے جواب میں بادب ملتمس ہوں کہ آپ اگر اس قول کے مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے (ناحق کیوں؟ جس غرض سے ہم نے وہ قول نقل کیا ہے وہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لہذا اس کے نقل کرنے سے اس کے مضمون سے اتفاق ثابت نہیں ہوتا۔ محمد حسین)

غایت کار آپ کی کلام میں تناقض ہوگا، کیونکہ اول صاف تسلیم کر آئے ہیں کہ الہام ملہم کے لئے حجت شرعی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے آپ تو صاف طور پر مان چکے ہیں بلکہ بحوالہ حدیث بخاری بتصریح بیان کر چکے ہیں کہ الہام محدث کا شیطانی دخل سے منزہ کیا جاتا ہے، ماسوا اس کے میں اس بات کے لئے آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ الہام کو حجت سمجھ لیں۔ مگر یہ تو آپ اسی ریویو میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ ملہم کے لئے وہ الہام حجت ہو

جا تا ہے۔سو میرا دعوی اسی قدر سے ثابت ہے ۔ میں بھی آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا ۔

(اس آخری کلام میں بھی مرزا قادیانی نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ۔ یہاں بحث وسوال اس امر کا نہ تھا کہ الہام غیر نبی حجت ہے یا نہیں؟ جس کا یہ کلام جواب ہوسکتا۔ خاکسار کا سوال تو یہ تھا کہ میں نے شیخ اکبر کے اس قول کو کہ کشف کے ذریعہ سے بعض احادیث موضوع اور بعض غیر صحیح ٹھہر سکتی ہیں، مؤلف اشاعۃ السنہ نے کب صحیح تسلیم کیا۔اوراس کی نسبت اپنا توافق رائے کہاں ظاہر کیا ہے؟ اس کا جواب تحریر نمبر ۵ میں مرزا نے یہ دیا تھا کہ آپ کے نزدیک وہ قول لائق تسلیم نہ ہوتا تو اس کو کس غرض سے نقل کیا جاتا۔اس کا جواب تحریر نمبر ۶ میں خاکسار نے یہ دیا کہ اس قول ونقل سے جو غرض ہے وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۱۱ جلد ۷ میں بیان ہو چکی ہے۔اور وہاں اس قول کے مضمون سے ہم نے اپنا خلاف صاف طور پر ظاہر کر دیا اور کہہ دیا ہے کہ ہم الہام غیر نبی کو حجت ودلیل شرعی نہیں جانتے،جس کو مرزا قادیانی نے اس مقام میں نقل کیا ہے،لہذا اس کے جواب میں میں قادیانی کا اب ان امور کو پیش کرنا کہ

۱۔ اس قول کے آپ مخالف ہوتے تو اس کو کیوں نقل کرتے؟

۲۔اورالہام آپ کے نزدیک ملہم کے حق میں تو حجت ہے۔

۳۔ اور محدث کا الہام دخل شیطانی سے منزہ ہے۔

۴۔اور میرے لئے یہی کافی ہے۔

۵۔آپ کو میں اس بات کے لئے مجبور نہیں کرتا۔

سوال وجواب متنازع فیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔اور ان امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مؤلف اشاعۃ السنہ نے الہام کے ذریعہ احادیث صحیحہ کے موضوع اور موضوعہ کے صحیح ہوسکنے کو رسالہ میں تسلیم کیا ہے۔اوراسی کے ثبوت کا مرزا قادیانی سے مطالبہ ہوا) ۔ جولائی ۱۸۹۱ء غلام احمد بقلم خود

(مرزا قادیانی کی تحریر نمبر ۶ ختم ہوئی اس تحریر کو معہ اس کے نوٹوں اور حواشی کے ناظرین توجہ سے پڑھیں گے تو یقین کریں گے کہ اس تحریر میں بھی اس نے ان دو پرانی باتوں خارج از بحث کے کہ

جس حدیث کا مضمون قرآن کے مخالف ہوگا، وہ صحیح ولائق قبول نہیں،

اور حدیث صحیح بھی ہو تو وہ رتبہ صحت میں قرآن کے برابر نہیں،

اور کچھ نہیں کہا۔اور ہمارے اس سوال کا کہ بخاری مسلم کی جملہ احادیث صحیح ہیں، یا غیر صحیح، یا مختلط، کوئی قطعی اور صاف جواب نہیں دیا۔محمد حسین)

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی تحریر ہفتم

میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے پھر بھی میرے سوال کا جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا۔

آپ نے بیان کیا ہے کہ میں آپ سے ان کتب کی صحت تسلیم کرانا چاہتا ہوں اور آپ اس تسلیم کو صحیح نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو ایک غلط اصول فرضی و خیالی اجماع پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ پھر صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلا وقفہ ونظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں ہیں، بلکہ اس میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں، یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے۔ جب تک آپ ایسے صریح الفاظ میں اس مطلب کو ادا نہ کریں گے اس سوال کے جواب سے سبک دوش نہ ہوں گے، خواہ برسوں گزر جائیں۔

آپ حدیث ان من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه و پیش نظر رکھ کر خارج از سوال باتوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیں اور دو حرفی جواب دیں کہ

☆ ١۔ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں، یا موضوع ہیں، یا مختلط ہیں۔

☆ ٢ ۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو موضوع نہیں کہا (لفظ موضوع آپ کے کلام میں غیر صحیح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور غیر صحیح بمعنی موضوع، اس وجہ سے آپ کا بعض احادیث کو ضعیف کہنا، موضوع کہنے کی مانند ہے اور بعض احادیث کی نسبت تو آپ نے صاف اور صریح لفظ موضوع استعمال کیا ہے۔ چنانچہ متن میں اس کی تفصیل ہے اور بعض حواشی میں بعض تمثیلات گذر چکی ہیں۔محمد حسین)

اور یہ امر کمال تعجب کا موجب ہے کہ آپ جیسے مدعیان الہام ایسی بات خلاف واقعہ کہیں۔آپ نے رسالہ ازالہ اوہام میں دمشقی حدیث کی نسبت کہا ہے۔

> یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد (بن) اسماعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے۔اب انصاف سے فرماویں کہ اس حدیث صحیح مسلم کو آپ نے ضعیف قرار دے دیا ہے یا نہیں۔

اور اگر آپ یہ عذر کریں کہ میں صرف ناقل ہوں، اس کو ضعیف کہنے والے امام بخاری ہیں، تو آپ تصحیح نقل کریں اور صاف فرماویں کہ امام بخاری نے فلاں کتاب میں اس

کو ضعیف قرار دیا ہے یا کسی اور امام، محدث سے نقل کریں کہ انہوں نے امام بخاری سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے، ورنہ آپ اس الزام سے بری نہیں ہوسکیں گے کہ آپ نے صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دیا اور پھر اس اپنی تحریر میں اس سے انکار کیا۔

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۶ میں آپ فرماتے ہیں۔

اب بڑے مشکلات یہ درپیش آتے ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں، جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہے ہیں، تو یہ حدیثیں موضوع ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور اگر یہ متعارض ومتناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں، صرف دوسرے صحیفوں میں ہوتیں، تو شاید ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے، مگر اب مشکل تو یہ آ پڑی کہ ان ہی دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس حدیث کو صحیح سمجھیں اور کس کو غیر صحیح۔ تب ہم کو عقل خداداد یہ طریق فیصلہ کا بتاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں، انہیں صحیح سمجھنا چاہیے۔

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۴ میں آپ نے مسلم کی اس حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ دجال معہود کی پیشانی پر ك ف ر لکھا ہوگا، یہ کہہ کر اڑا دیا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی اس حدیث کے برخلاف ہے جس میں یہ وارد ہے کہ یہ دجال مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ ایسا ہی آپ نے صحیحین کی ان احادیث کو اڑایا ہے جن میں دجال کے ان خوارق کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوں اور اس کے کہنے سے زمین شور، سرسبز ہو جائے گی، وغیرہ۔ پھر آپ کا اس مقام میں یہ کہنا کہ میں نے صحیحین کی کسی حدیث کو موضوع یا غیر صحیح قرار نہیں دیا اور احادیث کے صحیح معنے بیان کرنے میں خدا میری مدد کرتا ہے، خلاف واقعہ نہیں تو کیا ہے

☆ آپ صحیحین کی حدیث کو موضوع جانتے ہیں اور ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔ پھر اس اعتقاد کو جو طولانی تقریروں اور ملمع سازیوں سے چھپاتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ جن باتوں کو آپ چھاپ چکے ہیں وہ کب چھپتی ہیں۔

☆ ۳۔ آپ لکھتے ہیں کہ قرآن کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں امام کی نشان

دہی کا بار ثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان احادیث کی تصیح کا معیار قرآن کو سمجھتا ہے۔

میں آپ کے اس دعوی کا بھی منکر ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان، جن کے اقوال سے استناد کیا جاتا ہے، اس بات کا قائل نہیں ہے۔ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا علماء سلف سے نام لیں جو آپ کے خیال کا شریک ہو اور اگر باوجود ان دعاوی کے آپ پر بار ثبوت نہیں ہے تو آپ یہ امر کسی منصف سے (مسلمان ہو یا غیر مذہب) کہلا دیں۔

اس باب میں جو آیات آپ نے نقل کی ہیں ان کو آپ کے دعاوی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تفصیل، جواب تفصیلی میں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالی۔

☆ ۴۔ اجماع کے باب میں میرے کسی سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ براہ مہربانی میرے سوال پر نظر ثانی کریں اور ان باتوں کا جواب دیں کہ

☆ اجماع کی تعریف جو آپ نے لکھی ہے کس کتاب میں ہے۔ اور

☆ بعض صحابہ کے اتفاق کو کون شخص اجماع سمجھتا ہے۔

☆ سکوت کل، کا جو آپ نے دعوی کیا ہے یہ بھی محتاج نقل وثبوت ہے۔

آپ بہ نقل صحیح ثابت کریں کہ حضرت عمر وغیرہ نے ابن صیاد کو دجال کہا تو اس وقت جملہ اصحاب یا فلاں فلاں موجود تھے اور انہوں نے اس پر سکوت کیا۔ یا وہ قول جس صحابی کو پہنچا اس نے انکار نہ کیا۔ یہ بات غالباً اور ہوں گی کے الفاظ سے ثابت نہیں ہوسکتی۔ ایسے دعاوی عظیمہ میں آئمہ نقل سے نقل بکار ہے، نہ صرف تجویز عقل۔

اجماع کے باب میں جو کچھ آئمہ سے منقول ہے وہ آپ کی تحریر میں موجود ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اس پر آپ کی توجہ نہ ہوئی۔ اور صرف اٹکل سے آپ نے کار براری کی۔

☆ ۵۔ مضمون حدیث شرح السنۃ کے متعلق آپ نے بڑے زور سے دعوی کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے کا خوف کرتا ہوں اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۴ میں آپ نے لکھا ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو فرمایا کہ ہمیں. اس کے حال میں بھی اشتباہ ہے یعنی اس کے دجال ہونے کا ہم کو خوف ہے۔

ان اقوال کا آپ نے آنحضرت ﷺ کو یقیناً قائل قرار دیا ہے۔ اب آپ کہتے ہیں کہ صحابی نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا، تب ہی آنحضرت ﷺ کی طرف اس امر کو منسوب

کیا ہوگا کہ آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اب انصاف کو اور صدق و دیانت کو پیش نظر رکھ کر فرماویں کہ احتمال موجب یقین ہوسکتا ہے؟ کیا یہ امکان نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ان معاملات سے جو ابن صیاد کی نسبت بارہا وقوع میں آئے، جیسے اس کا امتحان کرنا، یا چھپ کر اس کے حالات معلوم کرنا وغیرہ، جن کا صحیحین میں ذکر ہے، اس صحابی کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ اس کو دجال سمجھتے تھے۔ اس امکان واحتمال کے ساتھ جو حسن ظنی بحق صحابی پر مبنی ہے، کیا یہ یقین ہوسکتا ہے؟ کہ اس صحابی نے آنحضرت ﷺ کو وہ باتیں کہتے ہوئے سنا جو آپ نے برخلاف واقعہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیں۔ اور بلا حصول یقین آنحضرت ﷺ کو ان اقوال کا قائل قرار دینا اور بلا کھٹکا یہ کہہ دینا کہ آپ ایسا فرماتے تھے، جائز ہے؟ اور مسلمانان سلف سے یہ امر وقوع میں آیا ہے؟ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا نام بتلاویں جس سے یہ جرئت ہوئی ہو۔

☆ ۶۔ آپ لکھتے ہیں کہ قول ابن عربی کے آپ مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے اور اس کے ذکر سے آپ کے کلام میں تناقض پیدا ہوتا ہے۔ آپ کا یہ مفہوم میری عبارت کے صریح منطوق کے، جو میں نے نقل کی ہیں، برخلاف ہے لہذا لائق لحاظ والتفات نہیں ہے اور وہ آپ کو الزام افتراء سے بری نہیں کرسکتا۔ اور نہ میری وہ تصریحات جو میں نے محدث کی نسبت کی ہیں آپ کو اس الزام سے بری کرسکتے ہیں۔ میری کسی تصریح یا کلام میں قول ابن عربی کی تصدیق وتائید پائی نہیں جاتی اور میرا صریح اظہار کہ، میں الہام غیر نبی کو حجت نہیں سمجھتا کتاب وسنت کا پیرو ہوں نہ کسی الہامی کشفی کا مقلد، صاف شاہد ہے کہ آپ نے مجھ پر افتراء کیا ہے۔ رہا الزام تعارض واظہار خلاف عقیدت سو اس کا جواب اسی صفحہ اشاعۃ السنۃ میں موجود ہے کہ میں نے ان اقوال ابن عربی وغیرہ کو اس غرض سے نقل کیا ہے کہ الہام کو حجت ماننے میں صاحب براہین منفرد نہیں ہے اور یہ مسئلہ ایسا نیا اور انوکھا نہیں جس کا کوئی قائل نہ ہو۔ جس سے ثابت ہے کہ میں نے ان اقوال کو نقل کرنے سے صاحب براہین کو تفرد سے بچانا چاہا تھا، نہ یہ جتانا کہ میں بھی ایسے الہاموں کو لائق سند سمجھتا ہوں۔

آپ کی تحریرات میں بہت سے مطالب زائد اور خارج از بحث ہوتے ہیں، جن سے میں عمداً تعرض نہیں کرتا۔ ان سے تعرض اس تفصیلی جواب میں کروں گا جو بعد طے ہونے امور مستفسرہ کے قلم میں لاؤں گا۔ بالفعل میں آپ کو پھر اپنے سوالات سابقہ کی

طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی بنظر تحفظ اوقات فریقین میرے سوالات کا صاف اور مختصر الفاظ میں جواب دیں اور زائد باتوں کی طرف توجہ نہ کریں ۔ میں بنظر آپ کی رفع تکلیف کے پھر اپنے سوال کا خلاصہ بیان کرتا ہوں ۔

☆ اول ۔ آپ صراحت کے ساتھ کہیں کہ جملہ احادیث صحیحین ، صحیح اور واجب العمل ہیں ، یا جملہ غیر صحیح اور موضوع ، یا مختلط ۔ اور اب تک آپ نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع یا ضعیف نہیں کہا ۔

☆ دوم ۔ قرآن کو صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں جملہ مسلمان آپ کے ساتھ ہیں ، یا کوئی امام آئمہ سلف ۔

☆ سوم ۔ اجماع کی تعریف اور یہ امر کہ چند اصحاب کا اتفاق شرعاً اجماع کہلاتا ہے اور حضرت عمر وغیرہ کے ابن صیاد کو دجال (دجال بھی وہ جو موعود ہے کیونکہ اسی سے ہم کو انکار ہے) کہنے کے وقت جملہ اصحاب موجود تھے یا فلاں فلاں ۔ اور اس پر انہوں نے سکوت کیا اور یہ سکوت فلاں فلاں آئمہ حدیث نے نقل کیا ۔

☆ چہارم ، آنخضرت ﷺ کے اصحاب ، آپ ﷺ کی طرف کوئی حکم یا خیال منسوب نہ کرتے جب تک کہ وہ آپ سے (کوئی بات) سن نہ لیتے ۔ اور آنخضرت ﷺ کے وقائع اور قضایا سے کوئی امر استنباط کر کے آنخضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ کرتے جیسے بعض صحابہ سے منقول ہے قضی بالشفعة الجار (یعنی آنخضرت ﷺ نے ہمسایہ کے لئے شفعہ کا حکم دیا ۔ آنخضرت ﷺ نے کسی موقع پر کسی ہمسایہ کو شفعہ دلوایا تو اس واقعہ سے راوی حدیث نے یہ فیصلہ اور حکم نکال لیا اور اس کو آنخضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا ۔ اس نسبت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے آنخضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سنا ہو کہ ہمسایہ کو شفعہ دلانا چاہیے ، یا اس کی مانند کوئی اور لفظ ۔ محمد حسین)

یا یہ کہ صرف خیال استنباط سے آنخضرت ﷺ کی نسبت یہ فرمادیتے کہ آپ نے ایسا ارشاد کیا ہے ۔

☆ پنجم ۔ میری اس منطوق کے ہوتے وہ مفہوم قابل اعتبار ہے جو آپ کے خیال میں ہے و بناء علیہ میں ابن عربی کا مصدق ہوں ۔ اور آپ اس دعوی میں صادق ہیں ۔ فقط ۔

ابوسعید محمد حسین ۔ ۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا قادیانی کی تحریر ہفتم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی

حضرت مولوی صاحب آپ پھر سہ کرر شکوہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا اب بھی جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ

. صاف الفاظ میں کہنا چاہیے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلا وقفہ ونظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں، بلکہ ان میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں۔ یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے۔ آپ اس بات کا جواب مجھ سے مانگتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں، یا مختلط ہیں۔ فقط.

(یہ تصریح وتکرار کے ساتھ مرزا قادیانی کا ہمارے سوال کو سمجھ لینے اور اس کا جواب صاف الفاظ میں مطلوب ہونے کا اعتراف ہے۔ محمد حسین)

اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ

احادیث کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لا ریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے، جس میں ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں (لفظ ضرورت محاورہ اہل علم میں دو معنی میں مستعمل ہوا ہے، ایک بمعنی حاجت دوسرے بمعنے بداہت ضد نظریت۔ مگر یہاں اس لفظ کے دونوں معنی صحیح نہیں ہو سکتے۔ محمد حسین) سو ایسی حدیثیں تو بلا شبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے نہیں ہوئی، اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے، اور نہ وہ راویوں کے وثوق اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، بلکہ وہ قوت ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل اسلامی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں (یقین یا ظن سے کس نے سوال کیا ہے؟ ہمارا سوال تو مطلق صحت یا عدم صحت سے ہے، مرزا صاحب نے قطعی وظنی کی بحث کو چھیڑ کر ناحق خروج از مبحث کیا، جس کی یہ بارھویں دفعہ ہے اور اصلی جواب کو ٹلایا اور اپنے ناظرین ومعتقدین کو اصل بحث مطلوب بھلا کر دوسری طرف لے جانا چاہا۔ محمد حسین) لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جس کو سلسلہ تعامل سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں

کے سہارے سے اوران کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں، ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا (ان فقرات کو ناظرین خیال میں رکھیں ۔مرزا قادیانی نے اپنی تحریر ہشتم میں ان کا خلاف کیا ہے اور تعامل کے تین مراتب یقین بنا کر سوم مرتبہ ظن غالب کو کہا ہے۔ محمد حسین) اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں وہ یقینی اور قطعی طریق نہیں، بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے (اصل میں ہے اوازش کا لفظ ہے جس کا مطلب دربطن قادیانی ہے شاید اس کی مراد لفظ آویزش ہے ۔محمد حسین) وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقوی طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے (ان شروط واوصاف راوی کے بیان سے مرزا نے یہ جتایا ہے کہ فن حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی ان کا گذر نہیں ہوا۔ تقوی کی صفت، نیک چلنی وصداقت وغیرہ صفات کی جامع اوراس پر حاوی ہے۔ پھر اس صفت کے ساتھ نیک چلنی وصداقت کو کیوں ذکر کیا ہے ۔سلامت فہم کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ فہم راوی میں غلطی نہ ہو اور اس معنی کو سلامت فہم شرط روایت نہیں ہے۔ یہ امر ہم نے اپنی تحریر ہشتم میں مرزا صاحب کو جتایا تو انہوں نے اپنی تحریر ہشتم میں اس کا ایسا جواب دیا کہ وہ عذر بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ چنانچہ اس تحریر کے جواب میں ثابت کیا جائے گا ،انشاء اللہ۔ طہارت سے ظاہری مراد وضو وغسل وتیمّم وغیرہ ہی ہوسکتا ہے، سوکسی کے نزدیک روایت حدیث میں شرط نہیں ۔ نہ بوقت تحمل حدیث یہ طہارت شرط ہے، نہ بوقت ادائے وروایت حدیث،شرط ہے۔ محمد حسین) ،اوران تمام امور کا کماحقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رؤیت کا رکھتا ہے، پہونچنا ،حکم محال کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے ۔کیا آپ ایسی کسی حدیث کی نسبت حلفاً بیان کر سکتے ہیں کہ اس کے مضمون کی نسبت کامل اطمینان اور سکینت مجھ کو حاصل ہے۔ اگر آپ حلف اٹھانے پر مستعد بھی ہوں تاہم میں یہ خیال کروں گا کہ آپ ایک پرانے خیال اور عادت سے متاثر ہو کر ایسی جرئت پر آمادہ ہو گئے ہیں، ورنہ آپ کو بصیرت کی راہ سے ہرگز قدرت نہیں ہوگی کہ کسی ایسی حدیث کے لفظ لفظ کی صحت قطعی اور یقینی کی نسبت دلائل شافیہ، جو غیر قوم کے لوگ بھی سمجھ سکیں، پیش کر سکیں (جس قدر اطمینان عمل کے لئے بکار ہے وہ تحقیق شروط رواۃ میں حاصل ہو چکی ہے، مرزا صاحب اس کوچہ سے نابلد ہیں اس لئے اس کو محال جانتے ہیں ۔ اور احادیث صحیحین کی صحت کی نسبت اطمینان لائق عمل حاصل ہے اور اس پر قسم جائز ہے۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔محمد حسین)

سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب

ہیں، وہ حسب استفاضا اور بقدر اپنے فیض یابی کے، یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں، لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں، غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ پر ہیں۔

(پھر قطعی وظنی کی بحث کو ناحق مرزا صاحب نے چھیڑا اور خروج از مبحث اختیار کیا جس کی یہ تیرھویں دفعہ ہے۔ یہاں انہوں نے ظن غالب کو یقین کا مقابل ٹھہرایا ہے اور اپنی تحریر ہشتم میں اس کا خلاف کیا اور ظن غالب کو یقین کا ادنی مرتبہ ٹھہرایا۔ محمد حسین) اس لئے میرا مذہب بخاری ومسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے، جو میں نے بیان کر دیا ہے، یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں، بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہونچ گئی ہیں اور بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے، ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن ہر حالت میں کسی حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو موضوع قرار نہیں دے سکتا (اس مقام میں مرزا صاحب نے احادیث بخاری ومسلم کی ظنی صحت تو مان لی ہے لیکن پھر ان احادیث کے مخالف قرآن ہونے کی صورت میں ان کو موضوع کہنے پر مستعدی کا اظہار کر کے آئندہ رد احادیث صحیحین کے لئے راستہ نکال لیا۔ جو احادیث صحیحین پر آپ کا چودھواں حملہ ہے، مگر ایک شبہ، مخالفت قرآن کی آڑ میں، جس کے وقوع کو آپ نے ازالہ اوہام میں صفحہ ۲۲۴ سے ۲۲۹ تک بیان کیا ہے چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر ۴ ج ۱۳ کے صفحہ ۱۱۷ و ۱۱۸ و ۱۲۵ وغیرہ میں آپ کی عبارات منقول ہیں۔ محمد حسین) اور میں سچے دل سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حدیثوں کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی معیار ہمارے پاس نہیں۔ ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روایت کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کیلئے معیار مقرر کیا ہے، لیکن کبھی انہوں نے دعوی نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنیوالہ ہے (ان کا یہ دعوی طشت از بام کا مصداق ہے وہ کبھی کسی حدیث کو اصول روایت سے صحیح ہو جانے کے بعد امتحان صحت کیلئے قرآن پر عرض نہ کرتے، اور یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ حدیث بحکم اصول روایت، صحیح ہو تو پھر وہ دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی، چہ جائے کہ قرآن کے مخالف ہو۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)

اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا یعنی اگر کوئی فاسق کوئی خبر لاوے تو اس کی اچھی طرح تفتیش کر لی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور کوئی معصوم نہیں ٹھہر سکتا، اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر یک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے (مرزا کا اس آیت کو صرف امکان صدور کذب وغیرہ کی نظر سے ثقہ وعادل محقق الثقہ والعدالۃ راویوں پر لگانا اور ان کو فاسق بنانا اور صدق کو معصوم میں منحصر کرنا، اپنے فسق

کا اقرار اور چھپے رفض کا اظہار کرنا ہے، مسلمان اہل سنت تو ظاہر العدالت راوی کی روایت کو راست اور صحیح سمجھتے ہیں اور امکان صدر کذب کے لحاظ سے صحیح روایت کی عدم صحت تجویز نہیں کرتے۔ اپنی تحریر ہشتم میں مرزا قادیانی نے صحیح احادیث کے راویوں میں امکان کذب کی جو وجہ بتائی ہے اس کا جواب اس تحریر کے حواشی میں ہوگا۔ محمد حسین) **لہذا رواۃ کے حالات صدق وکذب ودیانت وخیانت کے پرکھنے کیلئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھیں تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہونچائیں، لیکن وہ تحقیقات میسر نہیں آسکی** (جس قدر کامل تحقیقات صحت حدیث کے لئے بکار ہے وہ میسر وحاصل ہو چکی ہے، مرزا صاحب فن حدیث سے جاہل ہونے کے سبب بار بار یقین کامل کا لفظ زبان وقلم میں لاتے ہیں، صحت احادیث کے لئے ظن غالب، جس کے حصول کو مرزا صاحب مان چکے ہیں، کافی ہے۔ محمد حسین) **کیونکہ اگرچہ صحابہ کی حالات روشن تھے اور ان لوگوں کے حالات بھی جنہوں نے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچایا، لیکن درمیانی لوگ جن کو نہ صحابہ نے دیکھا تھا اور نہ آئمہ انکی اصلی حالت سے پوری اور یقینی طور پر واقف تھے، ان کے صادق یا کاذب ہونے کے حالات یقینی اور قطعی طور پر کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں** (اس قول مرزا میں صحابہ کے حالات کو اور آئمہ حدیث تک احادیث کو پہنچانے والے راویوں کے حالات کو روشن اور یقینی کہا ہے، اور ان دونوں گروہ کے درمیان کے راویوں کے حالات کو مرزا نے غیر یقینی ومشتبہ بتایا ہے۔ اور یہ ایسا کذب اور خلاف واقعہ قول ہے جس کی نہ قرارداد محدثین سے موافقت ہوسکتی ہے، نہ مرزا کے اپنے قول واعتقاد سے۔

قادیانی کے اپنے قول واعتقاد سے اس کی عدم موافقت کی یہ وجہ ہے کہ وہ اس قول سے دو سطر پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ بجز نبی اور کوئی معصوم نہیں ہے اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے، بجز نبی، ممکن الوقوع ہے، اور یہ بھی وہ کہہ چکا ہے کہ امکان کذب قطعیت ویقین کا مخالف ہے۔ پھر اس کا صحابہ اور آئمہ حدیث تک احادیث کو پہنچانے والے راویوں کے حالات کو یقینی قرار دینا، اپنی سابق قرارداد کے مخالف نہیں تو اور کیا ہے؟

اور اس قول کے وقت قادیانی نے اس قول واعتقاد سے رجوع کیا اور اس کو غلط سمجھا ہے تو پھر جیسے صحابہ وآئمہ حدیث تک رواۃ کے حالات باوجود امکان صدور کذب وغیرہ ذنوب، قطعی ویقینی ہیں، ویسے ہی درمیانی لوگوں کے حالات باوجود اس امکان کے یقینی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ان کے حالات کی تفصیل وبیان، حالات صحابہ ورواۃ آئمہ حدیث سے کم نہیں ہے۔ جس قدر کوئی صحابہ کے حالات میں تفصیل کرے اسی قدر ہم سے درمیانی راویوں کے حالات کی تفصیل سن لے۔

قرارداد محدثین سے اس قول قادیانی کی عدم موافقت کی یہ وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک جس قدر تفصیل حالات درمیانی راویوں کی ہو چکی ہے اس قدر ان لوگوں کے حالات کی تفصیل نہیں ہوئی جو آئمہ حدیث سے

نیچے کے لوگ ہیں اور انہوں نے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہونچا دیا ہے۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں جن کے حالات قلم بند ہی نہیں ہوئے اور ان کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور بعض ایسے ہیں جن کے حالات قلم بند ہوئے ہیں مگر وہ بہت تھوڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچا دیا ہے، صرف ایک شخص مئولف مشکوۃ کے حالات اور ان لوگوں میں سے جو کتب حدیث کو آئمہ حدیث سے بطور سند روایت کرتے چلے آئے ہیں، چند راویوں کے حالات قادیانی اور اس کے حواریوں سے پوچھنا اور سننا چاہتے ہیں۔ اگر مرزا قادیانی اور اس کے تمام اعوان وانصار ان لوگوں کے حالات آئمہ حدیث اور صحابہ کے درمیانی راویوں کے حالات کا عشر عشیر بھی بیان کریں تو ہم سے ہماری حیثیت کے موافق جس قدر چاہیں انعام لیں۔ اور اگر وہ ان کے حالات اس قدر نہ بتا سکیں تو اس بات کو تسلیم کریں کہ قادیانی نے ان کے حالات کے علم وتفصیل کی نسبت جو دعوی کیا ہے، وہ محض کذب ہے اور بے خبری و جہالت پر مبنی ہے۔ اور ان لوگوں کے بیان حالات کو درمیانی راویوں کے بیان حالات سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کو سو سے دی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نقل وصحت روایت کا مدار آئمہ حدیث اور ان کی مشہور تصانیف ہیں، جن کے اوپر کے راویوں کے حالات ایسی تفصیل و وضاحت سے معلوم ہو چکے ہیں کہ گویا وہ چشم دید حالات ہیں۔ اور آئمہ حدیث سے نیچے کے راویوں کے حالات کی نظر سے تصحیح احادیث ممکن نہیں ہے اور اس وقت سلسلہ اسناد صرف تبرک کے طور پر ہے، نہ تصحیح روایات کی غرض سے جو محدثین سے اوپر کے اسناد سے مقصود تھا۔

امام ابن الصلاح جو ساتویں صدی میں گزر چکے ہیں اپنی کتاب علوم الحدیث میں فرماتے ہیں

اذا وجدنا فیما یروی من اجزاء الحدیث و غیرہا حدیثاً صحیح الاسناد و لم نجدہ فی احد الصحیحین و لا منصوصاً علی صحتہ فی شیء من مصنفات آئمۃ الحدیث المعتمدہ المشہورہ فانا لا نتجاسر علی الجزم بصحتہ فقد تعذر فہ ہذا الاعصار الاستقلال بادراک الصحیح بمجرد اعتبار الاسانید لانہ من اسناد من ذالک الا و تجد فی رجالہ من اعتمد فی روایتہ علی ما فی کتابہ ... عما یشترط فی التصحیح و من الحفظ و الضبط و الاتقان قال الامر اذا فی معرفۃ الصحیح و الحسن الی الاعتماد علی ما نص علیہ آئمۃ الحدیث فی تصانیفہم المعتمدۃ التی بین فیہا الشہرتہا من التغیر و التحریف و صار معظم المقصود اول .. من الاسانید ... عن ذالک ابقاء سلسلہ الاسناد التی

خصت بها ہذہا لا مه زا د ها الله شر فا ۔اس عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو عبارت آئندہ کا ترجمہ ہے۔

اور طیبی شارح مشکوۃ (جو آٹھویں صدی میں ہوئے ہیں) شرح مشکوۃ کے مقدمہ میں جو جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی کے ابتداء میں سید شریف جرجانی کے نام سے ملحق ہے، فرماتے ہیں

اعرض الناس فی ہذہ الاعصار عن مجموع الشروط المذکورۃ و اکتفوا من عدالۃ الراوی بان یکون مستورا ومن ضبطہ بوجود سماعہ مثبتاً ... موثوق بہ و روایۃ من اصل موافق لاصل شیخہ ذالک لان الحدیث الصحیح والحسن وغیرھما قد جمعت فی کتب الآئمۃ فلا یذہب شیء عن جمعھم و القصد بالسماع ابقاء السلسلۃ فی الاسناد المخصوص بھذہ الامہ ۔کہ ان زمانوں میں محدثین نے جملہ شروط مذکورہ سے منہ پھیر لیا ہے اور راوی کے عدالت کی جگہ اس امر کو کافی سمجھا ہے کہ وہ مستور الحال ہو، یعنی اس کا کوئی عیب معلوم نہ ہو اور اس کے ضبط حدیث سے اس قدر پر اکتفا کیا ہے کہ اس کی روایت ایسے دستخطوں سے لکھی ہوئی ہو جس پر اس کا اعتماد ہو۔ اور وہ روایت شیخ کے مطابق ہو۔ یہ اس لئے ہوا کہ احادیث صحیح اور حسن وغیرہ کتب حدیث میں جمع ہو چکی ہیں اس سے کوئی حدیث فوت نہیں ہوتی اور اس وقت روایت سننے سے مقصود صرف سلسلہ اسناد کو باقی رکھنا ہے۔ جو اس امت کا خاصہ ہے یعنی اس وقت اسناد اور حالات راویوں کی نظر سے تصحیح احادیث ممکن نہیں۔

اور اگر آئمہ حدیث کے نیچے کے راویوں کے حالات اور ان کے اور صحابہ کے درمیانی راویوں کی نسبت زیادہ مفصل و مبین ہوتے تو محدثین پچھلے زمانوں میں اسناد کی نظر سے تصحیح حدیث کے دروازہ کو بند نہ کرتے، بلکہ پہلے زمانہ کی نسبت اس کو اور فراخ کرتے اور آسان قرار دیتے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

امام ابن الصلاح کے قول سے امام نووی وغیرہ نے خلاف کیا ہے تو صرف اس امر میں کیا ہے کہ پچھلے زمانوں میں بھی تصحیح احادث بنظر اسانید حسب بصیرت و اہلیت کے لئے ممکن ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ پہلے یا درمیانی زمانوں کی نسبت پچھلے زمانوں میں راویوں کے حالات زیادہ مفصل و مشروح ہو چکے ہیں اس لئے ان زمانوں میں تصحیح احادیث بنظر اسناد آسان ہے۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ مرزا قادیانی نے جو اس قول میں دعوی کیا ہے وہ محض کذب ہے۔ نہ قرارداد محدثین سے اس کی موافقت ہوسکتی ہے نہ مرزا قادیانی کے اپنے قرارداد و اعتقاد سے۔ محمد حسین)

☆ سو ہر ایک منصف اور ایمان دار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ بغیر ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور ہوتی چلی آئی ہیں، باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے باہر نہیں (مباحثہ لدھیانہ مطبوعہ قادیانی کے الفاظ یوں ہیں . باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے پر ہیں ۔ اور ہمارے پاس جو قادیانی کا قلمی پرچہ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں. کسی قدر تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں ۔ پھر ان الفاظ کو کاٹ کر قادیانی کی قلم سے یہ الفاظ لکھے گئے . کسی قدر تاریکی سے باہر نہیں ۔ اور یہ مرزا صاحب ہی کا ایمان یہ گواہی دیتا ہوگا کہ صحیحین کی حدیثیں تاریکی میں ہیں ۔ مسلمانان اہل سنت کا ایمان تو یہ فتوی دیتا ہے کہ صحیحین کی جملہ احادیث تاریکی، منافی صحت، سے باہر ہیں ۔ اس بارہ میں عبارات فقہاء ومحدثین ہماری تحریر نمبر ۸ میں ملاحظہ ہوں ۔ محمد حسین) اور ان کی اصلی حالت بیان کرنے کے وقت ایک متقی کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے کہ چشم دید یا قطعی الثبوت خبروں کی طرح ان کی نسبت صحت کا دعوی کرے بلکہ گمان صحت رکھ کر واللہ اعلم کہدیوے ۔ اور جو شخص ان حدیثوں کی نسبت و اللہ اعلم بالصواب نہیں کہتا اور احاطہ تام کا دعوی کرتا ہے وہ بلا شبہ جھوٹا ہے ۔ خداوند کریم ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان علم تام سے پہلے علم تام کا دعوی کرے، اسی قدر دعوی کرنا چاہیے جس قدر علم حاصل ہو ۔ پھر اس سے زیادہ اگر کوئی سوال کرے تو واللہ اعلم بالصواب کہہ دینا چاہیے (ان الفاظ سے مرزا صاحب نے اپنے جھوٹ کو کسی قدر راستی کا لباس پہنانا اور اس دھوکہ کے ملمع سے ناواقف مسلمانوں کو دام میں لانا چاہا ہے ۔ ان کو بظاہر یہ کہا ہے کہ جس قدر روشنی ویقینی، ثبوت وصحت تام کا دعوی قرآن کی نسبت ہوسکتا ہے اس قدر احادیث صحیحین کی نسبت نہیں ہوسکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صحیحین کی صحت مشتبہ وشکی ہے ۔ اور یہ سراسر دھوکہ ومغالطہ ہے ۔ کیونکہ صحت وثبوت کا مرتبہ صرف ایک وہی نہیں ہے جو قرآن کو حاصل ہے، تاکہ احادیث صحیحین میں اس مرتبہ کے مفقود ہونے سے ان کی صحت میں شک واشتباہ لازم آوے ۔ بلکہ قرآن سے اتر کر صحت و ثبوت کے مرتبہ سات اور ہیں جن میں اعلی وارفع مرتبہ صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو حاصل ہے اور باقی مراتب اور احادیث کو حاصل ہیں ۔ طیبی نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے

و تتفاوت درجات الصحیح بحسب قوة شروطه و ضعفها ۔ و اول من صنف فی الصحیح .... الامام البخاری ثم مسلم و کتابا هما اصح الکتب بعد کتاب الله العزیز ۔،، و اعلی اقسام الصحیح ما اتفقا علیه ثم ما انفرد به البخاری ثم ما انفرد به مسلم ثم ما کان علی شرطهما و ان لم یخرجاه ثم علی شرط البخاری ثم علی شرط مسلم ثم ما صحه

غیرھما من الائمۃ فھذہ سبعۃ اقسام۔

ایسا ہی شرح نخبۃ الفکر وغیرہ میں ہے۔اس کا خلاصہ ترجمہ یہ کہ درجات صحیح قوت شروط کی نظر سے متفاوت ہیں، سب سے اعلی درجہ بخاری مسلم کی اتفاقی حدیث ہے ۔ پھر جس کو صرف بخاری لایا ہے، پھر وہ جس کو صرف مسلم لایا ہے ۔ پھر وہ جو ان دونوں کی شروط پر ہے مگر ان کی کتاب میں نہیں ۔ پھر وہ جو صرف بخاری کی شرط پر ہے پھر وہ جو صرف مسلم کی شرط پر ہے، پھر وہ جس کو کسی اور نے صحیح کہا ہے۔

مرزا قادیانی نے غضب کیا اور ناواقف مسلمانوں کو سخت دھوکہ دیا ہے کہ ان سب مراتب ہفتگانہ صحت سے آنکھ بند کر کے صحت وثبوت کا ایک ہی مرتبہ (جو قرآن کو حاصل ہے) مقرر کیا اور احادیث صحیحین کو اس مرتبہ سے خارج کر کے اس سے ان کی صحت کا شکی ومشتبہ ہونا نکال لیا۔اور صحیحین پر یہ پندرھواں حملہ کیا۔اور طرفہ یہ کہ اپنی تحریر نمبر ۸ میں اس نے اس کا خلاف کیا اور جملہ احادیث متعلقہ عمل، جن میں احادیث محل اختلاف مثل حدیث رفع یدین وغیرہ کو بھی اس نے داخل وشامل کر دیا ہے، علی اختلاف المراتب قطعی صحیح اور واجب العمل تسلیم کر لیا ہے، چنانچہ عنقریب ناظرین کو اس کی تحریر سے معلوم ہوگا، مگر اس وقت اس دجال کو بحکم دروغ گورا حافظہ نہ باشد یہ خیال نہ آیا اور یاد نہ رہا کہ میں نے تو قطعی صحت کا مرتبہ ایک ہی قرار دیا ہوا ہے، جو قرآن کو حاصل ہے ۔ پھر میں ان احادیث کی قطعی صحت علی اختلاف المراتب کیوں تسلیم کرتا ہوں ۔ یا یہ کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، جس بات سے کوئی دام میں آوے اس سے اس کو دام میں لاتا ہے، اور اس میں اختلاف اپنے اقوال کا بھی کچھ بھی لحاظ نہیں کرتا۔اور یہ سمجھ رہا ہے کہ جو قول کسی نظر میں پڑے گا وہ اس کے دام میں آجائے گا۔ دوسرا دوسرے قول کے دام میں۔ سبھی لوگ سبھی اقوال کہاں دیکھتے ہیں کہ اختلاف وتعارض کا اعتراض کریں گے۔محمد حسین)

☆ سو میں آپ کی خدمت میں کھول کر گذارش کرتا ہوں کہ میں حصہ دوم حدیثوں کی نسبت خواہ وہ حدیثیں بخاری کی ہوں یا مسلم کی، ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرے نزدیک قطعی الثبوت ہیں (قطعی ہونے سے سوال نہ تھا، اور نہ جواب میں اس سے تعرض کی ضرورت تھی ۔ مرزا صاحب اس قطعیت کے ذکر وتعرض سے بار بار خروج از بحث کرتے ہیں جس کی یہ چودھویں دفعہ ہے۔محمد حسین)

اگر میں ایسا کہوں تو خدا تعالی کو کیا جواب دوں ۔ ہاں اگر کوئی ایسی حدیث قرآن کریم کے مخالف نہ ہو تو پھر میں اس کی صحت کاملہ کی نسبت قائل ہو جاؤں گا (مرزا صاحب کا یہ قول صاف مشعر ہے کہ اگر کوئی حدیث صحیحین انہیں مخالف قرآن معلوم ہوگی، جیسے احادیث متعلقہ حضرت مسیح، ودجال ہیں، جن کو آپ ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۴ وغیرہ میں اور تحریر نمبر ہشتم میں مخالف قرار دے چکے ہیں، تو اس کو موضوع کہنے کے لئے آپ مستعد وتیار ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر ان کا سولھواں حملہ ہے۔محمد حسین)

☆ اور آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محک صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔ اس کا جواب میں بار بار یہی دونگا کہ قرآن کریم مہیمن اور امام اور میزان اور قول فصل اور ہادی ہے اگر اس کو محک نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں (اس پرچہ میں ہم نے یہ سوال کہیں نہیں کیا، اور جو جواب مرزا صاحب نے دیا ہے وہ بھی کوئی نیا جواب نہیں۔ اس میں پچھلی ہی باتوں کا اعادہ ہے۔ چنانچہ اس جواب میں انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں بار بار یہی جواب دونگا۔ یہ ہمارے اس دعوی کی تصدیق ہے جو ایک حاشیہ سابق میں کر آئے ہیں۔ محمد حسین) کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہیے۔ جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے اور صاف الفاظ میں فرماتا ہے و اعتصموا بحبل الله جمیعاً و لا تفرقوا کیا اس حبل سے حدیثیں مراد ہیں؟ (احادیث صحیحہ مسلم الصحت قرآن سے جدا اور اس کے مخالف نہیں تو وہ بھی حبل اللہ میں داخل ہیں اور ان سے تمسک بعینہ قرآن سے تمسک ہے۔ محمد حسین) پھر جس حالت وہ اس حبل سے پنجہ مارنے کے لئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں۔ پھر فرماتا ہے و من اعرض عن ذکری فان له معیشةً ضنکا و نحشره یوم القیامة اعمی یعنی جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اسکے مخالف کی طرف مائل ہو تو اس کیلئے تنگ معیشت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے اور قیامت کو اندھا اٹھایا جائے گا۔

☆ اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے مخالف پائیں (حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں ہوتی تو پھر یہ رجوع بحدیث رجوع بقرآن ہے، نہ اعراض از قرآن۔ محمد حسین) اور پھر مخالفت کی حالت میں ہی اس کو مان لیں اور اس تخالف کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بے نصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے فاستمسک بالذی اوحی الیک انه لذکر لک و لقومک یعنی قرآن کو ہر ایک امر میں دست آویز پکڑ، تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستآویز پکڑو اور اسی کو مقدم رکھو۔ اب ہم مخالفت قرآن اور حدیث (حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں بلکہ موافق اور اس کے اجمال کی مبین ہوتی ہے تو دست آویز حدیث عین دست آویز قرآن ہے اور عین شرف جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ محمد حسین) کے وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہو گی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے، اس شرف سے محروم رہیں۔ اور یہ فرماتا ہے و من یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین یعنی جو شخص

قرآن کریم سے اعراض کرے اور جو چیز اس کے صریح مخالف ہے اس کی طرف مائل ہو، ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اس کے دل میں وساوس ڈالتا ہے، اور حق سے اس کو پھیرتا ہے اور نابینائی اسکی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔

اب اگر ہم کسی ایسی حدیث کو قبول کر لیں جو صریح قرآن کے مخالف ہو تو گویا ہم چاہتے ہیں کہ شیطان ہمارا دن رات کا رفیق ہو جائے اور اپنے وساوس میں ہمیں گرفتار کرے اور ہم پر نابینائی طاری ہو۔ اور ہم حق سے بے نصیب رہ جائیں۔ اور یہ فرماتا ہے

اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابها. مثانی تقشعر من جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر الله۔ یعنی ذالک الکتاب کتاب متشابه یشبه بعضه بعضاً لیس فیه تناقض و لا اختلاف مثنی فیه کل ذکر لیکون بعض الذکر تفسیر البعضه تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم یعنی سیتولی جلاله و ہیبته علی قلوب العشاق لتقشعر جلودهم من کمال الخشیة و الخوف یجاهدون فی طاعة الله لیلاً و نهاراً بتحریک تاثیرات الجلالیة و تنبیهات قهریة من القرآن ثم یبدل الله حالتهم الی التلذذ فیصیر الطاعة جزو طبیعتهم و خاصة فطرتهم فتلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر الله۔ یعنی یسیل الذکر فی قلوبهم کسیلان الماء و یصدر منهم کل امر فی طاعة الله بکمال السهولة و الصفا لیس فیه ثقل و لا تکلف و لا ضیق فی صدورهم بل یتلذذون با متثال امر الههم و یجدون لذة و حلاوة فی طاعة مولهم و ہذا هو المنتہی الذی ینتہی الیه امر العابدین و المطیعین و یبدل الله آلامهم باللذات ...

(اس آیت اور اس کی تفسیر سے، جو مرزا قادیانی نے کی ہے، گو یہ ثابت ہے کہ قرآن کی بعض آیات، بعض کی تفسیر ہیں، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث قرآن کی تفسیر نہیں ہے۔ اور مرزا نے خود بھی اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا، بلکہ دبی زبان سے یہ اقرار کر لیا ہے کہ عوام الناس کو سمجھانے کے لئے احادیث سے بھی قرآن کی تفسیر ہوئی ہے۔ اور اس آیت یا پہلی چار آیتوں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحت احادث کا معیار قرآن شریف ہے۔ پھر ان آیات کو اس مدعا کے ثبوت کے لئے پیش کرنے سے بجز تکرار بلا حاصل وتطویل بلا طائل کیا مقصود ہے۔ آخری آیت کی تفسیر میں جو آپ نے حالات باطنی کی جو تشریح کی ہے یہ محض اجنبی ہے، جس کو نہ ہمارے سوال سے کوئی تعلق ہے، نہ آپ کے جواب سے۔ لہذا اس کے بیان سے آپ نے پندرہویں دفعہ خروج از مبحث کا ارتکاب کیا ومعہذا

آپ نے اس میں ارتکاب سرقہ کیا۔ کیونکہ اس تشریح کا مضمون تو آپ نے تفسیر رحمانی وغیرہ سے لیا ہے مگر ان کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ یہ جتایا ہے کہ یہ آپ کا ایجاد وطبع زاد ہے۔

ونیز اس تشریح میں مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور یہ جتایا ہے کہ اس مضمون کے مصداق خود بدولت ہیں اور اس میں کذب محض سے کام لیا۔ آپ کو خشیت و ہیبت الٰہی ومعارف وحقائق قرآنی سے کیا تعلق؟ اطاعت وعبادت و ذکر سے کیا نسبت؟ اور جو یہ باتیں آپ قرآن سے نکالتے ہیں، ان کو دین سے کیا مناسبت۔ وہ تو ملحدانہ ومنافقانہ مفتریات ہیں نہ معارف قرآنیہ ونکات۔

آپ کی اطاعت وعبادت وذکر کا یہ حال ہے کہ مدت العمر جمعہ جماعت کا التزام نہیں رہا۔ آپ سے اور ذکر کیا ہوگا۔ نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سبحان اللہ و الحمد للہ کہنا آپ کو نصیب نہیں ہوتا۔ آپ کو دس ہزار روپیہ مالیت کی ملکیت کا دعوی ہے، مگر کبھی زکوۃ نہیں دی۔ اب تک حج کعبہ کی توفیق نہ ملی۔ اخلاق کا یہ حال ہے کہ بازاری اور فحش اور عامیانہ گالیوں سے آپ کا قلم وزبان نہیں بچ سکتے۔ آپ کا رسالہ شحنۂ حق وفیصلہ آسمانی وغیرہ تصانیف اور ہمارا جواب فیصلہ آسمانی وغیرہ پرچہ ہائے اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ و ۱۳ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے تو اس بیان کی پوری تصدیق وتائید کریں گے۔ ایسے اعتقادات واخلاق وعبادات وطاعات والے اشخاص انکشاف معارف قرآنی کے محل ہوں تو پھر وہ معارف یقیناً رحمانی نہیں، شیطانی ہوں گے۔ محمد حسین)

اب ان تمام محامد سے جو قرآن کریم اپنی نسبت فرماتا ہے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد عظیمہ کی آپ تفسیر فرماتا ہے اور اس کی بعض آیات بعض کی تفسیر واقعہ ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں بھی حدیثوں کا محتاج ہے۔ بلکہ صرف ایسے امور جو سلسلہ تعامل کے محتاج تھے وہ اس سلسلہ کے حوالہ کردئے گئے ہیں اور ماسوا ان امور کے جس قدر امور ہیں ان کی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہاں باوجود اس تفسیر کے حدیثوں کی رو سے بھی عوام کے سمجھانے کے لئے جو لا یمسہ کے گروہ میں داخل ہیں زیادہ تر وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔ لیکن جو اس امت میں الا المطہرون کا گروہ ہے وہ قرآن کریم کی تفسیروں سے کامل طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے

(ان فقرات میں مرزا قادیانی نے پہلے تو قرآن کا اپنی تفسیر میں احادیث کا محتاج نہ ہونا بیان کیا ہے۔ دوسرے فقرہ میں اس کو تعامل کا جو احادیث متعاملہ وسنن متوارثہ میں پایا جاتا ہے، محتاج بنایا۔ یہ مرزا کے الفاظ ہیں جو اس کی تحریر نمبر ۸ میں ہیں، تیسرے فقرہ میں دبی زبان سے حدیث کا مفسر قرآن ہونا تسلیم کیا، چوتھے فقرہ میں پھر حقیقۃً ان کا مفسر قرآن نہ ہونا ظاہر کیا۔

اس سے مرزا صاحب کا مقصود یہ ہے کہ اگر جانب ثانی نے حدیث کا مفسر قرآن ہونا ثابت کر دیا تو میں کہونگا کہ میں نے حدیث کے مفسر قرآن ہونے سے کب انکار کیا ہے، اور ایسا ہی آپ سے وقوع میں آیا ہے، اپنی تحریر نمبر ۸ میں ہم نے حدیث کا مفسر قرآن ہونا بشہادت قرآن وحدیث وآثار ثابت کیا تو اس کے جواب میں اپنی تحریر نمبر ۸ میں مرزا صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میں نے کہاں اور کس جگہ کہا ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر نہیں۔ الخ

اور اگر جانب ثانی نے اس کا ثبوت پیش نہ کیا تو اس انکار کے ذریعہ سے ان احادیث کو اڑایا جائے گا جن کو تفصیل نزول حضرت مسیح وغیرہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

ہم اس کے اس کلام سے اس کی غرض ومقصود کے مخالف نتیجہ نکال سکتے اور اس کو الزام دے سکتے ہیں۔ اس کے پہلے فقرہ کی رو سے اس کو حدیث کے مفسر قرآن ہونے سے منکر ہونے کا الزام دے سکتے ہیں، چنانچہ تحریر نمبر ۸ میں ہم سے وقوع میں آیا ہے، اور اس کے تیسرے فقرہ کی نظر سے اس کو حدیث کے مفسر قرآن ہونے کا قائل بنا کر اس پر ان احادیث سے الزام قائم کر سکتے ہیں جو نزول مسیح وغیرہ میں قرآن کی تفسیر کر رہے ہیں۔ فقرہ سوم کے برخلاف دوسرے اور چوتھے فقرہ میں جو قادیانی نے قرآن کا امور غیر متعاملہ میں اپنا مفسر آپ ہونا ان میں حدیثوں کی طرف محتاج نہ ہونا بیان کیا ہے، وہ محض غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ امور غیر متعاملہ کا بڑا حصہ وہ اعتقادیات ہیں جو حالات برزخ اور وقائع حشر ونشر وصفات بہشت ودوزخ میں وارد ہیں۔ ان کی تفصیل وتفسیر جو احادیث میں وارد ہے، اور اہل اسلام کے مختلف فرقوں میں وہ اتفاق کے ساتھ مسلم چلے آئے ہیں وہ قرآن میں کہیں نہیں ہیں۔ مرزا وہ تفاصیل وتفاسیر، قرآن سے نکال دے تو ہر ایک امر کی تفصیل پر ہم سے پانچ روپئہ انعام لے۔ ورنہ ندامت کے ساتھ ان فقرات ۲ و ۴ کو واپس لے۔

قادیانی اور اس کے اتباع نے صرف احادیث متعلقہ نزول مسیح کو ناقابل تفسیر قرآن بنانے کی غرض سے تفسیر قرآن ہونے کے لئے احادیث متعلقہ اعمال کو مخصوص کیا اور جملہ احادیث متعلقہ اعتقاد کو ناقابل تفسیر قرار دیا اور یہ خیال نہ کیا کہ اس اصول پر جملہ احادیث متضمنہ تفاصیل برزخ وحشر ونشر واحوال جنت واہوال دوزخ مہمل بیکار ہو جائے گی۔ محمد حسین)

لیکن اس امر کا زیادہ لکھنا چنداں ضروری نہیں

(اس بات میں جو کچھ مرزا صاحب نے لکھا ہے وہ کونسا ضروری امر تھا۔ اس کے بیان میں بھی آپ نے خروج از اصل بحث ومطلب کہا۔ جس کی یہ سولہویں دفعہ ہے۔ اور ضروری امر تو صرف اسی قدر ہے کہ ہر یک حدیث مخالف ہونے کی حالت میں قرآن کریم پر پیش کرنی چاہیے کیونکہ مخالفت معلوم وثابت ہو جائے تو پھر عرض کی کیا حاجت ہے۔ عرض تو قائلین عرض کے نزدیک بھی قبل از علم مخالفت وموافقت ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب کے

اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخن فہمی میں ایسے طاق ہیں کہ اپنی کلام کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ اور پھر یہ دعوی کہ الہام وتفہیم الہی میرے شامل حال ہے اور روح القدس ان کا رہبر ہے۔ لا حول و لا قوۃ محمد حسین)

چنانچہ یہ امر ایک مشکوۃ کی حدیث سے بھی حسب منشا بخوبی طے ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے عن الحارث الاعور فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علی فاخبرته فقال اوقد فعلوها قلت نعم قال اما انی سمعت رسول الله ﷺ یقول الا انها ستکون فتنة قلت ماالمخرج عنها یا رسول قال کتاب الله فیه خبر ما قبلکم و خبر ما بعدکم و حکم بینکم هو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه الله و من ابتغی الهدی فی غیره اضله الله و هو حبل الله المتین.... من قال به صدق و من عمل به اجرو من حکم به عدل و من دعا الیه هدی الی صراط مستقیم یعنی روایت ہے حارث اعور سے کہ میں مسجد میں، جہاں لوگ بیٹھے تھے اور حدیثوں میں خوض کررہے تھے، گذرا۔ سو میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر دوسری حدیثوں میں کیوں لگ گئے، حضرت علی کے پاس گیا اور ان کو یہ خبر دی۔ حضرت علی نے مجھے کہا کہ کیا سچ مچ لوگ احادیث کی خوض میں مشغول ہیں (اس بات کا ہماری تحریر ہشتم میں کافی جواب دیا گیا ہے یہاں ناظرین دیکھیں کہ مرزا قادیانی نے لفظ احادیث سے مراد احادیث نبویہ لیا ہے، جو ایک تحریف ہے اور اس تحریف سے اس نے وہ نتیجہ نکالا ہے جو اگلے حاشیے میں ہے۔ محمد حسین) اور قرآن کو چھوڑ بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ تب حضرت علی نے مجھے کہا کہ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ ہوگا، یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں لگیں گی اور اختلاف میں پڑیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے تب میں نے عرض کیا کہ اس فتنہ سے رہائی کیوں کر ہوگی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب کے ذریعہ سے رہائی ہوگی۔ اس میں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے اور جو تم میں تنازعات پیدا ہوں گے ان کا ان میں فیصلہ موجود ہے۔ وہ قول فصل ہے، ہزل نہیں۔ جو شخص اس کو جباروں میں سے ترک کرے گا خدا تعالی اس کو ہلاک کرے گا اور جو شخص اسکے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اور اسکو حکم نہیں بنائے گا، خدا اس کو گمراہ کرے گا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے جس نے اسکے حوالہ سے کوئی بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہے اور جس نے اس کی رو سے حکم کیا، اس نے عدالت کی اور جس

نے اسکی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا رواہ الترمذی و الدارمی۔

اب ظاہر ہے کہ اس حدیث میں صاف اور صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اس امت میں فتنہ ہو جائے گا اور لوگ طرح طرح کے مذہب نکال لیں گے اور انواع اقسام اختلافات اس امت میں باہم پڑ جائیں گے۔تب اس فتنہ سے مخلصی پانے کیلئے قرآن کریم ہی وسیلہ ہوگا، جو شخص اس کو محک اور معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا اور جو شخص اس کو محک قرار نہیں دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اب ناظرین انصاف فرماویں۔کیا یہ حدیث بآواز بلند نہیں پکارتی کہ احادیث وغیرہ میں جس قدر اختلافات باہمی پائے جاتے ہیں ان کا تصفیہ قرآن کریم کی رو سے کرنا چاہیے (اس نتیجہ کا ماخذ و مولد وہی تحریف ہے جو لفظ احادیث کے ترجمہ میں مرزا صاحب نے کی ہے اور درحقیقت کسی مسلمان کے نزدیک اس حدیث میں لفظ احادیث سے احادیث نبویہ، جو وحی غیر متلو ہوتی ہے، مراد نہیں۔ بلکہ احادیث کے لغوی معنی لوگوں کی باتیں ہیں، جو وہ اس وقت کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہے اور لفظ حدیث کے لغوی کی معنی تفصیل وتشریح تحریر قادیانی نمبر سوم کے حواشی میں ہو چکی ہے۔محمد حسین) ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں تہتر فرقہ ہو گئے ہیں۔ ہر ایک اپنی طرز کی حدیثیں پیش کرتا ہے اور دوسرے کی حدیثوں کو ضعیف اور موضوع قرار دیتا ہے (یہ محض غلط و مغالطہ ہے۔جو اختلاف امت محمدیہ کے بہتر فرقوں نے فرقہ اہلسنت و جماعت سے کیا ہے وہ احادیث کی طرف رجوع کرنے پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ اختلاف احادیث کو چھوڑ کر قرآن سے تمسک کرنے پر مبنی ہے، جیسا کہ آج کل مرزا قادیانی کر رہا ہے

☆ معتزلہ جو معافی گناہوں کے لئے شفاعت انبیاء سے منکر ہیں وہ اس انکار پر ان آیات قرآن سے تمسک کرتے ہیں جن میں قیامت کے دن شفاعت نہ ہونے کا ذکر ہے لا بیع و لا خلة و لا شفاعة ۔بقرہ۔ ع ۳۴۔ اگر وہ اس باب میں حدیث کی طرف رجوع کرتے اور اس میں یہ صاف تصریح پاتے کہ آنحضرت ﷺ خدا کے اذن سے شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت کا مستحق وہ شخص ہے جو مشرک نہ ہو اور آپ ﷺ کی شفاعت آپ کی امت یعنی مسلمان گنہ گاروں کیلئے ہے۔تو وہ انکار شفاعت سے بچ جاتے۔ استاذن علی ربی فی داره فیوذن لی علیه فاذا رایته وقعت ساجداً فید عنی ما شاء الله ان یدعنی فیقول ارفع محمد راسک و قل تسمع اشفع تشفع متفق علیه۔ مشکوۃ ص ۴۸۰۔

اور آیات نفی شفاعت کے یہ معنی کرتے کہ وہ کافروں سے مخصوص ہیں جن کے لئے خدا تعالی اذن شفاعت نہ دے گا اور نہ انبیا ان کے لئے شفاعت کریں گے۔

☆ شیعہ وغیرہ جو قیامت کے دن دیدار خدا سے منکر ہیں وہ اس انکار پر اس آیت قرآن سے تمسک کرتے ہیں لا تدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار ۔ انعام ۔ ع ۱۳ ۔ کہ خدا تعالی کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ پاتی ۔ اور اگر وہ اس باب میں اس حدیث کی طرف رجوع کرتے

قال جریر بن عبد اللہ کنا عند النبی ﷺ اذ نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال اما انکم سترون ربکم کما ترون ہذا لا تضامون فی رویتہ ۔ (بخاری ص ۸۱) ۔

کہ تم خدا کو ایسا دیکھو گے جیسا چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو ...تو خدا کے دیدار کے قائل ہو جاتے اور اس آیت کے معنی یہ کرتے کہ دنیا کی آنکھیں خدا کو نہیں دیکھتی یا اس کے کنہ کو نہیں پا سکتیں ۔

☆ خوارج جو گناہ کے سبب مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں تو وہ اس تکفیر پر اس آیت قرآن سے تمسک کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ جو شخص مومن کو عمداً قتل کرے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا

و من یقتل مومناً متعمداً فجزائہ جہنم خالداً فیہا ۔ نساء ع ۱۳ ،

اور اگر وہ اس باب میں حدیث کی طرف رجوع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ

قال رسول اللہ و یخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ و فی قلبہ وزن ذرۃ من خیر فقال ابو عبد اللہ قال ابان حدثنا قتادہ حدثنا انس عن النبی ﷺ من ایمان مکان خیر ۔ (بخاری ۔ ص ۱۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ کہے گا اور اس کے دل میں ذرہ کے برابر ایمان ہو گا وہ دوزخ سے نکالا جائے گا اور بہشت یں داخل ہو گا ۔

تو خوارج مومن کو گناہ کے سبب خارج از ملت نہ کہتے اور اس آیت کے معنے وہ یہ کرتے کہ جو شخص مومن کو اس کے مومن ہونے کی نظر سے مارے اور ایمان کو برا سمجھے وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا ،

☆ معتزلہ جو الہامات وغیرہ کرامات اولیاء سے منکر ہیں تو وہ اس انکار پر اس آیت قرآن سے تمسک کرتے ہیں و لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول کہ خدا تعالی اپنے غیوب پر بجز رسول کسی کو مطلع نہیں کرتا ۔

اگر وہ حدیث کی طرف رجوع کرتے اور ان میں بہت سے مواقع پر غیر نبی کا بعض امور پر خدا کی طرف سے مطلع کیا جانا (جیسے حضرت عبد اللہ ، والد جابر کا جنگ احد میں سب سے پہلے اپنے شہید ہونے پر مطلع ہونا ۔ یا حضرت عمر کا کئی منزلوں کے فاصلہ سے حضرت ساریہ کے جنگ میں بے موقع کھڑا ہونے کو دیکھ لینا وغیرہ) اور دیگر برکات و کرامات کو دیکھتے تو الہامات و کرامات اولیاء اللہ کے قائل ہو جاتے اور اس نفی کو جو آیت سے مفہوم ہوتی ہے ، اس حالت و کیفیت پر جس سے انبیاء مطلع کئے جاتے ہیں ، یعنی وحی بحراست ملائکہ پر محمول کرتے ۔

عن جا بر قا ل لما حضر احد دعا نی ابی من ا لليل فقا ل لا ارا نی ا لا مقتولا فی اول من يقتل من اصحا ب النبی ﷺ و انی لا اتر ك بعد ك اعز علی منک غير نفس رسو ل رسول الله ﷺ و ان علی دينا فا قض و استو ص با خوا تک خيرا فاصبحنا فكا ن .. اول قتيل ۔(رواہ البخاری)

و عن ابن عمر ان عمر بعث جيشا و امر عليهم ر جلا تد عی سا ر ية بينما عمر يخطب فجعل يصيح يا ساری الجبل فقدم رسو ل من الجيش فقا ل يا امير المو منين لقينا عدو نا فهز مو نا فا ذا بصا ئح يصيح يا ساری الجبل فا سند نا ظهر نا الی الجبل فهز مهم الله تعالی ۔ رواه البيهقی (۔مشکوۃ)

اس کے نظائر اور بہت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ہائے ضالہ سے جو فرقہ گمراہ ہوا ہے وہ اس سبب سے گمراہ ہوا ہے کہ اس فرقہ نے حدیث شارح قرآن کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک کیا گیا ہے ۔اور ان کے مقابلے میں فرقہ ہائے اہل سنت اس ضلالت سے اسی سبب سے بچے رہے کہ وہ ان مسائل میں احادیث کی طرف رجوع کر کے قرآن کا وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اس کے شارح ومفسر احادیث سے سے ثابت ومفہوم ہوتا ہے۔اور وہی مطلب قرآن اس امت کے سلف صحابہ نے سمجھا ہے اور اس وجہ سے اس فرقہ کا نام اہل سنت و جماعت رکھا گیا۔

اس نام میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کا قول وفعل وتقریر ہے جس کا دوسرا نام حدیث قولی وفعلی و تقریری ہے اور جماعت سے صحابہ کی جماعت مراد ہے جن کے اقوال افعال وتقریرات کتب حدیث میں مروی ہیں۔

ہمارے اس بیان سے صاف اور قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت اور آئندہ بھی اس ضلالت سے وہی شخص بچے گا جو ذوالوجوہ آیات قرآن کا مطلب حدیث صحیح سے سمجھے گا اور جو شخص احادیث کو چھوڑ کر ایسی آیات کا مطلب اپنے فکر ناروا، وفہم نارسا سے کچھ قرار دے گا وہ یقیناً گمراہ ہوگا اور سیدھا جہنم کو جائے گا۔

اسی نظر سے حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔

انه سيأ تی ناس يجا دلو نكم بشبـها ت القر آ ن فخذو هم با لسنن فا ن اصحا ب السنن اعلم بكتا ب الله (سنن دارمی)۔

کہ جو لوگ قرآن کی متشابہ آیتیں پیش کریں ان کو احادیث سے پکڑو کیونکہ حدیث والے قرآن خوب جانتے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے ایک دن ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کہ قرآن میں اس حدیث کا خلاف ہے، تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ﷺ کی حدیث پڑھتا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں قرآن پیش کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ، جنہوں نے یہ حدیث فرمائی ہے، تجھ سے بڑھ کر قرآن جاننے والے تھے۔یعنی یہ

حدیث مخالف قرآن ہوتی تو آپ ﷺ نہ فرماتے۔

وعن سعید بن جبیر انه حدث یوماً بحدیث عن النبی ﷺ فقال رجل فی کتاب الله ما یخالف ہذا۔ قال الا ارانی احدثک عن رسول الله وتعرض فیه بکتاب الله۔ کان رسول الله ﷺ اعلم بکتاب الله منک ۔ (دارمی)

اوراسی نظر سے امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے، چنانچہ شعرانی نے منہج میں نقل کیا ہے

اجتمعت الامة علی ان السنة قاضية علی کتاب الله ۔

کہ سنت، کتاب اللہ کی وجوہات مختلفہ کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس حدیث پڑھی جارہی تھی، ایک شخص وہاں آیا اور کہنے لگا ان احادیث کو چھوڑو۔ اس پر حضرت امام نے اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ حدیث نہ ہوتی تو ہم قرآن نہ سمجھتے،

دخل علیه مرة رجل والحدیث یقرء عنده فقال الرجل دعونا عن ہذه الاحادیث فزجره الامام اشد الزجر وقال لولا السنة ما فهم احدنا القرآن۔

مرزا قادیانی جو اس وقت قرآن، قرآن کہہ کر لوگوں کو حدیث سے مستغنی و بے اعتقاد کر رہا ہے اور حمقاء و جہلاء کو دام میں لا رہا ہے تو اس کا اصل مقصود یہی ہے کہ لوگ قرآن کی ذوالوجوہ آیات کے جو معنی چاہیں کریں اور اصلی دین قدیم و صراط مستقیم کو جس پر اہل سنت و جماعت کو چلنے کی توفیق ملی ہے چھوڑ کر ملحد و مرتد ہو جائیں اور کم سے کم اہل بدعت و ضلالت تو بنیں ۔ ورنہ درحقیقت اس کو قرآن سے بھی کوئی اعتقاد نہیں ہے۔ قرآن کو وہ لائق اتباع سمجھتا تو اس کی متعدد آیات متعلقہ معجزات مسیح وغیرہ کو صرف عقل کے مخالف سمجھ کر کیوں ترک کرتا؟ محمد حسین)

چنانچہ دیکھنا چاہیے کہ خود حنفیوں کے بخاری و مسلم کی تحقیق احادیث پر کس قدر اعتراض ہیں تو اس حالت میں کون فیصلہ کرے؟ آخر قرآن کریم ہی ہے کہ اس گرداب سے اپنے مخلص بندوں کو بچاتا ہے اور اسی عروہ وثقی کے پناہ سے سچے طالب ہلاک ہونے سے بچ جاتے ہیں (حنفیہ کی مخالفت احادیث بخاری سے وجوہ اجتہادیہ پر مبنی ہے چنانچہ ہماری تحریر ۸ میں مفصل بیان ہوا ہے۔ مرزا قادیانی میں کچھ شرم و حیا ہے تو بتاوے کہ علماء حنفیہ کو بخاری کی کس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے اور وہ کیا ہے۔ محمد حسین)

☆ اور آپ نے جو یہ دریافت فرمایا ہے کہ اس مذہب میں تمہارا کوئی دوسرا ہم خیال

بھی ہے؟ تو اس میں یہ عرض ہے کہ تمام لوگ جو اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم درحقیقت حکم اور رہنما اور امام اور مہیمن اور فرقان اور میزان ہے، وہ سب میرے ساتھ شریک ہیں۔ اگر آپ قرآن کریم کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ بھی شریک ہیں۔

(قرآن مجید کو عام مسلمان حکم، رہنما، مہیمن، فرقان وغیرہ جانتے ہیں۔ مگر خاص کر ان باتوں کے فیصلہ کے لئے جو لوگ اپنی رائے سے کریں اور ان میں ان کا باخود ہا اختلاف ہو، نہ حدیث صحیح نبوی مسلم الصحت کی صحت پرکھنے کے لئے جو وحی غیر متلو کہلاتی ہیں، اور وہ ہمیشہ موافق و مثل قرآن ہوتی ہے، نہ مخالف قرآن۔ مرزا صاحب بار بار یہ دعوی تحریر میں لاتے ہیں تو ہم کو بھی بار بار اس کا یہی جواب دینا پڑتا ہے۔ محمد حسین)

☆ اور جن لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک فتنہ واقعہ ہونے والہ ہے، اس سے خروج بجز ذریعہ قرآن کریم ممکن نہیں، وہ لوگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں (اس حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ حدیث صحیح کے فتنہ سے بجز ذریعہ قرآن نجات ممکن نہیں ہے۔ یہ مطلب مرزا صاحب نے لفظ حدیث کے معنی میں تحریف والحاد اختیار کر کے نکالا ہے لہذا اس حدیث کے بیان کرنے والے، کو کیسے ہی قوی یا ضعیف ہوں، آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ محمد حسین) اور عمر فاروق جس نے کہا تھا حسبنا کتاب اللہ وہ بھی میرے ساتھ شریک ہیں (حضرت عمر فاروق کے قول مذکور کے یہ معنی نہیں کہ حدیث چھوڑ کر قرآن کافی ہے، چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۸ میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ لہذا حضرت عمر بھی آپ کے ساتھ نہیں۔ محمد حسین) اور دوسرے بہت سے اکابر ہیں جن کے ذکر کرنے کیلئے ایک دفتر چاہیے۔ صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔

تفسیر حسینی میں زیر تفسیر و اقیموا الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین لکھا ہے کہ کتاب تیسیر میں شیخ محمد بن اسلم طوسی سے نقل کیا ہے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اس کو پہلے کتاب اللہ پر عرض کر لو اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی، ورنہ نہیں، سو میں نے حدیث من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر کو قرآن سے مطابقت کرنا چاہا اور تیس سال سے اس بارے میں فکر کرتا رہا تو مجھے یہ آیت ملی و اقیموا الصلوة و لا تکونوا من المشرکین۔ اب چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ پہلوں میں سے کسی ایک کا نام لو جو قرآن کریم کو محک ٹھہراتا ہو، سو میں نے بحوالہ مذکورہ بالا ثابت کر دیا، تو اب آپ کو ضد چھوڑ کر مان لینا چاہیے (صاحب تفسیر حسینی یا شیخ طوسی نے نہ حدیث من ترك الصلوة

کی صحت لفظی کو قرآن سے پرکھا ہے اور نہ اس کو عام اصول ٹھہرایا ہے چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۸ میں بہ تفصیل ثابت کیا گیا ہے۔ لہذا یہ دونوں صاحب بھی مرزا قادیانی کے موافق نہیں ہیں اور ان کے قول و فعل سے مرزا کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ اب انہی کو مناسب کہ اپنی ضد چھوڑ دیں۔ محمد حسین)،

اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ وہ تمام حدیثیں جو سلسلہ تعامل کی تقویت یاب نہیں، صرف ظن یا شک کے درجہ میں ہیں (شک کے لفظ کو ناظرین دیکھیں اور پھر جملہ احادیث پر، جس میں صحیحین داخل ہیں، بلکہ خاص مقصود بالحکم ہے، مرزا صاحب کے شکی (مشکوک) ہونے کا حکم لگانے کو ملاحظہ فرماویں، یہ صحت صحیحین پر ان کا سترھواں حملہ ہے۔ محمد حسین) فن حدیث کی تحقیقاتیں ان کے ثبوت، کامل درجہ تک نہیں پہنچا سکیں (وہ تحقیقاتیں مثبت صحت کامل نہیں تو پھر موافقت قرآن، جو ایک موضوع حدیث کو بھی حاصل ہے، ان کو کامل صحت تک کیونکر پہنچا سکتی ہے۔ محمد حسین) اس صورت میں اس محک مقدس سے ان کی تصحیح کیلئے مدد نہ لیں تو گویا ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ وہ حدیثیں صحت کاملہ کے درجہ تک پہونچ سکیں

میں متعجب ہوں کہ آپ اس بات کے ماننے سے کیوں اور کس وجہ سے رکتے ہیں کہ قرآن کریم ایسی احادیث کے لئے محک و معیار ٹھہرایا جائے۔ کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں، کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے، کچھ شک میں ہیں؟ (یہاں مرزا صاحب لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ورنہ وہ جانتے ہیں۔ اور اپنے پرچہ نمبر ۵ میں مان چکے ہیں کہ ہمیں قرآن کی خوبیوں کی تسلیم میں کچھ شک نہیں بلکہ اس کا اقبال ہے۔ آپ کی تحریر نمبر ۵ اور ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)

☆ آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بخاری و مسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اب ان کو بہرحال آنکھیں بند کر کے صحیح مان لینا چاہیے۔ لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اجماع کن لوگوں نے کیا ہے اور کس وجہ سے واجب العمل ہو گیا ہے (حدیث صحیحین کے واجب العمل ہونے کو تو مرزا صاحب بارہا مان چکے ہیں۔ اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء وغیرہ میں جلی قلم سے لکھ چکے ہیں کہ میں صحیحین کو مانتا ہوں بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یقین کرتا ہوں اور واجب العمل مانتا ہوں۔ انہیں شک ہے تو وجوب اعتقاد میں ہے نہ وجوب عمل میں جو ظنیات پر بھی جائز ہے۔

پھر یہ سوال معاندانہ ہے؟ یا وہ اقبال منافقانہ؟ بینوا توجرو۔ اس کے جواب میں جو شق اختیار کریں گے اس سے مرزا صاحب کی قلعی کھل جائے گی۔ محمد حسین)

دنیا میں حنفی لوگ پندرہ کروڑ کے قریب ہیں، وہ اس اجماع سے منکر ہیں۔ ماسوا اس کے آپ صاحبان بھی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث کو بشرط صحت ماننا چاہیے۔ اور قرآن

کریم پر بغیر کسی شرط کے ایمان لانا فرض ہے۔اب اگرچہ اس بات پر تو ہمارا ایمان ہے کہ جو حدیث ثابت ہو جائے وہ واجب العمل ہے، لیکن اس بات پر ہم کیوں کر ایمان لے آویں کہ ہر ایک حدیث بخاری ومسلم کی بغیر کسی شک وشبہ کے واجب العمل ماننی چاہیے۔یہ وجوب کس سند شرعی یا نص صریح سے پیدا ہوتا ہے کچھ بیان تو کیا ہوتا؟ (یہ مرزا صاحب کا بخاری ومسلم کو شکی ومشتبہ کہنا اور ان کے واجب العمل ہونے پر ایمان نہ لانے کا اقراری ہونا، صاف یقین دلاتا ہے کہ جو اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء وغیرہ میں انہوں نے وجوب عمل کا اقرار کیا ہے، وہ منافقانہ اقرار ہے اور درحقیقت وہ ان کتابوں کی جملہ حدیثوں کو واجب العمل نہیں سمجھتے اور وجوب عمل کے قائل ہونے کو ایک غلط وبے دلیل امر جانتے ہیں۔یہ صحیحین پران کا اٹھارہواں حملہ ہے۔ محمد حسین)

تفسیر فتح العزیز میں فلا تجعلوا لله اندادا وانتم تعلمون کے تحت لکھا ہے

چنانچہ عبادت غیر خدا مطلق شرک وکفر ست اطاعت غیر او تعالی نیز بالاستقلال کفر ست ومعنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ ربقہ تقلید او در گردن اندازد وتقلید او لازم شمارد باوجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالی

(یہ کھلم کھلا اشارہ ہے کہ محدثین کی تقلید بے دلیل سے احادیث صحیحین کو صحیح ماننے والے کافر ہیں کیونکہ وہ اس تسلیم وصحت میں غیر خدا کی اطاعت کرتے ہیں، جس میں حکم خدا یعنی قرآن کی مخالفت پائی جاتی ہے۔کیونکہ بخاری ومسلم کی بہت سی حدیثیں مخالف قرآن ہیں۔یہ بخاری ومسلم پر مرزا قادیانی کا انیسواں حملہ ہے جس میں اس نے بخاری ومسلم کو صحیح ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ محمد حسین)

☆ اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم بھی اپنے ایک خط میں، جو آپ ہی کے نام ہے، جو لاہور کی گول سڑک کے باغ میں آپ نے مجھے دیا تھا، قرآن کریم کی نسبت چند سطریں اسی امر کی تائید میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں

فقیر را از ابتداء حال میلان بکلام رب عزیز بود ودعا کردم کہ یا الہ العالمین دروازہ ہائے کلام خود بریں عاجز باز کنید۔سالہا شد ومعصیت بسیار شد تا بحدے کہ ہر جا کہ میرفتم بلوامیشد ودل تنگ شد ناگاہ القا شد قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضاھا بعدازاں رد بقرآن شد وآیاتیکہ درباب بوجھ بقرآن بود القاء شد مانند اتبعوا ما انزل الیکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء وامثال آن تا بحدے کہ یک روز دیدم کہ قرآن مجید پیش رویم نہادہ شد القاء شد ہذا کتابی

ہذا کتا بی و ہذا عبادی فا قرئوا کتا بی علی عبادی

پس یہ آیت کہ مولوی صاحب اپنے القاء کی رو سے ذکر فرماتے ہیں کہ اتبعوا ما انزل الیکم کیسی فیصلہ کرنے والہ آیت ہے ۔جس سے صریح اور صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اول توجہ مومن کی قرآن کریم کی طرف ہونی چاہیے پھر اگر اس توجہ کے بعد کسی حدیث یا قول کو من دو نہ میں داخل دیکھے تو اس سے منہ پھیر لیوے (حضرت شیخنا و مولانا عبداللہ غزنوی مرحوم کے خط میں یہ تصریح کجا، اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث صحیح من دو نہ میں داخل ہے صحیحین کو اور دوسری کتب کی احادیث صحیحہ کو وہ نصب العین رکھتے ۔اور مدت العمر اپنا دستور العمل بنائے ہوئے تھے۔ کسی حدیث صحیحین کو انہوں نے مخالف قرآن دے کر من دو نہ میں کبھی داخل نہیں کیا ۔یہ امر ان کے احباب و اصحاب و اولاد میں سے کسی نے ان سے نقل نہیں کیا۔ مرزا قادیانی نے ان پر افتراء کیا ہے ۔محمد حسین)

☆ پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں، بلکہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے مسلم کی حدیث کو اس وجہ سے ضعیف ٹھہرایا ہے کہ بخاری نے اس کو چھوڑ دیا ہے ۔اس کے جواب میں میری طرف سے یہ عرض ہے کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے، اور اس کا ضعیف ہونا اور بات ۔اور چونکہ دمشقی حدیث ایک ایسی حدیث ہے جو اس کے متعلق کی حدیثیں بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں مگر اس طولانی حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس لئے بوجہ تعلقات خاصہ اس حدیث کے جو دوسری حدیثوں سے ہیں یہ شک ہرگز نہیں ہوسکتا کہ بخاری صاحب اس حدیث کے مضمون سے بے خبر رہے ہیں، بلکہ ذہن اسی بات کی طرف انتقال کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی رائے میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے (ہماری تحریر نمبر ۸ میں بتفصیل ثابت ہے کہ ضعیف و موضوع ہونا مرزا کے نزدیک ایک ہے اور آپ مسلم کی اس حدیث کو موضوع جانتے ہیں ۔محمد حسین) سو یہ میری طرف سے ایک اجتہادی امر ہے، اور میں ایسا ہی سمجھتا ہوں اس کو موضوع ہونے سے کچھ تعلق نہیں اور یہ بحث اصلی مبحث سے خارج ہے، اسلئے میں اس میں طول دینا نہیں چاہتا ۔آپ کا اختیار ہے جو چاہیں رائے قائم کریں، پرکھنے والے خود میری اور آپ کی رائے میں فیصلہ کرلیں گے، میرے پر اس امر کا کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا ۔

☆ اور پھر آپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۶ کا حوالہ دے کر ناحق ایک طول اپنی کلام کو دیا ہے ۔میری اس تمام کلام کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نے فیصلہ کے طور پر کسی حدیث مسلم یا بخاری کو موضوع قرار دے دیا ہے (یہی مطلب ہے اور مرزا صاحب نے اچھے طور

سے احادیث صحیحین متعلقہ دجال کو موضوع قرار دیا ہے۔ہماری تحریر نمبر ۸ ملاظہ ہو۔محمد حسین) بلکہ میرا مطلب صرف تناقض کو ظاہر کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ اگر تناقض کو دور نہ کیا جائے تو پھر دونوں طور کی حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ماننا پڑے گا۔سو میرے اس بیان میں فیصلہ کے طور پر کوئی حکم قطعی نہیں کہ در حقیقت بلا ریب فلاں حدیث موضوع ہے، بلکہ میرا تو ابتداء سے مذہب یہی ہے کہ اگر حدیث کی قرآن قریم سے کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو وہی حدیث موضوع ٹھہرے گی یا وہ حدیثیں جو سلسلہ تعامل کے متواترہ حدیثوں سے یا جو ایسی حدیثوں سے مخالف ہوں جو کمی اور کیفی طور پر اپنے ساتھ کثرت اور قوت رکھتی ہیں، وہ موضوع ماننی پڑے گی۔اگر میں کسی حدیث کو مخالف قرآن ٹھہرا لوں اور آپ اس کو موافق قرآن کر کے دکھلا دیں تو میں اگر فرض کے طور پر اس کو موضوع بھی قرار دوں، تب میں عندالتطابق اپنے مذہب سے رجوع کرلوں گا، میری غرض تو صرف اسی قدر ہے کہ حدیث کا قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہیے، ہاں اگر سلسلہ تعامل کی رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کرسکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے (احادیث سلسلہ تعامل سے مرزا صاحب کی مراد وہ احادیث ہیں جو متعلق عمل ہیں، جن میں احادیث متعلقہ فروعات اختلافی بھی داخل وشامل ہیں، ایسی احادیث کو باوجود مخالف قرآن قطعی حجت ماننا اور احادیث متعلقہ اعتقاد کو، کہ ازانجملہ احادیث نزول مسیح وخروج دجال ہیں ، مخالف قرآن قرار دے کر غیر قطعی قرار دینا، مرزا صاحب ہی کا کام ہے، جو نہ قطعی ویقینی کے معنی جانتے ہیں، نہ تفاوت مراتب احکام وعقائد سے واقف ہیں۔اس امر کی تشریح اس کی تحریر نمبر ۸ کے جواب میں ہم کریں گے۔انشاء اللہ تعالی۔محمد حسین)۔

میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ ان باتوں کے ذکر کو جانے دیں اور اس ضروری بات پر توجہ کریں کہ کیا ایسی حالت میں جب کہ ایک حدیث، صریح قرآن کریم کے مخالف ہو اور سلسلہ تعامل سے باہر، تو اس وقت کیا کرنا چاہیے۔میں آپ پر اپنا اعتقاد بار بار ظاہر کرتا ہوں کہ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یوں ہی بلا وجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا، بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے۔ہاں جو حدیث قرآن کریم کے مخالف معلوم ہو اور کسی طرح اس سے مطابقت نہ کھا سکے میں اس کو ہرگز من جانب رسول کریم یقین نہیں کروں گا جب تک کوئی مجھ کو مدلل طور پر سمجھا نہ دیوے کہ در حقیقت کوئی مخالفت نہیں۔ہاں سلسلہ تعامل کی حدیثیں اس سے مستثنی ہیں۔

☆ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں کوئی علمائے سلف میں سے تمہارے ساتھ نہیں، سو حضرت میں تو حوالہ دے چکا، اب ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔

☆ پھر آپ مجھ سے اجماع کی تعریف پوچھتے ہیں (میں نے مرزا صاحب سے یہ نہیں پوچھا کہ ان کے نزدیک اجماع کی تعریف کیا ہے۔ بلکہ یہ تین سوال تھے۔

۱۔ تعریف اجماع جو آپ نے کی، وہ کس کتاب میں ہے۔

۲۔ بعض صحابہ کے اتفاق کو اجماع کون کہتا ہے۔

۳۔ باقی صحابہ کے سکوت پر نقل کی شہادت کہاں ہے۔

مرزا صاحب نے ان سوالات کا جواب کچھ نہ دیا بلکہ سوالات کو بھلا دینے کی نیت سے جواب سوالات میں پہلی باتوں کا اعادہ کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ سائل کو اس کا سوال بھلا دینا، اور اس کو دوسری طرف لے جانا، آپ ہی پر ختم ہے۔ مگر بہر رنگے کہ مے آئی شناسم کے مصداق ہم مرزا قادیانی کی بھول بھلیوں میں نہیں پھنسے، دیکھو تحریر نمبر ۸ میں اس کے اس جواب کی کیسی خبر لی گئی ہے۔ محمد حسین)

میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ ایک اپنی رائے کو شائع کریں، اور دوسرے باوجود سننے اس رائے کے، مخالفت ظاہر نہ فرماویں، تو یہ بھی اجماع ہے۔ ہمیں کچھ شک نہیں کہ ایسے صحابہ نے جو امیر المؤمنین تھے، ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کے روبرو اپنی رائے ظاہر کی، اور آنحضرت ﷺ نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے۔ اور پھر اسی امر کے بارے میں ابن عمر نے بھی قسم کھائی اور جابر نے بھی اور کئی اور صحابیوں نے بھی رائے ظاہر کی، تو ظاہر ہے کہ یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہ بھی اجماع ہے۔ اور کون سی اجماع کی تعریف مجھ سے آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں، تو آپ جس قدر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ نے قسمیں کھا کر اس کا دجال معہود ہونا بیان کیا ہے، یا بغیر قسم کے اس بارے میں شہادت دی ہے، دونوں قسم کی شہادتیں بالمقابل پیش کریں، اور اگر آپ نہ پیش کر سکیں تو آپ پر من کل الوجوہ ثابت ہے کہ ضرور اجماع ہو گیا تھا، کیونکہ اگر انکار پر قسمیں کھائی جاتیں تو ضرور وہ بھی نقل کی جاتیں۔ آنحضرت ﷺ کا قسم کو سن کر چپ رہنا، ہزار اجماع

سے افضل ہے اور تمام صحابہ کی شہادت سے کامل تر شہادت ہے۔ پھر اگر یہ چیڑ پھاڑ فضول نہیں تو اور کیا ہے۔

☆ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر کب آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان سے اپنا ڈرنا ظاہر فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمام باتیں تصریح سے ثابت نہیں ہوتیں، اشارہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہیں (یہ مسلّم ہے، مگر جو بات آنحضرت ﷺ کے اشارہ سے ثابت ہو، اس کو صریح قول نبوی قرار نہیں دیا جاتا۔ اور اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ بات خود فرمادی ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے کہا اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا۔ ان کی تحریرات نمبر ۴ و ۵ اور ہماری تحریرات نمبر ۵ و ۶ و ۸ ملاحظہ ہوں۔ محمد حسین) جس حالت میں صحابی کا یہ قول ہے کہ جس وقت تک آنحضرت ﷺ بعد دیکھنے ابن صیاد کے زندہ رہے، اس بات سے ڈرتے رہے کہ وہی دجال معہود ہوگا، جیسا کہ لم یزل کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں کوئی دانا خیال کرسکتا ہے کہ اس طول طویل مدت کا ڈر ایک احتمالی بات تھی اور اس لمبی مدت میں کبھی آنحضرت ﷺ نے اپنے منہ سے نہیں فرمایا تھا۔ جس حالت میں آنحضرت ﷺ آپ فرماتے ہیں کہ ہر ایک نبی دجال سے ڈراتا رہا ہے اور میں بھی ڈراتا ہوں، تو اس صورت میں کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو ڈر آنحضرت ﷺ کے دل میں مخفی تھا، وہ کبھی اس مدت میں کسی صحابی پر ظاہر نہیں کیا

(آنحضرت ﷺ کے دل میں کس دجال کا خوف تھا، اور مرزا نے اس کو کس کا خوف بنا دیا۔ پھر اس کا ظہور لازمی ٹھہرا دیا، بے شک آپ ﷺ دجال موعود سے ڈرتے اور اس ڈر کا بارہا اظہار کرتے، اور لوگوں کو اس سے ڈراتے رہے، مگر وہ دجال آپ ﷺ کے نزدیک ابن صیاد ہرگز نہ تھا، وہ ہوتا تو آپ ﷺ صاف فرمادیتے کہ یہی ابن صیاد دجال موعود ہے، اس سے میں ڈرتا ہوں اور اس سے پہلے انبیا ڈرتے چلے آئے ہیں۔ اور اسکی علامات ایسی بیان فرمائیں جن کا ابن صیاد میں نام ونشان بھی پایا نہ جاتا تھا، جیسے اسکے ساتھ آگ و پانی کی نہریں ہونا، اور اس کا ایک آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دینا وغیرہ، جو نہ صرف صحیح مسلم میں بلکہ صحیح بخاری میں بھی مروی ہے۔ بلکہ وہ دجال اور ہے جسکا تفصیلی حال آپ ﷺ نے صحیح حدیثوں میں فرمادیا ہے اور وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا، محمد حسین)۔

ماسوا اس کے جب ایک آدمی قال سے ایک بات بیان کر کے اس کا قائل ٹھہرتا ہے، ایسا ہی اپنے اشارات و ایمائات اور حالات سے اس کو ادا کر کے اس کا قائل قرار پاتا ہے (ہاں قرار پاتا ہے، مگر اس معنے کو کہ وہ اس کا معتقد ہے اور اس بات کو جائز رکھتا ہے یا پسند کرتا ہے، نہ اس معنے کہ اس نے یہ بات بتصریح کہدی اور فرمادی ہے۔..اشارہ کو صریح قول قرار دینا تو محض کذب کہلاتا ہے جو

مرزا صاحب سے وقوع میں آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تو بقول مرزا صاحب ابن صیاد کے دجال ہونے کی نسبت صرف اشارہ کیا تھا، مگر اس اشارہ کو صریح قول نبوی سے تعبیر کر کے مرزا صاحب خود ہی اپنی تحریر نمبر ۵ میں لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے آپ ہی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں، اور مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام میں بھی لکھ دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کیوں فرماتے کہ ہمیں اس، یعنی ابن صیاد، کے حال میں ابھی شک و اشتباہ ہے۔ ان فقرات میں مرزا کا اشارہ نبوی کو جو اس کے نزدیک، نہ نفس الامر اور واقع میں، ثابت تھا، قول نبوی سے تعبیر کرنا، اور اس تعبیر کے لئے اتنی لمبی عبارت از خود بنا لینا، آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں تو پھر معلوم نہیں افتراء کس جانور کا نام ہے۔ محمد حسین) سو یہ کون سی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے آپ مجھ کو مفتری تجویز کرتے ہیں۔ آپ کو ڈرنا چاہیے، انسان جو بے وجہ اپنے بھائی کی نسبت تجویز کرتا ہے وہ خدا تعالی کی جناب میں اس لائق ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسرا وہی تہمت اس پر کرے۔

خدا تعالی خوب جانتا ہے کہ مجھ کو پختہ طور پر اس بات پر یقین ہے کہ اگر لم یزل کا لفظ حدیث میں صحیح اور مطابق واقعہ ہے، تو اس کا مصداق مجرد نگرانی حالات ہرگز نہیں ٹھہر سکتا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں زید کو دس بارہ برس سے برابر دیکھتا ہوں کہ وہ دہلی جانے کا ہمیشہ ارادہ رکھتا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ زید نے کبھی زبان سے مدت دس برس میں دہلی جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ اور بفرض محال اگر یہ احتمالی امر ہے تو جیسا احتمال اس بات کا ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو، یہ احتمال بھی تو ہے کہ زبان سے کہا ہو۔ لیکن لم یزل کا لفظ احتمال کے امر کو دور کرتا ہے۔ ایک مدت تک کسی امر کی نسبت وہ حالت بتائے رکھنا جس کا ادا کرنا زبان کا کام ہے، صریح اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ اتنی لمبی مدت میں کبھی تو زبان سے بھی کام لیا ہوگا۔

☆ پھر آپ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ اگر آپ ابن عربی کے مخالف تھے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کیا، باطل ہے کیونکہ میری کلام کے صریح منطوق سے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے کلام کا آپ کے ابتدائی بیان میں یہ صریح منطوق بھی پایا جاتا ہے کہ آپ ابن عربی کے مؤید ہیں۔ اگر آپ مؤید نہیں تو آپ نے صحیح بخاری کی حدیث کیوں نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ محدث بھی نبی مرسل کی طرح ہے (تائید صرف الہام و محدثیت کے ثبوت و وجود کی ہے، نہ اس امر کی کہ ملہم و محدث کا قول دوسرے پر حجت ہوتا ہے، اور نہ اس امر کی کہ اگر کسی کو احادیث صحیحہ اتفاقیہ کے برخلاف الہام یا تحدیث ہو تو وہ واقعی محدث اور من جانب اللہ ملہم ہے۔ ایسا شخص تو

یقیناً شیطان کا مخاطب ہے۔ دیکھو ہماری تحریر نمبر ۸۔ محمد حسین)

اور آپ نے کیوں محمد (بن) اسماعیل صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ محدث کی وحی نبی کی طرح دخل شیطان سے منزہ کی جاتی ہے۔ اگر آپ بخاری کی حدیث کو نہیں مانتے تو گذشتہ راصلوۃ، ابھی اقرار کر دیں کہ میں محدث کی وحی کو دخل شیطان سے منزہ ہونے والی نہیں سمجھتا۔ تعجب ہے ایک طرف تو آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور ایک طرف اس کے برخلاف چلتے ہیں۔ پھر جب کہ آپ کا بخاری پر ایمان ہے کہ اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اس صورت میں تو آپ کو ابن عربی سے اتفاق کرنا پڑے گا کیونکہ اگر کسی محدث پر یہ کھل جائے کہ فلاں حدیث موضوع ہے اور وہ بار بار کی وحی سے اس پر قائم کیا جائے تو کیا آپ حسب منشاء بخاری یہ اعتقاد نہیں کریں گے کہ محدث کو وہ حدیث موضوع مان لینی چاہیے۔ پھر جب کہ آپ کا یہ اعتقاد ہے تو میں نے آپ پر کیا افتراء کیا۔

حضرت مولوی صاحب آپ ایسے الفاظ کو کیوں استعمال کرتے ہیں، اتقوا الله کے مضمون کو کیوں اپنے دل میں قائم نہیں کرتے۔ مفتری، ملعون، دین سے خارج ہوتے ہیں۔ اجتہادی طور پر کسی بات کو کسی نہج سے گو غلط ہی سہی، سمجھ لینا اور چیز ہے اور عمداً ایک واقعہ معلومۃ الحقیقت کے برخلاف لکھنا یہ امر اور ہے۔ (اجتہاد نہیں محض کذب ہے۔ محمد حسین)

آپ کے خلاصہ سوال کی نسبت میرا یہی بیان ہے کہ میں اس طرح سے کہ جیسے حنفی لوگ امام اعظم صاحب پر محض تقلید کے طور پر ایمان رکھتے ہیں، بخاری و مسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان کی صحت کو ظن کے طور پر مانتا ہوں اور الغیب عند الله کہتا ہوں (آپ کو ظن صحت کہاں ہے، آپ تو صحت صحیحین کو مشکوک و مشتبہ قرار دے چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے حواشی میں گذر چکا۔ محمد حسین) مجھے ان کے بارے میں رؤیت کی مانند علم نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث کو مخالف کتاب اللہ پاؤں گا تو بغیر تطبیق اور فیصلہ کے ہرگز اس کو قول رسول کریم نہیں سمجھوں گا (حدیث صحیحین کی قرآن سے مخالفت تجویز کرنا اور اس شرط سے اس کے قول رسول ہونے سے انکار کرنا، یہ کہنے کے برابر ہے کہ حدیث صحیحین سب کی سب صحیح نہیں۔ اور یہ صحیحین پر مرزا صاحب کا بیسواں حملہ ہے۔ محمد حسین) گو حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور قرآن کے معیار ٹھہرانے میں پہلے عرض کر آیا ہوں، اور سب کچھ بیان کر چکا ہوں، حاجت اعادہ نہیں ہے۔ فقط۔ خاکسار غلام احمد .. جولائی ۱۸۹۱ء

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کی تحریر ہشتم

افسوس آپ نے پھر بھی میرے اصل سوال کا صاف اور قطعی جواب نہ دیا اور نہ فرمایا کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں، یا جملہ موضوع ہیں، یا مختلط، یعنی بعض صحیح ہیں بعض موضوع۔ باوجودیکہ میرا سوال آپ نے شروع تحریر میں نقل کر دیا جس سے یہ گمان کہ آپ نے مطلب سوال نہ سمجھا ہو، رفع ہو گیا۔ ہر چند آپ نے یہ بات تصریح سے کہدی ہے کہ اگر میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو کتاب اللہ کے موافق نہ پاؤں گا تو اس کو موضوع قرار دونگا، کلام رسول نہ سمجھونگا اور اپنے پرچہ نمبر۴ میں آپ صاف کہہ چکے ہیں کہ ان کتابوں کے وہ مقامات جن میں تعارض ہے، تحریف سے خالی نہیں۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے یا نہیں، جس کو آپ اس اصول کی شہادت سے موضوع قرار دیتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ ان مقامات ازالہ اوہام میں جو میرے پرچہ نمبر ۷ میں منقول ہوئے ہیں، آپ صحیحین کی بعض احادیث کو موضوع قرار دے چکے ہیں مگر اب اپنے پرچہ نمبر ۷ میں آپ اس سے انکار کرتے اور یہ فرماتے ہیں کہ

. جو کچھ میں نے وہاں کہا ہے شرطیہ طور پر کہا ہے کہ بشرط تعارض و عدم موافقت و مطابقت وہ احادیث موضوع ہیں۔ میرا وہ قطعی فیصلہ نہیں ہے۔

باوجودیکہ ان مقامات میں آپ نے یہ شرط نہیں لگائی، بلکہ ان احادیث کا باہم تعارض خوب زور سے ثابت کیا اور پھر ان کو موضوع قرار دیا ہے (مرزا صاحب کے جوابات ہمارے سوالات کے مقابلے میں بعض رؤساء لودہانہ نے سنے تو اس کی نظیر میں ایک رئیس نے چشم دید حکایت بیان کی۔ اس حکایت کو اس مقام میں نقل کرنا لطف سے خالی نہیں۔ رئیس مذکور نے بیان کیا کہ ایک رسالہ کے ایک کمان افسر یورپین صاحب تھے، جو رات کو دو گھنٹہ دربار کرتے اور اس میں اپنی فوج کی معروضات اور رسالے کے یومیہ واقعات سنتے۔ ایک دن ایک سردار کی اونٹنی کھوگئی۔ کمان افسر کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے رات کے دربار میں اونٹنی کے مالک سردار سے کہا کہ سردار صاحب اس واقعہ کے متعلق مجھے آپ صرف تین باتوں کا جواب دیں اور کچھ نہ فرماویں۔ یہ اس لئے کہ کمان افسر کو اس بات کا علم تھا کہ سردار صاحب بڑے باتونی ہیں، وہ مطلب کی بات کا جواب جلد نہ دیں گے۔ وہ تین باتیں یہ تھیں۔ اونٹنی کس پڑاؤ پر کھوئی گئی اور کس تاریخ اور وقت۔ سردار صاحب نے تمہید شروع کی کہ حضور وہ اونٹنی

میں نے ۳۵۰ روپئے کو خریدی تھی اور اس کے عوض ۵۰۰ مانگے جاتے تھے۔ کمان افسر نے کہا سردار صاحب میں نے یہ بات آپ سے نہیں پوچھی، جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے کہا کہ حضور وہ اونٹنی میں نے بیکانیر کی منڈی سے خریدی تھی اس پر کمان افسر نے فرمایا کہ سردار صاحب یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ ہاں حضور جواب دیتا ہوں، وہ اونٹنی سو کوس روز چلتی تھی، اس پر کمان افسر نے پھر وہی عذر کیا کہ سردار صاحب اور تکلیف نہ کریں صرف میرے سوالات کا جواب دیں۔ اس پر بھی سردار صاحب نے ان تینوں سوالوں کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی اونٹنی کے وقائع عمری شمار کرنا شروع کیا یہاں تک کہ دربار کا وقت مقررہ گذر گیا اور ان سوالات ثلاثہ کا جواب نہ دیا۔ محمد حسین)

آپ کو میرے اصل سوال کا جواب نہ دینے اور ازالہ اوہام کی تصریحات مذکورہ پرچہ نمبرے سے انکار کر جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس سوال کے دونوں شق جواب میں پھنستے ہیں اور کوئی شق قطعی طور پر اختیار نہیں کر سکتے۔

اگر آپ یہ شق اختیار کریں کہ وہ احادیث سب کی سب صحیح ہیں تو اس سے آپ پر سخت مصیبت عائد ہوتی ہے کیونکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث آپ کے عقاید مستحدثہ جدیدہ کے صریح خلاف ہیں۔ ان احادیث کو صحیح مان کر آپ کا کوئی عقیدہ جدیدہ قائم و ثابت نہیں رہ سکتا۔ اس وجہ سے آپ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ احادیث صحیحین کو بلا وقفہ و نظر صحیح تسلیم کرنا اندھا پن اور تقلید بلا دلیل ہے۔

اور اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ احادیث صحیحین سب کی سب موضوع، یا ازاں جملہ بعض صحیح اور بعض موضوع ہیں، تو اس سے عام اہل اسلام اور خصوصاً اہلحدیث جن کے بعض عوام آپکے پنجہ یا دام میں پھنس گئے ہیں، آپ سے بے اعتقاد ہوتے ہیں، اور کفر یا فسق اور بدعت کا فتوی لگانے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں دیتے، صرف شرطی طور پر کہتے ہیں کہ اگر کتاب بخاری و مسلم کی احادیث کو موافق قرآن نہ پاؤنگا تو میں ان کو موضوع قرار دونگا، ورنہ مجھے بخاری و مسلم سے حسن ظن ہے، میں خواہ مخواہ یعنی قبل از وقت و بلا ضرورت انکی احادیث کو موضوع قرار دینا ضروری نہیں سمجھتا، ضرورت ہوگی، یعنی قرآن سے انکی موافقت نہ ہوسکی، تو موضوع قرار دونگا۔

آپکے اس شرطی جواب پر مجھے حق و اختیار حاصل ہے کہ میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ کروں۔ ولیکن اب میری یہ امید کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں گے،

قطع ہوگئی ہے اور میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ میرے اس مطالبہ پر بھی آپ ۲۶ صفحہ یا اس سے دو چند ۵۲ صفحہ میں ایسی ہی لایعنی اور فضول باتوں کا اعادہ کریں گے جو اس وقت تک مکرر، سہ کرر تحریر کر چکے ہیں، جن سے آپ کا تو یہ فائدہ ہے کہ آپکے مرید حاضر مجلس یہ کہیں گے، اور کہہ رہے ہیں کہ سبحان اللہ ہمارے حضرت کس قدر طولانی تحریرات کرتے ہیں اور کتنے صفحہ کاغذات پر کرتے ہیں اور بیسیوں آیات قرآن تحریر فرمائے جاتے ہیں اور یہی فائدہ اس تحریر سے آپکو پیش نظر ہے، مگر میرے اوقات کا کمال حرج ہے، مجھے اس بحث کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم کام دامن گیر ہیں۔ لہذا اب میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا اور ناظرین وسامعین کو آپ کی طولانی تحریرات کے وہ نتائج بتانا چاہتا ہوں، جن نتائج کے جتانے کی غرض سے میں اب تک آپ کے جواب پر نکتہ چینیاں کرتا رہا ہوں۔

میرا یہ مقصود نہ ہوتا تو جو بات میں آپ کے پرچہ نمبر ۳ کے جواب میں لکھ چکا تھا کہ آپ نے قبولیت حدیث کی شرط بتائی ہے مگر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط احادیث صحیحین میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ و بناء علیہٖ وہ احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ اسی پر اکتفا کرتا اور اسی کے جواب دینے پر آپ کو مجبور کرتا۔ اور دوسری کوئی بات آپ کی نہ سنتا، کیونکہ ہر شخص جس کو فن مناظرہ سے ادنی مس ہو، یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی اپنے مناظر و مخاطب سے اصول تسلیم کرانا چاہے، و بناء علیہ کوئی اصول پیش کر کے اس سے دریافت کرے کہ آپ اس اصول کو مانتے ہیں یا نہیں، تو اس کے مخاطب کا فرض صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو تسلیم کرے یا اس سے انکار کرے۔ اس سے زیادہ کسی اصول کی تسلیم یا عدم تسلیم کی وجہ بیان کرنا اس کا فرض نہیں ہوتا۔ یہ اس صورت میں اور اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا مقابل، صاحب تمہید، اس کی تسلیم یا عدم تسلیم کے خلاف کا مدعی ہو اور اپنے ممہد و اصول پر دلائل قائم کرے۔

☆ آپ نے میرے اصول کی نسبت تسلیم یا عدم تسلیم تو قطعی طور پر ظاہر نہیں کی، مگر ان اصول کا خلاف ثابت کرنے پر مستعد ہو گئے۔ سو بھی ایسے طور پر کہ اصل سوال سے غیر متعلق اور فضول باتوں میں خامہ فرسائی شروع کر دی۔ اس صورت میں مجھ پر لازم نہ تھا کہ میں آپ کی کسی بات کا جواب دیتا، یا اس پر کوئی سوال کرتا، مگر اسی غرض سے اب تک آپ کے جوابات کے متعلق خدشے و سوالات کرتا رہا ہوں کہ آپ کی کلام سے وہ نتائج پیدا ہوں جن کو میں عام اہل اسلام پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اس غرض سے میں اب آپ کی

تحریرات حال وسابقہ پر تفصیلی نکتہ چینی کرتا ہوں جس کا وعدہ اپنی تحریرات سابقہ میں دے چکا ہوں۔ اس نکتہ چینی میں بالاستقلال تو آپ کا پرچہ نمبرے نشانہ نہ ہوگا مگر اس کے ضمن میں آپ کی جملہ تحریرات سابقہ کا جواب آجائے گا۔ بحول اللہ و قوتہ۔

☆ آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں۔ اول وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہے۔ اس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں۔ یہ حصہ بلاشبہ صحیح ہے مگر اس کی صحت روایت کی مدد سے نہیں، بلکہ تعامل کے ذریعہ سے ہے۔ دوسرا وہ حصہ جس پر تعامل نہیں پایا گیا۔ یہ حصہ یقیناً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار صرف اصول روایت پر ہے اور اصول روایت سے صحت کا ثبوت اور کامل اطمینان نہیں ہوسکتا۔ ہاں اس حصہ کی قرآن کریم سے موافقت ثابت ہو تو یہ بھی یقیناً صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اس قول سے ثابت ہے اور یہی جتانا اس وقت مدنظر ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایت اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں، اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ ضروریات دین اصطلاح علماء اسلام میں کس کو کہتے ہیں؟ اور تعامل کی کیا حقیقت ہے؟ اور وہ جملہ احادیث معاملات واحکام سے متعلق کیونکر ہوسکتا ہے؟ اور اہل اسلام کے نزدیک اصول تصحیح روایت کیا ہیں؟ خاکسار ہر ایک امر سے آپ کو اور دیگر ناواقف ناظرین کو مطلع کر کے یہ جتانا چاہتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ وہ ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوسکتا۔

پس واضح ہو کہ ضروریات دین وہ کہلاتے ہیں جو دین سے ضرورۃً یعنی بداہۃً اور بلانظر وفکر معلوم ہوں، نہ وہ امور جن کی طرف دین کی ضرورت یعنی حاجت متعلق ہو۔ ضرورت سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت وضرورت کے متعلق ہے۔ اس صورت میں دوسرا حصہ احادیث جس کو آپ یقیناً صحیح نہیں جانتے، ضروریات دین میں داخل ہوجاتا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ضروریات سے میری مراد وہی ہے جو تم نے بیان کی ہے تو پھر جملہ احکام معاملات وعقود کو ضروریات میں شامل کرنا غلط قرار پاتا ہے۔ احکام متعلقہ معاملات بلکہ عبادات جملہ ایسے نہیں جو بداہۃً دین سے ثابت ہوں۔

کسی حکم یا امر پر تعامل کی صورت یہ ہے کہ وہ حکم عام لوگوں کے عمل میں آجائے،

اس کی مثال ہم احکام شرع سے صرف ان اتفاقی امور کو ٹھہرا سکتے ہیں جو جملہ اہل اسلام میں علی سبیل الاشتراک عمل میں آ گئے ہیں۔ یعنی نماز یا حج یا صوم کے اتفاقی ارکان بلا لحاظ ان کے قیودات وخصوصیات کے کہ نماز رفع یدین والی ہو یا بلا رفع اور اس میں ہاتھ سینہ پر باندھے جاویں یا زیر ناف یا ارسال یدین ہو وعلی ہذا القیاس اور ان کے قیود اور خصوصیات کا لحاظ کیا جائے تو ان پر تعامل کا ادعا محض غلط ہے۔ اور کوئی فریق یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ ہمارا طریق تعامل عام اہل اسلام سے ثابت ہے۔ ان امور پر تعامل عام ہوتا تو اس میں اختلاف ہرگز واقع نہ ہوتا، جو آپ کے نزدیک وضع وعدم صحت کی دلیل ہے۔ لہذا آپ کا یہ کہنا کہ احادیث کا حصہ متعلقہ عبادات ومعاملات تعامل سے ثابت ہے، محض ناواقفی پر مبنی ہے۔

اور اگر تعامل سے آپ کی مراد (اس تحریر کے جواب میں آپ نے تحریر نمبر ۸ میں تعامل کی تشریح کی اس سے آپ کے یہی مراد ثابت ہوتی ہے۔ لہذا جو اعتراض اس مراد پر وارد ہوتا ہے وہ یقیناً آپ پر وارد ہے۔ محمد حسین) خاص خاص فرقوں یا شہروں یا اشخاص کا تعامل ہے۔ اور اس تعامل کو آپ قطعی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں تو آپ پر سخت مصیبت پڑے گی، کیونکہ یہ تعامل خاص ہر ایک قوم وشہر و مذہب کا باہم مختلف ہے۔ یہ موجب یقین ہو، تو چاہیے کہ جملہ احادیث مختلفہ جن پر یہ تعامل ہائے خاص خاص پائے جاتے ہیں، یقینی اور صحیح ہوں، اور یہ امر نہ صرف آپ کے مذہب کے بالکل مخالف ہے، بلکہ حق اور نفس الامر کے بھی مخالف ہے۔

اصول تصحیح روایت محققین اہل اسلام کے نزدیک یہ نہیں جو آپ نے قرار دیا ہے کہ وہ توافق قرآن ہے یا تعامل امت، بلکہ وہ اصول شروط صحت ہیں جن کا مدار چار امور ہیں۔ عدل۔ ضبط۔ عدم شذوذ۔ وعدم علت۔ ان شروط میں جو آپ نے سلامت فہم راوی کو داخل کیا ہے، یہ بھی آپ کی فنون حدیث سے ناواقفی پر دلیل ہے۔ فہم معانی ہر ایک حدیث کی روائت کے لئے شرط نہیں ہے۔ بلکہ خاص کر اس حدیث کے لئے شرط ہے جس میں بالمعنی حکایت ہو اور جس حدیث کو راوی بعینہ الفاظ سے نقل کر دے اس میں راوی کے فہم معانی کو کوئی شرط نہیں ٹھہراتا۔ کتب اصول حدیث شرح نخبہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ اس کے جواب میں شائد آپ یہ کہیں گے کہ احادیث سبھی بالمعنے روایت ہوتی ہے جیسا کہ آپ کے مقتدا سید احمد خاں نے کہا ہے تو آپکو اس پر اہل اسلام جو فن حدیث سے واقف ہیں محض ناواقف کہیں گے

(سرسید کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے۔ سرسید کی اقتداء کا ثبوت درج ذیل ہے

احادیث مسلم الصحت کو صحیح اور درحقیقت قول نبوی قرار دینے کے لئے موافقت قرآن کو شرط ٹھہرانے میں مرزا صاحب نے سرسید کی کاسہ لیسی کی ہے۔ اس مسئلہ ہی کی کیا خصوصیت ہے، جو بات بھی آپ نے تمام مسلمانوں کے برخلاف اسلام میں نکالی ہے اس میں سرسید کی متابعت وشاگردی اختیار فرمائی ہے۔ اس مسئلہ میں جو مرزا نے کہا ہے وہ ناظرین تحریرات فریقین پر مخفی نہیں ہے۔ اب ناظرین ان کے پیر و مرشد سرسید احمد کا کلام سنیں اور فرع کی اصل سے فقرہ بفقرہ مطابقت کرلیں۔

سرسید احمد نے تہذیب الاخلاق نمبر ۲۰ جلد ۲ مطبوعہ یکم ذی الحجۃ ۱۲۸۸ھ میں مضمون نمبر ۶۱ بعنوان اقسام حدیث شائع کیا ہے۔ اس کی تمہید میں آپ نے کہا ہے

. انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اس کے مسائل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہے۔ اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اس کے دماغ اور عقل کو کند اور خراب کر دیتی ہے۔ اسلئے جو لوگ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب وشائستگی پر بحث کرتے ہیں ان کو ایسے مسائل سے بحث کرنا جو غلطی سے ان چیزوں کے مانع خیال کئے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے۔

۲۔ منجملہ ان ہی موانع کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا نامعتبر حدیثوں پر بھی ہوتی ہے۔

۳۔ مسلمانوں میں یہ ایک عام خیال ہو گیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اس سے انکار کرنا کفر یا خوف معصیت ہے۔ مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سنں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اول اس بات کی بھی تحقیق کرلیں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں۔ اور در حقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا ﷺ ہے یا نہیں۔

۴۔ غالباً لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گذر گیا۔ اور جو کچھ کہ اگلے علماء تحقیق کر کے لکھ چکے ہیں وہی احادیث محققہ ہیں۔ اب ہمارے لئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اس کو صحیح لکھا ہے۔

۵۔ ہمارا بھی مطلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے۔ بلکہ ہم ان ہی حدیثوں کی نسبت جو کتب حدیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں کونسی حدیث درحقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خدا ﷺ کی ہے۔ اور کون سی ان کی نہیں، بلکہ دوسرے شخص کی ہے۔ تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کی کلام کو دوسرے شخص کی کلام سے بالکل جدا کرلیں۔ پس اس مراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علماء نے بیان کئے ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں۔

اس کے بعد سرسید نے ایک قسم حدیث بالمعنی بیان کیا ہے ۔یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے آنحضرت ﷺ کے الفاظ سے نقل نہ کیا ہو بلکہ اپنے الفاظ سے آپ ﷺ کی مراد کو بیان کیا ہو۔ دوسرا قسم حدیث در حکم مرفوع، یعنی وہ حدیث جس کو بتصریح آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو بلکہ صحابی کے ایسے قول کو جو عقل سے نہ کہا جا سکتا ہو، آنحضرت ﷺ سے مسموع قرار دے کر حدیث نبوی قرار دیا گیا ہو، گیارھویں قسم حدیث معنعن ،یعنی وہ جس کو راوی حدیث نے بلفظ عن آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہو، بارہویں قسم حدیث مؤنن ،یعنی وہ حدیث جسکو راوی نے بلفظ ان قل کیا ہو،.. اور دیگر اقسام حدیث موقوف ،مقطوع ،معلق ،مرسل یا منقطع ، بعض، مدلس، مضطر۔

۶ ۔ اس کے بعد کہا ہے یہ بارہ قسمیں حدیث صحیح کی (یہ غلط ہے ۔قسم سوم سے دہم تک کو محدثین صحیح و لائق دست آویز نہیں سمجھتے ۔ بلکہ ضعیف و ناقابل اعتماد قرار دے چکے ہیں ۔اوران اقسام کی حدیثوں کو وہ کتب حدیث ملتزم الصحۃ کے مقاصد میں نہیں لائے ۔محمد حسین) جو ہم نے بیان کی ہیں ایسی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہے گا کہ ان میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے اوران میں سے کسی کا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں ۔

پھر آپ (سرسید) فرماتے ہیں

۷ ۔ علماء متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قائم کی ہے وہ صرف ان کی رائے ہے،کوئی حدیث یا حکم من جانب شارع اس پر نہیں ۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی ان راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن ان کی طرف رکھیں ۔مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں ۔ اور کچھ بھی خیال نہ کریں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس وہ اصول یہ ہے ۔

اول ۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں ۔اگر ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ۔

اس کے بعد سرسید نے چھ اصول اور بیان کئے ہیں جو نیچری اصول ہیں ۔اور پھر کہا ہے

۸ ۔اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں ۔ پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اسی وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں ،(مثلاً بخاری میں یا مسلم میں ، کیونکہ بخاری و مسلم کا نام اوپر صاف لے چکے ہیں) مندرج ہے، حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیے بلکہ ان اصول ہفت گانہ سے اس کا امتحان کرنا لازم ہے۔ اس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری اترے اس وقت اس کی نسبت حدیث ہونے کا ظن غالب رکھنا چاہیے ۔کیونکہ اس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اس حدیث کی روائت بھی اسی قسم کی

ہے جس سے حدیث نبوی ہونے کا ثبوت نہیں ہے اس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے۔ راقم سید احمد۔

اس کلام کا فقرہ اول تمہیدی ہے۔ باقی فقرات میں جو کہا گیا ہے۔ وہ قادیانی کی کلام میں موجود ہے۔

فقرہ دوم وسوم میں جو احادیث کو غلط و نامعتبر کہا گیا ہے اور ان کے درحقیقت قول وفعل وتقریر نبوی ہونے سے انکار کیا گیا ہے، یہ بات مرزا صاحب بخاری و مسلم کی نسبت بارہا کہہ چکے ہیں۔ اور ان احادیث کے درحقیقت احادیث نبوی ہونے سے انکار کر چکے ہیں۔

فقرہ چہارم پنجم ہفتم وہشتم میں راویان حدیث کی نسبت حسن ظن وادب کا بھی اظہار کیا ہے اور ان کے اصول روایت اور تحقیق کو مان کر ان کی احادیث کو بظن غالب صحیح قرار دیا ہے ومعہذا ان احادیث کے بلاتحقیق صحیح مان لینے کو اندھا پن قرار دے کر موافقت قرآن سے ان کی صحت کا امتحان ضروری ٹھہرایا ہے۔ یہ بات مرزا قادیانی کی اکثر تحریرات سابقہ وتحریر آئندہ نمبر ۸ میں پایا جاتا ہے۔

فقرہ ہشتم میں اور فقرہ ششم کے آخر میں جو ان احادیث کا بالجزم والیقین کلام نبوی نہ ہونا بیان کیا گیا ہے، یہ بھی مرزا صاحب کی ہر ایک تحریر میں موجود ہے۔

ناظرین تحریرات قادیانی کو بغور وتوجہ ملاحظہ فرمائیں گے تو یقین وایمان لائیں گے کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحۃ کو مخالف قرآن ہونے یا غیر قطعی ہونے کے بہانہ سے رد کرنا، قادیانی نے سرسید سے سیکھا ہے اور جو کچھ اس باب میں اس نے کہا ہے وہ سرسید ہی کا اولچہ ہے۔

رہا بیان اس امر کا کہ سرسید احمد کی ان باتوں کا جن میں قادیانی نے ان کی تقلید وشاگردی کی ہے، کیا جواب ہے۔ سو اس مکان میں اجنبی ہے۔

یہ بیان ہمارے مضمون حدیث نبوی اور نیچری وعیسائی میں جو اشاعۃ السنۃ جلد پنجم کے متعدد نمبروں میں (۲ تا ۵) میں درج ہے، شائع ومشتہر ہو چکا ہے۔ ناظرین ان نمبروں کو ملاحظہ فرماویں گے تو جان لیں گے کہ ان تمام باتوں میں سرسید احمد نے دہوکہ کھایا اور مرزا قادیانی وغیرہ اتباع وتلامذہ کو دہوکے کے گرداب میں ڈال دیا۔

یہ احادیث صحیحہ کو ظنیت ومخالفت قرآن کے بہانہ سے رد کرنے میں سرسید احمد کے شاگرد ہونے کا ثبوت ہے۔ اب چند اور مسائل مخالفہ اسلام میں مرزا صاحب کا شاگرد سرسید احمد ہونا ثابت کرنے کی غرض سے بطور تمثیل تصانیف سرسید احمد اور تصانیف مرزا قادیانی سے ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور رسالہ اشاعۃ السنہ میں ان مسائل کے مواضع جواب کی بھی نشان دہی کی جاتی ہے۔

☆ ۱۔ اپنے خیالی نیچر کو خدا کی قدرت کا قانون قرار دینے اور اس کی دست آویز سے عقائد اسلام کو رد

کرنے کا مسئلہ قادیانی نے سرسید احمد سے لے کر توضیح المرام ص ۵ و ۶، ازالہ اوہام ص ۴۵ و ۱۴۶ میں ذکر کیا ہے۔ جن کی اصل عبارارت اشاعۃ السنہ نمبر ۱۳ میں بضمن فتوی تکفیر منقول ہیں۔ سرسید نے یہ مسئلہ تہذیب الاخلاق نمبر ۱۱ ج ۵، تہذیب نمر ۲ جلد ۶۔ تہذیب ماہ رجب ۸۶ ھ میں بیان کیا تھا۔ اور اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ج ۶، نمبر ۸ ج ۲، نمبر ۱۱ و ۱۲ ج ۳ و نمبر ۸ ج ۴ میں بیان ہوا۔ اس آخری نمبر یعنی نمبر ۸ ج ۴ میں یہ ثابت کیا گیا کہ نیچر کوئی مشخص و مقرر امر نہیں ہے۔ اس کا تقرر و تشخص انسانی قدرت سے باہر ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے خود اس امر کو سرمہ چشم آریہ میں ثابت کیا ہے اور اس کے صفحہ ۱۳ سے ۲۴ تک یہ بیان کیا ہے کہ اپنے مشاہدات و تجارب کو خدا کی قدرت کا قانون و معیار ٹھہرانا کمال درجہ کا کفر و بے ایمانی و بے ادبی ہے۔ اور اس کے صفحہ ۴۷ سے ۵۲ تک ایسے نظائر بیان کئے ہیں جس کو بظاہر قانون قدرت کے مخالف سمجھا جاتا ہے اور درحقیقت وہ قانون قدرت کے مخالف نہیں ہیں۔

☆ ۲۔ مرزا قادیانی نے سرسید احمد سے حضرت مسیح کے معجزات خلق طیور واحیائے موتی وغیرہ کے حقائق مشہورہ سے انکار کرنے اور ان کو مسمریزم یا عمل الترب قرار دینے کا مسئلہ لیا اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحات ۳۰۳ و ۳۰۵ و ۴۴۲ وغیرہ میں بیان کیا، اس کی اصل عبارات اشاعۃ السنہ نمبر ۴ ج ۱۳ میں منقول ہیں۔ اور جلد ۱۴ کے متعدد نمبروں میں جواب دیا گیا ہے۔

☆ ۳۔ مرزا قادیانی نے حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کا مسئلہ سرسید سے لے کر اپنے ازالہ اوہام صفحات ۳۷۱ سے ۳۸۲ تک بیان کیا۔ سرسید نے اسے تفسیر القرآن ج ۲ ص ۲۳ سے ۴۵ تک بیان کیا تھا۔ اور اشاعۃ السنۃ کی جلد ۱۳، اور ۱۴ میں اس کا جواب ہوا ہے (ان دونوں حوالوں کی عبارات مضمون نمبر ۴ کے حوالہ میں منقول ہیں۔ ناظرین اصل ازالہ اوہام قادیانی و تفسیر سید احمد خان میں ان عبارات کو تمام وکمال ملاحظہ فرمائیں گے تو یقین لائیں گے کہ قادیانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ تفسیر سید احمد خان سے سرقہ ہے۔ ہر چند انجیلوں میں بھی واقعہ صلیب کا قصہ مذکور ہے مگر اس قصہ میں جو اکاذیب کا نمک مرچ قادیانی نے ملایا ہے، وہ نہ انجیلوں میں ہے، نہ کسی اور آسمانی یا اسلامی کتاب میں ہے، وہ صرف سرسید ہی کی تفسیر میں ہے۔ اور اسی سے اس نے اخذ کیا ہے۔ مگر اس کو کسی قدر تقدیم تاخیر و کمی بیشی کا رنگ دے دیا ہے۔ آپ کے ایک حواری مبارک علی سیالکوٹی نے اشاعت عام رسالہ ازالہ اوہام سے پہلے اس کے بعض مضامین باطلہ کو بغرض امتحان رد و قبول اپنے رسالہ قول جمیل کے ذریعہ سے شائع کیا تو ازالہ اوہام کے اس مضمون واقعہ صلیب کو سید احمد خان کی تفسیر سے ماخوذ سمجھ کر اس کی تفصیل کو سرسید ہی کی بعینھا عبارت والفاظ سے نقل کر دیا اور یہ جتایا کہ آپ کے پیر و مرشد نے بھی اس مضمون کو اسی تفسیر سے اخذ کیا۔

☆ ۴۔ حضرت مسیح کے حق میں جو قرآن میں وما صلبوہ فرمایا گیا ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے، نہ یہ مراد کہ وہ صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے۔ یہ مضمون قادیانی نے سرسید احمد سے لے

کر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۸ پر بیان کیا جس کی عبارت یہ ہے

قرآن کریم کا منشاء و ما صلبوہ سے یہ ہرگز نہیں کہ وہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا، یعنی قتل کرنا، اس سے خدا نے مسیح کو محفوظ رکھا.

سرسید نے تفسیر القرآن ص ۴۵ ج ۲ میں یوں لکھا تھا.

و ما قتلوہ و ما صلبوہ پہلے ما نافیہ سے قتل کا سلب مراد ہے، اور دوسرے سے کمال کا، کیونکہ صلیب پر چڑھانے کی تکمیل اس وقت ہوتی جب صلیب کے سبب موت واقع ہوتی، حالانکہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوئی.

یہ قادیانی اور سرسید کی اصل عبارات ہیں اور تفصیل واقعہ صلیب ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۱ میں ہے اور تفسیر سرسید کے ص ۴۳ ج ۲ میں ۔ ان عبارات میں جو حضرت مسیح کا صلیب پر فوت نہ ہونا بیان کیا ہے، یہ کسی کتاب آسمانی یا تصنیف اسلامی میں نہیں پایا جاتا۔ قرآن نے تو سرے سے حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کی نفی کی اور یہ بات فرمادی ہے کہ و ما صلبوہ یعنی یہود نے مسیح کو صلیب پر نہیں چڑھایا۔ چاروں انجیلوں میں ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کا ذکر ہے، مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ان چاروں میں تصریح ہے کہ مسیح نے صلیب پر جان دے دی اور اس کی تجہیز و تکفین دستور یہود کے مطابق ہوئی

انجیل متی کے باب ۲۷ میں ہے

۵۰۔ تب یشوع نے بڑی آواز سے چلا کر دم چھوڑ دیا... جب شام ہوئی یوسف نامی ...ایک دولت مند جو یشوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ ۵۸۔ اس نے پلاطس کے پاس جا کر لاش مانگی تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں۔ ۵۹۔ یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی۔ اور ایک پہاڑی پتھر قبر کے منہ پر ڈھلکا کے چلا گیا۔

اور انجیل مرقس کے باب ۱۵ میں ہے ۔ ۳۷۔ تب مسیح نے بڑی آواز سے چلا کر دم چھوڑ دیا ....۴۳۔ یوسف آرمتیا آیا اور دلیری کے ساتھ پلاطس کے پاس جا کر یشوع کی لاش مانگی ۔ ۴۴۔ تب پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور صوبیدار کو بلا کر پوچھا، کیا دیر ہوئی کہ وہ مر گیا۔ جب صوبیدار سے ایسا معلوم کیا تو لاش یوسف کو دلا دی اور اس نے مہین سوتی کپڑا مول لیا اور اسے اتار کے اس کپڑے میں کفنایا۔ (تا آخر مطابق بیان سابق)۔

اور انجیل یوحنا باب ۲۳ میں ہے۔ ۴۶۔ اور یشوع نے بڑی آواز سے پکار کے کہا۔ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کے دم چھوڑ دیا۔ ۵۷۔ جب شام ہوئی یوسف نامی

آرمینیا کا ایک دولت مند جو یشوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ ۵۸۔ اس نے پلاطس کے پاس جا کے لاش مانگی۔ تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں۔ ۵۹۔ یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی۔

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں ہے ۔ ۳۰ تب یشوع نے سر جھکا کے جان دی.... ۳۷۔ لیکن انہوں نے آ کے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھید دی۔ ۴۰۔ پھر انہوں نے یشوع کی لاش لے کر سوتی کپڑے میں خوشبوؤں کے ساتھ، جس طرح دفن کرنے میں یہودیوں کا دستور ہے، کفنایا۔ ۴۱۔ اور جس جگہ کہ اس نے صلیب دی تھی ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کوئی نہ دھرا گیا تھا۔ سو انہوں نے یشوع کو یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث وہیں رکھا، کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔

ان تصریحات ونصوص اناجیل اربعہ سے پہلے سرسید نے آنکھ بند کر کے اپنی تفسیر میں مسیح کے صلیب پر فوت ہونے سے انکار کا۔ اور دلیری و بہادری کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ کسی کتاب سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی رسم تجہیز و تکفین کی حضرت عیسے کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ پھر ان کی تقلید و پیروی میں قادیانی نے اپنے آپ کو اندھا کر کے صلیب پر حضرت مسیح کے فوت ہونے سے انکار کیا اور جو سرسید نے کہا تھا سو کہا، اور اس کے ساتھ ایک اور دلیری کر کے یہ دعوی کیا کہ اس واقعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے دروغ بے فروغ ملایا ہے وہ انجیلوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور خوف خدا و ننگ دنیا کو پیش نظر رکھ کر اتنا نہ سوچا کہ چاروں انجیلوں میں تو حضرت مسیح کا صلیب پر فوت ہو جانا، پھر دستور یہودیوں کے مطابق کفنایا و دفنایا جانا بتصریح بیان کیا گیا ہے، پھر میرا جھوٹ کب تک چھپا رہے گا۔ کوئی انجیلوں کو نکال کر دیکھے گا تو مجھے کیا کہے گا؟

مرزا قادیانی میں کچھ شرم وحیا ہوتا تو اپنے اس بیان سراپا بہتان کا انجیلوں میں پایا جانا نہ بتاتا۔ صرف یہ کہتا کہ میں نے سید احمد خان کی تفسیر میں ایسا پایا ہے اور کسی کتاب آسمانی یا تصنیف اسلامی میں اس کا اثر نہیں دیکھا۔ مگر اس کو شرم کہاں؟ اور سرسید کی شاگردی کا اظہار کرنے کی جرئت کہاں؟ وہ تو سرسید احمد کے کام سے اپنا نام کرنا، اور خود استاد بننا چاہتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کی اتباع سے عار وانکار کرتا ہے، اور نمک خوردن ونمک دان شکستن پر پورا کاربند ہو رہا ہے۔ مگر خدا نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اشاعۃ السنہ کے ذریعہ سے ہر کس و ناکس کو بتا دیا کہ یہ سرسید کا چور ہے اور ان کا شاگرد ہے مگر ناشکرا۔

☆ ۵۔ صلیب سے اترنے کے بعد حضرت مسیح کو فوت شدہ قرار دینے کا عقیدہ قادیانی نے سرسید سے لے کر فتح الاسلام، توضیح المرام۔ ازالہ اوہام۔ اور اشتہار ۲ مئی ۱۸۹۱ء میں بیان کیا اور اس کی اصل عبارات اشاعۃ السنہ

نمبر۴ ج ۱۳ میں بضمن فتوی منقول ہیں ۔ سر سید نے یہ مضمون تفسیر القرآن ج ۲ صفحہ ۴۶ سے ۵۰ میں بیان کیا ۔ اور اشاعۃ السنہ نمبر ۲۔۳۔۴ جلد ۱۴ اشاعۃ السنہ میں اس کا جواب ہے ۔

☆ ۶ ۔ آیہ و ان من اہل الکتا ب الا لیؤ منن بہ میں ایمان سے حضرت مسیح کے صلیب پر مارے نہ جانے پر ایمان مراد ہونے کا عقیدہ ، مرزا قادیانی نے سر سید احمد خان سے لے کر اپنے ازالہ اوہام کے صفحات ۳۶۹ سے ۳۷۶ میں لکھا کہ کسی کو ان گروہوں سے مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین نہیں ۔ (ص ۳۷۵ ازالہ اوہام) ۔ اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان پر جو ہم نے اہل کتاب کے حالات کی نسبت ظاہر کئے ہے ایمان نہ رکھتا ہو ۔ (ازالہ اوہام ص ۳۷۴) ۔ اور سر سید احمد نے یہ مضمون تفسیر القرآن ج ۲ ص ۱۶۵ میں بیان کیا ۔ اصل عبارت یوں ہے

. یہ ہی نہیں کوئی اہل کتاب سے یقین کرے ساتھ اس کے یعنی حضرت عیسے کے صلیب پر مارے جانے کے قبل اپنے مرنے کے یعنی بعد مرنے کے وہ جان لے گا کہ صلیب پر حضرت مسیح کا مرنا غلط تھا ۔

ان کا جواب اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ کے شروع کے نمبروں میں ہے ۔

یہاں قادیانی اور سر سید احمد کی عبارتیں کیسی صاف بتا رہی ہیں کہ ان میں سے اول الذکر ، ثانی سے مسروق یا ماخوذ ہے ۔ اور اس آیت کی تاویل وتحریف میں مرزا صاحب نے سر سید احمد کی شاگردی کی ہے ۔ پھر مرزا کی اس جرئت کو ملاحظہ کرو کہ اس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۶ میں یہ ادعا سراسر افتراء کیا ہے کہ ان معنی کا انکشاف مجھے بذریعہ الہام ہوا ہے ۔ ہم کہتے ہیں سچ ہے ، یہ الہام ہوا ہے مگر خدا تعالی کی طرف سے نہیں ، بلکہ سر سید اور ان کی تفسیر سے یا معلم الملکوت کی طرف سے ۔ کما قال اللہ تعالی

و انّ الشیا طین لیو حو ن الی او لیا ئہم

اور قال اللہ تعالی یو حی بعضہم الی بعض زخر ف القول غروراْ

☆ ۷ ۔ یہ مضمون کہ روح القدس ، جبریل وغیرہ انسان کی صفت ہے جو خدا کی محبت اور انسان کامل کی محبت کے تلقی سے متولد ہوتی ہے ، مرزا صاحب نے سر سید احمد سے اخذ کیا اور توضیح المرام کے صفحہ ۲۱ میں کہا ہے

ان دو محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتے ہیں ، ایک تیسری پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے ۔

اور اس کتاب کے صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے . یہ کیفیت دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو روح امین بولتے ہیں اس کا نام شدید القوی بھی ہے اس کا نام ذوالافق الاعلی بھی ہے ۔

سر سید نے یہ مضمون تفسیر القرآن جلد اول ص ۴۹ میں یوں بیان کیا تھا

. ان باریک باتوں پر غور کرنے اور اس بات کے سمجھنے سے کہ خدا تعالی جو اپنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اس کا کوئی اصلی وجود نہیں بلکہ خدا تعالی کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا تعالی نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں، ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ پہاڑوں کی قوت صلابت، پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب و دفع۔ غرض تمام قوی جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں۔ اور جو مخلوقات میں نہیں، وہی ملائک یا ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہوتا ہے۔

☆ ۸۔ یہ مضمون کہ آنحضرت ﷺ وغیرہ انبیاء وصلحاء جو ملائکہ کی صورتیں دیکھتے ہیں یا ان کی آوازیں سنتے ہیں، یہ ان کی خیالی صورتیں ہیں، مرزا قادیانی نے توضیح مرام کے صفحہ ۷۰ میں یوں بیان کیا

. جب انسان بوجہ اقتران محبتین روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئیں رکھ دیتا ہے، معاً اس نالی میں سے فیض وحی اس کے اندر گر جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ اس وقت جبریل اپنا نورانی سایہ اس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر رکھ دیتا ہے۔ تب جس نے اس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبریل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہوتا ہے۔ یا مثلاً اس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو اس عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے، بلکہ اس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب آئینہ تم اپنے منہ کے سامنے رکھ دو گے تو تمہاری شکل کا عکس اس میں پڑے گا، یہ نہیں کہ تمہارا منہ اور سر، گردن سے ٹوٹ کر الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائے گا.

اور اسی کتاب کے صفحہ ۷۹ میں مرزا قادیانی نے لکھا

. پس جب جبریل جنبش میں آتا ہے تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے بھی نام سے موسوم کرنا چاہیے، محبّ صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے اور اس کی محبت صادقہ کا ایک عرض لازم ٹھہر جاتی ہے، تب یہ قوت خدا تعالی کی آواز سننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے۔ اور اس کے الہامات زبان پر جاری ہونے کے لئے ایک ایسی محرک حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کے پہیہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے۔ یہ قوت جو روح القدس سے موسوم ہے ہر ایک دل میں یکساں نہیں ہوتی.

اور سر سید احمد خان نے یہ مضمون تفسیر القرآن ج ۲ ص ۴۲ میں یوں بیان کیا

. تمام یہودی یقین رکھتے تھے کہ ان میں ایک مسیح پیدا ہونے والہ ہے جو یہودیوں کی بادشاہت کو پھر قائم کرے گا۔ اس لئے یہودی عورتیں بیٹا ہونے کی نہایت آرزو رکھتیں تھیں اور دعا مانگتی تھیں اور عبادتیں کرتی تھیں کہ وہ شخص ہمارا ہی بیٹا ہو۔ ایسی حالتوں میں اس قسم کی خوابوں کا دیکھنا یا بن بولنے والی آوازوں کا سننا یا متخیلہ میں کسی مجسم شئے کا دکھلائی دینا، ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی واقع ہوتا ہے .

اس عبارت سرسید میں اور قادیانی کی عبارت میں گو اس خیالی صورت کے جو انبیاء وصلحاء دیکھتے تھے پیدا ہونے کا موجب جداگانہ بیان ہوا ہے۔ مگر اس صورت کو خیالی قرار دینے میں دونوں عبارتوں کا اتفاق ہے۔ ایسا ہی اس سے پہلے مضمون کی مصدق عبارات کا، گو کسی قدر اختلاف ہے مگر قوی پر ملائکہ کا اطلاق کرنے میں دونوں کا اتفاق ہے۔ اس سے ناظرین سمجھ لیں کہ قادیانی نے مضمون نمبر ۷ و ۸ سرسید سے لیا ہے مگر اسکی ادا کے طرز بیان کو بدل دیا ہے

☆ ۹۔ یہ مضمون کہ آنحضرت ﷺ کو جسم سے معراج نہیں ہوا، قادیانی سرسید سے اخذ کر کے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۷ وغیرہ میں بیان کیا۔ اور سرسید نے تہذیب الاخلاق نمبر ۱۱ ج ۵ بابت شعبان ۹۱ھ میں بیان کیا تھا۔ اس مسئلہ کے اخذ و شاگردی میں شاگرد، استاد سے بڑھ گئے۔ استاد نے تو دور اندیشی سے کام لیا اور جسمانی معراج کو بحکم عقل محال و ناممکن قرار نہیں دیا تھا۔ اور اس انکار پر بزعم خود صرف نقلی دلائل قرآن وحدیث واقوال بعض صحابہ سے، جو اس معراج کو ایک خواب قرار دیتے ہیں، استدلال کر کے اپنے اصل مذہب اور اس کی عقلی وجہ انکار پر پردہ ڈال دیا تھا، مگر شاگرد (قادیانی) کوتاہ اندیشی سے کھل کھیلے اور جسمانی معراج کو عقلاً ناممکن و محال قرار دے کر عقلی وجوہات اور نیچرل استدلال سے اس کے مبطل ہوئے ہیں۔ استاد سرسید احمد کا اصل کلام جو پرچہ مذکور میں ہے، یہ ہے

نسبت معراج رسول خدا ﷺ کے تین مذہب ہیں۔ اول مذہب حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کا جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی ہے، نہ جسمانی۔ دوسرا مذہب چند اکابر دین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملاء اعلیٰ تک روحانی۔ تیسرا مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ بتمامہ معراج جسمانی تھی۔ میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر اور قرآن مجید اور احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ کا ٹھیک اور درست معلوم ہوتا ہے وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے .

شاگرد صاحب کا اصل کلام، جو بظاہر حضرت مسیح کے عروج آسمانی پر ایک حملہ ہے مگر اس میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے معراج کو بھی لپیٹ لیا ہے، یہ ہے جو ازالہ اوہام کے صفحہ مذکور میں ہے۔

. ماسوا اس کے اور کئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں

جن سے مخلصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ....ازانجملہ ایک یہ اعتراض کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالا تفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محالات سے ہے تو آنحضرت ﷺ کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج اس جسم کثیف (یہ لفظ آنحضرت ﷺ کے جسم شریف ولطیف کی نسبت اسی کے منہ سے نکل سکتا ہے جس کے دل میں آنحضرت ﷺ کی مطلق تعظیم نہ ہو۔ محمد حسین) کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے۔ ایسی کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے، آسمان کی سیر کر سکتا ہے ....اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

اس کلام میں مرزا صاحب نے کیسی نیچرل وجوہات سے جسمانی معراج نبوی کا بزعم خود ابطال کیا ہے اور جس قسم کا روحانی اور کشفی معراج آنحضرت ﷺ کے لئے تجویز کیا ہے اس میں اپنا حصہ بھی رکھ لیا۔ اور صاف یہ دعوی کیا ہے کہ ایسا معراج کشفی مجھے خود ہو چکا ہے۔ نعوذ باللہ۔

کبرت کلمة تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

اس کلام کو دیکھ کر بھی کوئی شخص آپ کے نیچری ہونے میں شک ظاہر کرے تو سمجھا جاوے گا کہ وہ خود نیچری ہے۔ جو ایسے ایمانی امور متشابہ الحقیقت مجہول الکنہ پر ایمان نہیں رکھتا۔

☆ ۱۰۔ یہ مضمون کہ بنی اسرائیل کا مقتول جس کا ذکر آیت و اذ قتلتم نفساً فادارئتم میں ہے، درحقیقت زندہ نہیں ہوا تھا، مرزا قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۴۹ میں یوں بیان کیا ہے۔

قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا۔ اور واقعی طور سے قالب میں جان پڑ گئی تھی۔ بلکہ اس آیت پر غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض، بعض پر تہمت خون لگاتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اصل مجرم کے پکڑنے کیلئے یہ تدبیر سمجھائی تھی کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اس کی بوٹیوں کو اس لاش پر مارو اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ تھا ان بوٹیوں کو نوبت بنوبت اس لاش پر ماریں۔ تب اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی

پکڑا جاوے۔ اب اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف دھمکی تھی، تا چور بے دل ہو کر اپنے تئیں ظاہر کردے۔ لیکن ایسی تاویل سے عالم الغیب کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تاویلیں وہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کو عالم ملکوت کے اسرار سے حصہ نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق علم عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص یہ ہیں کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ و مجہول امور کا پتہ لگ جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کسی سچائی کو ضائع نہ کریں۔ اور ہر یک حقیقت یا خاصیت جو عین صداقت ہے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں۔ علم عمل الترب ایک عظیم الشان ہے جو طبعی کا ایک روحانی حصہ ہے۔ (تا آخر صفحہ)۔

اس مضمون کو سرسید نے تفسیر القرآن ج ۱ صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۱ وغیرہ میں بیان کیا تھا جس کے بعض فقرات یہ ہیں

. اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالی تا کہ سب لوگ جو موجود ہیں اور ان ہی میں قاتل بھی ہے، مقتول کے اعضا سے مقتول کو ماریں۔ جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں وہ بہ سبب یقین اپنی بیگناہی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے، مگر اصل قاتل بہ سبب خوف اپنے جرم کے جو از روئے فطرت انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے دل میں ہوتا ہے، ہرگز ایسا نہیں کرنے کا۔ اور اس وقت معلوم ہو جائے گا۔ اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بہ سبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلا خوف کرتے ہیں، نہیں کر سکتے۔ پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

اس مسئلہ کے اخذ میں بھی شاگرد (قادیانی) صاحب اپنے استاد سے بڑھ گئے۔ استاد صاحب نے تو مقتول بنی اسرائیل کے زندہ ہونے سے انکار پر یہ پردہ ڈالا تھا کہ جو کام اس مقتول کی نسبت بحکم الٰہی کیا گیا تھا وہ صرف ایک دھمکی تھی، شاگرد صاحب نے اس پردہ کو ناکافی سمجھ کر اس انکار زندگی مقتول پر یہ پردہ ڈالا کہ وہ مسمریزم کا عمل تھا، جو نئی روشنی، نئی تہذیب والوں کی نظروں میں خوش نما معلوم ہوا۔ مگر اس سبقت کے ساتھ جو انہوں نے اپنے استاد پر دھمکی کی تجویز کے سبب یہ طعن کیا ہے کہ وہ علم عالم ملکوت اور عمل الترب سے بے نصیب ہیں، اس میں استاد کی ناشکری اور کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہے۔ اور یہ خیال نہ فرمایا کہ عمل مسمریزم کا مسئلہ تو میں نے سرسید ہی سے سیکھا ہے۔ پھر ان کو اس عمل کے علم سے بے نصیب قرار دینا ناشکری نہیں تو کیا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ اس آیت کی تاویل و تحریف کے وقت یہ تجویز عمل مسمریزم استاد کو یاد نہ آئی، مگر اس سے ان کی بے علمی و بے نصیبی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف بھول ہے جو بڑے بڑے استادوں سے ہو جاتی ہے۔ اس بھول

پر مرزا کا ان کو بے علم و بے نصیب کہنا اور اس بات پر جو ان ہی سیکھی ہوئی ہے فخر کرنا، ہرگز مناسب نہ تھا۔

اس عبارت کے آخر میں مرزا صاحب نے علم مسمریزم یا عمل الترب کو عظیم الشان کہا ہے اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۹ میں جس کی اصل عبارت فتوی تکفیر مرزا میں منقول ہے، مکروہ اور قابل نفرت کہا ہے۔ اس سے مرزا صاحب نے مثل مشہور دروغ گو را حافظہ نباشد کو سچ کر دکھایا اور یہ جتایا ہے کہ علم عمل الترب کی نسبت آپ کو کچھ واقفیت اور دلی یقین نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کے متعلق آپ نے کہا ہے، اس میں لاف زنی کی ہے، اور کذب سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے قلم سے اس کے متعلق کہیں کچھ نکل گیا کہیں کچھ۔

ان امثلہ کے نظائر قادیانی کے کلام میں اس کثرت سے ہیں کہ ان سب کو اس پرچہ میں شمار کرنا دریا کو کوزہ سے ناپنا ہے۔

☆ جیسے قادیانی کا حضرت مسیح کی نسبت یہ سوالات کرنا کہ اگر وہ جسم کے ساتھ آسمان پر ہیں تو کبھی سوتے، کبھی جاگتے ہوں گے۔ دنیوی طعام وشراب پیتے کھاتے ہوں گے۔ اوقات ضرورت میں پاخانہ پیشاب کرتے ہوں گے، اور ناخن اور بال کٹواتے ہوں گے۔ اس کے لئے کوئی چارپائی بستر ہوگا وغیرہ دیکھو ازالہ صفحہ ۱۴۷ وغیرہ

☆ اور تفسیر لیلۃ القدر میں یہ کہنا کہ اس سے کمال درجہ کی ظلمت مراد ہے، نہ درحقیقت کوئی رات۔

(فتح الاسلام صفحہ ۵۴)۔

☆ اور تفسیر سورہ والشّمس میں اس کا یہ کہنا کہ ناقۃ اللہ سے نفس انسانی مراد ہے اور سقیا سے یاد الٰہی اور معارف کا چشمہ۔ (توضیح المرام۔ ص ۶۵)

☆ اور تفسیر علامات قیامت میں اس کا یہ کہنا کہ دابۃ الارض سے علماء ظاہر مراد ہیں

(ازالہ اوہام۔ ص ۵۰۳)۔

☆ اور دخان سے یہ قحط مراد ہے جو اس وقت ملک میں پڑا ہوا ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۵۱۱)

☆ اور مغرب سے طلوع آفتاب سے یورپ میں اسلام کا پھیلنا مراد ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۵۱۵)۔

☆ اور خروج یاجوج ماجوج سے روس وانگریز کا باہم جنگ کرنا مراد ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۵۰۸)۔

☆ اور دجال سے پادری وغیرہ انگریز مراد ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۱۴۹ و ۴۹۵)۔

☆ اور خر دجال سے ریل گاڑی مراد ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۱۴۲ وغیرہ)۔

اور ان چیزوں کے حقائق مشہورہ کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اڑانا۔ چنانچہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۰۵ میں لکھا ہے

. مولوی صاحبان کوشش کر کے کوئی یاجوج ماجوج کا آدمی یا دجال کے جساسہ یا ابن صیاد کو ہی کسی جنگل سے پکڑ کر لے آویں۔ پھر کیا بات ہے۔ سب مان جائیں گے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی

آسمان پر زندہ ہیں ۔ اور مفت میں فتح ہو جائے گی ۔ حضرات اب ہمت کیجئے ۔ کہیں سے دجال شریر کے جساسہ کو بھی پکڑ یئے ۔ حوصلہ نہ ہاریں ۔ آخر یہ سب زمین پر ہی ہیں ۔ ابن تمیم کی حدیث کو مسلم میں پڑھ کر اس پتہ سے جساسہ دجال کا سراغ لگا یئے ۔ یا خبیث دجال کو ہی جو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ بشم خود دیکھ کر پھر اوروں کو دکھلا یئے تو خوب ہے ۔ انگریزوں نے ہمت اور کوشش کر کے نئی دنیا کا سراغ لگا ہی لیا ۔ آپ اس ناکارہ کام میں ہی کامیابی دکھلا یئے ۔ شائدان لوگوں میں کسی کا پتہ چلے

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گل دستہ گردد

اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خیر اسی میں ہے کہ ان بے ہودہ خیالات سے باز آ جاویں ...... یہ تحقیق اور تدقیق کا زمانہ ہے ۔ اسلام کا ایسا خاکہ کھینچ کر نہ دکھلا یئے جس پر بچہ بچہ ہنسی کرے ۔ غور کر کے سوچئے کہ یہ کروڑ ہا انسان جو صد ہا برسوں سے زندہ فرض کئے گئے ہیں، جو اب تک مرنے میں نہیں آتے ۔ کس ملک، کس شہر میں رہتے ہیں ۔ تعجب ہے کہ معمورہ دنیا کی حقیقت بخوبی کھل گئی، اور پہاڑوں اور جزیروں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا اور تفتیش کرنے والوں نے یہاں تک اس تفتیش کو کمال تک پہنچا دیا جو ایسی آبادیاں جو ابتداء دنیا سے معلوم نہ تھیں وہ اب معلوم ہو گئیں ۔ مگر اب تک اس جساسہ اور دجال اور ابن صیاد مفقود الخبر اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کے کروڑ ہا انسانوں کا پتہ نہیں ملتا ۔

اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۶۸ میں اس نے کہا ہے کہ

.اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے، ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی امید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے ۔ اگر افریقہ کے ریگستان، یا عرب کے صحرا نشین امیوں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کے اور وحشی لوگوں کی جماعتوں میں یہ بے سروپا باتیں پھیلائیں تو شائد آسانی سے پھیل سکیں، لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل اور تجربہ اور طبعی فلسفہ سے بکلی مخالف ہیں، تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز نہیں پھیلا سکتے اور نہ یورپ اور امریکہ کے محقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کی لغویات سے دست بردار ہو رہے ہیں، بطور ہدیہ بھیج سکتے ہیں ۔ جن لوگوں کے دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوی میں ترقی دیدی ہے، وہ ایسی باتوں کو کیونکر تسلیم کریں گے جس میں سراسر خدا تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول کی تنسیخ پائی جاتی ہے ۔

کتابی اصول اور توحید کو مرزا صاحب نے صرف مسلمانوں کو دام میں لانے کے لئے شامل کر لیا ہے ۔
آپ کا اصل استدلال اسی قانون قدرت یعنی نیچر سے ہے ۔ لہذا اسی کے ذکر پر اکتفاء آپ کو مناسب تھا ۔ جو حالات

دجال یاجوج ماجوج وغیرہ کے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ کتابی اصول وتوحید خداوندی کے ہرگز مخالف نہیں۔اس کی تفصیل ان امور کے متعلق عقلی بحث میں ہوگی انشاءاللہ تعالی۔ اور حدیث کے راوی صحابی کا نام ابن تمیم نہیں جیسا کہ قادیانی نے لکھا ہے بلکہ تمیم ان کا نام ہے۔مرزا قادیانی خودتو حدیث سے جاہل محض ہے، حکیم نورالدین وغیرہ سے سنی سنائی باتیں نقل کر دیتا ہے۔پس جو خیال میں آیا سولکھ مارا۔ یہ حدیث تمیم داری کی مع ترجمہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ کے نمبر ۸ میں منقول ہے۔

اور ناظرین خیال فرماویں کہ اس مقام میں اس حدیث کے مضمون پر قادیانی نے کیسی ہنسی اڑائی ہے۔ اورطرفہ یہ ہے کہ اس ہنسی اڑانے کیلئے احادیث متعلقہ دجال وابن صیاد ویاجوج ماجوج میں اس نے بہت سی باتیں خارج از قیاس ازخود ملادی ہیں۔جیسے اس کا کہنا کہ یہ کروڑ ہا انسان یاجوج ماجوج صدہا برسوں سے زندہ ہیں، مرنے میں نہیں آتے۔اورابن صیاداور دابۃ الارض بھی زندہ موجود ہیں، جن کا کسی حدیث میں ذکر نہیں اور نہ کوئی مسلمان قائل ہے، اس طعن وتمسخر کے ساتھ اسکا یہ کہنا کہ میں نیچری نہیں ہوں، کیونکہ نیچریوں کے دل میں حدیث کی عظمت نہیں۔اور میں حدیث کو مانتا ہوں اور صحیح بخاری اور مسلم کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ جانتا ہوں، کذب ونفاق اور مسلمان کو دام میں لانے کے لئے ایک جال نہیں تو کیا ہے؟

ایسے ہی بے حدو بے شمار نظائر تصانیف قادیانی میں اور بھی پائے جاتے ہیں جو بعینھا یا ان کا اصول سر سید کے کلام میں موجود ہے۔ان نظائر کی نظر سے ہمارا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ قادیانی نے جونئی بات نکالی ہے، وہ سرسید احمد سے لی ہے اوراس میں ان کی شاگردی اختیار کی ہے، گوبعض باتوں میں شاگرد نے استاد پر سبقت حاصل کرلی ہے

قادیانی نے جو سرسید احمد کی شاگردی و پیروی سے انکار کیا اور اپنی تحریر نمبر پنجم میں کہا ہے کہ نیچریوں کا اول دشمن میں ہوں۔تو اس کی ایک وجہ تو وہی آپ کی ناشکری ہے۔ جو اوپر بیان ہوئی ہے کہ آپ سرسید احمد کے کام سے اپنا نام چاہتے ہیں۔اور شاگرد ہوکر استاد کہلانے کے فکر میں ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ سرسید احمد اوران کے پیروان بہ نظر مذہب مسلمانوں میں بدنام ہیں۔لہذا ہم ان کے پیرو وشاگرد کہلا کر مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں نہیں لاسکتے۔ یہ سوچ کر آپ نے ان کے اصول ومسائل کو سرگرمی کے ساتھ رواج دیا، مگران کے شاگرد و پیرو ہونے سے انکار مناسب سمجھا۔ بلکہ کہیں کہیں ان کی مخالفت وعداوت کا اظہار بھی ضروری خیال کیا۔ چنانچہ تحریر نمبر ۵ میں آپ سے ظہور میں آیا ہے۔ایسا ہی ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۹۷ میں آپ کا سرسید کو اشارۃً علم عمل الترب سے بے نصیب کہنا ہے۔اورازالہ اوہام کے صفحہ ۵۵۵ میں تمام نیچریوں کو صراحۃً برا کہنا اور یہ دعوی کرنا ہے کہ ان کے دلوں میں قال اللہ وقال الرسول کی عظمت نہیں اور یہ لوگ حدیثوں کو نہیں مانتے۔

ولیکن عقل وحیا سے کام لے کر مرزا صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اصول نیچر کی پیروی وموافقت کے

ساتھ آپ کی یہ مخالفت ظاہری کس کام آتی ہے۔جس قدر طعن وتوہین واستہزاء بحق احادیث صحیحہ آپ کی کلام میں پایا جاتا ہے، سرسید اور ان کے اتباع کی کلام میں اس کا عشر عشیر بھی پایا نہیں جاتا، اور جن باتوں میں آپ نے سرسید کی شاگردی و پیروی اختیار کی ہے، ان کے اظہار و بیان میں آپ نے سرسید کو پیچھے چھوڑ دیا اور سبقت کا علم بلند کیا۔مثلاً

☆ ۱۔ سرسید نے تو حضرت مسیح کو صرف مردہ قرار دیا تھا۔آپ نے ان کو مار کر یا زندہ درگور کرکے ان کا عہدہ خود چھین لیا۔اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اشتہار دے دیا۔

☆ ۲۔سرسید نے تو معجزات مشہورہ حضرت مسیح سے صرف انکار کیا اور ان کو مسمریزم کا اثر قرار دیا تھا۔ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو عمل مسمریزم قرار دے کر ایک مکروہ و قابل نفرت فعل ٹھہرایا اور خود حضرت مسیح سے بڑھ کر یا اس کے برابر یہ عمل مسمریزم کر دکھانے کا دعوی کیا۔

☆ ۳۔ سرسید نے تو منصب نبوت کو وسیع کرکے اوروں (جیسے کالون۔لوتھر۔اور بابو کشب چندرسین وغیرہ) کا نبی ہونا تجویز کیا تھا۔مرزا صاحب نے ختم نبوت کو توڑ کر خود دعوی نبوت و رسالت کیا۔ اور اپنا احمد رسول مبشر بزبان عیسے علیہ السلام بنص قرآن و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد ہونا مشتہر کر دیا

پھر اس سبقت کے ساتھ آپ کا انکار شاگردی و پیروی سرسید سے کیا فائدہ بخش ہوسکتا ہے، اور اس سے آپ کا نیچری ہونا کب چھپا رہ سکتا تھا۔ان باتوں نے عام لوگوں کی نظروں میں آپ کو سرسید کا مرشد، جیسا کہ آپ چاہتے ہیں، بنا دیا۔ اور ان کو سرسید کا ذکر بھلا دیا۔مگر ہم انصاف کا خون کرنا جائز نہیں رکھتے اور الفضل للمتقدم کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور اس لئے اب تک سرسید کو آپ کا استاد اور آپ کو ان کا شاگرد مان رہے ہیں عام لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سو کہیں۔

اس بحث و بیان سے کوئی نادان اتباع سرسید احمد خان سے شائد یہ نتیجہ نکال لے کہ جو کچھ مرزا قادیانی نے کہا ہے، اگر یہ سرسید کی کلام میں بعینہ یا باصلہ موجود ہے تو قادیانی صاحب، سرسید کے شاگرد اور خلیفہ ٹھہرے، پھر ہم اپنے امام کے خلیفہ کی پیروی کیوں نہ کریں۔اور کھلے خزانہ عیسائی مرزائی کیوں نہ کہلاویں۔مگر ان کا یہ نتیجہ نکالنا محض دھوکہ کھانا ہے۔اس لئے کہ کوئی شخص کسی کا خلیفہ تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ وہ دو شرطوں کا پابند ہو، ان میں سے ایک شرط کا بھی وہ خلاف کرے گا تو ہرگز خلیفہ نہیں کہلائے گا۔

اول یہ کہ وہ اس کی پیروی اور نیابت اور خلافت کا معترف ہو۔اس کی پیروی کا منکر اور اس کے مقابلہ کا مدعی نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس کا باغی کہلاتا ہے، نہ کہ خلیفہ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس کے اصول کا پابند رہے۔ان کی مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ درصورت مخالفت اصول وہ اس کا خلیفہ نہیں کہلاتا۔ بلکہ ایک مستقل امام کہلانے کا مدعی سمجھا جاتا ہے۔

اور مرزا قادیانی میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں اور ان کی اضداد موجود۔ وہ سرسید کی پیروی و نیابت کا منکر اور ان کے مقابلہ کا مدعی اور ان کے اصول جدیدہ کی پیروی کے ساتھ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ اصول ایجاد بندہ ہیں۔ سرسید تو ان سے محض بے نصیب ہیں۔ اور ان کے اصول کے مقابلہ میں وہ بعض ایسے پرانے اصول کو بھی ہاتھ مارتا ہے جو اصول مذہب سرسید کے مخالف ہیں۔ اور اس سے وہ تناقض اور جمع بین الضدین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ مثلاً

۱۔ وہ معجزات انبیاء کا منکر ہے، مگر اپنے لئے معجزات و خوارق کے انبار وطومار تجویز کر رہا ہے۔

۲۔ وہ حضرت مسیح کے صعود و نزول جسمانی اور اس کے متعلقات و لوازم کو خلاف قانون قدرت (نیچر)، و غیر معمولی سمجھ کر اس سے منکر ہے، مگر اپنے لئے غیر معمولی الہام ثابت کر رہا ہے و علی ہذا القیاس۔

اسی وجہ سے ان کے پیر و مرشد سرسید نے اپنے پرچہ میں اس کے الہامات کے برخلاف ایک مضمون شائع کر دیا ہے جس میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس الہام کی تجویز میں وہ اصول سرسید کی پیروی سے خارج ہو گیا اور ایک ناخلف مرید اور عاق شاگرد بن گیا ہے۔ اس لئے وہ سرسید کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اب اتباع سرسید کو، اگر وہ ان کے سچے اتباع ہیں، ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس مخالفت و بغاوت کے ساتھ صرف بعض اصول جدیدہ میں اس کے پیرو سید ہو جانے کے سبب اس کو سرسید کا خلیفہ سمجھیں اور اس کی اتباع و پیروی کو سرسید کی پیروی اتباع قرار دیں۔ قطع نظر اس سے ان کو یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ وہ کون سا نیچرل عقدہ ہے جو سرسید سے حل نہیں ہوا، اور اس کو قادیانی نے حل کر دیا ہے۔ پھر پیر و مرشد کو چھوڑ کر شاگرد کی مریدی کا دم بھرنے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ محمد حسین)

سلف نے احادیث نبویہ کو بعینہ الفاظ سے نقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں شک راوی موجود ہے۔ اگر صحابہ وغیرہ رواۃ سلف میں حکایت بالمعنے کا رواج ہوتا تو دو ہم معنی لفظوں کو جیسے لفظ مومن اور مسلم ہے، شک سے بلفظ مومن او مسلم روایت نہ کیا جاتا اس مسئلہ کی تحقیق کتب اصول فقہ و اصول حدیث میں ہے۔ اور ہماری تالیفات اشاعۃ السنۃ وغیرہ میں بھی ہے۔ آپ ان کو ملاحظہ فرماویں۔

آپ شروط صحت کی تحقیق و ثبوت کو شکی فرماتے ہیں۔ و بناءً علیہ صرف اصول روایت کو مثبت صحت قرار نہیں دیتے۔ یہ امر بھی فن حدیث سے آپ کی ناواقفی کا مثبت ہے۔ مہربان من، شروط کے تحقیق و ثبوت میں محدثین نے ایسی تحقیق کی ہے کہ اس سے علم طمانیت حاصل ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ہر ایک راوی کے تحقیق حال میں کہ وہ کب پیدا ہوا، کہاں کہاں سے سفر کر کے اس نے حدیث حاصل کی، کس کس سے حدیث سنی، کس کس نے اس

سے حدیث سنی، کون سی حدیث میں وہ متفرد رہا۔ کس حدیث میں اسے وہم ہو گیا ہے۔ کس شخص نے اسکی حدیث کو بلحاظ تحقق شروط، صحیح کہا، کس نے ضعیف قرار دیا ہے وغیرہ، دفتروں کے دفتر لکھ دیئے ہیں۔ و بناءً علیہ ہر ایک حدیث کی نسبت جسکو آئمہ حدیث خصوصاً امامین ہمامین، بخاری و مسلم نے صحیح قرار دیا ہے، اور عام اہل اسلام نے اسکو صحیح تسلیم کر لیا ہے، ظن غالب صحت حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ ابن الصلاح وغیرہ آئمہ حدیث کے نزدیک شیخین کی اتفاقی حدیث جس پر کسی نے کچھ کلام نہیں کیا، مفید یقین ہے۔ آپ یقین کو مانیں، خواہ نہ مانیں، ظن غالب سے تو انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اپنی تحریرات میں اس کا اقرار کر چکے ہیں۔

اس پر جو آپ نے باستدلال آیت و ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً اعتراض کیا ہے، وہ بھی آپ کی اصول دین سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ مہربان من، ظن غالب عملیات میں لائق اعتبار ہے اور قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور دیگر آیات میں جہاں ظن کے اتباع سے ممانعت وارد ہے اس سے اعتقاد کے متعلق ظن مراد ہے، کیا آپ کو یہ مسائل معلوم نہیں یا کسی عالم سے نہیں سنے کہ اگر نماز میں بھول ہو جاوے کہ رکعت ایک پڑھی یا دو؟ تو نمازی تحری کرے اور جو ظن غالب ہو اس پر عمل کرے۔ یا اگر وضو کے ٹوٹ جانے میں شک واقع ہو تو ظن غالب پر عمل کرے، اسی وجہ سے جملہ علمائے اسلام کا، حنفی ہیں یا شافعی، اہل حدیث ہیں خواہ اہل فقہ، اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے، حالانکہ خبر واحد ہر ایک کے نزدیک موجب ظن ہے، نہ مثبت یقین۔ اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علماء اسلام نے، جن میں مقلد و مجتہد و فقیہ و محدث سب داخل ہیں، اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں۔ اور ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ انکی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں، لہذا ان کے مضمون پر اعتقاد بھی واجب ہے۔ اور اکابر آئمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ قسم کھالے کہ جو احادیث صحیحین میں ہیں، وہ صحیح نہ ہوں تو اس کی عورت پر طلاق ہے، تو اس کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی، اور اس قسم میں وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے

اتفق العلماء علی ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری و مسلم و تلقتهما الامة بالقبول و کتاب البخاری اصحهما صحیحاً و اکثرهما فوائد و معارف ظاهرة و غامضة و قد صح ان

مسلماً کا ن ممن یستفید من البخاری و یعتر ف با نه لیس له نظیر فی علم الحد یث و ہذا الذی ذکر نا من تر جیح کتا ب البخاری ہو المذ ہب المختار الذی قا له الجما ہیر و اہل ا لاتقان و الحذ ق و الغو ض علی اسرار الحد یث ۔ (مقدمہ شرح مسلم۔ ص ۵)

کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد تمام کتابوں سے صحیح تر، صحیح بخاری و مسلم ہیں ۔ ان کتابوں کو امت محمدیہ نے قبول کرلیا ہے۔ ان دونوں میں سے صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے اور فوائد و معارف ظاہرہ اور پوشیدہ میں بڑھ کر ہے اور یہ بات صحت کو پہونچ چکی ہے کہ امام مسلم، امام بخاری کا شاگرد ہے اور وہ معترف تھا کہ علم حدیث میں بخاری کا کوئی نظیر نہیں ۔ یہ بات جو ہم نے کہی ہے کہ بخاری کو مسلم پر ترجیح ہے، یہی جمہور علماء کا، جو حدیث کے خوب ماہر ہیں اور اس کی باریکیوں میں غوطہ زن، پسند کیا ہوا مذہب ہے ۔

شیخ الاسلام حافظ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں فرمایا ہے

اما جا مع البخاری الصحیح فا جل کتب ا لاسلام و افضلها بعد کتا ب الله و هواعلی فی وقتنا (یعنی سنة ثا لث عشر بعد سبع ما ة و من ثلاثین سنة یفر حو ن العلماء بعلم سما عه فکیف الیو م فلو ر حل شخص لسما عه من الف فر سخ لما ضا عت ر حلته

کہ صحیح بخاری، قرآن کے بعد اسلام کی سب کتابوں سے اجل و افضل ہے ۔ وہ ہمارے وقت (۷۱۳ھ) میں بڑے اعلی مرتبہ میں ہے۔ اس سے تیس برس پہلے سے علماء اس کی بلندی رتبہ روایت پر فخر کر رہے ہیں ۔ پھر وہ فخر آج کیونکر نہ ہو۔ کوئی شخص ہزار فرسنگ اس کتاب کے سننے کے لئے سفر اختیار کرے تو اس کا سفر ضائع نہ ہوگا۔

قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے

و اما تا لیفه یعنی البخاری فا نها سارت مسیر الشمس و دارت فی الد نیا فما جحد فضلها ا لا الذی یتخبطه الشیطا ن من المس و اجلها و اعظمها الجا مع الصحیح ۔ (قسطلانی ج ا ص ۴۱)

کہ امام بخاری کی تالیفات دنیا میں پھیل رہی اور وہاں پھرتی ہیں جہاں آفتاب پھرتا ہے۔ ان کی بزرگی کا منکر وہی شخص ہوگا جس کو شیطان نے چھوکر مخبوط الحواس کر دیا ہوگا

ان تصانیف میں سے بزرگ اور بڑی صحیح بخاری ہے۔

حافظ ابن کثیر نے کتاب البدایۃ والنہایۃ میں فرمایا ہے کہ

وکتابه الصحیح یستسقی بقرئته الغمام واجمع علی قبوله وصحته مافیه اہل الاسلام

کہ کتاب صحیح بخاری کی قرأت کے وسیلہ سے بارش کی دعا جاتی ہے، اور اس کی احادیث کی صحت وقبول پر اہل اسلام کا اجماع ہو چکا ہے۔

اور شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۹ میں) فرماتے ہیں

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانه کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین۔

کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیحین کی مرفوع متصل حدیثیں یقیناً صحیح ہیں، اور اس پر کہ یہ کتابیں اپنے مصنفوں تک تواتر کے ساتھ پہنچ چکی ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ جو شخص ان کی شان کو ہلکا جانے وہ بدعتی ہے، مومنوں کی راہ کے خلاف چلنے والا۔

اور صاحب دراسات نے (دراسات ص ۲۷۹) فرمایا ہے

و وکونھما اصح کتاب فی الصحیح المجرد تحت ادیم السماء وانھما اصح الکتب بعد القرآن العزیز باجماع من علیه التعویل فی ہذا العلم الشریف قاطبة فی کل عصر واجماع کل فقیه ردیف وموافق۔

کہ ان دونوں کتابوں کا قرآن کے بعد تمام کتابوں سے جو آسمان کے نیچے ہیں صحیح تر ہونا اور خالص صحیح حدیثوں پر مشتمل ہونا، ہر زمانہ کے جملہ علماء کے (جن پر اس علم حدیث میں اعتماد ہے) اور ہر ایک فقیہ موافق ومخالف کے اجماع واتفاق سے ثابت ہے۔

امام ابن الصلاح نے مقدمہ ابن الصلاح میں فرمایا ہے

وہذا القسم یعنی المتفق علیه مقطوع بصحة والعلم الیقینی النظری واقع به خلافاً لقول من نفی ذلک متحجاً بانه لا یفید الا الظن وانما تلقته الامة بالقبول لانه یجب علیه العمل بالظن والظن قد یخطی وقد کنت امیل الی ہذا واحسبه قویاً ثم بان لی ان المذہب الذی اخترنا

ہ اولاً هو الصحيح لا ن ظن من هو معصو م من الخطاء لا يخطى و الا مة فى اجما عها معصو مة من الخطا و لهذا كا ن الا جماع المبنى على الاجتہاد حجة مقطوعاً بها و اكثر اجماعات العلماء كذا لک ۔

کہ بخاری ومسلم کی اتفاقی حدیثیں یقینی صحیح ہیں ۔اور علم یقینی جو دلائل سے پیدا ہوتا ہے اس قسم کی صحت کے متعلق حاصل ہے ۔اس میں اس شخص کو خلاف ہے جو یقینی علم کی نفی کرتا ہے اس دلیل سے متمسک ہو کر کہ اس قسم کی حدیثیں مفید ظن ہیں اور امت نے اسی وجہ سے ان کو قبول کیا ہے، کہ ظن پر عمل کرنا اس کے نزدیک واجب ہوتا ہے اور ظن کبھی خطا بھی کرتا ہے ۔ میں بھی اس مذہب کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اس کو قوی سمجھنے لگا تھا ۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ جو مذہب میں نے پہلے اختیار کیا تھا وہی صحیح ہے کہ اس قسم کی حدیثیں قطعی ہیں کیونکہ امت محمد یہ میں اس قسم کی حدیثوں کو صحیح سمجھنے پر اتفاق کرنے میں معصوم ہے اور معصوم کا ظن کبھی خطا نہیں کرتا ۔یہی وجہ ہے کہ جو اجماع اجتہاد پر مبنی ہوتا وہ (عصمت امت اہل اجماع کی نظر سے) قطعی سمجھا جاتا ہے ۔ باوجودیکہ اجتہاد ایک ظنی امر ہے ۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے

قد قا ل امام الحر مين لو حلف انسا ن بطلاق امر ئته ان ما فى كتا بى البخارى و مسلم مما حكما بصحته من قو ل النبى ﷺ لما لز مته الطلاق و لا حنثة لا جماع علماء المسلمين على صحتهما (مقدمه شرح مسلم ص٦)

کہ امام الحرمین نے کہا ہے کوئی آدمی اگر یہ قسم کھالے کہ بخاری ومسلم کی حدیثیں صحیح نہ ہوں تو اس کی عورت پر طلاق ہے، تو اس کی یہ طلاق واقع نہ ہو گی اور نہ اس قسم میں وہ جھوٹا ہو گا کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتابوں کی حدیثیں صحیح ہیں ۔

اس مضمون کے اقوال بکثرت موجود ہیں جن کی نقل سے تطویل ہوتی ہے ۔اس کے مقابلہ میں آپ (مرزا) کا یہ کہنا کہ پندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو نہیں مانتے (یہ تعداد بھی معلوم نہیں کس ملک کے حنفیوں کی ہے ۔ ہندوستان میں تو حنفیوں کی یہ تعداد نہیں ہے ۔ ۱۸۹۱ء کے ہندوستان کے کل مسلمان چھ کروڑ ہیں جن میں حنفی ،اہل حدیث شیعہ وغیرہ سب شامل ہیں ۔محمد حسین) یہ محض ایک عامیانہ بات ہے ۔ عامی لوگ جن کی تعداد مردم شماری کے کاغذات سے آپ نے بتائی ہے بخاری کو نہ مانتے ہوں تو ان کا اعتبار نہیں ہے ۔ عالم حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے انکار نہیں

کرتے۔آپ اس دعوی میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک عالم کا متقدمین یا متأخرین سے نام بتادیں، جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ امام اعظم نے احادیث صحیح بخاری کو ان پر اطلاع پا کر چھوڑ دیا، یہ بھی ایک عامیانہ بات ہے۔آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظم صاحب کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی؟ مہربان من، امام اعظم صاحب ڈیڑھ سو سنہ ہجری میں انتقال کر کے داخل فردوس ہوئے۔اور صحیح بخاری دوسو سنہ ہجری کے بعد تالیف ہوئی۔صحیح بخاری، امام صاحب کے وقت میں تالیف ہوتی تو امام صاحب اس کو آنکھ پر رکھ لیتے۔

امام شعرانی میزان کبری ج ا کے صفحہ ۷۲ وغیرہ میں فرماتے ہیں

و اعتقا د ناو اعتقا د کل منصف فی ا لا مام ابی حنیفه بقر ینة ما رو ینا انفا منه من ذم الرا ئی و التبری منه و من تقدیمه النص علی القیاس انه لو عا ش حتی دو نت احا دیث الشریعة بعد ر حیل الحفا ظ فی جمعها من البلاد و الثغور و ظفر بها لا خذ بها و تر ك كل قیاس كا ن قا سه و كا ن القیاس قل فی مذ ہب كما قل فی مذ ہب غیره با لنسبة الیه لكن لما كانت ادلة الشریعة مفر قة فی عصره مع التا بعین و تابع التا بعین فی المدائن و القری و الثغور كثر القیاس فی مذ ہبه با لنسبة الی غیره من الآئمة ضروره لعدم و جود النص فی تلك المسا ئل التی قا س فیها بخلا ف غیره من ا لآ ئمة فا ن الحفا ظ قد ر حلوا فی طلب ا لا حا دیث و جمعها فی عصر هم من المدا ئن و القری و دو نو ها فجا د بت ا حا دیث الشریعة بعضها بعضاً ۔ فهذا كا ن سبب كثرة القیاس فی مذ ہبه و قلته فی مذا ہب غیره ۔ کہ ہمارا اور ہر ایک منصف کا امام ابوحنیفہ کی نسبت بشہادت ان اقوال کے جوان سے درباب مذمت رائے واظہار برائت از رائے ہم نقل کر چکے ہیں اور بشہادت اس امر کے کہ وہ نص کو قیاس سے مقدم سمجھتے، یہ اعتقاد ہے کہ اگر وہ احادیث کے جمع ہو جانے تک، جو حفاظ حدیث کے مختلف شہروں اور سرحدوں کے سفر کرنے کے بعد جمع ہوئیں، زندہ رہتے تو وہ ان احادیث کو لے لیتے۔اور جو قیاس وہ (ان احادیث کے نہ ملنے سے) کر چکے تھے چھوڑ دیتے اور ان کے مذہب میں قیاس کم

ہوتا جیسا کہ اور آئمہ کے مذہب میں جن کو ان احادیث پر اطلاع ہوئی تھی، کم ہوا ہے۔
ولیکن چونکہ ان کے زمانہ میں شریعت کے دلائل (حدیثیں) تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ شہروں اور گاؤں اور سرحدوں میں متفرق تھیں، لہذا ان کے مذہب میں قیاس کی کثرت ہوئی، اس ضرورت کی وجہ سے کہ ان مسائل میں جس میں انہوں نے قیاس کیا ہے ان کو حدیثیں نہ ملی تھیں اور دیگر آئمہ کا حال اس کے برخلاف رہا کیونکہ ان کے زمانہ میں حفاظ حدیث نے حدیثوں کی طلب اور جمع کرنے کیلئے شہروں اور گاؤں کے سفر کئے لہذا، ان کے زمانہ میں حدیثیں جمع ہوگئیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مذہب میں قیاس زیادہ ہوا اور دیگر اماموں کے مذہب میں کم ہوا۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ کتب احادیث امام ابوحنیفہ کے بعد تالیف ہوئیں۔ امام صاحب ان احادیث کو پاتے تو ضرور قبول فرماتے۔

اور اس سے پہلے ایک جگہ فرماتے ہیں

فلو ان الامام ابا حنیفه ظفر بحدیث من مس فرجه فلیتوضا ، لاخذبها (میزان شعرانی ص ۱۲ ج۱)۔ اگر امام ابوحنیفہ اس حدیث پر اطلاع پاتے تو اس کو قبول فرماتے کہ جو شخص اپنی شرم گاہ کو چھوئے وہ وضو کرے،

واضح رہے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم مرتبہ کتب سنن میں ہے۔ اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل حدیث کا صحیحین کو بلا وقفہ ونظر واجب العمل سمجھنا تقلید بے دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ان دلائل واصول کا اتباع ہے جو تصحیح حدیث میں مرعی رکھے گئے ہیں۔ اجماع مخالفین وموافقین جس کو مخالف وموافق نقل کرتے ہیں ان احادیث کی صحت پر بڑی روشن دلیل ہے۔ آپ اجماع کے لفظ سے گھبراتے ہیں تو اس کی جگہ تلقی وتداول امت کو، جو تعامل وتوارث کا ہم وزن ہے، قبول کریں اور یقین کے ساتھ مان لیں کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم پر جملہ فرقہائے اہل سنت کا عمل واستدلال چلا آیا ہے اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ چلی آئی ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے ان احادیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے مطابق کیوں مذہب اختیار نہ کرلیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے۔ یا بعض وجوہات ترجیح پر۔ آپ کتب اصول وفروع میں نظر نہیں رکھتے۔ آپ فتح القدیر کو جو حنفی

مذہب کی مشہور کتاب ہے یا برہان شرح مواہب الرحمٰن کو جو عرب وعجم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، ایک دو روز مطالعہ کر کے دیکھیں کہ ان میں کس عزت وادب کے ساتھ صحیحین کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، اور جس حدیث سے اختلاف کیا ہے، اس کو ضعیف سمجھ کر اختلاف کیا ہے یا اس کے معانی میں اختلاف کر کے یا دیگر وجوہات خارجیہ سے دوسری احادیث کو ترجیح دیکر اختلاف کیا ہے؟

☆ آپ فرماتے ہیں کہ حدیث پر کھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھ کر ہمارے پاس معیار نہیں، محدثین نے گو معیار صحت قوانین روایت کو ٹھہرایا ہے، مگر انہوں نے اس کو کامل معیار نہیں کہا، اور نہ قرآن کریم سے مستغنی کرنیوالہ بتایا ہے۔ اور اس دعوی کی تائید میں متعدد تحریروں میں متعدد آیات کو ذکر کیا ہے۔ جن میں قرآن مجید کے محامد علمیہ وفواضل سنیہ مسلمہ اہل اسلام کا ذکر ہے۔

مہربان من محدثین کیا، کوئی محقق مسلمان حنفی یا شافعی مقلد یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھہراتا اور یہ نہیں کہتا کہ جب کسی حدیث کی صحت پر کھنی ہو تو اس کو قرآن کریم کی موافقت یا مخالفت سے صحیح یا غیر صحیح قرار دیں، بلکہ معیار تصحیح وہ قوانین روایت ٹھہراتے ہیں کہ از انجملہ کسی قدر بیان ہو چکے ہیں، اس کی وجہ معاذ اللہ ثم عیاذاً باللہ یہ نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کا حکم و مہیمن نہیں، یا وہ امام حبل المتین نہیں، کوئی مسلمان جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے یہ نہیں سمجھتا۔ اور اگر کوئی ایسا سمجھے تو وہ سخت کافر ہے۔ ابوجہل کا بڑا بھائی، نہ چھوٹا۔ کیونکہ ابوجہل نے تو قرآن مجید کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا، یہ کافر قرآن پر ایمان لا کر اس کو اپنا نہیں بناتا، اور حکم نہیں سمجھتا۔ ایسا شخص درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اگرچہ بظاہر مدعی ایمان ہو۔ آپ نے ناحق و بلاضرورت ان آیات قرآنیہ کو ہمارے سوال کے جواب میں پیش کیا، جن میں قرآن مجید کے محامد علیہ وارد ہیں، اور ان کی بے ضرورت نقل و بیان سے اپنے اور ہمارے اوقات کا خون کیا، بلکہ توافق قرآن کو معیار صحت نہ ٹھہرانے اور اس باب میں اصول روایات کی طرف رجوع کرنے کے دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جو احادیث ان اصول روایت سے صحیح ہو چکی ہوں وہ خود بخود قرآن مجید کے موافق ہوتی ہیں اور ہرگز ہرگز وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں۔ قرآن امام ہے اور وہ احادیث، خادم قرآن اور اس کی وجوہات کی مفسر ومبین، اور ان وجوہات معانی قرآن کے جو کم فہم و

قاصر الفکر لوگوں کے خیال میں متعارض معلوم ہوتی ہیں، فیصلہ کرنے والی ہیں۔جس حالت میں ایک حدیث صحیح، دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی اوران کی باہمی تطبیق ممکن ہے۔ چنانچہ امام الآئمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے

لا اعرف انه روی عن النبی ﷺ حد یثا ن باسنا د ین صحیحین متضادین فمن کا ن عنده فلیا تینی به لأ و لف بینهما

تو پھر کسی حدیث صحیح کا مخالف قرآن ہونا کیونکر ممکن ہے۔ جو شخص کسی حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف سمجھتا ہے وہ نافہم ہے اور اپنی نافہمی سے حدیث کو مخالف قرآن قرار دیتا ہے۔ محققین اسلام ومحدثین وفقہاء ایسے نہیں ہیں کہ صحیح حدیث کو مخالف قرآن سمجھیں۔اس لئے ان کو تصحیح حدیث کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ موافقت یا مخالفت قرآن سے اس کا امتحان کریں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام قاطبۃً حدیث کی صحت، قوانین روایت سے ثابت کرتے ہیں اور بعد تسلیم صحت وحصول فراغ از تصفیہ صحت، اس حدیث کی قرآن سے تطبیق کرتے ہیں، وہ بھی ایسے طور پر کہ امام قرآن ہی رہے اور احادیث اس کی خادم ومفسر ومترجم وفیصلہ کنندہ وجوہ اختلاف درنظر اشخاص قاصر الانظار رہیں۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف توافق مضمون کسی حدیث کا، اس کی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں، اگر ان کے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں، صحیح متصور ہوں جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔اس کے مقابلہ میں جو آپ نے کہا ہے کہ قرآن خود اپنا مفسر ہے، حدیث اس کی مفسر نہیں ہوسکتی۔اس سے بھی آپ کی ناواقفیت اصول ومسائل اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔قرآن مجید نے خود حدیث کو اپنا خادم ومفسر قرار دیا ہے خدا تعالی نے قرآن مجید میں بعض احکام ایسے طور پر بیان کئے ہیں کہ وہ بلا تفصیل صاحب حدیث ﷺ کے کسی مسلمان مخاطب قرآن کی سمجھ میں نہ آتے اور نہ وہ دستور العمل ٹھہرائے جاسکتے۔ایک حکم نماز ہی کو لو۔قرآن میں اس کی نسبت صرف یہ ارشاد ہے اقیموا الصلوۃ اور کہیں اس کی تفسیر نہیں ہے کہ نماز کیونکر قائم کی جائے۔صاب الحدیث آنحضرت ﷺ (فداہ ابی و امی) نے قولی وفعلی حدیثوں سے بتایا کہ نماز ایسے پڑھی جاتی ہے تو وہ حکم قرآن سمجھ اور عقل میں آیا۔آپ کہیں گے کہ یہ کیفیت نماز تعامل سے ثابت ہے۔ اس پر سوال کیا جائے گا کہ تعامل کب سے شروع ہوا اور جس طریق پر تعامل ہوا وہ طریق کس

نے بتایا؟ اس کے جواب میں اخیر یہی کہو گے کہ حدیث یا صاحب حدیث نے۔

☆ دوسرا یہ سوال کہ وہ تعامل کن کن صورتوں پر ہوا ہے، اتفاقی پر یا اختلافی پر؟ صرف اتفاقی صورتوں میں اس کو منحصر کرو گے تو آپکو نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اختلافی صورتوں پر تعامل کا دعوی کرو گے تو اختلاف موجب تساقط ہو گا۔ یا آخر اس اختلاف کا تصفیہ احادیث صحیحہ سے ہو گا۔ جو آپس میں متوافق ہو سکتی ہیں۔

اب ہم ایک دو ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں آپ کو تعامل کا اشتباہ نہ ہو۔ قرآن کریم نے حرام جانوروں کو (جیسے خنزیر و منخنقه وغیرہ) حرام فرما کر ان کے سوا دیگر جانوروں کو حلال کر دیا اور فرمایا ہے

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا ۔ تو کہہ دے میں اس وحی میں جو میری طرف ہوئی ہے کسی کھانے والے مردار یا خون جاری کے سوا کچھ حرام نہیں پاتا۔

نیز وھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ۔ خدا وہ ہے جس نے تمہارے واسطے جو کچھ کہ زمین میں ہے پیدا کیا ہے۔

اور بعض جانوروں کی حرمت کا بیان اپنے خادم، حدیث یا صاحب الحدیث ﷺ کے حوالے کر دیا۔ وبناءً علیہ اس نے ظاہر کر دیا ہے کہ علاوہ ان جانوروں کے جن کی حرمت کا بیان قرآن میں ہے، گدھا اور درندے حرام ہیں ۔ اب فرمایئے اس حکم گدھے اور درندوں کی حرمت کی تفسیر قرآن کریم نے خود کہاں فرمائی ہے؟ اس پر وقوع تعامل کا بھی آپ دعوی نہیں کر سکتے ۔ گدھے وغیرہ درندوں کی حرمت کا اعتقاد یا اس کے استعمال کا ترک کوئی عمل نہیں ہے ۔ جس پر تعامل کا ادعا ہو سکے۔ حدیث کو یہ خدمت تفسیر و فیصلہ وجوہات، قرآن کریم نے خود عطا فرمائی ہے اور صاحب الحدیث ﷺ نے بھی اپنی کلام میں جس کو حدیث کہا جاتا ہے، اس خدمت کے عطا ہونے کا اظہار کیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا کہ جو کچھ (حکم) تمہیں رسول دے، لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

اس مضمون کی آیات قرآن میں اور بہت ہیں مگر ہم آپ کی طرح ان سب کو شمار

کر کے تطویل کلام نہیں کرنا چاہتے ۔ (آیت زیر نظر میں فرمایا گیا ہے) اے مسلمانوں جو کچھ رسول ﷺ تم کو دے (قرآن ہو خواہ وحی غیر متلو حدیث) وہ لے لو اور جس سے روکے یعنی جو حکم کسی چیز کے عدم استعمال کی نسبت دے گو وہ حکم قرآن میں نہ ہو، اس سے رک جاؤ ۔ اس ارشاد قرآن کی ہدایت و شہادت سے حضرت ابن مسعود نے وشم (جسم کو گوندھنا) پر لعنت کی وعید کو جو صرف حدیث میں وارد ہے، قرآن میں داخل قرار دیا تو اس پر ایک عورت ام یعقوب نے اعتراض کیا کہ یہ لعنت قرآن میں کہاں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جس حالت میں لعنت حدیث میں وارد ہے تو بحکم آیت و ما آتاکم الرسول فخذوہ ... یہ قرآن کریم میں وارد ہے ۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے

عن عبد اللہ قال لعن اللہ الواشمات و المتوشمات و المتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ قال فبلغ ذالک امرءۃ من بنی اسد یقال لھا ام یعقوب و کانت تقرء القرآن فاتتہ فقالت بلغنی عنک انک لعنت الواشمات و المتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ فقال عبد اللہ و ما لی لا العن من لعن رسول اللہ ﷺ و ھو فی کتاب اللہ عز و جل فقالت المرئۃ لقد قرئت ما بین لوحی المصحف فما وجدتہ فقال لئن کنت قرءتہ لقد وجدیتہ قال اللہ عز و جل ما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا ۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۵)

کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ خدا تعالی نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو جسم گودتی (سوئی وغیرہ سے جسم کی کھال میں سوراخ کر کے اس میں سرمہ وغیرہ رنگ بھرنا) ہیں اور گدواتی ہیں اور ابرو وغیرہ کے بال چنتی اور چنواتی ہیں اور دانتوں کو باریک کرتی اور کرواتی ہیں، خوبصورتی کیلئے وہ خدا کی پیدائش میں تبدیلی چاہتی ہیں ۔ یہ قول ابن مسعود کا بنی اسد کی عورت ام یعقوب کو جو قرآن پڑھی ہوئی تھی پہنچا، تو وہ ابن مسعود کے پاس آئی اور بولی یہ کیسی بات ہے جو تجھ سے پہونچی ہے کہ تو ایسی عورتوں کو لعنت کرتا ہے ۔ وہ بولے میں ایسی عورتوں کو لعنت کیوں نہ کروں جن کو رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو اور وہ لعنت قرآن میں بھی ہو ۔ وہ بولی میں نے تو قرآن مجید سب کا سب پڑھا اس میں تو کہیں یہ لعنت نہیں ہے ۔ انہوں نے کہا تو قرآن کو پڑھتی تو اس میں یہ آیت پاتی و ما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم

عنه فا نتهوا یعنی رسول جو حکم دے، لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

جناب صاحب الحدیث ﷺ نے اسی ارشاد قرآنی کے موافق ارشاد کیا ہے

عن المقدا م بن معدی کر ب قا ل قا ل رسول الله ﷺ ا لا انی او تیت القرآن و مثله معه ا لا یو شک ر جل شعبا ن علی اریکته یقول علیکم بهذا القر آ ن فیما و جد تم من حلا ل فا حلوه و ما و جد تم فیه من حرا م فحر موه و ان ما حر م رسو ل الله کما حرم الله ا لا لا یحل لکم الحمار الا هلی و لا کل ذی نا ب من السباع و لا لقطة معاهد ا لا ان یستغنی عنها صا حبها و من نز ل بقوم فعلیهم ان یقروه فا ن لم یقروه فله ان یعقبهم بمثل قراه ۔ (ابو دا ؤد ۔ص ۲۷۶) ۔

مقدام سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سن رکھو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس ساتھ ایک ایسی چیز جو اس کی مثل ہے (یعنی حدیث) سن رکھو عنقریب ایک شخص پیٹ بھرا اپنی چھپر کھٹ پر بیٹھا یہ کہے گا کہ لوگو تم قرآن کو لازم پکڑو ، اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ (یعنی جو حکم قرآن میں نہ ہو، حدیث میں ہو، اس کو نہ مانو) حالانکہ جس چیز کو رسول ﷺ نے حرام کیا ہے وہ ایسی ہی حرام ہے جو خدا نے حرام کی ہے سن رکھو تمہارے لئے آبادی کے گدھے حلال نہیں اور نہ دانت کاٹنے والے درندہ اور نہ مسلمانوں کی امان و پناہ میں رہنے والے کافر کی کوئی گری ہوئی چیز، بجز اس حالت کے کہ وہ اس سے بے پرواہ ہو۔ اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو، ان پر لازم ہے کہ وہ اسے کھانے کو دیں ورنہ اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے کھانے کی مقدار خود بخود ان کے مال سے لے لے۔

طیبی نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے

فی هذا الحد یث تو بیخ و تقریع ینشاء من غضب عظیم علی تر ك السنة و ما عمل با لحد یث استغناءً عنها با لکتا ب ۔ (طیبی شر ح مشکوۃ) اس حدیث میں بڑی زجر و ملامت ہے، جو بڑے غصہ سے پیدا ہوئی، اس شخص کیلئے جو صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھ کر حدیث کے عمل سے بے پرواہ ہو جائے۔

اس حدیث کو دارمی نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ حدیث، کتاب اللہ کے اجمال و ابہام کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ یعنی حدیث ان وجوہات و

اختلافات قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے جو کتاب اللہ کے معانی مختلفہ سے لوگوں کے خیال میں آتی ہیں۔ پھر امام یحی بن ابی کثیر سے نقل کیا ہے

قال السنة قاضية على القرآن و ليس القرآن بقاض على السنة۔

(سنن دارمی۔ ص ۷۷)

کہ حدیث اجمال قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ قرآن، حدیث کا فیصلہ کرنے والہ نہیں ہے۔ یعنی حدیث، قرآن کی وجوہات واختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ اور قرآن ایسا نہیں کرتا کہ وہ حدیث کی وجوہ اختلاف کا فیصلہ کرے۔ یعنی اس لئے کہ خدمت خادم کا کام ہے، نہ مخدوم کا۔

اور دارمی (دارمی۔ ص ۷۹) نے حسان سے نقل کیا ہے

قال كان جبريل ينزل على النبي بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن

کہ جبریل آنحضرت ﷺ پر حدیث لے کر بھی ویسے ہی نازل ہوتے جیسا کہ قرآن لے کر آتے۔ یعنی جبریل جیسا کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن اتارتے، ویسے ہی حدیث

اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے

انه حدث يوماً بحديث عن النبي ﷺ فقال الرجل في كتاب الله ما يخالف هذا قال الا اراني احدثك عن رسول الله ﷺ و تعرض فيه بكتاب الله كان رسول الله اعلم بكتاب الله منك (سنن دارمی۔ ص ۷۹)

کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی نے ایک دن آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث نقل کی تو ایک آدمی بولا قرآن میں اس حدیث کا خلاف موجود ہے۔ حضرت سعید نے فرمایا میں تجھے آنحضرت ﷺ کی حدیث سناتا ہوں تو اس کے مقابلہ میں قرآن پیش کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ تجھ سے بڑھ کر قرآن مجید جاننے والے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ یہ حدیث فرمائی ہے تو قرآن کا مطلب سمجھ کر فرمائی ہے۔ قرآن میں اس کا خلاف ہوتا تو آپ یہ حدیث کیوں فرماتے)۔

امام شعرانی نے منہج البین میں کہا ہے

اجتمعت الامة على ان السنة قاضية على كتاب الله۔ (منہج شعرانی)

کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث، قرآن مجید کی وجوہ مختلف کا فیصلہ کرنیوالی ہے۔

☆ ان آیات قرآنی واقوال نبوی وآثار سلف کے مقابلے میں جو حدیث آپ نے

تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ وہ حدیث زندیقوں یعنی چھپے مرتدوں کی بنائی ہوئی ہے اور اگر اس حدیث کو بطور فرض محال صحیح فرض کر لیا جاوے تو وہ خود اپنے مضمون کی مبطل و مکذب ہے۔ ہم اس حدیث کی رو سے پہلے اسی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں تو بحکم آیہ وما آتاکم الرسول وغیرہ اس کو موضوع پاتے ہیں۔ یہ بات میں صرف اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ آئمہ محدثین اور فقہاء اصولیوں کی کتابوں میں پاتا ہوں۔

کتاب تلویح میں ہے

وقد طعن فیه المحدثون بان فی روایة یزید بن ربیعه وهو مجهول وترك فی اسناده واسطة بین الاشعث وثوبان فیکون منقطعاً وذکر یحی بن معین انه حدیث وضعه الزنادقة۔ (تلویح ص ۲۲۹)

کہ محدثین نے اس حدیث کو اس وجہ سے مطعون کیا ہے کہ اس کے راویوں میں ایک یزید بن ربیعہ ہے جو مجہول الحال تھا اور اس کی سند میں اشعث اور ثوبان کے درمیان سے ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ لہذا یہ منقطع ہے (نہ متصل) اور یحی بن معین نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔

مولانا بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے

قال صاحب سفر السعادة انه من اشد الموضوعات قال الشیخ ابن حجر العسقلانی قد جاء بطرق لا تخلوا عن المقال وقال بعضهم قد وضعه الزنادقة وایضاً هو مخالف لقوله تعالی ما آتاکم الرسول فخذوه فصحة هذا الحدیث یستلزم وضعه ورده فهو ضعیف مردود

کہ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث سخت موضوعات سے ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو گفتگو سے خالی نہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ یعنی از خود بنا لیا ہے۔ اور نیز یہ اس قول باری کے مخالف ہے جس میں فرمایا ہے کہ رسول جو کچھ تمہیں دے، لے لو۔ پس اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں تو اس سے بھی اس کا موضوع و مردود ہونا لازم آتا ہے (یعنی اس حدیث کو صحیح مان کر اس کے مضمون کے مطابق اس کو قرآن پر عرض کیا تو قرآن نے اس کے برخلاف ہر ایک صحیح حدیث کو قبول کرنے کا حکم دیا اور اس کے مضمون کو رد کر دیا)

ابن طاہر حنفی، صاحب مجمع البحار کہتے ہیں

و ما اوردوہ ا لا صو لیین من قو لہ اذا روی عنی حد یث فا عر ضوہ علی کتا ب اللہ فا ن وافقہ فا قبلوہ و ان خا لفہ ردوہ، قا ل الخطا بی و ضعتہ الز نادقہ و ید فعہ حدیث ا نی اوتیت الکتا ب و ما یعد لہ و یر وی و مثلہ و کذا قا ل الصنعا نی و ھو کما قا ل۔ انتہی۔ (تذکرہ ابن طاہر)۔

کہ ان اصولیوں نے جو آنحضرت ﷺ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی حدیث میری طرف سے مروی ہو تو اس کو قرآن پر عرض کرو، پس اگر وہ اس کے موافق نکلے تو اس کو قبول کرو، اور اگر مخالف نکلے تو رد کر دو۔ اس کی نسبت خطابی نے کہا ہے کہ زندیقوں نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ اور اس کو آنحضرت ﷺ کا وہ قول رد کرتا ہے جس میں ارشاد ہے کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور وہ چیز جو اس کے برابر یا اس کی مانند (یعنی حدیث)۔ ایسا ہی صنعانی نے کہا ہے۔ اور حقیقت میں بھی ایسا ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

قاضی محمد بن علی شوکانی فوائد مجموعہ میں فرماتے ہیں۔

حد یث اذا روی عنی حد یث فاعر ضوہ علی کتا ب اللہ فا ن وافقہ فاقبلوہ و ان خا لفہ ردوہ قا ل الخطا بی و ضعتہ الز نا دقۃ و ید فعہ انی اوتیت القر آ ن و مثلہ معہ و کذا قا ل الصنعا نی قلت و قد سبقھما الی نسبتہ الی الزنا دقۃ ابن معین کما حکاہ الذ ہبی علی ان فی ہذا الحد یث المو ضو ع نفسہ ما ید ل علی ردہ لا نا اذا عرضنا ہ علی کتا ب اللہ خالفہ ففی کتا ب اللہ عز و جل ما آ تا کم الرسول فخذوہ و ما نہا کم عنہ فا نتہوا۔ و نحو ہ من الآ یا ت۔ (تذ کرہ مو ضوعات۔ شو کا نی۔ ص۱۲۶)۔

اس قول کی نسبت جو اصولیوں نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے، خطابی نے کہا ہے کہ اس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے اور اس کو وہ قول رسول، رد کر رہا ہے (جو پہلے گزرا) ایسا ہی صنعانی نے کہا ہے اور ان دونوں سے پہلے یحی بن معین نے اس کو زندیقوں کی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ ذہبی نے ان سے نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں خود اس حدیث موضوع کا مضمون اس کو رد کر رہا ہے، کیونکہ ہم نے اس کے مضمون کے مطابق اس کو قرآن پر پیش کیا تو وہ قرآن کے مخالف نکلا کیونکہ قرآن میں ہے کہ جو کچھ تمہیں رسول دے اس کو قبول کرو۔

☆ اور جو حدیث حارث اعور آپ نے پیش کی ہے وہ بھی اولاً صحیح نہیں، جس کتاب مشکوۃ سے آپ نے وہ حدیث نقل کی ہے اس میں اس کا جرح موجود ہے۔ جس کو آپ نے سرقہ وخیانت سے نقل نہیں کیا۔ اس میں منقول ہے

قال الترمذی ہذا حدیث اسنادہ مجہول فی الحارث مقال

ایسا ہی تقریب التہذیب میں حارث اعور کو مجہول کہا ہے۔ اور اس حارث کا حال ہم کتب اسماء الرجال سے بتفصیل نقل کریں تو ایک دفتر ہو جائے۔ یہ اعور بھی ایک دجال تھا اور اگر بطور فرض محال اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیں تو اس کے وہ معنی نہیں جو آپ نے بطور تحریف کئے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ دلائل شرعیہ یعنی قرآن وحدیث کو چھوڑ کر محض رائے والی باتوں میں خوض کریں تو اس فتنہ سے نجات قرآن سے متصور ہے اور احادیث وآثار سابقہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حدیث بھی مثل قرآن ہے وبناءً علیہ اس حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ اس فتنہ سے نجات قرآن وحدیث دونوں کے اتباع سے متصور ہے، نہ یہ کہ حدیث نبوی فتنہ ہے اور اس سے نجات مطلوب ہے۔ آپ نے اس حدیث کے ترجمہ میں لفظ احادیث کا ترجمہ حدیثوں سے کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ روئے زمین پر ایسا کوئی مسلمان نہ ہوگا جو اس کلام میں احادیث سے نبوی حدیثیں مراد لیتا ہو۔

یہاں احادیث سے مراد، لوگوں کی باتیں ہیں، جو اس کے لغوی معنی ہیں۔ اور بہت سی احادیث نبویہ میں یہ لغوی معنے پائے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں

ایاك والظن فان الظن اکذب الحدیث یعنی ظن سے بچو، ظن جھوٹی بات ہے

ایک حدیث میں ذکر ہے کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع کہ آدمی کو جھوٹا بننے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے اس کو نقل کر دے۔ یعنی صحیح وغیر صحیح کی تمیز وتحقیق نہ کرے۔

یہاں بھی حدیث سے بات کرنا مراد ہے۔ جس حدیث میں بوقت قضا حاجت دو شخصوں کی آپس میں باتیں کرنے سے ممانعت وارد ہے، اس حدیث میں بھی لفظ یحدثان بولا گیا ہے۔ کیا ان سب احادیث میں حدیث سے حدیث نبوی کی تحدیث مراد ہے۔ ہرگز نہیں (قرآن کے محاورہ میں بھی لفظ حدیث بات چیت کے معنی بولا گیا ہے)۔

☆ آپ نے اس حدیث اعور کے معنے میں تحریف کرنے کے وقت یہ غور نہ کیا کہ

حدیث کے لغوی معنی کیا ہیں۔ یا دیدہ دانستہ لوگوں کو دھوکہ دیا۔ حضرت عمر کے قول حسبنا کتاب اللہ سے جو آپ نے تمسک کیا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحۃ و الثبوت کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو کافی سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جہاں ہمارے پاس سنت صحیحہ نبویہ سے کوئی تفصیل نہ ہو، وہاں قرآن کریم کو کافی سمجھیں گے، کیونکہ اس صورت میں یہ امر ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں اس کا بیان کافی نہ ہوا ہو۔ قرآن میں اس کا بیان نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی حدیث میں ضرور اس کی تفصیل پائی جاتی۔ اس پر روشن دلیل جس سے کوئی مسلمان انکار نہ کرے، یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی تمام عمر میں اپنے سے چھوٹے رتبہ کے لوگوں کی روایات کو قبول کیا ہے، اور ان روایات سے مستغنی ہو کر عمل کتاب اللہ کو کافی نہیں سمجھا۔ اس کی تفصیل ہمارے ضمیمہ جات ۱۸۷۸ء میں بخوبی ہو چکی ہے اس مقام میں اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

☆ اول۔ قرآن مجید میں بیٹی کی وراثت کا یہ حکم بیان ہوا ہے کہ کسی شخص کی ایک بیٹی ہو تو وہ نصف مال کی وارث ہے۔ اس حکم قرآنی کے مفسر یا یوں کہیں کہ مخصص آنحضرت ﷺ کی یہ احادیث ہیں۔

گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جس کی دست آویز سیدیق اکبر نے حضرت فاطمہ کو آنحضرت ﷺ کے خالص مال سے ورثہ نہ دیا، باوجودیکہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا۔

آنحضرت ﷺ نے بیٹی بیٹے وغیرہ وارثوں کو اس حالت میں محروم الارث ٹھہرایا ہے جب کہ وہ مورث کو قتل کر دیں یا وارث و مورث کے مذہب میں اختلاف ہو جاوے۔ حضرت عمر فاروق نے ان احادیث کو قبول فرمایا اور ان پر عمل کیا اور ان احادیث سے مستغنی ہو کر آیت میراث کے عمل پر اکتفا نہ کیا۔

☆ ۲۔ قرآن مجید میں ان عورتوں کو جن کا نکاح مرد پر حرام ہے، شمار کر کے فرمایا ہے احل لکم ما وراء ذا لکم یعنی ان عورتوں کے سوا جن کا حکم حرمت نکاح قرآن میں بیان ہوا ہے سب عورتیں تم پر حلال ہیں۔ اس حکم قرآن کی تفسیر یا یوں کہیں کہ تخصیص میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جورو کی خالہ اور پھوپھی جورو کے نکاح میں ہونے کی حالت میں نکاح میں نہ لائی جائے چنانچہ فرمایا لا تنکح المرئۃ علی عمھا و لا علی خالتھا

آنحضرت ﷺ کے جملہ صحابہ نے جن میں حضرت عمر بھی داخل و شامل ہیں اس

حدیث نبوی کو قبول فرمایا ہے اور اس کو مخالف قرآن سمجھ کر اس کے عمل سے استغنا اور عمل قرآن پر اکتفا نہیں کیا۔

فاضل حبیب اللہ قندھاری نے کتاب مغتنم الحصول میں کہا ہے

ان الصحابة خصصوا و احل لكم ما وراء ذا لكم بلا تنكيح المرأة على عمتها و لا على خالتها و يوصيكم الله فى اولادكم بلا يرث القاتل و لا يتوارثان اهل الملتين و نحن معشر الانبياء لا نرث و لا نورث ۔

کہ صحابہ نے اس آیہ کے حکم کو جس میں ارشاد ہے کہ محرمات مذکورہ قرآن کے سوا اور سب عورتیں تم پر حلال ہیں اس حدیث سے مخصوص البعض ٹھہرایا ہے جس میں ارشاد ہے کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کریں اور آیت میراث کے حکم کو اس حدیث سے مخصوص البعض قرار دیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ دو مختلف دین والے آپس میں وارث نہ ہوں، اور نبی کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ انکا کوئی وارث ہوتا ہے۔

☆ ۳۔ حضرت عمر فاروق نے ایک بادیہ نشین راوی کی اس حدیث کو قبول فرمایا جس میں بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو اسکے خاوند کی دیت کا وارث کیا، باوجودیکہ قرآن مجید اس عورت کو دیت کا وارث نہیں بناتا، کیونکہ وہ دیت بعد موت شوہر کا مال ہوتا ہے اور عورت بعد موت شوہر اس کی عورت نہیں رہتی ۔ و بناءً علیہ حضرت عمر فاروق کی رائے یہ تھی کہ وہ عورت اس مال سے وراثت کی مستحق نہیں مگر جب آپ کو حدیث مذکور معلوم ہوئی تو اپنی رائے کو چھوڑ دیا اور حدیث کو قبول فرمایا۔ ترمذی میں ہے

كان عمر ابن الخطاب يقول الدية على العاقلة و لا ترث المرئة من دية زوجها شيئاً حتى قال له الضحاك بن سفيان كتب الى رسول الله ﷺ ان ورث امرئة اشيم الضبابى من دية زوجها فرجع عمر۔

(رواه الترمذى و ابو دائود)

کہ حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے کہ خون بہا عصبات وغیرہ وارثوں پر ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے خون بہا سے وارث نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ضحاک بن سفیان نے ان کو خبر دی کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے لکھا تھا کہ اشیم الضبابی کی عورت کو اس کے خون بہا سے وارث بنا، تو حضرت عمر نے اپنے قول سے رجوع کیا۔

☆ ۴۔ دیت جنین کی حدیث کو دو شخصوں کی روایت وشہادت سے آپ نے قبول کیا اوراس باب میں قرآن کریم کے حکم قصاص پر اکتفا نہ فرمایا

ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی ہے

عن ہشام عن ابیه ان عمر بن الخطاب انشد الناس من سمع النبی ﷺ قضی فی السقط فقال المغیرة انا سمعته قضی فی السقط فقال المغیرة انا سمعته قضی فی السقط بغرة عبد او امة قال ائت من یشهد معک علی ہذا فقال محمد بن مسلمه انا اشهد علی النبی ﷺ بمثل ہذا ۔ رواه البخاری ۔ و زاد ابو دائود فقال عمر بن الخطاب الله اکبر لو لم اسمع بهذا لقضینا بغیر ہذا ۔ کہ حضرت عمر نے لوگوں سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا کسی نے اس بچہ کا حکم رسول اللہ سے سنا ہے جو ماں کے پیٹ سے مردہ گرایا گیا ہو تو مغیرہ نے ہاں میں نے سنا ہے آپ نے اس کا خون بہا ایک غلام یا لونڈی مقرر کیا ہے اس پر آپ نے فرمایا تیرے ساتھ کوئی اور بھی اس بات کا گواہ ہے ۔محمد بن مسلمہ بولے ہاں میں گواہ ہوں ۔ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت عمر بولے اللہ اکبر، ہم یہ حکم نہ سنتے تو کچھ اور ہی فیصلہ کرتے۔

☆ ۵ ۔ سبھی انگلیوں کے خون بہا کے برابر ہونے کی حدیث آپ نے قبول فرمائی باوجودیکہ آپ کی رائے اس میں یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اوراس کے ساتھ والی کی دیت نو (۹) اونٹ ہونی چاہیے، بیچ والی اوراس کے ساتھ والی سبابہ کے ۱۲، اونٹ انگوٹھے کے ۱۵۔اونٹ جو بظاہران کے مختلف قوتوں اور مقداروں کی نظر سے انصاف اور عدل معلوم ہوتی ہے مگر آپ نے حدیث سنی تو قبول فرمائی، اورقرآن سے اسکے مطابق کرنے کی کچھ پرواہ نہ کی۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے عن النبی ﷺ قال ہذه ہذه یعنی الخنصر و الابهام سواء (یعنی آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ چھوٹی انگلی اورانگوٹھا برابر ہیں)

اور مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے ۔

و ترك عمر رائیه فی دیت الاصابع و کان رائه فی الخنصر و البنصر تسعا و فی الوسط و فی المسبحة اثنا عشر و فی الابهام خمسة عشر

کل ذا لک فی التیسیر قا ل الشا رح و کذا ذکر غیرہ و الذ ی فی روا یت البیہقی انہ کا ن یر ی فی المسبحہ اثنا عشر و فی الوسطی ثلا ثہ عشر بخبر عمر و بن حز م فی کل اصبع عشر من الا بل

کہ حضرت عمر نے اپنی رائے کو انگلیوں کے خون بہا میں ترک کر دیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی کا خو ن بہا نو اونٹ، بیچ والی اور کلمہ کی انگلی کے بارہ اونٹ، انگوٹھے کے پندرہ ۔ ایسا ہی کتا ب تیسیر میں ہے ۔ شا رح نے کہا ہے کہ ایسا ہی اوروں نے ذکر کیا ہے، مگر بیہقی کی روا یت میں ہے کہ حضرت عمر کلمہ وا لی انگلی کا خونبہا بارہ اونٹ خیال کرتے اور بیچ والی کے تیرہ اونٹ ۔ اس رائے کو آپ نے عمرو بن حزم کی اس حدیث سے ترک کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک انگلی کا خون بہا دس اونٹ مقرر کئے ہیں ۔

اس مضمون کی اور بہت مثالیں ہیں مگر ہم آپکی طرح تطویل پسند نہیں کرتے ۔ ان امثلہ کو دیکھ کر کس و نا کس بشرطیکہ ادنی فہم و انصاف رکھتا ہو ہرگز نہ کہے گا کہ حضرت عمر نے جو فرمایا ہے کہ ہم کو کتاب اللہ کافی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبوی کی ہم کو حاجت نہیں اور قرآن اس کی جگہ کافی ہے، اور نہ یہ مراد ہے کہ جب تک کسی حدیث کی شہادت قرآن میں نہ پائی جائے وہ لائق قبول نہیں ۔ بلکہ اس سے مراد صرف وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس مسئلہ میں سنت صحیحہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کافی ہے ۔ اس قول فاروقی کے مورد کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں مگر اس کی بحث تفصیلی میں تطویل ہوتی ہے، کیونکہ اس میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کو جو اس قول کی نسبت ہے، ذکر کرنا پڑتا ہے، جس سے بحث مقصود سے خروج لازم آتا ہے ۔

☆ امکان تضعیف وتوہین حدیث صحیحین پر آپ نے ایک یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو تم اسکی تفتیش کرو ۔ یہ دلیل بھی آپ کی ناواقفی پر ایک دلیل ہے ۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بری ہیں اور ان کی عدالت ثابت و متحقق ہو چکی ہے اسی نظر سے ان کتابوں کی احادیث اتفاق اہل اسلام کے ساتھ صحیح تسلیم کی گئی ہیں ۔

امام ابن حجر مقدمہ فتح الباری (ص ۲۴۴) میں فرماتے ہیں ۔

ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخریج صا حب الصحیح لا ی را و ی

کان مقتضی بعدا لته عنده عنده و صحة ضبطه و عدم غفلته و لا سیما ما انصا ف الی ذا لک من اطلاق جمہور ا لآ ئمة علی تسمیة الکتا بین با لصحیحین و ہذا المعنی لم یحمل لغیر من خر ج عنه فی الصحیحین فھو نہا یت اطباق الجمہور علی تعدیل من ذکر فیھما ۔ ہذا اذا اخر ج له فی ا لا صو ل فا ما ان اخر ج له فی المتابعا ت و الشوا ہد و التعا لیق فھذا یتفاوت در جا ت من اخر ج له فی الضبط و غیره مع حصو ل اسم الصدق لھم و حینئذ اذا و جد نا لغیره فی احد منھم طعنا فذالک الطعن للتعدیل لہذا ا لا ما م فلا یقبل ا لا مبین السبب مضرا بقا د ح یقدح فی عدا لت ہذا الراوی و فی ضبطه مطلقاً او فی ضبطه الخبر بعینه لا ن ا لاسبا ب الحا ملة للآ ئمة علی الجر ح متفا وتة منھا ما یقد ح و منھا ما لا یقد ح و قد کا ن الشیخ ابو الحسن المقدسی یقول فی الر جل الذی یخر ج عنه فی الصحیح ہذا جاز القنطرة یعنی بذ لک انه لا یلتفت الی ما قیل فیه قا ل الشیخ ابو الفتح القشیری فی مختصره و ہکذا نعتقد و به اقول و لا یخرج عنه ا لا بحجة ظا ہرة و بیا ن شاف یزید فی غلبة الظن علی المعنی الذی قد منا ہ ۔ من اتفاق الناس بعد الشیخین علی تسمیة کتا بیھما بالصحیحین و من لوا زم ذا لک تعدیل روا تھا ۔ قلت فلا یقبل الطعن فی احد منھم ا لا بقا د ح وا ضح ،

کہ ہر ایک منصف کو یہ جان لینا چاہیے کہ صحیح (بخاری یا مسلم) کے مصنف کا کسی راوی کی حدیث کو روایت کرنا اس کے نزدیک اس کے عادل ہونے اور اس کے ضبط کے صحیح ہونے اور اس کے غافل نہ ہونے کا مقتضی ہے، خصوصاً اس حالت میں کہ اس امر کے ساتھ جمہور علماء کا ان دو کتابوں کے صحیح کہنا ملایا جائے، یہ معنی ان راویوں میں پائے نہیں جاتے جن سے صحیحین میں روایت حدیث نہ ہوئی ہو۔ ان کتابوں کو صحیح کہنا ان کے راویوں کے عادل ہونے پر جمہور علماء کا پرلے سرے کا اتفاق ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ان راویوں سے اصل روایات میں روایت کی گئی ہو اور اگر انکی روایات اصل روایات کے شواہد و متابعات میں ہو تو پھر ان راویوں کے درجات ضبط وغیرہ مختلف ہیں یعنی بعض اعلیٰ بعض ادنی،

ومعہذا راست گو ہونے کا نام ان سب راویوں پر صادق آتا ہے۔ جب یہ قرار پایا تو جب ہم کسی اور محدث کا کوئی طعن واعتراض ان کتابوں کے کسی راوی کے حق میں پائیں گے تو یہ طعن مصنف کتاب کے اس راوی کو عادل کہنے کے مقابل ہوگا۔ سو بلا بیان سبب طعن جو مفسر ہو اور اس راوی کے عادل ہونے کو توڑ سکے، یا اس کے ضابط ہونے میں خلل انداز ہو، مقبول نہ ہوگا کیونکہ اسباب طعن جو موجب جرح سمجھے جاتے ہیں مختلف ہوتے ہیں، بعض قدح ضبط وعدالت کرتے ہیں، بعض نہیں کرتے (لہذا اس کی تفصیل سے ضروری ہے) شیخ ابوالحسن مقدسی اس شخص کے حق میں، جس سے کتاب صحیح میں روایت ہو چکی ہو، فرمایا کرتے تھے کہ یہ پل کے اس پار اتر گیا ہے، یعنی اس کے حق میں کسی کا طعن سنا نہ جائے گا۔ شیخ ابوالفتح قشیری اپنی مختصر میں فرما گئے ہیں کہ ہم بھی ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں، اس سے بجز دلیل روشن اور بیان شافی کے جو محدثین کے بالاتفاق صحیح کو صحیح کہنے پر جس سے رواۃ صحیحین کا عادل ہونا لازم آتا ہے فوقیت رکھے عدول نہ کیا جائے گا۔ میں (صاحب فتح الباری) کہتا ہوں پس ان راویوں میں کسی کا طعن وجرح بلا بیان سبب جو قادح عدل وضبط نہ ہو، مقبول نہ ہوگا۔

☆ اس کے مقابلہ میں جو آپ (مرزا) نے لکھا ہے کہ امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ یہ آپ کی ناواقفی پر ایک اور دلیل ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ روایت اور شہادت کا حکم ایک ہے۔ جس میں فعلی صدور کذب مانع قبول واعتبار ہے نہ امکانی۔ اور اگر امکانی کذب بھی مانع قبول واعتبار ہوتا، تو خدا تعالی کسی گواہ کی شہادت بجز نبی معصوم قبول نہ کرتا۔ اور نہ عدالت شہود کا نام لیتا اور مسلمانوں کو یہ اجازت نہ دیتا واشھدوا ذوی عدل منکم یعنی دو گواہ عادل گواہ بناؤ، اور نہ فرماتا ممن ترضون من الشھداء یعنی ان لوگوں کو گواہ بناؤ جن کو پسند کرو۔ یعنی بلحاظ ان کے عدل و استقامت کے اچھا سمجھو۔ بلکہ صاف یہ فرماتا کہ ہر معاملہ میں نبی معصوم کو گواہ کر لیا کرو کیونکہ امکان کذب وغیرہ جو بقول آپ (مرزا) کے بجز نبی معصوم کے، ہر ایک گواہ میں موجود ہے۔ اور امید ہے کہ یہ بات آپ بھی نہ کہیں گے کہ امکان کذب کی نظر سے شہادت بجز نبی معصوم کسی کی مقبول نہیں، پھر اس امکان کذب کی نظر سے روایت حدیث کو کیوں ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ آپ کے ایسے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل ناآشنائی ہے۔ آپکو کتب حدیث پر اتفاقی نظر بھی نہیں پڑی۔ صحیح مسلم کا صفحہ ۶ اگر آپکی

نظر سے گذرا ہوا ہوتا تو آپ ہرگز اس آیت سے اپنے دعوی پر استدلال نہ کرتے۔ یہ تو اس امر کی دلیل ہے کہ جب راویوں یا ناقلوں کے ظاہری صدق وعدالت کا حال معلوم نہ ہو تو ان کو بلاتحقیق قبول نہ کرو، نہ یہ کہ جن کا صدق وعدالت تم کو ثابت ہو ان کو نقل و روایت میں اس خیال سے کہ ان سے صدور کذب ممکن ہے بلاتحقیق جدید نہ مانو۔

صحیح مسلم کے صفحہ ٦ میں ہے

و اعلم وفقک الله ان الوا جب علی کل احد عر ف التمیز بین صحیح الروا یا ت و سقیمها و ثقا و ت النا قلین لها من المتهمین ا ن لا یروی منها ا لا ما عرف صحت مخا ر جه و الستا رة فی نا قلیه و ان یتقی منها عن اہل التهم و المعا ند ین من اہل البد ع و الد لیل علی ان الذ ی قلنا من ہذا هو ا للا زم دو ن ما خا لفه قو ل الله تبا ر ك و تعا لی ذکره یا یها الذ ین آ منوا ان جا ء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قو ماً بجہا لة فتصحبحوا علی ما فعلتم نا دمین ۔ و قا ل جل ثنائه ممن ترضو ن من الشہداء ۔ و قا ل و اشہدوا ذوی عد ل منکم ۔ فد ل بما ذکرنا من ہذه ا لآ ی ان خبر الفاسق سا قط غیر مقبو ل و ان شہادة غیر العدل مردودة و الخبر ان فارق معناه معنی الشہا د ت فی بعض الوجوه فقد یجتمعا ن فی اعظم معا نیهما اذ کا ن خبر الفا سق غیر مقبو ل عند اہل العلم کما ان شہادته مردودة عند جمیعهم ۔

تو جان لے کہ ہر شخص پر جو صحیح و غیر صحیح روایات میں ثقہ اور غیر ثقہ راویوں میں تمیز رکھتا ہو، یہ واجب ہے کہ وہی حدیث روایت کرے جس کے مخرج (جہاں سے وہ حدیث نکلی اور مروی ہوئی ہے) کی صحت پہچان لے اور اس کے راوی کا مستور ہونا جان لے۔ اور جو روایت متہم اور مخالفین حق اور اہل بدعت سے مروی ہو اس سے بچے اس پر دلیل وہ آیت ہے جس میں یہ ذکر ہے۔ اے ایمان والو کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو تم اس کی تحقیق کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو پھر اپنے کئے پر نادم ہو۔ اور وہ آیت جس میں ارشاد ہے کہ جن گواہوں کو تم پسند کرو اور وہ قول جس میں فرمایا ہے دو گواہ عادل کو گواہ بناؤ۔ ان آیتوں سے ثابت ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے، مقبول نہیں ہے۔ اور غیر عادل کی شہادت

مردود ہے اور خبر اگرچہ بعض اوصاف میں شہادت سے متفارق ہے مگر بڑی بھاری اوصاف میں وہ دونوں متفق ہیں، کیونکہ فاسق کی خبر اہل علم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی شہادت نامقبول ہے۔

☆ میرے اس سوال کے جواب میں کہ قرآن مجید کو احادیث صحیحہ کا معیار صحت ٹھہرانے میں آپ کا کوئی شخص امام یا موافق ہے، جو آپ نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمان جو قرآن کو امام جانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اس مسئلہ میں میرے موافق ہیں اور خاص کر صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی میرا موافق ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم سے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اس کو پہلے کتاب اللہ پر عرض کرو حدیث من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر کو قرآن پر عرض کیا اور تیس سال کے بعد اس کو آیت اقیموا الصلوة و لا تكونوا من المشركين کے مطابق پایا تو اس حدیث کو قبول کیا۔

اس کے پہلے حصہ کا جواب تو سابقاً گذر چکا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن کو امام ماننا اور اس پر ایمان لانا، یہ نہیں چاہتا کہ وہ کوئی حدیث صحیح جب تک کہ اس کو قرآن پر عرض نہ کریں قبول نہ کریں۔ بلکہ وہ ایمان ان کو یہ سکھلاتا ہے کہ وہ حدیث کو جب اس کی صحت کا بقوانین روایت ثابت ہو، فوراً قبول کریں اور اس کو قرآن مجید کی مانند واجب العمل سمجھیں، صرف قرآن مجید کو کافی سمجھ کر اس حدیث سے استغنا نہ کریں۔

رہا جواب دوسرے حصہ کا کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کے اعتقاد کے موافق عمل کیا ہے اور حدیث من ترك الصلوة متعمداً کو قبول نہ کیا جب تک کہ اس کو آیت اقیموا الصلوة کے مطابق و موافق نہ پایا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام صاحب حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کا مطلب بیان کرنے میں آپ نے دو وجہ سے دھوکہ کھایا ہے، یا دیدہ دانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔

وجہ اول یہ ہے کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کی مانند یہ عام اصول نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحت کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی صحت کا امتحان اس اصول سے کیا جائے، اور جب تک وہ حدیث مطابق قرآن نہ ہو، اس کو صحیح نہ سمجھا جائے۔ ان کی کلام میں اس عام اصول کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور نہ آپ نے یہ عام اصول ان سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے صرف اس ایک حدیث من ترك الصلوة کو کتاب

اللہ پر عرض کیا۔ اور اگر اس حدیث کے سوا اور احادیث کو بھی انہوں نے اسی عرض کے ذریعہ سے صحیح قرار دیا ہے، تو آپ یہ امر ان سے بنقل صحیح ثابت کریں، ورنہ آپ پر یہ الزام قائم ہے کہ آپ جزء واقعہ کو عام اصول بناتے ہیں، اور خود دھوکا کھاتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس پر اگر یہ سوال کرو کہ ان کے نزدیک یہ اصول تصحیح روایت عام مقرر نہ تھا، تو انہوں نے اس حدیث من ترك الصلوة کو قرآن پر کیوں عرض کیا؟ تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت معنی میں ان کو کچھ شک ہوگا، اس شک کو رفع کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ عمل کیا، یا یہ کہ باوجود تسلیم صحت و عدم شک انہوں نے حصول مزید طمانیت کے لئے ایسا کیا، اور اس حدیث کے اعتقاد کو اور پختہ کرلیا۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہو کہ اس مسئلہ کا عام اصول ہونا خود اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے، اس صورت میں یہ اصول گویا آنحضرت ﷺ کا مجوزہ اصول ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہونا، بلکہ زندیقوں، چھپے کافروں کی بناوٹ ہونا، سابقاً بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کا بحکم نبوی عام اصول ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

دوسری وجہ یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کی کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جب تک شیخ طوسی نے اس حدیث کو آیت اقیموا الصلوة کے موافق نہ کرلیا تھا تب تک اس کو غیر صحیح یا وضعی سمجھا تھا۔ یا تیس سال کے عرصہ تک اس حدیث کی صحت یا عدم صحت کی نسبت کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ کیوں جائز نہیں کہ وہ اس حدیث کو مان چکے تھے مگر مزید اطمینان کے لئے وہ تیس برس تک قرآن مجید سے اس کا متوافق ہونا تلاش کرتے رہے۔ آپ سچے ہیں تو اس احتمال کو دلیل سے اٹھاویں اور بنقل صریح ثابت کریں کہ شیخ طوسی تیس سال تک اس حدیث کو غیر صحیح یا موضوع سمجھتے رہے یا اس کی صحت میں متردد و متوقف رہے۔ اس احتمال کو بدلائل اٹھا کر اس امر کو بنقل صریح ثابت کرنے کے بغیر آپ کا اس قول طوسی سے استدلال کرنا اور اس پر یہ درخواست کرنا کہ میں نے ایک آدمی کا نام اپنے موافقین سے بتادیا، اب آپ ضد چھوڑیں۔ کمال تعجب کا محل ہے اور شرم کا موجب ثبت العرش ثم انقش آپ شیخ اسلم طوسی سے اس عرض کا عام اصول صحت احادیث ہونا، یا تیس سال تک خاص کر حدیث من ترك الصلوة کی صحت میں متوقف رہنا، ثابت کریں۔ تو ہمارے انکار کو ضد کہیں۔ یہ نہ ہوسکے تو اس حدیث کی صحت ہی ثابت کریں۔ پھر ہم شیخ طوسی سے ان

امور کا ثبوت بہم پہونچانے کے طالب نہ رہیں گے۔ اور اس حدیث کو جس کا مضمون خود ایک اصول ہے، تسلیم کر کے اپنے انکار سے رجوع کریں گے۔ و اللہ ثم باللہ، ثم باللہ، و کفی باللہ شہیدا و کفی باللہ وکیلا۔

اور اگر آپ صحت حدیث ثابت نہ کرسکیں یا شیخ طوسی سے امور مذکورہ بنقل صریح ثابت نہ کریں تو آپ اپنے مخترعہ مستحدثہ اصول پر اصرار وضد چھوڑ دیں۔ زیادہ ہم کیا کہیں۔

☆ ۵۔ آپ لکھتے ہیں کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے، کچھ شک میں ہیں؟ یہ کمال دھوکہ دہی ہے اور اپنے پرچہ نمبر ۵ میں میرا یہ اقرار کہ میں قرآن کو امام جانتا ہوں اور احادیث صحیحین کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتا، نقل کرنے کے بعد یہ استفسار ایک افتراء ہے، جس سے مقصود صرف اپنے بے علم مریدوں کو میری طرف سے بدظن کرنا ہے اور یہ جتانا ہے کہ یہ شخص قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ جو شخص قرآن کو حکم و امام نہ مانے، وہ کافر ہے۔ اب پھر کہتا ہوں کہ قرآن ہمارا حکم، امام، میزان، معیار، قول فیصل وغیرہ ہے، مگر اپنے غیر پر، یعنی لوگوں کے باہمی اختلافات و تنازعات پر جو رائے پر مبنی ہوں اور حدیث صحیح تو خادم و مفسر قرآن اور وجوب عمل میں مثل قرآن ہے، وہ اس سے مخالف و منازع نہیں، اور کسی مسلمان کا اسکی صحت قبول کرنے میں اختلاف نہیں تو پھر قرآن اس کی صحت کا حکم و معیار و محک کیونکر ہوسکتا ہے۔

اے خدا کی مخلوق، خدا سے ڈرو۔ مسلمانوں کو دھوکہ میں نہ ڈالو۔ قرآن و حدیث صحیح ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں تو پھر ایک دوسرے کے محک و معیار ہونا کیا معنے رکھتا ہے؟

☆ آپ کہتے ہیں کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے، ضعیف ہونا اور ہے۔ اور میں نے صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کے ضعیف ہونے کا امام بخاری کو قائل قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کیا تو اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہے، جس کو موضوع ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔

اس قول میں ایک تو آپ نے دھوکہ دیا ہے۔ دوسرا اپنی ناواقفی کا اظہار کیا ہے۔ دھوکہ یہ کہ یہاں آپ ضعیف اور موضوع میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے نزدیک جو حدیث موافق قرآن نہ ہو، وہ موضوع ہے اور کلام رسول ہونے سے خارج، نہ

اور قسم کی ضعیف ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی تحریرات نمبر۲ وغیرہ میں ایسی حدیثوں کو کبھی موضوع کہتے ہیں کبھی غیر صحیح وضعیف، جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کی اصطلاح میں موضوع وضعیف ایک ہے ۔ اور صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کو بھی آپ قرآن کریم کے مخالف سمجھتے ہیں اور اپنے ازالہ اوہام میں اس کی وجوہ مخالفت بڑے زور سے بیان کر چکے ہیں۔ لہذا وہ آپ کے نزدیک موضوع ہے، نہ اور قسم کی ضعیف ۔ یہاں اپنے اس اعتقاد کو چھپا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں ۔

جس ناواقفی کا آپ نے اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ روایت صحیح مسلم کو امام بخاری کے ترک کرنے سے آپ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، صحیح سمجھتے تو وہ اس کو ضرور اپنی کتاب میں لاتے ۔ یہ بات وہی شخص کہے گا، جس کا حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی گزر نہ ہوا ہو۔ امام بخاری نے بہت سی احادیث صحیحہ کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور یہ فرمادیا ہے کہ میں نے ان کو بخوف طوالت ترک کر دیا ہے۔

صحیح بخاری کے مقدمہ (صفحہ۶) میں ہے

و روی من جهات عن البخاری قال صنفت کتابی الصحیح بستة عشر سنة خرجته من ستمائة الف حدیث و جعلته حجة بینی و بین الله و روی عنه قال رئیت النبی ﷺ فی المنام و کانی واقف بین یدیه و بیدی مروحة اذب عنه فسالت بعض المعبرین فقال انت تذب عنه الکذب ۔ فهو الذی حملنی علی اخراج الصحیح۔ و روی عنه قال ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صح و ترکت کثیراً من الصحاح لحال الطول ۔

امام بخاری سے کئی سندوں سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اپنی کتاب صحیح کو سولہ سال میں جمع کیا ہے اور وہ کتاب چھ لاکھ حدیث کا انتخاب ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے سامنے میری دست آویز ہے ۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور ان کو پنکھا کر رہا ہوں ۔ میں نے بعض تعبیر دانوں سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے یہ تعبیر بتائی کہ تو آنحضرت ﷺ سے جھوٹ دور کر رہا ہے ۔ یہی خواب مجھے اس کتاب کے جمع کرنے پر باعث ہوا۔ امام بخاری سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کو داخل کیا ہے اور بہت سی صحیح حدیثوں کو طوالت کے

خوف سے ترک کر دیا ہے۔

امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد ہیں۔ باوجودیکہ صحیح بخاری میں چار ہزار احادیث منقول ہیں، جس سے ثابت ہے کہ مزید چھیانوے ہزار حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح ہے جن کو وہ اپنی کتاب میں نہیں لائے۔

و جملة ما فی الصحیح البخاری من الاحادیث المسندة سبعة آلاف و ماءتان و خمسة و سبعون حدیثاً بالاحادیث المکررة و بحذف المکررة نحو اربعة آلاف ۔کذا ذکر النووی فی التہذیب و الحافظ ابن حجر فی مقدمة فتح الباری ۔ کہ صحیح بخاری کی حدیثوں کی تعداد سات ہزار دوسو ۷۵ ہے اگر مکرر احادیث کو شمار کریں اور اگر مکرر کو چھوڑ دیں تو کل چار ہزار حدیثیں ہیں ایسا ہی امام نووی نے تہذیب میں اور ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

شیخ عبدالحق نے مقدمہ شرح مشکوۃ میں کہا ہے کہ امام بخاری سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح یاد ہے اور دو لاکھ غیر صحیح

و نقل عن البخاری انه قال حفظت من الصحاح مائة الف حدیث و من غیر الصحاح ماءتی الف ۔ (مقدمه شرح مشکوۃ ص۶)

اس سے صاف ثابت ہے کہ امام بخاری کا کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنا اس امر کا مثبت نہیں ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ پھر امام بخاری کا ترک روایت حدیث مسلم کیونکر موجب ضعف ہو۔

امام مسلم نے خود اپنی کتاب میں بہت سی احادیث کو، جن کو وہ صحیح سمجھتے ہیں، ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ مقدمہ شرح مشکوۃ میں ہے

قال مسلم الذی اوردت فی ہذا الکتاب من الاحادیث صحیح ۔ و لا اقول ان ما ترکت ضعیف ۔ (مقدمه شرح مشکوۃ ص۶) کہ مسلم نے کہا ہے جو حدیث میں اس کتاب میں لایا ہوں وہ صحیح ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ جس حدیث کو میں نے چھوڑ دیا (یعنی اس کتاب میں نہیں لایا) وہ صحیح نہیں۔

امام مسلم نے خود اپنی کتاب صحیح میں فرمایا ہے

و لیس کل شیء عندی صحیح و ضعته ھنا (یعنی فی کتابه الصحیح)

و انا وضعت هنا ما اجمعوا علیه ۔(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲)۔ یہ نہیں کہ جو حدیث میرے نزدیک صحیح تھی وہ میں نے اس کتاب میں جمع کردی ہے۔ میں نے اس میں وہی حدیث جمع کی ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق تھا (یعنی جس حدیث کی صحت میں اختلاف تھا وہ میں نے کتاب میں نقل نہیں کی۔ گو میرے نزدیک وہ صحیح تھی)

اب دل میں سوچ کر انصاف سے کہیں کہ امام بخاری یا خود امام مسلم کے کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہ ہو۔ آپ اٹکل پچو ایسی باتیں کہہ کر یہ ظاہر کررہے ہیں کہ فن حدیث سے آپ کو کوئی تعلق اور کچھ مس نہیں۔ اس الزام دھوکہ دہی و ناواقفی کو آپ مانیں خواہ نہ مانیں، آپ کی کلام سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، جس کے ماننے سے آپ کو بھی انکار نہیں، کہ حدیث دمشقی صحیح مسلم کو آپ نے اپنے اجتہاد سے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور آپ کے اعتقاد مخفی، توہین صحیحین، کے اظہار کے لئے اس مقام میں اسی قدر بس ہے۔ اہل حدیث جو آپ کے پنجہ میں گرفتار ہیں آپ کے اس قول و اقرار سے یقین کریں گے کہ آپ حدیث صحیح مسلم کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس پر جو فتوے لگائیں گے وہ مخفی نہیں ہے۔

☆ ۶۔ آپ لکھتے ہیں کہ ازالۃ الاوہام میں احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کی نسبت میں نے یہ قطعی فیصلہ نہیں دیا کہ وہ موضوع ہیں، بلکہ شرطیہ طور پر کہا ہے کہ اگر ان کے باہمی تناقض کو دور نہ کیا جائے گا تو ایک جانب کی حدیثوں کو موضوع ماننا پڑے گا۔ یہ آپ کی محض حیلہ سازی ہے۔ جس مقام میں آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا وہاں شرط تناقض بیان نہیں کی، بلکہ بڑے زور سے پہلے ان کا تعارض ثابت کیا ہے پھر ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے، جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک ان احادیث میں تناقض و تعارض متحقق ہے۔ و بناءً علیہ وہ احادیث آپ کے نزدیک موضوع ہیں۔ ہاں آپ نے ان احادیث میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کی ہیں، جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تاویل بفرض صحت احادیث مذکورہ آپ کرتے ہیں۔ آپ کی کلام سے صاف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث اول تو آپ کے نزدیک صحیح نہیں، موضوع ہیں۔ اور اگر بالفرض وہ صحیح مانی جائیں تو پھر وہ آپ کے نزدیک تاویلات سے مأول ہیں۔ یہ مطلب آپ کی ان عبارات ازالہ اوہام سے، جو ہم اشاعۃ السنۃ میں نقل کر چکے ہیں اور جن میں بلا شرط آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا ہے،

صاف ثابت ہے ۔آپ اس کے خلاف کے مدعی اور اپنے دعوی حال میں سچے ہیں تو اس مضمون کی عبارت نقل کریں، جس میں پہلے آپ نے قطعی اور صاف طور پر ان احادیث کو صحیح مان لیا ہو۔ پھر اس بیان صحت کے بعد شرطیہ طور پر یہ کہا ہو کہ ان احادیث کی تاویل نہ کی جائے تو یہ موضوع ٹھہرتی ہیں ۔آپ اپنی کتاب سے یہ تصریح نکال دیں گے تو ہم آپکو اس الزام سے، کہ آپ نے صحیحین کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے، بری کر دیں گے۔ ورنہ کس و ناکس کو یقین ہوگا کہ درحقیقت آپ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو موضوع ٹھہرا چکے ہیں، مگر اپنے اتباع عوام اہل حدیث کے خوف سے ان کو موضوع کہنے سے انکار کرتے ہیں تا کہ عوام آپکو منکر احادیث نہ کہیں اور اہل سنت سے خارج نہ کریں۔

☆ ۷۔ آپ لکھتے ہیں، میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آ سکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ اپنی رائے کو شائع کریں، اور دوسرے باوجود سننے کے اس رائے کی مخالفت ظاہر نہ فرمائیں، سو یہی اجماع ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن عمر و جابر نے ابن صیاد کو دجال کہا، تو یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہ رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہی اجماع ہے۔ آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو بتادیں کہ کس صحابی نے ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کیا۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال کہنے پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا جو ہزار اجماع سے افضل ہے۔

ان عبارات میں آپ نے میرے سوالات کا کہ

☆ ۱۔ یہ تعریف اجماع جو آپ نے لکھی ہے وہ کس کتاب میں ہے۔

☆ ۲۔ بعض صحابہ کے اتفاق کو کون اجماع کہتا ہے۔

☆ ۳ سکوت صحابہ پر نقل صحیح کی کہاں شہادت پائی جاتی ہے، اس کو نقل کریں، غالباً، اور ہوگا، (وغیرہ الفاظ) سے کام نہ لیں۔

کچھ جواب نہ دیا اور پھر اپنے خیالات سابقہ کو دوبارہ نقل کر دیا جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ علمی سوالات کو سمجھ نہیں سکتے اور مسائل متعلقہ اجماع سے واقف نہیں۔ یا دیدہ دانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دہی کی غرض سے ان کے جواب سے، جو آپ کے دعاوی کے مبطل ہیں، چشم پوشی کرتے ہیں۔

اب میں ان سوالات کا پھر اعادہ نہیں کرتا، کیونکہ میں آپ سے جواب ملنے کی

امید نہیں رکھتا، اور بجائے اس کے آپکی باتوں کا خود ایسا جواب دیتا ہوں جس سے ثابت ہو کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ آپکی ناواقفی پر مبنی ہے، اور وہ میرے سوالات کا جواب نہیں۔

آپ نے اپنے پرچہ نمبر ۵ وغیرہ میں تین شخصوں کی جماعت کے اتفاق کو اجماع قرار دیا تھا، جو محض غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ علماء اسلام جو اجماع کے قائل ہیں اجماع کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین کے، جن میں ایک شخص بھی متفرد و مخالف نہ ہو، اتفاق کا نام ہے۔

توضیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے ایک وقت کے تمام مجتہدوں کا ایک حکم شرعی پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے۔

هو اتفاق المجتهدين امة محمد ﷺ فی عصر علی حکم شرعی

کتب اصول میں یہ بھی مصرح ہے کہ

خلاف الواحد مانع ایک مجتہد بھی اہل اتفاق کا مخالف ہو تو اجماع متحقق نہ ہوگا۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے

قیل اجماع الاکثر مع ندرة المخالف اجماع کثیر کغیر ابن عباس اجمعوا علی القول بالعول و غیر ابی موسی الاشعری اجمعوا علی نقض النوم الوضوء و غیر ابی ہریرہ و ابن عمر اجمعوا علی جواز الصوم فی السفر ... و المختار انه لیس باجماع لانتفاء الکل الذی هو مناط العصمة ۔

کہ بعض علماء قائل ہیں کہ اکثر مجتہدین کا اجماع مخالفین کی ندرت و قلت کی حالت میں اجماع سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ ابن عباس کے سوا اور سب کا اس امر کا قائل ہونا کہ اگر اہل میراث کے حصے اس عدد سے جس کے حصہ نکالے گئے ہوں بڑھ جاویں تو اس عدد کو بڑھایا جائے، اور ابو موسی اشعری کے سوا اور سب لوگوں کا قائل ہونا کہ سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور ابو ہریرہ و ابن عمر کے سوا اور سب لوگوں کا اس پر اتفاق کرنا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ مگر مذہب مختار یہ ہے کہ ایسا اجماع شرعاً اجماع نہیں کہلاتا کیونکہ یہ اتفاق کل نہیں جو عصمت کا مدار ہے۔

نیز اس میں ہے

لا ینعقد الاجماع باہل البیت وحدھم لانھم بعض الامۃ خلافاً للشیعۃ ۔ (مسلم الثبوت) کہ صرف اہل بیت نبوی کے اتفاق سے اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف بعض مجتہدین امت ہیں ۔ شیعہ کو اس میں خلاف ہے جو اس کو اجماع سمجھتے ہیں ۔

نیز اس میں ہے

ولا ینعقد بالخلفاء الاربعۃ خلافاً لاحمد الامام ۔(مسلم الثبوت)
صرف خلفاء اربعہ کے اتفاق سے بھی اجماع منعقد نہیں ہوتا اس میں امام احمد کا خلاف ہے ۔

سکوت باقی اصحاب سے آپ نے اجماع استنباط کیا ہے مگر اس کا ثبوت نہیں دیا بلکہ الٹا ہم سے ثبوت مخالفت طلب کیا ہے ۔ یہ ثبوت پیش کرنا ہمارا فرض نہ تھا مگر ہم آپ پر احسان کرتے ہیں، آپکو سکوت کل کا ثبوت پیش کرنا معاف کر کے خود ثبوت خلاف پیش کرتے ہیں ۔

پس واضح ہو کہ ابن صیاد کو دجال موعود نہ سمجھنے والے ایک ابوسعید خدری صحابی تھے ان سے صحیح مسلم میں منقول ہے

عن ابی سعید قال صحبت ابن صیاد الی مکۃ فقال لی ما قد لقیت من الناس یزعمون انی دجال الست سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انہ لا یولد لہ قال قلت بلی۔ قال فقد ولد لی ۔ اولیس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یدخل المدینہ ولا مکۃ قلت بلی ۔ قال فقد ولدت بالمدینۃ وھا انا ارید مکہ قال ثم قال لی فی آخر قولہ اما واللہ انی لاعلم مولدہ و مکانہ واین ھو فلبسنی ۔(صحیح مسلم۔ ص ۳۹۷)

ابوسعید کہتے ہیں میں مکہ تک ابن صیاد کے ساتھ ہو کر چلا تو اس نے کہا مجھے لوگوں سے کیا تکلیف پہونچی ہے ۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں دجال ہوں ۔ تو نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ فرماتے ہیں دجال لاولد ہوگا ۔ میں نے کہا ہاں سنا ہے ۔ پھر وہ بولا کہ میں تو صاحب اولاد ہوں ۔ پھر بولا کیا تو نے آنحضرت ﷺ یہ نہیں سنا کہ دجال مکہ و مدینہ میں داخل نہ ہوگا ۔ میں نے کہا ہاں سنا ہے ۔ پھر وہ بولا میں مدینہ میں پیدا ہوا ہوں اور اب مکہ کو جا رہا ہوں ۔ ابوسعید نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی کلام کے آخر میں کہا کہ میں جانتا ہوں کہ دجال

کہاں پیدا ہوا اور اب وہ کہاں ہے۔ یہ کہ کر اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا۔

ابوسعید خدری کا یہ لفظ لبسنی صاف مشعر ہے کہ وہ ابن صیاد کو یقیناً دجال موعود نہ سمجھتے تھے بلکہ اس میں ان کو لبس یعنی شبہ تھا۔

دوسرے تمیم داری ہیں، جو دجال کو اپنی آنکھ سے ایک جزیرہ میں مقید دیکھ کر آئے تھے، چنانچہ صحیح مسلم (صفحہ ۴۰۴) میں ہے

و فی روایة فاطمة بنت قیس قالت سمعت نداء المنادی رسول الله ﷺ ینادی الصلوة جامعة فخرجت الی المسجد فصلیت مع رسول الله ﷺ فی صف النساء الذی یلی ظهور القوم فلما قضی رسول الله ﷺ صلوته جلس علی المنبر و هو یضحک فقال لیلزم کل انسان مصلاه ثم قال اتدرون لم جمعتکم قالوا الله و رسوله اعلم۔ قال انی و الله ما جمعتتکم لرغبة و لا لرهبة و لکن جمعتکم لان تمیم الداری کان رجلاً نصرانیا فجاء فبایع و اسلم و حدثنی حدیثاً وافق الذی کنت احدثکم عن مسیح الدجال حدثنی انه رکب فی سفینة بحریة مع ثلثین رجلاً من لخم و جذام فلعب بهم الموج شهراً فی البحر ثم اوفوا الی جزیرة فی البحر حین تغرب حین مغرب الشمس فجلسوا فی اقرب السفینة فدخلوا الجزیرة فلقیتهم دابة اهلب کثیر الشعر لا یدرون ما قبله من دبره من کثرة الشعر فقالوا و یلک ما انت قالت انا الجساسة قالوا و ما الجساسة قالت یا یها القوم انطلقوا الی هذا الرجل فی الدیر فانه الی خبرکم بالاشواق قال لما سمت لنا رجلاً فرقنا منها ان تکون شیطانة قال فانطلقنا سراعاً حتی دخلنا الدیر فاذا فیه اعظم انسان رئیناه قط خلقا و اشده وثاقاً مجموعة یداه الی عنقه ما بین رکبتیه الی کعبیه بالحدید قلنا و یلک ما انت قال قد قدرتم علی خبری فاخبرونی ما انتم۔ قالوا نحن اناس من العرب رکبنا فی سفینة بحریة فصادفنا البحر حین اغتلم فلعب بنا الموج شهراً ثم اوفینا الی جزیرتک هذه فجلسنا فی اقربها فدخلنا الجزیرة فلقینا دابة اهلب

كثير الشعر لا ندری ما قبله من دبره من كثرة الشعر فقلنا و يلك ما انت فقالت اناالجساسة قلنا و ما الجساسة قالت اعمدوا الى هذا الرجل فى الدير فانه الى خبركم بالاشواق فاقبلنا اليك سراعاً و فزعنا منها و لم نامن ان تكون شيطانة فقال اخبرونى عن نخل بيسان قلنا عن اى شانها تستخبر قال اسئلكم عن نخلها هل يثمر قلنا له نعم قال اما انها يوشك ان لا تثمر قال اخبرونى عن بحيرة طبرية قلنا عن اى شانها تستخبر قال هل فيها ماء قالوا هى كثيرة الماء قال اما ان مائها يوشك ان يذهب قال اخبرونى عن عين زغر قالوا عن اى شانها تستخبر قال هل فى العين ماء و هل يزرع اهلها بماء العين قلنا له نعم هى كثيرة الماء و اهلها يزرعون من مائها ۔ قال اخبرونى عن نبى الاميين ما فعل قالوا قد خرج من مكه و نزل يثرب قال اقاتله العرب قلنا نعم قال كيف صنع بهم فاخبرناه انه قد ظهر على من يليه من العرب و اطاعوه قال قال لهم قد كان ذاك قلنا نعم قال اما ان ذاك خير لهم ان يطيعوه و انى مخبركم عنى انى انا المسيغ الدجال و انى اوشك ان يوئذن لى فى الخروج فاخرج فاسير فى الارض فلا ادع قرية الا هطبتها فى اربعين ليلة غير مكه و طيبة فهما محرمتان على كلتاهما كلما اردت ان ادخل و وحدة او واحداً منهما استقبلنى ملك بيده السيف صلتا يصدنى عنها و ان على كل نقب منها ملائكة يحرسونها قالت قال رسول الله ﷺ و طعن بمخصرته فى المنبر هذه طيبة هذه طيبة يعنى المدينة الا هل كنت حدثتكم ذالك فقال الناس نعم فانه اعجبنى حديث تميم انه وافق الذى كنت احدثكم عنه و عن المدينة و مكه الا انه فى بحر الشام او بحر اليمن لا بل من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو و اومى بيده الى المشرق قالت فحفظت هذا من رسول الله ۔

کہ فاطمہ بنت قیس سے روائت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے موذن کی

آواز اذان سنی تو میں مسجد کی طرف نکلی اور میں عورتوں کی صف میں جو مردوں کی پیٹھ پیچھے ہوئی جا ٹھہری۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے یہ فرمایا کہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔ پھر فرمایا تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے۔ وہ بولے اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں ترغیب (رغبت دلانے) ترہیب (ڈرسنانے) کے لئے نہیں بلایا، بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تمیم داری نصرانی تھا وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور اس نے مجھے ایک ایسی بات کہی ہے جو میری اس حدیث کے مطابق وموافق ہے جو میں تمہیں دجال کی بابت سنایا کرتا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تیس آدمیوں کے ساتھ جو بنی لخم و بنی جذام سے تھے، ایک جہاز میں سوار ہوا۔ موج بحر نے ایک مہینہ تک ان کے جہاز کو خراب کیا اور پھرایا۔ پھر وہ غروب آفتاب کے وقت ایک جزیرہ کی طرف پناہ گزیں ہوئے اور ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر ایک جزیرہ میں داخل ہوئے تو ان کو ایک جانور سا ملا جس کو اہلب کہتے ہیں۔ اس کے بالوں کی کثرت کے سبب اس کا منہ اور پیچھا نظر نہ آتا تھا۔ وہ بولے تجھے خرابی تو کون ہے۔ وہ بولا میں جساسہ ہوں۔ وہ بولے کیسا جساسہ۔ اس نے کہا اس صومعہ (گرجا) میں چلو وہاں ایک آدمی تمہاری خبرو ں کا مشتاق ہے۔ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کا تو ہم ڈر گئے کہ مبادا یہ کوئی بھوت یا چڑیل ہو۔ مگر ہم جلدی سے اس صومعہ میں گئے تو ایک اتنا بڑا آدمی جس کے برابر ہم نے کبھی کوئی نہ دیکھا تھا، نظر آیا، جس کے ہاتھ گردن سے جکڑے ہوئے اور وہ گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے کے زنجیروں سے باندھا ہوا ہے۔ ہم نے اس کو کہا تجھے خرابی تو کون ہے۔ وہ بولا تم میری خبر پر تو قادر ہو چکے۔ تم بتلاؤ تم کون ہو۔ ہم بولے ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم ایک جہاز پر ایسے وقت میں سوار ہوئے جب کہ موجوں کا زور تھا۔ موج بحر نے ہم کو ایک مہینہ تک خراب کیا۔ پھر ہم اس جزیرہ پر آ لگے تو ہم کو یہ جانور ملا (پھر جو اس سے سوال جواب ہوئے ان کو بیان کیا)، پھر کہا ہم تیری طرف جلدی سے آ گئے اور ہم ڈرے تھے کہ تو کوئی بھوت ہو گا۔ وہ بولا (موضع) بیسان کے باغ خرما کا کیا حال ہے۔ وہ پھل دیتا ہے؟ ہم بولے ہاں دیتا ہے۔ وہ بولا ایک وقت عنقریب ایسا آئے گا کہ وہ پھل نہ دے گا۔ پھر اس نے کہا بحیرہ طبریہ کا حال بتلاؤ۔ ہم نے کہا اس کا کیا حال

پوچھتا ہے۔ وہ بولا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے۔ وہ بولا عنقریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کا پانی جاتا رہے گا۔ پھر وہ بولا (موضع) زغر کے چشمہ کا حال بتاؤ۔ ہم نے کہا اس کا کیا حال پوچھتا ہے۔ وہ بولا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے جس سے لوگ کھیتوں کو پانی دیتے ہیں۔ وہ بولا امیوں (عرب کے ان پڑھوں) کے نبی کی مجھے خبر دو۔ اس کا کیا حال ہوا؟ ہم نے کہا آپ ﷺ مکہ سے نکلے اور مدینہ میں رونق افروز ہوئے ہیں۔ وہ بولا ملک عرب نے ان سے لڑائی کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں کی ہے۔ وہ بولا پھر ان کا کیا حال ہوا؟ ہم نے کہا کہ آپ اپنے پاس والے عربوں پر غالب آ گئے ہیں اور وہ ان کے تابع ہو گئے ہیں۔ وہ بولا کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ ہم نے کہاں ہاں ایسا کیا ہے۔ وہ بولا سن رکھو ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ آپ کے مطیع ہو جائیں اور میں تمہیں اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں۔ مجھے عنقریب نکلنے کی اجازت ہوگی تو میں نکلونگا اور تمام زمین پر پھر جاؤ نگا۔ کوئی گاؤں نہ چھوڑونگا جس میں چالیس رات کے عرصہ میں نہ اترونگا، بجز مکہ اور طیبہ کے، کہ وہ دونوں مجھ پر حرام کئے گئے ہیں۔ جب میں ان دوشہروں میں داخل ہونا چاہوں گا، فرشتہ تلوار ہاتھ میں کھینچے ہوئے میرے سامنے آئے گا اور مجھے روک دے گا۔ ان کے ہر ایک پھاٹک پر فرشتے ہوں گے جو ان کی حفاظت کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی چھڑی کو (جو آپ کے ہاتھ میں تھی) منبر پر مارا اور فرمایا کہ طیبہ (جس کا دجال نے ذکر کیا ہے) یہی ہے۔ طیبہ یہی ہے۔ طیبہ یہی ہے۔ یعنی مدینہ۔ سن رکھو، کیا میں تمہیں یہ حدیث دجال کی سنایا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا ہاں بے شک آپ سنایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ تمیم کی بات پسند آئی ہے۔ یہ میری اس حدیث کے موافق ہے جو میں تم کو دجال کی بابت اور مکہ و مدینہ کی بابت سنایا کرتا تھا۔ سن رکھو کہ وہ دریائے شام یا یمن میں نہیں وہ تو مشرق کی طرف ہے، وہ وہی ہے جو مشرق کی طرف ہے، وہ وہی ہے جو مشرق کی طرف ہے۔ اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف ہاتھ سے بھی اشارہ کیا۔ فاطمہ اس حدیث کی راوی کہتی ہیں یہ حدیث میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی اور یاد رکھی ہے۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ تمیم داری نے دجال کو آنکھ سے دیکھا، پھر

کیونکر ممکن تھا کہ وہ قول ابن عمر کے موافق ابن صیاد کو دجال سمجھتے۔

آپ نے اس حدیث کا ضعف ایک دوست کے حوالے سے نواب صدیق حسن خان مرحوم سے نقل کیا ہے۔اس کا جواب ہم اس وقت دیں گے جب آپ نواب صاحب کا اصل کلام نقل کریں گے۔

تیسرے وہ لوگ جو حضرت ابن عمر کے منہ پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کر چکے ہیں ، چنانچہ صحیح مسلم کے صفحہ ۳۹۹ میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے

فقلت لبعضهم هل تحدثون انه هو قال لا والله قال قلت كذبتني و الله لقد اخبرني في بعضكم انه لن يموت حتى يكون اكثركم مالاً و ولداً فكذالك هو زعموا اليوم۔

ابن عمر فرماتے ہیں میں ابن صیاد کو دو دفعہ ملا۔(ایک دفعہ) میں اس سے ملا تو میں نے بعض لوگوں سے کہا کہ کیا تم یہ باتیں کرتے ہو کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔وہ بولے بخدا ہم یہ باتیں نہیں کرتے۔میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، مجھے تم میں سے بعض لوگوں نے خبر دی تھی کہ دجال تب مرے گا جب کہ تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والا ہو جائے گا اور وہ ان کے خیال میں آج ایسا ہی ہے۔

یعنی حضرت ابن عمر نے کہا کہ میں نے بعض لوگوں کو (جن سے ان کے معاصر اصحاب مراد ہیں) کہا، کیا تم کہتے ہو کہ ابن صیاد دجال ہے،تو وہ بولے بخدا ہم نہیں کہتے۔میں نے کہا تم مجھے جھوٹا کرتے ہو۔بخدا تمھیں سے بعض نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ دجال صاحب اولاد ہو کر مرے گا اور وہ (ابن صیاد) ایسا ہی صاحب اولاد ہے۔یہ قول ابن عمر اس امر پر نص صریح ہے کہ ابن صیاد کو اور لوگ، حضرت ابن عمر کے معاصر، دجال نہیں جانتے تھے اور ان کے سامنے ان کی رائے سے خلاف ظاہر کرتے تھے۔

صرف ابن عمر ہی کا ایسا قول تھا جس میں ابن صیاد کو دجال موعود بلفظ مسیح دجال کہا گیا ہے، کیونکہ جابر و حضرت عمر کے قول میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجال موعود ہے، بلکہ انہوں نے ابن صیاد کو صرف دجال کہا ہے جس سے منجملہ تیس دجالوں کے ایک دجال مراد ہوسکتا ہے۔چنانچہ عنقریب اس کا ثبوت آتا ہے اور جب کہ ابن عمر کے صریح قول پر انکار پایا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر خلاف کی تصریح آپ کیا چاہیں گے؟

آپ کے حواری حکیم نورالدین نے ہمارے سوال نمبری ۲۱ (مباحثہ لاہور میں) کے جواب میں اس اختلاف کو تسلیم کیا اور یہ کہا ہے کہ دجال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔ آپ نے بڑا غضب ڈہایا کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر اجماع صحابہ کا دعوی کرلیا۔ اپنے حواری سے تو مشورہ کرلیا ہوتا۔

اخیر میں جو آپ نے قول فاروقی پر آنخضرت ﷺ کے سکوت کا دعوی کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو آنخضرت ﷺ کے سامنے ابن صیاد کو دجال کہا اور اس پر قسم کھائی تھی، اس میں یہ تصریح نہ کی تھی کہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے جس کے آنے کی آنخضرت ﷺ نے علامات خاصہ بیان کر کے خبر دی تھی اور جملہ انبیاء سابقین نے اپنی امت کو ڈرایا تھا۔ لہذا ممکن و محتمل ہے کہ حضرت عمر کے اس قول سے یہ مراد ہو کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس دجالوں کے ہے جن کے خروج کی آنخضرت ﷺ نے خبر دی ہے۔

اس صورت میں آنخضرت ﷺ کا سکوت آپ کے لئے کچھ مفید نہیں ہے، کیونکہ یہ سکوت ابن صیاد کو آخری دجال کہنے پر نہ ہوا۔ بلکہ کوئی اور دجال منجملہ دجاجلہ۔

ملا علی قاری نے مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں کہا ہے

قیل لعل عمر اراد بذا لک ان ابن صیاد من الد جا لین الذین یخر جو ن فید عو ن النبوۃ و یضلو ن الناس و یلبسو ن الا مر علیھم ۔ (مرقاۃ)

بعض کا قول ہے کہ شاید حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال کہنے سے یہ مراد ہو کہ وہ منجملہ ان تیس دجالوں کے، جو قیامت سے پہلے نکلیں گے اور نبوت کا دعوی کریں گے اور لوگوں کو بہکائیں گے اور ان پر دین کو مشتبہ کریں، ایک دجال ہے۔

اس پر شائد آپ اعتراض کریں کہ جابر کے قول ابن صیاد الدجال میں جو حضرت عمر کی طرف بھی منسوب ہوا ہے، لفظ دجال پر الف و لام بتا رہا ہے کہ دجال سے ان کی مراد خاص دجال ہے نہ کہ کوئی دجال۔ اور علماء معانی و بیان نے کہا ہے کہ خبر معرف بالام ہو تو اس کا مبتداء میں قصر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دجال سے آخری دجال مراد نہ لیں بلکہ منجملہ تیس دجال کے ایک دجال مراد ٹھہرائیں تو اس صورت میں بھی خاص دجال کی طرف الف و لام کا اشارہ ہوسکتا ہے۔

رہا جواب قصر سو یہ ہے کہ خبر معرف بلام مقدم ہو جیسے کہ ابن عمر کے قول المسیح

الدجال ابن صیاد میں ہے۔تو بے شک و بلا اختلاف خبر کا مبتداء پر قصر ہوتا ہے مگر درصورتیکہ خبر مؤخر ہو تو اس کا مفید قصر ہونا محل اختلاف ہے۔صاحب کشاف نے فائق میں اس سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی نے مطول کے حاشیہ میں کہا ہے

مال صاحب الکشاف الی التفرقة بینهما حیث ذکر فی الفائق ان قولک الله و هو الدهر معناه انه الجالب للحوادث لا غیر الجالب و قولک الدهر هو الله معناه ان الجالب بالحوادث هو الله لا غیره

صاحب کشاف ان دونوں صورتوں میں فرق کی طرف مائل ہوا ہے، چنانچہ فائق میں اس نے لکھا ہے کہ الله هو الدهر (جس میں خبر معرف باللام موخر ہے) کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالی حوادث زمانہ کا لانیوالہ ہے۔ایسا نہیں کہ وہ حوادث نہ لائے۔اور الدهر هو الله (جس میں خبر معرف باللام مقدم ہو) یہ معنی ہیں کہ خدا ہی حوادث لانے والا ہے بجز خدا کے اور کوئی حوادث لانے والہ نہیں ہے۔

بناءٌ علیہ لام الدجال سے قصر ثابت نہیں ہوتا۔لام کو عہدی کہو، خواہ جنسی۔اور قول جابر یا حضرت عمر کے معنے یہ بنتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے نہ کچھ اور، یہ معنے نہیں کہ دجال وہی ہے نہ کوئی اور۔مگر ان باتوں کے سمجھنے کے لئے علم ادب و معانی و بیان میں دخل بکار ہے۔آپ اس احتمال کو کہ حضرت عمر نے دجال سے تیس دجالوں میں سے ایک دجال مراد رکھا تھا، کسی دلیل سے اٹھاویں اور اس کے صریح الفاظ سے ثابت کریں کہ دجال سے ان کی مراد آخری دجال تھا، تو پھر اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو جب انہوں نے ابن صیاد کو قتل کرنا چاہا تھا یہ فرما دیا تھا کہ ابن صیاد وہ دجال ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی، اس کے قاتل عیسے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے

فقال عمر بن الخطاب ذرنی یا رسول الله اضرب عنقه فقال له رسول الله ﷺ ان یکنه فلن تسلط علیه و ان لم یکنه فلا خیر لک فی قتله که

حضرت عمر نے کہا یا رسول الله ﷺ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن ماردوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ دجال موعود ہے تو، تو اس کے قتل پر ہرگز مسلط نہ ہوگا، اگر وہ نہیں تو اس کا قتل بہتر نہیں۔

شرح السنۃ کی روایت میں یوں آیا ہے

ان یکن ہو.فلست صاحبه انما صاحبه عیسی بن مریم و ان لا یکن

ہو فلیس لک ان تقتل رجلاً من اہل الذمہ (ص ۱۷۴)

کہ اگر یہ دجال موعود ہے تو، تو اس کا قاتل نہیں، اس کا قاتل عیسے بن مریم ہے اور اگر یہ وہ نہیں تو تجھے نہیں پہنچتا کہ تو ایک ایسے شخص کو قتل کرے جو مسلمانوں کی امان و پناہ میں ہے۔

اس قول آنحضرت ﷺ سے صاف ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر کو اس خیال سے انہوں نے بالفرض ظاہر کیا ہو یا دل میں رکھا ہو (کہ ابن صیاد دجال موعود ہے) روک دیا اور بناءً علیہ اس کے قتل سے منع کر دیا۔ اس قول نبوی کے کتب حدیث میں موجود ہونے کے ساتھ یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال موعود کہنے یا سمجھنے پر سکوت کیا، اسی شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کی کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ آپ نے جو کچھ اس باب میں کہا ہے وہ فن حدیث، اصول فقہ، علم معانی و بیان و ادب وغیرہ سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

☆ ۸۔ آپ لکھتے ہیں کہ کسی کو کسی بات کا قائل ٹھہرانا تصریح پر موقوف نہیں۔

۱۔ اس امر کی نسبت اسکے اشارات پائے جانے سے بھی اسکو قائل بنایا جاتا ہے

۲۔ آنحضرت ﷺ کا ایک مدت طویل تک ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے رہنا، احتمالی امر نہیں۔ آپ ﷺ نے زبان سے ڈر سنایا ہوگا تب ہی صحابی نے لم یزل کا لفظ فرمایا

۳۔ آنحضرت ﷺ اور سبھی انبیاء دجال سے ڈراتے آئے ہیں۔

۴۔ ایک شخص کا دس برس سے دہلی کی تیاری کرنا کوئی بیان کرے تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شخص نے دہلی جانے کا ارادہ کبھی زبان سے بتایا ہوگا۔

۵۔ اور اگر یہی احتمال مسلم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے حالات سے آپ کا ڈرنا صحابی نے سمجھ لیا تھا، تو بھی احتمال ہے کہ زبان سے سنا ہو۔ اور لفظ لم یزل سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے۔ اس صورت میں آپ کا مجھ کو مفتری کہنا بے جا ہے۔

اس سے آپ کا افتراء سابق اور پختہ و متیقن ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ خطاءً نہیں کہا، عمداً افتراء کیا ہے اور اس پر آپ کو اب تک ایسا اصرار ہے کہ جتلانے سے بھی باز نہیں آتے اور اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ جو شخص روایت حدیث میں غلطی پر متنبہ کیا جائے اور پھر اس سے باز نہ آئے وہ ساقط العدالت ہو جاتا ہے۔

☆ آپ کا یہ کہنا کہ اشارات سے بھی ایک شخص کو ایک امر کا قائل بنایا جاتا ہے، تب آپ کے حق میں مفید ہو جب صحابی آنحضرت ﷺ کو اس قول کا قائل بناتا، جس کا قائل آنحضرت ﷺ کو آپ نے بنا دیا ہے ۔ صحابی نے آپ ﷺ کو قائل قول مذکور نہیں بنایا، بلکہ اپنا خیال بیان کیا ہے تو پھر اس کہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے کہ اشارات سے بھی قائل بنایا جاتا ہے ۔ آنحضرت ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنا اسی صورت و پیرایہ میں حلال ہے جس صورت و پیرایہ میں آپ نے فرمایا ہو ۔ اشارۃً ہو تو اشارۃً ۔ صراحتاً کہا ہو تو صراحتاً ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اتقوا عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمداً فیتبوا مقعدہ من النار

☆ آپ کی کتب حدیث میں نظر ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب آپ سے کوئی ایسا لفظ نقل نہ کرتے جو آپ نے نہ فرمایا ہوتا اور اگر ان کو اصل لفظ حضرت رسالت میں شک واقع ہو جاتا تو شک و تردد کے ساتھ الفاظ فرماتے ۔ آپ نے باوجودیکہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ الفاظ فرمائے ہیں، جو آپ نے نقل کئے ہیں اور اب تک اس کا علم و یقین نہیں صرف خیالی احتمال ہے، پھر آپ نے اس لفظ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ بجز افتراء عمدی اور کیا ہو سکتا ہے ۔

☆ ۲ ۔ آنحضرت ﷺ کے ابن صیاد سے ڈرنے کو احتمال کون کہتا ہے، وہ ہمیشہ اس سے ڈرتے اور اصحاب اس امر کو ملاحظہ کرتے ۔ تب ہی ایک صحابی نے کہد یا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ڈرتے تھے ۔ لفظ ہمیشہ یا لم یزل کو یہ لازم نہیں ہے کہ آپ زبان سے بھی فرما دیا کرتے کہ میں ڈرتا ہوں ۔

۳ ۔ پہلے انبیاء اور آنحضرت ﷺ نے بے شک دجال موعود سے ڈرایا ہے، مگر اس سے یہ بات نکالنا کہ آپ ﷺ نے ابن صیاد کو دجال کہہ کر ڈرایا، آنحضرت ﷺ پر ایک اور افتراء ہے ۔ دجال سے ڈرانا، ابن صیاد سے ڈرانا نہیں ہے ۔ خدا سے ڈرو ۔ آنحضرت ﷺ پر افتراء نہ کرتے جاؤ ۔

☆ ۴ ۔ تیاری دہلی کی مثال میں آپ نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے ۔ ایک شخص کو دس برس سے اگر کوئی دیکھے کہ وہ وقتاً فوقتاً دہلی کا ٹکٹ خرید کر واپس کر آتا ہے اور اسی حالت میں آخری برس تک وہ رہا ہے تو اس کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دس برس سے تیار ہے گو تیاری کا حرف زبان پر کبھی نہ لاوے ۔

ہم سے ایک اور مثال سنیئے۔ ایک شخص مدت العمر نمازوں اور دعاؤں میں زاری کرتا رہے، احکام شریعت کا پابند ہو، خدا کا اور بندوں کا حق تلف نہ کرے۔ اس کی نسبت کس و ناکس، بشرطیکہ فاتر الحواس نہ ہو، یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے گو وہ منہ سے کبھی نہ کہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

☆ ۵۔ ایک احتمال کے مقابل دوسرا احتمال ہو تو مدعی کو اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ اس کے خصم منکر کو پہنچتا ہے کہ وہ اس احتمال سے تمسک کرکے بحکم

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

مدعی کے استدلال کو توڑ دے۔ آپ اس امر سے ناواقف ہیں تب ہی مدعی ہو کر احتمال سے استدلال کرتے ہیں۔

☆ ۶۔ افتراء آپ کی قدیم سنت ہے۔ ان افتراؤں کے علاوہ جو ثابت کئے گئے ہیں آپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۱ میں حدیث

کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و اما مکم منکم

کا ترجمہ کیا تو اس میں اس سوال و جواب کا رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے، کہ تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے؟ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا۔

آپ نے عمداً رسول اللہ ﷺ پر افتراء نہیں کیا تو بتائیں کہ اس حدیث کے کس طریق یا وجہ میں یہ سوال و جواب وارد ہیں؟

ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۸ میں آپ نے دجال موعود کے محل نزول میں اختلاف علماء بیان کیا تو اس میں علماء اسلام پر یہ افتراء کیا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ بیت المقدس میں اترے گا، نہ دمشق میں، بلکہ مسلمانوں کے لشکر میں اترے گا۔

آپ اس قول کے بیان میں مفتری نہیں تو بتادیں کہ کس عالم کا یہ قول ہے کہ وہ نہ بیت المقدس میں اتریں گے نہ دمشق میں۔ آپکے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ آپ کسی الہام کے دعوی میں سچے نہیں اور جو تار و پود آپنے پھیلا رکھا ہے وہ سب افتراء ہے۔

☆ ۹۔ آپ لکھتے ہیں کہ آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور بخای کی یہ حدیث اپنے رسالہ میں نقل کرچکے ہیں کہ محدث کی بات میں بھی شیطان کا دخل نہیں ہوتا۔ بخاری پر آپ کا ایمان ہے تو اس حدیث کی تسلیم سے ابن عربی کا قول آپ کے نزدیک مسلم ہے پھر میں

نے کیا افتراء کیا۔

اس میں آپ نے مجھ (محمد حسین) پر ایک اور افتراء کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ مہربان من۔ میں صحیح بخاری کو تسلیم کرتا ہوں اور اس حدیث پر جو صحیح بخاری میں محدث کی شان میں مروی ہے، میں ایمان رکھتا ہوں اور معہذا یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ جو شخص محدث کہلائے اور صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو بشہادت الہام خود موضوع قرار دے، وہ محدث نہیں ہے، شیطان کی طرف سے مخاطب ہے۔ واقعی محدث وملہم وہی شخص ہے جس کی تحدیث والہام، الہام قدیم قرآن مجید واحادیث صحیحہ کے مخالف نہ ہو۔ اور جو شخص محدث یا ملہم ہونے کا دعوی کرے، اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ مجھے فرشتوں نے کہا ہے، یا خدا نے الہام کیا ہے، یا رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں موضوع ہیں، میں اس کو شیطان کا مخاطب اور اس کی طرف سے محدث بلکہ شیطان مجسم سمجھتا ہوں۔ ایسا جعلی محدث بعینہ ویسا ہے جو محدث بن کر کہے کہ مجھے الہام ہوا کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں ہے، جس کو امید ہے آپ بھی محدث تسلیم نہ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے مسلمان جو بخاری کو مانتے ہیں، آپ کے دعوی محدثیت کو قبول نہیں کرتے۔ کیا وہ اس انکار سے اس حدیث بخاری کے منکر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں

خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کو مغالطے نہ دو۔ یہ آپ کی کلام کا مختصر جواب ہے، جس سے آپ کے مغالطات اور ناواقفی اور دھوکہ دہی کا بخوبی اظہار ہو گیا۔ بعض مطالب پرچہ آخری اور پرچہ ہائے سابق کے جوابات ونتائج کو بخوف تطویل عمداً چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ہمارے حصول مطلب کے لئے کافی ہے۔ ان باتوں کو ہمارے اصل مدعا سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ بلا بیان ان باتوں کے وہ مدعا حاصل نہ ہوتا۔ ان باتوں کا اظہار صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ آپ نے اصل سوال کا جواب نہ دیا۔ اور ان باتوں کے بیان سے جن کا جواب ہم نے دیا ہے، جواب کو ٹلایا۔ آئندہ آپ اپنی طرز تحریر اور تطویل اور دفع الوقتی کو بدل دیں، تا اس طرف سے بھی اسی قسم کی باتوں سے قلم کو روک لیا جائے گا۔ اور اس تحریر کے جواب میں آپ نے پھر وہی روش اختیار کی تو آپ دیکھ لیں گے اس طرف سے بھی ایسا سلوک ہوگا۔ آپ کے لئے بہتر ہے کہ اس روش کو بدل دیں، اور میرے اصل سوال کا جواب اتنی سطروں میں دیں، جتنی سطروں میں میرا سوال ہے۔ میں

سردست جواب با دلائل نہیں چاہتا، مجرد جواب کا طالب ہوں۔ جس وقت میں کسی مسئلہ میں آپ سے بحث و دلائل کا طالب ہوں گا، اس وقت آپ تفصیلی بحث کریں ۔ میری یہ نصیحت منظور ہوتو آپ مختصر بتا دیں کہ

☆ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث جملہ صحیح اور واجب العمل ہیں، یا جملہ موضوع نا قابل عمل، یا مختلط ہیں جن میں بعض صحیح ہوں اور بعض موضوع ۔

اس سوال کا جواب دوحرفی آپ نے دیا تو پھر میں اور سوال کرونگا اور اسی طرح اختصار آپ نے مدنظر رکھا تو ایک دن میں مباحثہ ختم ہوگا انشاء اللہ ۔ آئندہ اختیار کما تدین تدان ۔

ابوسعید محمد حسین ۔ ۲۶ جولائی ۱۸۹۱ء

☆ مرزا قادیانی کی تحریر ہشتم

اور حضرت بٹالوی کا تبصرہ

(یہ وہ تحریر ہے جس کو مرزا قادیانی نے آخری جلسہ مباحثہ میں پڑھ کر سنایا اور اس پر مباحثہ کو ناتمام چھوڑ کر فرار اختیار کیا تھا ۔ اس تحریر کی نقل دینے کا اس نے اس جلسہ میں تو اقرار کیا تھا، مگر گھر پہنچ کر دوسرے دن بذریعہ خط نقل دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس تحریر کو چھاپ کر مشتہر کیا، تب بھی اس کو ہمارے پاس نہ بھجوایا۔ باوجودیکہ رسالہ اشاعۃ السنۃ سال ہا سال سے زمانہ اشاعت تحریر مذکور تک بلا قیمت اس کے پاس پہنچتا رہا۔ اس قطع تعلق سے اس نے گویا ہم سے بحث وخطاب کا سلسلہ توڑ دیا اور ہم سے اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا، لہٰذا ہم بھی اب اس کو اس تحریر میں اپنا مخاطب بنانا نہیں چاہتے اور اس کی تحریر ہشتم کے متعلق جو لکھنا چاہتے ہیں وہ بغرض مباحثہ ومطالبہ جواب نہیں لکھتے، بلکہ صرف اپنے ناظرین کو اس کی دھوکہ بازیوں اور اکاذیب پر مطلع کرنے کی غرض سے اس تحریر پر چند نوٹ تحریر کرتے ہیں، جن سے ان کو معلوم ہو کہ قادیانی در پردہ زندیق ہے۔ اس وجہ سے اس کی اصل تمام عبارت یا اس کے پورے مضمون کی نقل سے تعرض نہیں کرتے اور نہ اس کے ترک بحث وخطاب کی حالت میں اس امر کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ بلکہ صرف اس کی تمہیدی تحریر کو، جس میں اس نے ہماری تحریر ہشتم کا مجمل جواب دیا ہے، بعینہ اور باقی تحریر کے فقرات لائق نوٹ کا خلاصہ مطلب نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق ۔ محمد حسین)

حضرت مولوی صاحب میں نہایت افسوس سے تحریر کرتا ہوں کہ جس سوال کے

جواب کو میں کئی دفعہ آپ کی خدمت میں گذارش کر چکا ہوں وہی سوال آپ بار بار بہت سی غیر متعلق باتوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اچھی طرح میری تحریرات پر غور بھی نہیں کیا اور نہ میری کلام کو سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے آپ ان امور کا بھی الزام میرے پر لگاتے ہیں جن کا میں قائل نہیں ہوں (آپ کے کلام سے صاف نکلتا ہے کہ آپ ان باتوں کے قائل ہیں مگر چونکہ آپ اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھ سکتے، لہذا ممکن ہے کہ آپ دل سے قائل نہ ہوں۔ مگر ہم ظاہر کلام پر حکم لگا سکتے ہیں آپ کے دل کو چیر نہیں سکتے۔ محمد حسین)۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ برعایت اختصار پھر آپ کو اپنے عقیدہ اور مذہب سے، جو حدیثوں کے بارہ میں رکھتا ہوں، اطلاع دوں (آپ کے عام عقیدہ سے سوال نہ تھا، بلکہ خاص صحت احادیث صحیحین سے سوال تھا۔ سو آپ نے اب تک صاف صاف جواب ظاہر نہیں کیا۔ محمد حسین)

سو مہربان من آپ پر ظاہر ہو کہ میں اپنی تحریر چہارم و پنجم میں بہ تفصیل وتصریح بیان کر چکا ہوں (تحریر چہارم دراصل پنجم ہے اور پنجم دراصل ہفتم۔ آپ نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے نمبروں کو الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ محمد حسین) کہ احادیث کے دو حصہ ہیں۔ ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں آگیا ہے، یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور دوسرا وہ حصہ ہے جسکو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کئے گئے ہیں۔ سو اگرچہ میں صحیحین کی حدیثیں اس قوت اور مرتبہ پر نہیں سمجھتا کہ باوجود مخالفت آیات صریحہ و بینہ قرآن ان کو صحیح سمجھ سکوں لیکن سلسلہ تعامل کی حدیثیں میری اس شرط سے باہر ہیں، چنانچہ اپنی تحریر کے نمبر پنجم میں بتصریح لکھ چکا ہوں۔ اگر سلسلہ تعامل کی حدیثوں کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر مغائر معلوم ہو تو میں اس کو تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں حجت قوی ہیں اور قرآن کو معیار ٹھہرانے سے سلسلہ تعامل کی حدیثیں مستثنیٰ ہیں۔ دیکھو تحریر نمبر پنجم بجواب آپ کی تحریر کے۔ آپ میری تحریر نمبر پنجم کے پڑھنے کے بعد اگر فہم اور تدبر سے کام لیتے تو بے ہودہ اور غیر متعلق باتوں سے اپنی تحریر کو طول نہ دیتے۔ میں نے کب اور کہاں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ سنت متوارثہ متعاملہ اور حدیث مجرد دونوں اس بات کی محتاج ہیں کہ قرآن کریم سے اپنی تحقیق کی صحت کے لئے پرکھی جائیں۔ بلکہ میں نمبر مذکور میں صاف لکھ چکا ہوں کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں بحث ما نحن فیہ سے خارج ہیں

اب مکرر آواز بلند کے ساتھ آپ پر کھولتا ہوں کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں یعنی سنن متوارثہ متعاملہ جو عاملین اور امرین کی زیر نظر چلی آتی ہیں (ان فقرات والفاظ میں مرزا صاحب نے تعامل واحادیث محل ومتعلق تعامل کے ساتھ محکم وقوی ولا ریب وحجت قوی کی قیدیں لگا کر اپنے کلام کا مطلب ہر ذی فہم وشعور پر یہ ظاہر کیا ہے (گو خود نہ سمجھا ہو) کہ احادیث تعامل سے آپکی مراد وہ احادیث ہیں جو قطعی ویقینی الثبوت ہیں اور ان کے عمل میں کسی کا اختلاف پایا نہیں گیا۔ اور خاص کر وہی احادیث قرآن پر عرض کرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی سب احادیث جن پر اتفاقی تعامل پایا نہیں گیا، وہ محتاج عرض قرآن ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ان احادیث سے الزام دیا گیا تھا جو ممانعت وشم اور حرمت خرد درندگان کے باب میں وارد ہیں۔ اور وہ اعتقادیات میں سے ہونے کے سبب محل تعامل نہیں ہوسکتیں۔ آپ نے اپنی کلام کا مفہوم خود نہیں سمجھا اور الٹا غیر متعلق بات کہنے اور غیر لازم الزام دینے کا ہم پر اعتراض کیا ہے۔ محمد حسین) اور علی قدر مراتب تاکید مسلمانوں کے عملیات دین میں قرناً بعد قرن و عصراً بعد عصر داخل رہی ہیں، وہ ہرگز میری آویزش کا مورد نہیں اور نہ قرآن کریم کو ان کا معیار ٹھہرانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر ان کے ذریعہ کچھ زیادت تعلیم قرآن پر ہو تو اس سے انکار نہیں، (عملیات سے اگر مسائل اتفاقی متعلق عمل مراد ہیں۔ چنانچہ لفظ قرناً بعد قرن و عصراً بعد عصر کا اشارہ ہے تو اس کلام کا وہی مطلب ہے جو آپ کی تحریرات نمبر پنجم وہفتم (یا بقول آپ کے نمبر چہارم وپنجم) کا مطلب ہے۔ لہذا اس صورت میں آپ پر وہی الزام قائم ہوتا ہے جو ان تحریرات کے مضمون پر قائم ہوا ہے کہ اس سے ان جملہ احادیث متعلق عمل کا (جن پر اتفاقی عمل اور تعامل عام اہل اسلام پایا نہیں گیا) بے اعتبار ہونا لازم آتا ہے۔ اور اگر اس سے عملیات اختلافیہ مراد ہیں تو یہ آپ نے اب نیا پہلو بدلا ہے۔ یہ بات آپ کی پچھلی تحریرات کے الفاظ سے کسی صاحب فہم وفراست صحیحہ کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ومعہذا یہ بات کسی اسلامی مذہب میں صحیح نہیں سمجھی گئی کہ ہر ایک حدیث سے، جس کے عمل میں اختلاف پایا گیا ہو تعلیم قرآن پر زیادتی جائز ہے۔ یہ ملحدانہ بات آپ ہی کے قلم سے نکلی ہے۔ محمد حسین) ہر چند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں، کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء یعنی ہم نے تیرے پر کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔

اور نیز فرماتا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شیء یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں کی۔

لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ

کا استخراج واستنباط کرنا اوراس کے مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر ہونا ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں، بلکہ یہ خاص طور پران کا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمیٰ مدد دیئے گئے ہوں ۔سو ایسے لوگوں کیلئے جو استخراج واستنباط معارف قرآن پر بعلت غیر ملہم ہونے کے قادر نہیں ہوسکتے ہیں، یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج واستنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ ملی ہیں بلاتامل وتوقف قبول کرلیں۔ اور جو لوگ وحی ولایت عظمیٰ کی روشنی سے منور ہیں اور الا المطہرون کے گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دقائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے اور یہ بات ان پر ثابت کردیتا ہے کہ کوئی زائد تعلیم آنحضرت ﷺ نے ہرگز نہیں دی، بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات واشارت قرآن کریم کی تفصیل ہے ۔ سو اس معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن ان پر کھل جاتا ہے اور نیز ان آیات بینات کی سچائی ان پر روشن ہوجاتی ہے جو اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے . جو قرآن سے کوئی چیز باہر نہیں۔

علماء ظاہر بھی ایک قبض کی حالت کے ساتھ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں، تا ان کی تکذیب لازم نہ آوے۔لیکن وہ کامل یقین اور سکینت اور اطمینان جو ملہم کامل کو بعد معائنہ مطابقت وموافقت احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کے اور بعد معلوم کرنے اس احاطہ تام کے جو درحقیقت قرآن کو احادیث پر ہی ملتی ہے، وہ علماء ظاہر کو کسی طرح مل نہیں سکتی ۔ بلکہ بعض تو قرآن کو ناقص وناتمام خیال کرتے ہیں، جن غیر محدود صداقتوں اور حقائق اور معارف پر قرآن کریم کے دائمی اور تمام اعجاز کی بنیاد ہے، اس سے وہ منکر ہیں اور نہ صرف منکر بلکہ اپنی انکاری کی وجہ سے ان تمام آیات بینات کو جھٹلاتے ہیں جس میں صاف صاف اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ قرآن جمیع تعلیمات دینیہ کا جامع ہے۔

(ان فقرات میں مرزا قادیانی نے عجیب روباہ بازی کی ہے۔اس نے یہ دعوی کیا ہے کہ مسائل دین کی تعلیم میں قرآن کریم کامل وکافی ہے، کوئی صداقت اس سے باہر نہیں ۔ پھر ان تفاصیل احکام کا جو احادیث میں پائے جاتے ہیں ، اور وہ تفاصیل یقیناً قرآن میں نہیں، بلکہ قرآن سے باہر ہیں وجود تسلیم کرلیا ہے ۔ پھر اس کے برخلاف ان تفاصیل میں قرآن سے زوائد نہ ہونے کا دعوی کیا ہے۔ ونیز علماء ظاہر ومجتہدین اسلام کا ان تفاصیل احکام کو (جو احادیث میں وارد ہیں) قرآن سے نکالنے پر قادر نہ ہونا بیان کرکے ان کے مقابلہ میں گروہ انبیاء اور اولیاء ولایت

عظمی کے قادر ہونے کا دعوی کیا ہے۔مگراس کے بعد ان انبیاء و اولیاء کا مبلغ علم ومنتہی قدرت وما بہ الفرق بتایا ،تو صرف یہ بتایا کہ ان کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی تعلیم قرآن سے زائد نہیں دی، بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات واشارات قرآن کی تفصیل ہے۔حالانکہ اس بات کے معلوم ہونے اوراس پر ایمان لانے میں اس نے بعد میں علماء ظاہر کو بھی ان کے ساتھ شریک کرلیا ہے ۔ ان انبیاء و اولیاء کا خاصہ یہ نہیں بتایا کہ وہ ان تفاصیل کو قرآن سے نکال سکتے ہیں ،جس کا پہلے دعوی کیا تھا،اور نیز علماء ظاہر کا اس بات پر جو انبیاء واولیا مانتے ہیں، ایمان لانا تسلیم کیا ہے ۔مگر پھر اس کے برخلاف ان علماء کے اس بات سے منکر ہونے اور آیات قرآن کا مکذب ہونے کا دعوی کیا ہے۔

اس روباہ بازی اور اختلاف بیانی سے مرزا قادیانی کا مقصود لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا۔اوراس اشتباہ کے ذریعہ سے ان کو اصل مطلب سے دور لے جانا ہے۔ جو دجالیت کا ایک خاصہ وخاص شیوہ ہے ،اوراپنے لئے گریز وفرار کی ایک راہ رکھ لینا۔تاکہ اگر کوئی ایک بات پر معترض ہو(مثلاً کوئی کہے کہ قرآن تفاصیل احکام پر مشتمل نہیں ۔یا اولیاء وانبیاء زمانہ حال کے قرآن سے ان تفاصیل کو نکالنے پر قادر نہیں ۔یا علماء ظاہر قرآن میں مجملات واشارات احکام پائے جانے سے منکر نہیں ہیں) تو وہ اس کے مقابلہ میں دوسری بات کو پیش کرسکے ۔مثلاً یہ کہے کہ میں نے قرآن کو تفاصیل احکام پر مشتمل نہیں کہا۔ بلکہ صرف اجمالات واشارات پر مشتمل بتایا ہے ۔اوراولیاء وانبیاء زمانہ حال کو قرآن سے ان تفاصیل کے نکالنے پر قادر نہیں بتایا۔ وہ صرف اس بات کو جانتے ہیں کہ تفاصیل احادیث کا اجمال قرآن میں موجود ہے۔ اور علماء ظاہر کو بھی اس بات کے ماننے سے منکر نہیں بتایا بلکہ قائل ومومن ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی ان باتوں کا عکس کہے تو اپنی کلام سے اس کا عکس نکال دے۔محمد حسین)

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے سنن متوارثہ متعاملہ کو نمبر پنجم و چہارم میں ایک علیحدہ حصہ بتصریح بیان کردیا ہے اور میرے نمبر پنجم کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا کہ میں نے ان سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا، بلکہ ان میں مراتب متفاوتہ کا قائل ہوں جیسا کہ میرے نمبر پنجم میں یہ عبارت ہے

؛ کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیض یابی کے یقین کے درجہ تک پہنچتی ہیں .

یعنی کوئی ان میں سے درجہ اول کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنی تک، جس کو ظن غالب کہتے ہیں (قادیانی نے اپنی تحریر نمبر ہفتم میں (جس کو پنجم کہتا ہے) صاف کہا ہے کہ

میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک کہ انکو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے، ایک درجہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں۔

اب اس کے برخلاف وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس تحریر میں سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا یہ ایک سفید جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے ۔ ہاں اس ایک درجہ یقین کے بیان کے ساتھ اس نے اس تحریر میں لفظ حسب استفاضہ اور بقدر فیض یابی بھی بول دیا تھا، جس سے از راہ روباہ بازی اس نے یہ ٹھہرا لیا تھا کہ اگر کوئی ایک درجہ یقین کے لفظ سے میرے مخالف نتیجہ نکال کر احادیث محل اختلاف کو جو یقینی نہیں ہیں، پیش کر کے مجھے الزام دے گا تو میں یہ عذر کر دونگا کہ لفظ حسب استفاضہ اور بقدر فیض یابی کہکر میں نے یہ جتا دیا تھا کہ یقین جو احادیث محل تعامل میں پایا جاتا ہے کئی مرتبہ و درجہ رکھتا ہے ۔ از انجملہ ادنی درجہ ظن غالب کا ہے۔ جو احادیث محل اختلاف میں پایا جاتا ہے۔ لہذا ان احادیث سے الزام مجھ پر عائد نہیں ہوسکتا۔ مگر بد قسمتی سے لفظ حسب استفاضہ و بقدر فیض یابی کے ساتھ اس کی قلم سے لفظ درجہ یقین بھی نکل گیا تھا، جس سے ہر کس و ناکس کو بشرطیکہ فہم وحواس سلیمہ رکھتا ہو، یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو تفاوت مراتب یقین لفظ ، حسب استفاضہ ، و ، بقدر فیض یابی، سے سمجھ میں آتا ہے وہ تفاوت ایسا نہیں کہ یقین کو اپنے درجہ سے اتار کر درجہ ظن سے پہنچاوے ۔ اور ظن غالب کو یقین کا ایک درجہ بنا دے ۔ بلکہ وہ تفاوت مراتب یقین حدود یقین کے اندر ہے ۔ اور سب مراتب متفاوتہ درجہ یقین میں شامل اور اس کے نیچے داخل ہیں ۔ کوئی مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ درجہ ظن میں اتر آیا ہو۔ لہذا اب قادیانی کا اپنے اس لفظ درجہ یقین کو بحکم دروغ گو را حافظہ نباشد بھول کر یا دیدہ دانستہ لوگوں کو وہ لفظ فراموش کرا کر لفظ حسب استفاضہ و بقدر فیض یابی کے تفصیل تین مراتب سے جن میں سے ادنی درجہ ظن ہو کرنا ، اور عقل وحیا کو استعفا دے کر ان الفاظ کی تشریح میں یہ کہنا

یعنی کوئی ان میں سے درجہ اول کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنی تک جس کو ظن غالب کہتے ہیں

ایک ایسی روباہ بازی ہے جس کو سابق روباہ بازی چلنے نہیں دیتی ۔ اس کے الفاظ درجہ یقین سے اس کی تکذیب ہوتی ہے ۔ دنیا میں ایسا کوئی عاقل نظر نہیں آتا جو ظن کو ایک درجہ یقین کا سمجھتا ہو، لہذا ممکن نہیں کہ قادیانی کا یہ قول، اس کے قول سابق کی تشریح ہو سکے ۔ وہ اپنی تحریرات سابقہ میں ظن اور ظن غالب کو یقین کا مقابل ٹھہرا چکا ہے، پھر وہ اپنے قراداد سابق کے برخلاف ظن غالب کو یقین کا ادنی درجہ کیونکر ٹھہرا سکتا ہے ۔ محمد حسین) **لیکن وہ تمام حدیثیں بغیر اس کے کہ قرآن سے آزمائی جائیں بوجہ جمع ہونے دونوں قوتوں تعامل اور صحت روایت کے اطمینان کے لائق ہیں** (یہاں تو مرزا صاحب نے احادیث متعلقہ عمل کا دونوں جہت (تعامل اور صحت روایت) سے قوت پا کر یقینی ہونا بیان کیا ہے اور سابقاً تحریر چہارم میں صاف کہا ہے کہ ان احادیث کا یقینی ہونے کا موجب صرف تعامل ہے اور فن حدیث کو اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ محمد حسین **مگر ایسی احاد حدیثیں جو سنن متوارثہ متعاملہ سے نہیں ہیں اور سلسلہ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں**

رکھتیں وہ اس درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حدیثیں صرف اخبار گزشتہ وقصص ماضیہ یا آئندہ ہیں جن کو نسخ سے بھی کچھ تعلق نہیں ۔ یہ میرا وہ بیان ہے جو میں اس تحریر سے پہلے لکھ چکا ہوں ۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے کسی پرچہ میں ان دوسرے حصہ کی احادیث کا نام سنن متوارثہ متعاملہ نہیں رکھا، بلکہ ابتدائے تحریر سے ہر جگہ حدیث کے نام سے یاد کیا ہے، جس سے میری مراد واقعات ماضیہ واخبار گزشتہ یا آئندہ تھیں اور ظاہر ہے کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور احکام متداولہ کے نکالنے کے بعد جو احادیث بکلی فرضیت تعامل سے باہر رہ جاتی ہیں وہ یہی واقعات واخبار وقصص ہیں جو تعامل کے تاکیدی سلسلہ سے باہر ہیں (قصص آئندہ میں حضرت مسیح کے نزول اور دجال کے خروج کا قصہ بھی داخل ہے۔ بلکہ یہ خصوصیت کے ساتھ مرزا قادیانی کی چوٹ کے محل ہیں ایسے ہی وہ قصص ان میں داخل ہیں جو احوال حشر ونشر و برزخ کے متعلق ہیں، جن کو عمل سے تعلق نہیں بلکہ وہ صرف متعلق اعتقاد ہیں ۔ مرزا قادیانی نے بڑا غضب ڈھایا کہ ان سب قصص کو صرف اس وجہ سے کہ وہ متعلق عمل نہیں ، درجہ صحت واعتبار سے ساقط کر دیا اور احادیث متعلقہ عمل کو، گو ان کے عمل میں اختلاف ہو، صرف عمل (گو اختلافی ہو) سے قوت یاب سمجھ کر ان کو ایسا قطعی ویقینی و بلا ریب ثابت قرار دیا کہ ان کی دست آویز سے تعلیم قرآن پر زیادتی کو بھی جائز کر دیا ہے اور عقل وفہم سے کام لے کر یا دوسرے اہل عقل وفہم وفراست کی پیروی کر کے اتنا خیال نہ کیا کہ احادیث متعلقہ عمل کو قبول کرنے اور ان کو بنظر عمل مساوی قرآن ٹھہرانے میں اس نے کس چیز پر اعتماد کیا ہے ۔ اور کس چیز نے اس کی نظر میں ان احادیث کو قطعی اور یقینی اور عمل میں قرآن کے مساوی بنا دیا ہے اور وہ چیز احادیث متعلقہ اعتقاد میں جن کو وہ قصص کہتا ہے پائی جاتی ہے یا نہیں ۔ اگر وہ اپنی یا پرائی عقل سے کام لیتا تو فوراً جان جاتا کہ وہ چیز قرارداد وقبولیت اہل اسلام ہے جو ان احادیث متعلقہ عمل پر ان کے عمل کرنے سے (گو اختلاف سے ہو) سمجھی جاتی ہے اور وہ چیز اس قرارداد وقبولیت میں ان لوگوں پر یہ حسن ظنی ہے کہ اگر وہ حدیثیں صحیح نہ ہوتیں تو ان لوگوں کے عمل میں نہ آتیں ۔ اور یہ قراداد وقبولیت بعینھا بلکہ بدرجہ اعلی واقوی ہے، احادیث متعلقہ اعتقاد میں پائی جاتی ہے ۔ کیونکہ ان احادیث متعلقہ اعتقاد کو اہل اسلام خصوصاً اہل سنت نے اتفاق کے ساتھ قبول کیا اور اپنے اعتقادیات میں داخل کیا ۔ اور متعلق اعتقاد ٹھہرایا ہے ۔ جو ان کے نزدیک بجز قطعیات متعلق نہیں ہوتا ۔ لہذا ان احادیث کی قبولیت میں ان پر یہ حسن ظنی بطریق اولی واجب ہے کہ اگر یہ احادیث یقینی صحیح اور قطعی ثابت نہ ہوتیں تو وہ ان کو اعتقادیات اسلامیہ سنیہ میں داخل نہ کرتے ۔ اس وجہ سے یہ احادیث، احادیث متعلقہ عمل سے بڑھ کر لائق قبول واعتبار ہیں ۔ اور نہ یہ خیال کیا کہ ان احادیث کو قرآن اور دیگر احادیث صحیحہ سے کوئی مخالفت وتعارض نہیں تو پھر ان کے نسخ کی تجویز کی کیا ضرورت ہے ۔ محمد حسین) اور ایک نادان بھی سمجھ

سکتا ہے کہ یہ بحث احکام کے اختلافات کی وجہ سے شروع نہیں کی گئی اور میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی نہیں، جس طرح سارے اہل اسلام احکام بینہ قرآن کریم واحادیث صحیحہ و قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں، اسی طرح میں بھی مانتا ہوں (لفظ احکام اور واجب العمل کہکر آپ نے یہ جتایا ہے کہ عقائد اسلامیہ کے جو قرآن و حدیث سے ثابت و مستنبط ہیں، ماننے میں آپ مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ بلکہ ان عقائد سے منکر ہیں، ازانجملہ اعتقاد حیات نزول مسیح ہے جو قرآن سے مستنبط ہے اور حدیث میں مصرح ہے مگر ازراہ روباہ بازی اس انکار کو آپ نے اس مقام میں صاف الفاظ میں ظاہر نہیں کیا، تاکہ تمام مسلمانوں میں آپ کے ملحدانہ اعتقاد کی پردہ دری نہ ہو۔ مگر خدا تعالی نے آپ کا پردہ پھاڑ دیا۔ اور ہماری قلم سے آپ کی کلام کا مطلب ظاہر کر دیا۔ اور اگر ان الفاظ سے عقائد اسلامیہ مستنبطہ قرآن وحدیث سے انکار آپ کا مقصود نہیں ہے تو پھر لفظ عمل وحکم کیوں بولا، اس کے ساتھ لفظ اعتقاد کہکر اعتقادیات میں اہل اسلام سے موافقت کا اقبال کیوں نہ کیا اور نیز اور جگہ اعتقاد نزول حضرت مسیح سے جو کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے، آپ نے کیوں انکار کیا اور اس اعتقاد کی متضمنہ احادیث کو مجرد قصص ٹھہرا کر کیوں رد کر دیا۔ اور جو آپ نے قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جاننے اور تسلیم کرنے کا اعتراف کیا ہے، یہ آپ کے دعوی نبوت، نیز آپ کے اس دعوی کے مخالف ہے جو قبل ازیں کر چکے ہیں کہ

جس مقام معرفت دقائق وحقائق دین کو آپ پہنچے ہوئے ہیں، اس مقام تک مجتہدین کی رسائی نہیں ہوئی اور یہ بات اپنے موقع (علم اصول) میں ثابت ہے کہ ایک مجتہد کے قیاس کو دوسرا مجتہد نہیں مانتا اور اس میں اس کی تقلید نہیں کرتا۔ پھر آپ نبی اور درجہ ولایت عظمی کے ولی ہوکر اور اس مقام معرفت کو جہاں مجتہدین پہنچ نہ سکیں، پہنچ کر مجتہدین کے قیاسات کو ماننے والے کب ہو سکتے ہیں؟ اور آپ کا یہ اعتراف، فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اگر یہ اقرار دلی اور راستی پر مبنی ہے تو پھر وہ دعوی نبوت و ولایت عظمی، فریب نہیں تو اور کیا ہے؟

الغرض ان دونوں دعاوی متناقض میں آپ سچے نہیں ہو سکتے۔ دعوی نبوت و ولایت عظمی میں سچے ہیں تو دعوی تسلیم وتقلید قیاسات مجتہدین میں جھوٹے ہیں۔ اس میں سچے ہیں تو اس میں جھوٹے ہیں۔ محمد حسین)

صرف بعض اخبار گزشتہ و مستقبلہ کی نسبت الہام الہی کی وجہ سے جس کو میں نے قرآن سے بکلی مطابق پایا ہے، بعض اخبار حدیثیہ کے میں اس طرح پر معنی نہیں کرتا جو حال کے علماء کرتے ہیں، کیونکہ ایسے معنے کرنے سے وہ احادیث نہ صرف قرآن کریم کے مخالف ٹھہرتی ہیں (یہ کہنا کہ یہ احادیث قرآن مجید اور دیگر احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں، محض مغالطہ و دھوکہ ہے۔ احادیث نزول مسیح کو نہ قرآن سے مخالفت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔ محمد حسین) بلکہ دوسری احادیث

کی بھی جوصحت میں ان کے برابر ہیں، مغائر ومبائن قرار پاتی ہیں۔سو دراصل یہ تمام بحث ان اخبار سے متعلق ہے جن کے نسخ کی نسبت کوئی سلف وخلف میں سے قائل نہیں، کوئی باسمجھ انسان ایسا نہیں جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں حضرت عیسی کی وفات کا ذکر ہے، حدیثوں سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ یا یہ عقیدہ ہو کہ حدیثیں اپنی صحت میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ بلکہ اس راہ میں بحالت انکار بجز اس طریق کے مجال کلام نہیں کہ یہ کہا جائے کہ وہ آیتیں پیش کرو ہم حدیثوں سے مطابق کر دیں گے۔

سوائے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں کاش آپ نے دیانت و امانت کو مدنظر رکھ کر وہی طریق مقصود اختیار کیا ہوتا۔کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ جو احادیث تعامل کے سلسلہ میں داخل ہوں، ان کو میں بحث متنازعہ فیہ سے باہر کر چکا ہوں؟ اور اگر معلوم تھا تو پھر کیوں آپ نے گدھے کے حرام ہونے کی حدیث پیش کی؟ کیا کسی ایسی چیز کو حرام یا حلال کرنا احکام میں سے نہیں؟ اور کیا احکام اکل وشرب کے تعامل الناس سے باہر ہیں؟ اور پھر آپ نے لعنت علی الواشمات والمتوشمات کی بھی حدیث پیش کر دی اور آپ کو کچھ خیال نہ آیا کہ یہ تو سب احکام ہیں جن کیلئے تعامل کے سلسلہ کے نیچے داخل ہونا ضروری ہے۔آپ سچ کہیں کہ ان تمام غیر متعلق باتوں سے آپ نے اپنا اور سامعین کا وقت ضائع کیا یا کچھ اور کیا؟ لوگ منتظر تھے کہ اصل بحث کے سننے سے جس کا ایک دنیا میں شور پڑ گیا ہے، فائدہ اٹھاویں اور حق اور ناحق کا فیصلہ ہو۔لیکن آپ نے نکمی اور فضول اور بے تعلق باتیں شروع کر دیں۔شائد ان باتوں سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے ہوں گے جن میں اصل مقصود کی شناخت کا مادہ نہیں، لیکن میں سنتا ہوں کہ حقیقت شناس لوگ آپ کی اس تقریر سے سخت ناراض ہوئے اور آپ کی مناظرانہ لیاقت کا مادہ انہوں نے معلوم کر لیا کہ کہاں تک ہے بہرحال چونکہ آپ اپنے اس دھوکہ دینے والے مضمون کو ایک جلسہ عام میں سنا چکے ہیں اس لئے میں مواضع مناسب سے آپ کے اقوال قولہ، اقول کے طرز پر بیان کرتا ہوں تا منصفین پر کھل جائے کہ کہاں تک آپ نے دیانت وراستی وتہذیب اور طریق مناظرہ کا التزام کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

قولہ۔آپ نے میرے سوال کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا کہ احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع یا مختلط۔

اقول ۔ حضرت میں آپ کو کئی دفعہ جواب دے چکا ہوں کہ حصہ دوم احادیث کا جو تعامل کے سلسلہ سے یا یوں کہو کہ سنن متوارثہ متعاملہ سے باہر ہے صرف ظن کے درجہ پر ہے اور یہی میرا مذہب ہے اور چونکہ اس حصہ سے جو اخبار گذشتہ یا مستقبلہ کی قسم میں سے ہے، نسخ بھی متعلق نہیں اس لئے درحالت مخالفت نصوص بینہ قرآن قابل تسلیم نہیں ۔ اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی بین قرآن سے مخالف ہوگی تو قابل تاویل ہوگی یا موضوع قرار پائیگی

قولہ ۔ صحیح بخاری و مسلم میں کوئی حدیث ہے جو بوجہ تعارض موضوع ٹھہر سکتی ہے؟

اقول ۔ بیشک حصہ دوم کے متعلق کئی حدیثیں ایسی ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں، کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے (یہ بھی محض قادیانی کا کذب ہے۔قرآن کی کسی آیت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عیسی فوت ہو چکے ہیں ۔ بلکہ قرآن حضرت مسیح کا نزول اشارۃً بیان کرتا ہے احادیث اس اشارہ کی تصریح کرتی ہیں ۔ پھر مخالفت کیسی ۔ اور تجویز نسخ کے کیا معنی ۔ اور مطابقت کی کیا ضرورت و حاجت باقی رہتی ہے ۔ محمد حسین) اور صحیحین کی بعض حدیثیں اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرن اسی بات کا مقر رہے ۔ اور نصاری کا یونی ٹیرین فرقہ بھی اسی بات کا قائل ہے، اور یہودیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے ۔ اب ان مخالف حدیثوں کی، جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں، ہماری طرز پر تاویل نہ کی جائے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہریں گی (یہ بھی قادیانی کی ایک روباہ بازی ہے ۔ وہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال کے الفاظ کو غیر صحیح و موضوع وضعیف قرار دے چکا ہے ۔ چنانچہ پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہی اس کی تقریر کا نتیجہ ہے مگر اس مقام میں وہ ان کے الفاظ کی عدم صحت کا دعوی چھوڑ کر صرف ان احادیث کے معانی ظاہری سے، جو علماء اسلام کرتے ہیں، انکار کا مدعی بن بیٹھا ہے، جس سے اس نے یہ جتایا ہے کہ میں صحت ان احادیث کی تو مانتا ہوں، اس میں تمام مسلمانوں کا مخالف نہیں ہوں ۔ ہاں صرف میں اس کے معنے وہ نہیں کرتا جو علماء کرتے ہیں ۔ اور اگر یہ امر جو اس نے یہاں جتایا ہے اس کے دلی اعتقاد کے مطابق ہے تو اس کا فرض ہے کہ جو اس کی کلام میں جابجا ان احادیث کے موضوع یا غیر صحیح یا ضعیف ہونے پر تصریح پائی گئی ہے اس کے غلط ہونے کا اشتہار دے اور آئندہ صاف اور کھلے الفاظ سے اعتراف کرے کہ یہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال وغیرہ صحیح ہیں، ان کی صحت میں مجھے کسی قسم کا شک واشتباہ اور عام مسلمانوں سے خلاف نہیں ۔ میں صرف ان احادیث کے معانی میں عام مسلمانوں سے مخالف ہوں، ظاہری معانی کو چھوڑ کر تاویلی معنے کرتا ہوں ۔ اور اگر یہ اشتہار واعتراف اس سے وقوع میں نہ آوے تو قادیانی کے دام افتادہ

اس کو صحت الفاظ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح سے منکر سمجھیں۔ محمد حسین) اور خود وہ حدیثیں پکار پکار کر بتلا رہی ہیں کہ ابن مریم کا لفظ ان میں حقیقت پر محمول نہیں، لیکن اس زمانہ کے اکثر مولوی صاحبان اور خاص کر آپ کی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن سے ان کی تطبیق نہ دی جائے گو وہ بوجہ اس مخالفت کے موضوع ہی ٹھہر جائیں۔ آپ کا دعوی تطبیق کا ہے لیکن اس فضول دعوی کو کون سنتا ہے جب تک آپ اس بحث کو شروع کر کے تطبیق کر کے نہ دکھلائیں۔

ایسا ہی کئی اور حدیثیں بھی ہیں جن میں سخت تعارض باہمی پایا جاتا ہے۔ مثلاً بخاری کے صفحہ ۴۵۵ میں جو معراج کی حدیث بروائت مالک لکھی ہے وہ دوسری حدیثوں سے جو اسی بخاری میں درج ہیں، بالکل مختلف ہے۔ صرف نمونہ کے طور پر دکھاتا ہوں کہ اس حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسی کو چھٹے آسمان پر دیکھا لیکن بخاری کے صفحہ ۴۷۱ میں ابوذر کی روایت سے بجائے موسی کے ابراہیم کا چھٹے آسمان پر دیکھنا لکھا ہے۔ اور پھر وہ حدیث بخاری کی جو باب صلوۃ میں ہے اور نیز امام احمد کی مسند میں بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں تھا اور اسی پر اکثر صحابہ کا اتفاق بھی ہے، لیکن بخاری کی حدیث صفحہ ۴۵۵ میں جو مالک کی روایت سے ہے اور نیز بخاری کی وہ حدیث جو شریک بن عبداللہ سے ہے، صاف بیان کر رہی ہیں کہ وہ اسراء یعنی معراج نیند کی حالت میں تھا۔ اور تینوں حدیثوں میں محل نزول جبریل مختلف لکھا ہے کسی میں عند البیت اور کسی میں اپنا گھر ظاہر کیا ہے، اور شریک کی حدیث میں قبل ان یوحی کا لفظ بھی درج ہے، جس سے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبری سے پہلے معراج ہوا تھا، حالانکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اسراء بعد بعثت ہوا ہے، تبھی تو نمازیں بھی فرض ہوئیں۔ اور خود حدیث بھی بعد البعثت پر دلالت کر رہی ہے جیسا کہ اسی حدیث میں جبریل کا قول بوا ب السماء کے اس سوال کے جواب میں کہ ابعث؟ نعم لکھا ہے۔ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ اسراء متعدد اوقات میں ہوا ہے اسی وجہ سے کبھی موسی کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور کبھی ابراہیم کو، تو یہ تاویل رکیک ہے کیونکہ انبیاء اور اولیاء بعد موت اپنے اپنے مقامات سے تجاوز نہیں کرتے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

ماسوا اس کے معراج کے متعدد ماننے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض احکام ناقابل تبدیل اور مستمرہ کا فضول طور پر منسوخ ماننا پڑتا ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے

ضرورت تنسیخ کا مرتکب قرار دے کر پھر پشیمانی کے طور پر پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنے والہ اعتقاد کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر قصہ معراج کئی مرتبہ واقع ہوا ہے جیسا کہ احادیث کا تعارض دور کرنے کیلئے جواب دیا جاتا ہے، تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد پیدا ہونا چاہیے کہ مثلاً پہلی دفعہ کی معراج کے وقت میں نمازیں پچاس فرض کی گئیں اور ان پچاس میں تخفیف کرانے کیلئے کئی مرتبہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمدورفت کی۔ یہاں تک کہ پچاس نماز سے تخفیف کرا کر پانچ منظور کرائیں اور خدا تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اب ہمیشہ کیلئے غیر مبدل یہ حکم ہے کہ نمازیں پانچ مقرر ہوئیں۔ اور قرآن پانچ کیلئے نازل ہو گیا۔ پھر دوسری دفعہ کی معراج میں یہی جھگڑا پھر از سر نو پیش آ گیا، تو خدا تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہو چکا تھا اس کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا۔ مگر پھر آنحضرت ﷺ نے پہلی دفعہ کے معراج کی طرح پچاس نمازوں میں کچھ تخفیف کرانے کی غرض سے کئی دفعہ حضرت موسیٰ اور اپنے رب میں آمدورفت کر کے نمازیں پانچ مقرر کرائیں اور جناب الٰہی سے ہمیشہ کیلئے یہ منظوری ہوگئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں اور قرآن میں یہ حکم غیر متبدل قرار پا گیا۔ لیکن تیسری دفعہ کے معراج میں وہی پہلی مصیبت پھر پیش آ گئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی آیتیں جو غیر متبدل تھیں، منسوخ کی گئیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے بہت سی دقت اور بار بار کی آمدورفت سے پانچ نمازیں منظور کرائیں مگر منسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی۔

اب کیا یہ سمجھ آ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک دفعہ تخفیف کر کے پھر پانچ سے پچاس نمازیں بنا دے اور پھر تخفیف کرے اور پھر تخفیف کر کے پچاس کی پانچ ہو جائیں۔ اور بار بار قرآن کی آیتیں منسوخ کی جائیں اور حسب منشاء نأت بخیر منها او مثلها اور کوئی آیت ناسخ نازل نہ ہو۔ درحقیقت ایسا خیال کرنا وحی الٰہی کے ساتھ ایک بازی ہے۔ جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا ان کا مدعا یہ تھا کہ کسی طرح تعارض دور ہو، لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دور نہیں ہو سکتا، بلکہ اور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ ایسا ہی اور کئی حدیثوں میں تعارض ہے۔

قولہ۔ آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں۔ اول وہ حصہ جو تعامل میں آ چکا ہے جس میں وہ تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں

دوسرا وہ حصہ جو تعامل سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ حصہ یقینی طور پر صحیح نہیں ہے اور اگر قرآن سے مخالف نہ ہو تو صحیح تسلیم ہو سکتا ہے۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایات اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔

اقول ۔ آپ کا یہ ثابت کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ علاوہ حدیث دانی کے، سخن فہمی کا بھی آپ کو بہت سا ملکہ ہے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اپنی پہلی تحریروں کے نمبر چہارم و پنجم میں بیان کیا ہے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کیلئے ایک عام فہم عبارت ہے ۔اسی لئے میں نے اہل حدیث کی اصطلاح سے کچھ سروکار نہیں رکھا کیونکہ جو مضمون جلسہ عام میں پڑھا جائے وہ حتی الوسع عوام کے فہم اور استعداد کے موافق ہونا چاہیے ، نہ کہ ملاؤں کی طرح لفظ لفظ میں اپنے علم کی نمائش ہو۔اور یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فی الواقع احادیث کے دو ہی حصے ہیں۔ایک وہ جو احکام اور ایسے امور سے متعلق ہیں جو اصل اسلام اور تعامل سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک وہ جو حکایات اور واقعات اور قصص اور اخبار ہیں جنکا سلسلہ تعامل سے کچھ ایسا ضروری تعلق قرار نہیں دیا گیا۔سو میں نے ضروریات دین کے لفظ سے انہی امور کو مراد لیا ہے جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے ۔اور آپ اپنی حدیث دانی دکھلانے کیلئے اس صاف اور سیدھی تقریر پر بے جا مواخذہ کرنا چاہتے ہیں اور ناحق ضروریات کے لفظ کو پکڑ لیا ہے۔کیا آپ کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ ہر ایک شخص اپنے لئے اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ اگر ضروریات سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں رہتی ۔آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت اور ضرورت کے متعلق ہے۔لیکن افسوس کہ آپ دانستہ حق پوشی کر رہے ہیں۔آپ خوب جانتے ہیں کہ اخبار وقصص کو جو امر متنازعہ فیہ ہے، سلسلہ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں۔ جو کچھ ہمیں مسلمان بننے کے لئے ضرورتیں ہیں وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول سے حاصل ہیں اور وہی احکام تعامل کی صورت میں عصراً بعد عصر صادر ہوتے رہتے ہیں ۔مسلم اور بخاری میں کئی جگہ بنی اسرائیل کے قصے اور انبیاء اور اولیاء اور کفار کی بھی حکائتیں ہیں جن پر بجز خاص خاص لوگوں کے، جو فن حدیث کا شغل رکھتے ہیں، دوسروں کو اطلاع تک نہیں اور نہ حقیقت اسلامیہ کی تحقیق کے لئے ان کی اطلاع کچھ ضروری ہے۔سو

وہی اور اسی قسم کے اور امور ہیں جن کا نام میں احادیث مجردہ رکھتا ہوں، سنن متوارثہ کے نام سے انہیں موسوم نہیں کرتا۔ اور وہی ہیں جو سلسلہ تعامل سے خارج ہیں اور مسلمانوں کو تعامل کی حدیثوں کی طرح ان کی کوئی بھی ضرورت نہیں۔ اگر اسی مجلس میں بعض قصص بخاری یا مسلم کے حاضر الوقت مسلمانوں سے دریافت کئے جائیں تو ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے نکلیں گے جن کو وہ تمام حالات معلوم ہوں۔ بلکہ بجز کسی ایسے شخص کے جو اپنی معلومات کے بڑھانے کی غرض سے دن رات احادیث کا شغل رکھتا ہے اور کوئی نہیں ہے، جو بیان کر سکے۔ لیکن ہر یک مسلمان ان تمام احکام اور فرائض کو جو ہم پہلے حصہ میں داخل کرتے ہیں عملی طور پر یاد رکھتا ہے کیونکہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اس کو کرنے پڑتے ہیں یا کبھی کبھی کرنے کیلئے وہ مجبور کیا جاتا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ تعامل کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب ثبوت کے لحاظ سے ایک درجہ پر نہیں۔ جن امور کی مواظبت و مداومت بلافتور و اختلاف چلی آئی ہے وہ اول درجہ پر ہیں، اور جس قدر احکام اپنے ساتھ اختلاف لے کر تعامل کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں وہ بحسب اختلاف اس پہلے نمبر سے کم درجہ پر ہیں مثلاً رفع یدین وعدم رفع یدین جو دونوں طرح کا تعامل چلا آتا ہے۔ ان دونوں طوروں سے جو تعامل قرن اول سے آج تک کثرت سے پایا جاتا ہے، اس کا درجہ زیادہ ہوگا اور بایں ہمہ دوسرے کو بدعت نہیں ٹھہرائیں گے، بلکہ ان دونوں عملوں کی تطبیق کی غرض سے یہ خیال ہوگا کہ باوجود مسلسل تعامل کے پھر اس اختلاف کا پایا جانا اس امر پر دلیل ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ہفت قرئت کی طرح طرق ادائے صلوۃ میں رفع تکلیف امت کے لئے وسعت دے دی ہوگی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو نمبر اول سلسلہ تعامل احکام ہے وہ اختلاف سے بکلی محفوظ ہے کوئی مسلمان اس بات میں اختلاف نہیں رکھتا کہ فریضہ صبح دو رکعت ہیں اور مغرب کی تین۔ الخ۔

☆ حضرت بٹالوی کا تبصرہ

اس تمہید اور اس کی مؤید تفصیل میں مرزا قادیانی نے بیان کیا ہے کہ

میں اپنے مخاطب کے سوال کا جواب اپنی تحریر چہارم و پنجم میں دے چکا ہوں کہ صحیحین.

کی جملہ احادیث جو عمل کے متعلق ہیں اور ان میں فروعات اختلافیہ مثل رفع یدین وعدم رفع یدین داخل ہیں ، بے چون و چرا صحیح ومقبول ہیں کیونکہ عمل سے (گو اختلافی طور پر ہو) وہ قوت پا کر قطعی ہو چکے ہیں، ان احادیث کو قرآن سے پرکھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ بظاہر مخالف قرآن ہوں تو بھی مقبول ہیں اور ان احادیث سے تعلیم واحکام قرآن پر زیادتی بھی جائز ہے اور جو صحیحین کی حدیثیں متعلق عمل نہیں ہیں، ان کے اگر یہی ظاہری معنی ہیں جو علما بیان کرتے ہیں تو وہ صحیح نہیں، بلکہ موضوع ہیں اور لائق قبول واعتبار نہیں ہیں، کیونکہ ان کو عمل سے قوت نہیں پہنچی، اس لئے وہ ظنی ہیں اور ان کی صحت پرکھنے کیلئے ان کو قرآن پر پیش کرنا، پھر ان کا موافق قرآن ہونا ضروری ہے ۔ لہذا جس حدیث کا مضمون مخالف قرآن ہو وہ حدیث صحیح نہیں موضوع ہے، اور احادیث متعلقہ نزول مسیح کے بظاہر معنے جو علما بیان کرتے ہیں اسلئے مخالف قرآن ہیں کہ ان احادیث کے ان معنے سے حضرت مسیح کی حیات ثابت ہوتی ہے اور قرآن کریم قطعی فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو گیا ہے (یہ الفاظ بعینہ مرزا کے ہیں)

ہم کہتے ہیں اس بیان میں مرزا قادیانی نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو ضلالت والحاد میں پھنسانا چاہا ہے ۔

اول تو اس کے اس بیان تمہید کا اس کی تحریر چہارم و پنجم یا کسی اور تحریر میں نام و نشان نہیں اور اگر

☆ ۲ ۔ بالفرض یہ بیان ان تحریرات میں ہے تو یہ ہمارے اصل سوال کا قطعی کامل جواب نہیں ہے ۔

☆ ۳ ۔ اور یہ اس سوال کا جواب ہے تو یہ اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت جماعت کی رو سے صحیح جواب نہیں ، بلکہ ایک ملحدانہ جواب ہے جو اصول مذہب اسلام وسنت سے بالکل مخالف ہے

ہماری اس تجویز کی پہلی شق کا ثبوت

مرزا قادیانی کی تمہید اور اس کی مئوید تفصیل کی فضول باتوں سے چشم پوشی کر کے اصل مطلب کی طرف دیکھا جاتا ہے تو وہ پانچ امور یا دعاوی معلوم ہوتے ہیں ۔

☆ اول ۔ یہ کہ احادیث تعامل سے اس کی مراد احادیث متعلق عمل ہیں جن میں اعمال

اتفاقیہ (جیسے نماز، روزہ، وغیرہ) واختلافیہ (مثل رفع یدین وآمین بالجہر) سب داخل ہیں۔

☆ دوم۔ یہ کہ اس قسم کی سب احادیث صحیحین کی قطعی اور بلا ریب ویقینی صحیح وثابت اور واجب العمل ہیں۔

☆ سوم۔ ایسی احادیث کو دو جہت سے قوت وقطعیت حاصل ہوئی ہے، ایک تعامل سے دوسرے صحت روایت سے۔

☆ چہارم۔ یہ سب احادیث ایسی صحیح وقوی وقطعی الثبوت ہیں کہ ان کی صحت پر کھنے کیلئے ان کو قرآن پر پیش کرنا اور قرآن سے ان کی موافقت ثابت کرنا ضروری نہیں، بلکہ وہ بظاہر مخالف قرآن بھی ہوں تو وہ واجب القبول والعمل ہیں، اور ان احادیث کی رو سے قرآن مجید کی تعلیم واحکام پر زیادتی بھی جائز ہے۔

☆ پنجم۔ ان احادیث کے قطعی ویقینی الثبوت ہونے کے تین مرتبہ یا درجہ ہیں۔

اعلی، جیسے احادیث متعلقہ عدد رکعات نماز فرائض۔

اوسط، جس سے وہ احادیث مراد ہیں جن کے عمل میں اختلاف چلا آیا ہے، مگر جانب عمل میں بہ نسبت جانب ترک کثرت ہے۔

ادنی، جس سے وہ احادیث محل اختلاف مراد ہیں جن کی جانب عمل میں بہ نسبت جانب ترک قلت ہے۔

اس تیسرے مرتبہ یقین کی نسبت مرزا قادیانی نے یہ بھی کہد یا ہے کہ اس کو ظن غالب کہتے ہیں اور عقل انصاف حیا کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال نہ کیا کہ ظن تو (اگرچہ غالب ہو) یقین کا مقابل ہوتا ہے اور میں نے اپنی تحریر نمبر چہارم وپنجم وغیرہ میں اس کو یقین کے مقابلہ میں ذکر کیا اور اس کا مقابل بنایا ہے۔ پھر وہ یقین کی ایک قسم کیونکر ہوسکتا ہے؟

مگر شائد وہ اس وجہ سے بے فکر و بلاخوف ہوکر ایسی باتیں کہد یتا ہے کہ اہل عقل وانصاف سے مجھے کیا کام؟ جن لوگوں سے مجھے کام ہے اور وہ میرے دام میں آچکے ہیں، وہ عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ہیں۔ لہذا میں جو کچھ ان کو کہوں گا، دن کو رات یا رات کو دن، وہ بے چون وچرا اس کو مان لیں گے اور اس کے شکریہ میں فلوس مقررہ بھیج دیں گے اہل عقل وانصاف جو چاہیں کہا کریں۔

ان پانچوں امور یا دعاوی میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس پر مرزا قادیانی

نے اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم یا کسی اور تحریر میں تصریح کی ہو، یا اس کی طرف اس کا اشارہ پایا گیا ہو۔ دیگر تحریرات میں تو وہ ان کے بیان کا خود مدعی نہیں ہوا، تحریر نمبر چہارم و پنجم میں ان کے بیان کا مدعی ہوا ہے لہذا ان دونوں تحریروں کی عبارات اس مقام میں نقل کر کے ناظرین پر قادیانی کا کذب ثابت کیا جاتا ہے۔

نقل تحریر چہارم قادیانی

و اثبات مخالفت مضمون آن، بمضمون تمہید آن بہتانی

واضح ہو کہ جس تحریر کو قادیانی نے تحریر نمبر چہارم کہا ہے اور مباحثہ مطبوعہ رسالہ الحق (قادیانی) میں اس کو نمبر چہارم قرار دیا ہے وہ دراصل تحریر نمبر پنجم ہے (چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸، ۹، ۱۰ جلد ۱۳ کے ملاحظہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا) اس تحریر میں قادیانی نے جو کچھ تعامل کے متعلق کہا ہے وہ یہ ہے (جو اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ بصفحہ ۲۵۵ اور مباحثہ الحق میں بصفحہ ۲۱ مندرج ہے)

ان کا (محدثین) کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ صحت کامل تک پہنچ گئی ہے، ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو۔ غرض علم حدیث ایک ظنی علم ہے، جو مفید ظن ہے اور اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم وصلوۃ، حج و زکوۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکہ کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں وبس بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل ساتھ ساتھ چلا آیا ہے۔ اگر فرض کریں کہ یہ فن دنیا میں پیدا نہ ہوتا تو پھر بھی سب اعمال و فرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے، یا نماز نہیں پڑھتے تھے، یا زکوۃ نہیں دیتے تھے؟ ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام و اعمال کو ایک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ

باتیں جمع کی جاتیں، تو بے شک یہ درجہ یقینی الثبوت تام کا جو اب ان میں پایا جاتا ہے، ہرگز نہ ہوتا۔ سو یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوۃ و غیرہ کی تفاصیل معلوم ہوئی ہیں، بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کوفن حدیث سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے۔ میرا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثیں اگر وہ صحیح بھی ہوں لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں سوان حدیثوں کی حقیقی صحت پر کھنے والہ قرآن شریف ہے۔

اس تحریر نمبر پنجم (یا بقول قادیانی نمبر چہارم میں) مرزا نے تعامل اور احادیث محل تعامل کی نسبت اس عبارت کے سوا ایک فقرہ بلکہ ایک لفظ تک نہیں کہا اور اس عبارت میں امور یا دعاوی خمسہ مذکورہ کا نام ونشان کہیں پایا نہیں جاتا، بلکہ ان کا خلاف موجود ہے۔ امر اول و پنجم کے برخلاف اس عبارت میں مرزا نے تعامل قطعی اور یقینی وتام ثبوت کی تمثیل میں صرف اتفاقی احکام و اعمال نماز وحج، زکوۃ کو ذکر کر کے یہ جتایا ہے کہ احادیث تعامل سے وہ احادیث مراد ہیں جن پر اتفاق کے ساتھ عمل چلا آیا ہے اور ان کو یقینی وثبوت تام کا درجہ حاصل ہے۔ اور امر دوم وسوم کے برخلاف اس نے علم احادیث کوظنی ومفید ظن کہا ہے اور اس فن کو سلسلہ تعامل سے بالکل بے تعلق قرار دیا ہے اور قطعیت حکم صوم وصلوۃ وحج وزکوۃ کو صرف تعامل کا اثر بتایا ہے اور روایت کو اس اثر میں محض بے دخل ٹھہرایا ہے۔ اور امر چہارم و پنجم کے برخلاف اس نے جملہ احادیث کوظن یا غالب ظن کے مرتبہ میں ٹھہرا کر ان سکو امتحان صحت کیلئے قرآن پر عرض کرنے کا محتاج ٹھہرایا ہے اور کسی حدیث کو اس سے مستثنی نہیں کیا۔

ان تصریحات وعبارات کے ساتھ اس کا یہ کہنا کہ جو کچھ میں تمہید میں کہہ رہا ہوں وہ تحریر نمبر چہارم میں کہہ آیا ہوں، کذب محض اور دھوکہ دہی نہیں تو کیا ہے؟

نقل عبارت تحریر نمبر پنجم کا دیا یانی

واثبات مخالفت مضمون آن، بمضمون تمہید آن کذاب لا ثانی

واضح ہو کہ جس اپنی تحریر کو مرزا قادیانی نے تحریر نمبر پنجم قرار دیا ہے اور مباحثہ مندرجہ الحق (قادیانی) میں اس کو نمبر پنجم کہا ہے وہ درحقیقت نمبر ہفتم ہے (چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر

۸ وغیرہ جلد۱۳۔اور نمبر ۵ جلد۱۴ کے ملاحظہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا) اس تحریر میں قادیانی نے جو کچھ متعلق تعامل واحادیث کہا ہے، وہ یہ ہے (جو اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ ج ۱۴ میں بصفحہ ۱۱۸ وغیرہ اور مباحثہ مندرجہ الحق میں بصفحہ ۳۱ وغیرہ منقول ہے)

. احادیث کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لا ریب سلسلہ نے قوت دی ہے اومرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے، اور نہ وہ راویوں کی وثاقت واعتبار کی وجہ سے ہوئی ہے، بلکہ وہ قوت ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے، ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جس کو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے سے ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں، ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا، اور غایت کار مفید ظن ہوسکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئیں ہیں وہ یقینی اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے، بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقوی طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے ۔اور ان تمام امور کا کما حقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ ثبوت پر، جو حکم روایت کا رکھتا ہے، پہنچنا حکم محال کا رکھتا ہے ۔سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں وہ بحسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیض یابی کے، یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں ۔ لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ تک ہیں۔ اس لئے میرا مذہب بخاری ومسلم وغیرہ کتب کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں، بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے، ظن کی حالت میں ہیں۔لیکن اس حالت میں، میں حدیث کو، جب تک قرآن کے

صریح مخالف نہ ہو، موضوع قرار نہیں دے سکتا۔

ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روایت کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کیلئے مقرر کیا، لیکن کبھی انہوں نے دعوی نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور کوئی معصوم نہیں ٹھہر سکتا، اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے، لہذا رواۃ کے حالات صدق و کذب و دیانت و خیانت کے پرکھنے کے لئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھی، تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتی، لیکن وہ تحقیقات میسر نہیں آسکی۔ سو ہر ایک منصف اور ایمان دار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے، کہ بجز ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور چلی آتی ہیں، باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے پر ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ وہ تمام حدیثیں سلسلہ تعامل کی تقویت یاب نہیں، صرف ظن یا شک کے درجہ پر ہیں۔ اور فن حدیث کی تحقیقاتیں ان کو ثبوت کامل کے درجہ تک نہیں پہنچا سکتیں ..... میری غرض تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثوں کو قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہیے، ہاں اگر سلسلہ تعامل کی رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کر سکتا ہوں، کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے۔ میں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یوں ہی بلا وجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا، بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے۔ ہاں جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی اس کو میں، من جانب رسول کریم ﷺ یقین نہیں کرونگا۔ ہاں سلسلہ تعامل کی حدیثیں اس سے مستثنی ہیں۔

اس عبارت میں بھی امور خمسہ مذکورہ بالا مندرجہ تمہید قادیانی کا نام ونشان پایا نہیں جاتا بلکہ تحریر نمبر چہارم سے بڑھ کر ان امور کا خلاف اس میں موجود ہے۔

☆ امر اول و پنجم کے برخلاف اس میں احادیث حصہ اول متعلقہ سلسلہ تعامل کا ایک مرتبہ یقین و کامل ثبوت مقرر کیا ہے اور باقی احادیث حصہ دوم کا (جن کو تعامل سے تعلق نہیں) مرتبہ ظن یا غالب ظن ٹھہرایا۔ اس کی عبارت میں حصہ اول کی نسبت الفاظ . ایک مرتبہ یقین ، کامل ثبوت ؛ وغیرہ استعمال کیئے گئے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں حصہ دوم کی نسبت یہ الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں کہ وہ مرتبہ ظن سے بڑھ کر نہیں ، غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ پر ہیں ۔ وہ یقینی اور قطعی الثبوت نہیں وغیرہ ۔

ہر چند حصہ اول کی نسبت اس نے ایک لفظ بحسب استفاضہ و بقدر فیض یابی بھی بول دیا ہے ولیکن چونکہ وہ لفظ اس نے مقابلہ ظن و غالب ظن بولا ہے لہذا اس لفظ سے جو درجہ مراد ہوگا وہ ضرور ایک یقین ہی کا درجہ ہوگا، اس سے ظن غالب کا درجہ مراد نہ ہو سکے گا، جیسا کہ اس نے اب تمہید میں ادنی درجہ یقین کو ظن غالب قرار دیا ہے۔ اور روز روشن میں اپنے اتباع کی آنکھوں میں خاک ڈالنا چاہا ہے۔

☆ اور امر دوم سوم کا خلاف بڑے زور وشور سے کیا، اور صاف کہہ دیا کہ جو قوت حصہ اول احادیث کو حاصل ہے وہ روایت سے اور راویوں کی وثوق واعتبار کی وجہ سے نہیں ہے، اور نہ وہ حدیث کی ذاتی قوت ہے اور نہ اس فن کی تحقیقاتیں قطعی اور یقینی ہیں، اور نہ وہ ثبوت کامل کی مثبت ہو سکتی ہیں، بلکہ وہ صرف تعامل کی وجہ سے و بس۔

☆ امر چہارم کے ان الفاظ کو کہ ۔ احادیث تعامل قرآن پر عرض ہونے کی محتاج نہیں ۔ گو الفاظ تحریر پنجم (یا ہفتم) قادیانی سے ظاہری اتفاق ہے، مگر ان الفاظ کے معانی کو مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) سے کلی اختلاف ہے۔ الفاظ امر چہارم تمہید میں مرزا قادیانی نے احادیث تعامل کو ایسا عام اور وسیع کیا ہے کہ احادیث متعلقہ فروعات اختلافیہ رفع یدین وغیرہ کو جو باتفاق امت محمدیہ ظنیات سے ہیں، ان میں شامل کر لیا ہے۔ اور پھر ظن کو ایک ادنی مرتبہ یقینی قرار دے کر ان ظنیات فروعیہ اختلافیہ کو اس مرتبہ میں داخل کر کے یقین بنا لیا ہے۔ مگر مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) میں احادیث متعلق تعامل کو بلا شبہ یقین اور کامل ثبوت کی قیدیں لگا کر ان احادیث سے مخصوص کر دیا ہے جو محل اتفاق ہیں، اور ان کے عمل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسے احادیث متعلقہ حکم فرضیت صلوۃ، صوم یا عدد رکعات ہیں۔ لہذا مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) کا یہ فیصلہ ہے کہ جو احادیث بلا اختلاف متعلق تعامل ہیں اور وہ بلا شبہ اور بلا ریب قطعی ویقینی ہیں اور ثبوت کامل کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں، وہ محتاج عرض قرآن نہیں ہیں، باقی سب احادیث جن کے عمل وترک میں اختلاف ہے اور اس وجہ سے وہ رتبہ صحت و ثبوت کامل تک نہیں پہنچیں، اور وہ بلا شبہ قطعی ویقینی نہیں، وہ قرآن پر عرض ہونے کی محتاج ہیں۔ اور یہ فیصلہ امر چہارم تمہید کے صریح مخالف ہے۔

اس بیان سے ہماری تجویز کی شق اول ثابت ہوئی اور یہ بات ثبوت کو پہنچی کہ جو کچھ مرزا قادیانی نے تمہید میں بیان کیا ہے اس کی تحریر چہارم و پنجم وغیرہ میں اس کا نام و

نشان نہیں، بلکہ صریح خلاف موجود ہے۔ اس بیان میں مرزا قادیانی نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔

☆ ہماری تجویز کی دوسری شق کا جواب

فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ قادیانی کا بیان تمہید اس کی تحریر نمبر چہارم و پنجم میں موجود ہے، تاہم اس بیان میں ہمارے سوال کا جواب کامل وقطعی نہیں ہے۔ اس بیان میں گو احادیث صحیحین متعلقہ عمل کو صحیح وقطعی الثبوت و واجب العمل مان لیا ہے، مگر ان احادیث کی نسبت جو متعلق عمل نہیں بلکہ متعلق قصص واخبار ہیں (جیسے احادیث نزول مسیح) کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ شرطی طور پر یہ کہا ہے کہ اگر ان کا مضمون موافق قرآن ہوگا تو ان کو صحیح تسلیم کیا جائے گا، مخالف ہوگا تو موضوع قرار دیا جائے گا۔ پھر اس امر کا قطعی فیصلہ نہیں کیا کہ احادیث متعلقہ نزول مسیح کا واقعی اور اصلی مضمون موافق قرآن ہے۔ و بناءً علیہ صحیح و واجب التسلیم ہے۔ یا وہ مضمون مخالف قرآن ہے، لہذا وہ احادیث موضوع ہیں۔ بلکہ ان کی نسبت شتر مرغی اختیار کر کے دورخی بات کہی ہے کہ ان احادیث کے جو ظاہری معنے علماء کرتے ہیں، ان معنے کی نظر سے وہ احادیث موضوع ہیں، اور جو تاویلی معنی ہم خود بدولت کرتے ہیں ان معنی کی نظر سے وہ صحیح اور موافق قرآن ہیں۔ جس پر اس سوال کی جگہ ہے کہ ان احادیث کے معانی واقع اور نفس الامر میں مراد شارع ﷺ ایک ہی ہوں گے۔ ظاہری (جو علماء اسلام بحکم قواعد مقررہ و مسلمہ مراد شارع ٹھہراتے ہیں) یا تاویلی وتحریفی (جو از روئے الحاد و باطنیت خود بدولت مراد لیتے ہیں) پس اگر آپ کی رائے واعتقاد میں ان احادیث کے وہی تاویلی معنے صحیح ہیں جو آپ نے گھڑ لئے ہیں اور وہ آپ کے خیال میں قرآن مجید کے موافق و مطابق ہیں تو آپ کو جزم و یقین کے ساتھ ان احادیث کو صحیح اور قطعی الثبوت اور واجب القبول قرار دینا چاہیے، اور برملا اور صاف صاف کہنا چاہیے کہ ان احادیث کے یقیناً یہی معنے ہیں اور یہ قرآن مجید کے عین مطابق و موافق ہیں اور اس موافقت قرآن کے مقتضا سے یہ احادیث صحیح وقطعی واجب القبول ہیں۔ اور ان معنے کے یقین صحت اور اس یقین صحت معنی کی نظر سے یقین صحت احادیث مذکورہ کے ساتھ آپ کا ان احادیث کو ظاہری معنی کی نظر سے (جو آپ کے نزدیک صحیح نہیں) موضوع کہنا ہرگز جائز نہیں۔ یہ کہنا بعینہ ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی آیت قرآن

کے ایک معنی کو یقیناً صحیح و مراد خداوندی سمجھے اور دوسرے معنی کو غلط قرار دے اور پھر کسی شخص کے دوسرے معنی کی تجویز پر یوں کہے کہ اگر اس آیت سے دوسرے معنے مراد ہیں تو یہ آیت قرآن کی آیت نہیں ہے، بلکہ یہ کسی انسان کا کلام ہے جو قرآن میں ملایا گیا ہے۔

اس شرطی نفی و انکار کو کوئی عاقل صحیح تسلیم نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر کس ذی ہوش و حواس اس شرطیہ طور پر منکر آیت قرآن کو یہ الزام دے سکتا ہے کہ اگر تیرے نزدیک آیت کے ایک وہی معنے صحیح و متعین ہیں جو تیرے خیال میں ہیں اور دوسرے معنے غلط ہیں تو تجھے جزم و یقین کے ساتھ ان معنی کی صحت کا دعوی کرنا اور بناءً علیہ آیت کو آیت قرآن اور اس کا جزء سمجھنا واجب ہے اور دوسرے معنے کو غلط قرار دینا لازم۔ نہ یہ کہ اس غلط معنے کی نظر سے آیت کو قرآن سے خارج کرنا۔

ایسا ہی مرزا قادیانی پر یہ الزام قائم ہوسکتا ہے کہ اگر تمہارے نزدیک احادیث نزول مسیح کے وہی تاویلی معنے متعین و متیقن جو تمہارے خیال میں ہیں تو ان احادیث کو نقارہ کی آواز سے صحیح ماننا تم پر واجب ہے، نہ ظاہری معنے کی نظر و شرط سے (جن کو تم صحیح نہیں سمجھتے) ان کو موضوع قرار دینا یا ان دونوں معنے کی نظر سے صحت احادیث میں شک و تردد ظاہر کرنا اور یوں کہنا کہ اگر ان احادیث کے ظاہری مراد ہیں تو یہ موضوع ہیں اور اگر تاویلی مراد لیں تو صحیح ہیں۔ مرزا قادیانی کے جواب کو قطعی اور کامل جاننے والو، بتاؤ اب بھی اس جواب کو قطعی اور صحیح و کامل کہو گے؟ قادیانی کی محبت میں جو اندھے اور کانے ہو رہے ہیں وہ اب بھی اس جواب کو قطعی اور کامل کہیں تو محل تعجب و افسوس نہیں مگر صحیح و سلیم الحواس ناظرین و سامعین سے تو امید کامل ہے کہ وہ ہماری اس تقریر کو پڑھ کر یا سن کر قادیانی کے اس جواب کو یقیناً غیر قطعی و ناکامل قرار دیں گے اور اس سے مرزا قادیانی کی دھوکہ بازی اور چالاکی کا یقین کریں گے اور اس کو اس جواب کی نظر سے شتر مرغ یا روباہ صفت سمجھیں گے اور اس قسم کی باتوں سے اس کی شعبدہ بازی کا یقین کریں گے۔

ہماری تجویز کی تیسری شق کا ثبوت

یہ بھی بطور فرض محال، فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ قادیانی نے جو جواب دیا ہے یہ بجائے خود قطعی جواب اور کامل ہے ولیکن یہ جواب اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت و

جماعت کی رو سے صحیح نہیں ہے، بلکہ ملحدانہ جواب ہے کیونکہ اس جواب میں احادیث متعلقہ عمل کو اگرچہ ان کے عمل وترک میں اختلاف ہو، قطعی صحیح اور بلاریب قوی اور یقینی الثبوت کہا ہے اور تعلیمات اور احکام قرآن پر زیادتی کرنے والے اور اجمال واشارات قرآن کی تفسیر وتفصیل کرنیوالے قرار دیا ہے اور ان احادیث کو جو متعلق عمل نہ ہوں مشتبہ وشکی، اور بلا شہادت وموافقت قرآن ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ اور اس رتبہ سے گرایا ہے کہ وہ بیان قرآن پر کچھ زیادتی کریں۔ یا اس کے اجمال و اشارہ کی تفسیر وتفصیل کرسکیں۔ اور یہ محض ملحدانہ اصول ہے جس سے احادیث متعلقہ عقائد کا جو اہل سنت کے نزدیک قطعیات سے ہیں، رد وابطال اور احادیث متعلقہ فروعات اختلافیہ سے کتاب اللہ کا نسخ متصور ہے۔ اور یہی اس اصول کی تمہید وتقریر سے مرزا قادیانی کا مقصود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ فروعات اختلافیہ کے متعلق جس حدیث کو کوئی چاہے دست آویز بنا کر کتاب اللہ پر زیادتی کرلے، جو نسخ کہلاتا ہے۔ اور عقائد متفق علیہ اہل سنت و جماعت کے متعلق احادیث سے جس حدیث کو مثلاً احادیث متعلقہ توحید وصفات یا احادیث متضمنہ تفاصیل حالات برزخ (قبض روح، عذاب قبر، سوال منکر نکیر) و حالات محشر (علامات قیامت، حشر، اخبار واحداث وعبور پل صراط، حساب، وزن اعمال) ونعیم جنت (دیدار خدا وحور وقصور، انہار واشجار) وآلام جہنم (طوق واغلال وغیرہ) چاہے خیر باد کہکر ملحد و زندیق ونیچری بن جائے، اور اس پر مرزا قادیانی کی یہ دلیل پیش کرے کہ یہ احادیث متعلق عمل نہیں صرف قصص واخبار کے متعلق ہیں۔ لہذا ان کی صحت شکی ومشتبہ ہے اور بلا شہادت و موافقت قرآن ان کو قبول کرنا جائز نہیں اور قرآن میں ان تفاصیل کا نام ونشان نہیں۔ اس میں مجملاً احوال برزخ وقیامت کا بیان ہے جس پر ان احادیث کے بیان سے زیادتی جائز نہیں۔ اور یہ حدیثیں اس لائق نہیں کہ اس اجمال قرآن کی تفسیر وتفصیل بن سکیں کیونکہ یہ احادیث تعامل یعنی عمل کے قوی اور بلاریب سلسلہ میں نہیں آئیں۔ اور اس آفتاب کی روشنی سے فیضیاب نہیں ہوئیں۔

اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت اس ملحدانہ اصول کے دونوں جزء کا مخالف ہے۔ وہ احادیث صحیحہ متعلقہ فروعات اختلافیہ کو اگرچہ واجب العمل قرار دیتا ہے مگر ان کو قطعی ویقینی الثبوت نہیں کہتا۔ بلکہ باوجود واجب العمل قرار دینے کے ان کو مرتبہ ظن میں جگہ دیتا ہے۔ اور عملیات میں ظن کو لائق عمل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۶ میں بیان ہوا اور آئندہ

بھی ہوگا ، اسلام میں ایسا کوئی شخص آج تک نہیں ہوا جو اختلافی مسئلہ فرعی کو یقینی وقطعی و بلاریب،قوی کہے۔اوراحادیث متعلقہ اعتقاد کواحادیث عمل سے بڑھ کرواجب القبول قرار دے۔ وہ احادیث جواسلام خصوصاً مذہب اہل سنت میں قطعی ویقینی الثبوت تسلیم کی گئی ہیں، دواوین اسلام، کتب حدیث وکتب عقائد میں ان احادیث اوران سے مستخرجہ مسائل کوعقائد اسلامیہ سنیہ میں شمار کیا گیاہے۔ اوران احادیث اوران مسائل کی نسبت محدثین وآئمہ کلام کا دعوی شہرت وتواتر ہے۔وہ ان احادیث کو حدشہرت یاتواتر تک پہنچی ہوئی نہ سمجھتے توان احادیث اوران مسائل کوعقائد اسلامیہ میں ہرگز شمار نہ کرتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان میں مسلم و متفق چلاآتاہے کہ باب عقائد میں ظنیات پراعتماد جائزنہیں اورعقائد کی بنا قطعیات پر ہے اوراس مسئلہ پران کانصوص کتاب اللہ سے استدلال واستشہاد ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا ہے

سيقول الذين اشركوا لوشاء الله ما اشركنا ولا آباءنا ولا حرمنا من شيء۔ كذالك كذب الذين من قبلهم حتى ذاقوا باسنا قل هل عندكم من علم فتخرجوه لنا۔ ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون۔ (انعام۔ ع ۱۸)۔ شتاب منکرکہیں گے خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اورنہ ہمارے باپ، اورنہ ہم کسی چیز کو(اپنی طرف سے) حرام بناتے۔ ایسا ہی ان سے پہلوں نے جھٹلایا، یہاں تک کہ ہماراعذاب چکھ لیا، توان سے کہدے تمہارے پاس (اس بیان پر) کوئی یقینی سند ہے جس کو نکال سکو۔ تم توظن ہی کے پیچھے لگتے اوراٹکل دوڑارہے ہو۔

اورفرمایا وما يتبع اكثرهم الا ظنا۔ ان الظن لا يغني من الحق شيئا۔ ان الله عليم بما يفعلون۔ (یونس۔ ع ۴) ان میں بہت لوگ ظن ہی کے پیچھے لگتے ہیں اورظن حق کا کام کچھ نہیں دیتا اوراللہ جانتا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

☆ پہلی آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی نے کہا ہے اس آیت میں ظن کی پیروی سے ممانعت پائی جاتی ہے خصوصاً اعتقادی مسائل میں، شائد یہ ممانعت اس موقع پر ہوجہاں ظن کے مقابلہ میں کوئی یقینی امرہو، کیونکہ آیت کا موردنزول ایسا موقع ہے۔

☆ لفظ شائد قاضی بیضاوی نے اس خیال سے بولا ہے کہ الفاظ قرآن کے عموم کا اعتبار ہے نہ خاص موردنزول کا، اور یہ امربہت سی آیات واحادیث سے ثابت ہے۔اور

اسی کے موافق علمائے اسلام کا زمانہ صحابہ سے عمل چلا آیا ہے۔ لہذا اس آیت میں ہر ایک ظنی امر کے اتباع سے باب اعتقاد میں ممانعت ہے ۔اس کو اس ظنی امر سے (جس کے مقابلہ میں کوئی قطعی امر ہو) خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

☆ اور بیضاوی نے دوسری آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس آیت میں اس امر کی دلیل پائی جاتی ہے کہ باب اعتقاد میں یقین حاصل کرنا واجب ہے، اس میں ظن وتقلید پر اکتفا جائز نہیں ۔ خدا کا یہ فرمانا کہ خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۔ اتباع ظن اور ترک دلیل پر عذاب سے ڈرانا ہے

☆ ایسا ہی دوسری آیت کی تفسیر میں نواب صدیق حسن نے فتح البیان میں لکھا ہے۔

کرخی نے کہا ہے اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ باب اعتقاد میں علم (یعنی یقین) حاصل کرنا واجب ہے اور ظن وتقلید کو کافی سمجھنا جائز نہیں کیونکہ دین یقین ہی بتاتا ہے اور اسی یقین سے حق واضح ہوتا ہے اور ظن اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، اور اس سے حق معلوم نہیں ہوتا ۔ وہ ظن کسی امر حق میں کام نہیں دیتا۔ خدا کا یہ فرمانا ظن کے باطل ہونے کے بیان کے لئے ہے۔اس میں حق سے علم مراد ہے۔

☆ اور امام رازی نے فرمایا ہے

مسائل اعتقادیہ یقینیہ میں ظن پر اعتماد جائز نہیں،

☆ امام سیوطی نے امام رازی کا یہ کلام تفسیر اتقان میں نقل کر کے فرمایا ہے ،

تجھے یہ کلام اس امام کا اس باب میں بس ہے۔

☆ بحر العلوم لکھنوی نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے۔

اعتقاد ظن سے حاصل نہیں ہوتا ۔ ہاں اعمال میں ظن پر بھی عمل جائز ہے ۔

☆ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا ہے،

اعتقادی مسائل اکے دکے راویوں کی حدیثوں سے ثابت نہیں ہوتے کیونکہ اعتقادیات کی بنا یقین پر ہوتی ہے ۔

☆ علامہ ہارون نے ناظور الحق میں لکھا ہے ۔

تو جان چکا ہے کہ باب اعتقاد میں ظن وقیاس جاری نہیں ہوتا اور اعتقاد، اجتہاد اور لوگوں کی رائے سے ثابت نہیں ہوسکتا ۔ اس میں حق قطعی ہوتا ہے جس میں اختلاف

متصور نہیں۔

☆ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں بجواب اس قول علاء الدین قونوی کے کہ جمعرات اور جمعہ کے دن اہل قبور سے عذاب اٹھایا جاتا ہے، پھر وہ قیامت تک عود نہیں کرتا، فرمایا ہے،

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عقائد کے باب میں یقینی دلائل معتبر ہیں، نہ اکے دکے راویوں کی حدیثیں، جو ظنی ہوتی ہیں۔ہاں جبکہ وہ کئی طریق (راویوں) سے مروی ہوں اور تواتر معنوی کو پہنچ جائیں تو اس وقت وہ بھی قطعی ہو جاتی ہیں۔

اور ملا علی قاری نے سم القوارض فی ذم الروافض میں فرمایا ہے۔

اہل علم وصاحب فہم یہ بات جانتے ہیں کہ عقائد کی بنا قطعی دلائل پر قائم ہوتی ہے ، نہ ظنی دلائل پر جو مسائل فرعیہ فقہیہ میں کام دیتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالی نے کافروں کی مذمت میں فرمایا ہے کہ وہ ظن ہی کے پیچھے لگتے ہیں، اور ظن حق سے کام نہیں دیتا، تو اس سے منہ پھیر لے، جو ہماری نصیحت سے پھر جاتا ہے اور بجز زندگی دنیا کے کچھ نہیں چاہتا وہی ان کی سمجھ کی حد ہے، تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا ہوا ہے اور جو اس کی راہ پر ہے۔اور اس باب میں آیات بکثرت موجود اور احادیث مشہور ہیں اور اس پر اجماع قائم ہے، ان لوگوں کے نزدیک جن کو علم ہے۔

ایسا ہی شیخ عبدالحق نے تکمیل الایمان میں فرمایا ہے۔اور کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں آپ نے فرمایا ہے۔

؛ شیخ علاء الدین قونوی کہ از محققین علمائے شافعیہ است مے گوید کہ آنچہ برمن ظاہر میشود، اینست کہ اعتقاد حیات انبیاء علیہ السلام در قبور و وجود ایشاں در روے بوجہیکہ پیش از وفات ثابت بود استمرار و استقرار ایشان در قبور ہمبریں وجہ از مسائل فروع نیست۔ کہ در وے بدلائل ظنیہ غیر قطعیہ اکتفا رود وبمشاہدہ عیانی ثابت شدہ کہ حیاتے کہ ایشانرا پیش از وفات ثابت بود زوال پذیرفتہ وفانی شدہ وعود آن حیات را دلیلی قطعی وحجت ساطع باید تا اعتقاد بدان صورت بندد.

یہ ان حضرات کی عبارات وتصریحات کا ترجمہ ہے اور اصل عبارات ہمارے رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ جلد ۹ میں منقول ہیں۔ان تصریحات واستدلالات کے ساتھ ان

حضرات محدثین و متکلمین و مفسرین نے عقائد مذکورہ کو اپنی کتب میں بیان کیا اور ان پر احادیث مذکورہ سے تمسک و استدلال کیا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو حد شہرت و تواتر تک پہنچی ہوئی جانا اور قطعیات میں شمار کیا ہے۔ اور اگر وہ ان احادیث کو اخبار احاد سمجھتے اور ان عقائد کو جو ان احادیث سے ثابت ہیں، ظنیات خیال کرتے ہیں، تو تصریحات بالا کے ساتھ وہ ان عقائد کو اسلامی وسنی عقائد نہ ٹھہراتے اور اپنی کتب حدیث وتفسیر وعقائد میں ان پر ایمان لانے کی رغبت نہ دلاتے۔

یہ جو ہم نے کہا ہے اس میں محض ظن و استنباط سے کام نہیں لیا۔ اور صرف ان حضرات کے عمل سے نتیجہ کا استخراج واثبات نہیں کیا۔ ان آئمہ نے تصریح وتوضیح کے ساتھ خود بھی ان احادیث کی نسبت شہرت وتواتر کا دعوی کیا اور صاف کہدیا ہے کہ یہ احادیث حد تواتر یا شہرت کو پہنچ گئی ہیں۔

فتوی علمائے پنجاب و ہندوستان بحق میرزا قادیان (مندرجہ نمبر ۵ وغیرہ جلد ۱۳، اشاعۃ السنۃ) میں علماء متکلمین و مفسرین کے بعض اقوال کو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ متکلمین کے مزید اقوال دیکھنے ہوں تو شرح عقائد وشرح مقاصد میں ملاحظہ کریں۔ اس مقام میں بعض محدثین کے اقوال نقل کرتے ہیں جن میں احادیث متعلقہ نزول مسیح وخروج دجال وغیرہ کو حد تواتر تک پہنچنے والی اور یقینی قرار دیا گیا ہے۔

امام شوکانی رسالہ توضیح میں احادیث نزول مسیح کو ذکر کر کے فرماتے ہیں

فہذہ تسعة و عشرو ن حدیثاً تنضم الیھا احا دیث آ خر ذکر فیھا نزو ل عیسی منھا ما ھو مذ کور فی احا دیث الد جا ل و منھا ما ھو مذ کور فی احا دیث المنتظر و تنضم الی ذلک ایضاً ا لآ ثار الواردة عن الصحا بة فلھا حکم الر فع اذ لا مجا ل للا جتھاد فی ذا لک فمنھا عن ابی ہریرہ عند ابن ابی شیبه، و منھا عنه ایضاً ، ذکرة فی کنز العما ل ، و منھا عنه ایضاً ذکرہ فیه و منھا عن ابن عباس ذکرہ فی الکنز ، و منھا عنه ایضاً ذکرہ فیه و منھا عن عبد الله بن عمر ذکرہ ابن ابی شیبه، و منھا عن ابن مسعود ذکرہ فی کنز العما ل، و جمیع ما سقناہ با لغ حد التوا تر کما لا یخفی علی من له فضل اطلاع فتقرر بجمیع ما سقناہ فی ہذا ان

الاحادیث الواردة فی المهدی المنتظر متوا ترة و الا حا دیث الواردة فی الد جا ل متوا ترة و ا لا حا دیث الواردة فی نزول عیسے ممتوا ترة و فی ہذا المقدار کفا یة لمن له ہدا یة ۔(حجج عن التو ضیح) ۔

کہ یہ انتیس حدیثیں ہیں جن کے ساتھ اور احادیث بھی شامل ہوسکتی ہیں۔جن میں حضرت مسیح کے نزول کا ذکر ہے۔ازانجملہ بعض وہ ہیں جو احادیث متعلقہ دجال کے ضمن میں مذکور ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو احادیث مہدی موعود کے ضمن میں مذکور ہیں اور ان کے ساتھ صحابہ کے آثار و اقوال بھی شامل ہو سکتے ہیں جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں کیونکہ ایسی احادیث کے بیان میں اصحاب کے اجتہاد و رائے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ازانجملہ ابو ہریرہ کی حدیث ابن ابی شیبہ کی کتاب میں، ایک اور اس کی حدیث کنز العمال میں ہے۔اس میں ان کی ایک اور حدیث ہے۔ وازانجملہ ایک حدیث کنز العمال میں ابن عباس سے ہے، اس میں ایک حدیث ان کی اور ہے۔ازانجملہ عبداللہ بن عمر کی حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے وازانجملہ ابن مسعود کی حدیث ہے جو کنز العمال میں ہے۔ یہ سب حدیثیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے، مل کر حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ ہماری اس نقل و بیان روایات سے ثابت ہوا کہ جو احادیث مہدی موعود کے باب میں وارد ہیں وہ متواتر ہیں اور جو دجال کے حق میں وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں اور جو حضرت عیسی کے نزول کے متعلق وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں ۔ اس قدر بیان میں اس شخص کے لئے کفایت ہے جس کو ہدایت حاصل ہے۔

اور نیز امام شوکانی نے توضیح میں کہا ہے کہ

و اما الا حا دیث الواردة فی الد جا ل فا لذی اذ کر ہ ھنا مائة حد یث ثم سر دھا بقو له ا لاول و الثا نی الی آ خر الما ئة ثم قا ل و اقتصر علی ہذا المقدار فلیس المراد ھنا الا بیا ن کو ن احا دیث خروج الد جال متوا ترة و المتوا تر یحصل با لبعض مما سقناه و قد بقیت احا دیث و آ ثار عن جماعة من الصحا بة تر کنا ذکر ھا و وقفنا علی ہذہ الما ئة الحد یث التی اشر نا الیھا و الی من خر جھا ۔(حجج عن التو ضیح) کہ دجال کے باب میں جو احادیث وارد ہیں، ازانجملہ جو اس مقام میں

ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ سو احادیث ہیں۔ پھر ان کو نام بنام ذکر وشمار کیا اور اس کے بعد فرمایا اب ہم کو چاہیے کہ اسی قدر پر بس کریں۔ اس سے ہمارا مقصود صرف اس امر کا بیان ہے کہ احادیث دجال متواتر ہیں اور تواتر صرف بعض احادیث سے، جو ہم نے بیان کیں ہیں، حاصل وثابت ہوسکتا ہے اور ہنوز بہت سی احادیث وآثار صحابہ باقی ہیں، جن کے ذکر کو ہم نے ترک کر دیا ہے اور ان ہی سو احادیث کے بیان پر وقفہ کیا ہے۔

اور نیز امام شوکانی نے توضیح میں کہا ہے

ورد السوال من بعض الاعلام عن الاحاديث الواردة فی ھولاء هل ہی متواترة ام لا ؟ فاقول اما الاحاديث الواردة فی المہدی فالذی امکن الوقوف علیه منها خمسون حديثاً ثم صردها لقوله الاول و الثانی الی آخر الخمسين ثم قال فهذه خمسون حديثاً فيها الصحيح و الحسن و الضعيف المنجبر و هی متواترة بلا شک و لا شبہة بل يصدق وصف التواتر علی ما هو دونها علی جميع الاصطلاحات المجردة فی الاصول و.. هنا انتہی الكلام علی الاحاديث الواردة فی المہدی و اما الآثار عن الصحابة المصرحه بالمہدی فهی كثيرة الی ان ذکر ثمانية و عشرين ثم قال فهذة ثمانية و عشرون اثراً لها حكم الرفع اذ لا مجال للاجتہاد فی مثل ذالک ۔ (توضيح علی ما فی الحجج)

کہ بعض علماء اعلام نے سوال کیا ہے کہ ان لوگوں کے حق میں جو احادیث وارد ہیں، وہ متواتر ہیں یا نہیں۔ اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ جو احادیث امام مہدی کے باب میں وارد ہیں، ازاجملہ جن احادیث سے لوگوں کا واقف ہونا ممکن ہو وہ پچاس ہیں۔ پھر ان احادیث کو از اول و دوم تا آخر پچاس تک بیان کیا۔ پھر کہا یہ پچاس حدیثیں ہیں جن میں سے کوئی صحیح ہے، کوئی حسن ہے، کوئی ضعیف جس کے ضعف کا جبر نقصان ہو چکا ہے، اور وہ بلاشک وشبہ متواتر ہیں، بلکہ یہ صفت تواتر تو ان سے کم درجہ احادیث پر صادق آتی ہے۔ یہ احادیث مرفوعہ کے متعلق گفتگو ہے، رہے آثار صحابہ جو آمد امام مہدی کو بتصریح بیان کرتے ہیں، سو بہت ہیں پھر ان کو اٹھارہ تک شمار کیا، پھر کہا یہ اٹھارہ آثار ہیں جو احادیث مرفوعہ کے حکم میں

ہیں کیونکہ ایسے مضمون کا بیان رائے سے نہیں ہوسکتا۔

ان عبارات سے صاف ثابت ہے کہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال اور اس قسم کی اور احادیث کی نسبت علماء محدثین و متکلمین کو تواتر کا دعوی ہے اور یقینی صحیح جانتے ہیں اور جو مسائل و عقائد ان احادیث سے ثابت ہیں ان کو وہ اسلامی و سنی عقائد ٹھہرا چکے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسائل فرعیہ اختلافیہ کو ظن اور ان کے متعلق احادیث کو ظنی الثبوت و مفید ظن قرار دے گئے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنے جواب و بیان میں ان سب کا خلاف کیا اور ان کے قرارداد کی رو سے اسلام و تسنن کا خلاف کیا اور اس میں الحاد سے کام لیا، لہذا اس کا یہ جواب اسلامی و سنی اصول کی رو سے صحیح جواب نہیں ہے ۔

اس مخالفت اصول اسلام و تسنن کے علاوہ یہ جواب عقل سلیم کے بھی مخالف ہے اور خود اپنے آپ کا مخالف، اس کے آخر کو اول سے صریح تخالف ہے۔

☆ عقل سلیم سے اس جواب کا مخالف ہونا

یہ اصول مسلّم عقلاء ہے کہ یقین اعلی رتبہ ہے اور ظن ادنی ۔ اسی اصول کی نظر سے اہل اسلام کے نزدیک اعتقاد جو اعلی رتبہ ہے، ظنیات سے متعلق نہیں ہوتا ، بلکہ وہ قطعیات سے مخصوص ہے۔ اور عمل جو بہ نسبت اعتقاد ادنی ہے اور اس کے توابع میں سے ہے، ظن سے بھی متعلق ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عبارات علماء منقولہ بالا سے ثابت ہو چکا ہے۔

مرزا قادیانی نے اپنے جواب سے اس اصول عقلی کا بھی خلاف کیا (جیسا کہ قرارداد اسلام و تسنن کا خلاف کیا ہے) کہ حصہ اول احادیث متعلقہ عمل کو قطعی الثبوت و یقینی صحیح قرار دینے کیلئے اہل اسلام کے عمل کو گو اختلافی ہو (جو مثبت ظن ہوتا ہے، نہ مفید ظن) لائق لحاظ و اعتبار ٹھہرایا ہے۔ اور حصہ دوم احادیث متعلقہ اعتقاد کو ظنی قرار دینے کے لئے اہل اسلام کے اعتقاد کو (جو ان احادیث کے متعلق پایا گیا ہے اور وہ مفید یقین ہے) ساقط الاعتبار و ناقابل لحاظ ٹھہرایا ہے ۔ اور اس میں اعلی کو ادنی اور ادنی کو اعلی ٹھہرایا ہے اور مرجوح کو راجح کیا اور راجح کو ساقط کر

دیا۔ جو عقلاء جہان کے برخلاف ہے۔

☆ قادیانی جواب کے آخر کا اول سے مخالف ہونا

اس جواب میں پہلے تو حصہ اول احادیث متعلقہ عمل کو قطعی ویقینی الثبوت بنانے کے لئے قرار داد علماء اسلام کو (جو اختلاف کے ساتھ ان احادیث کے عمل کے متعلق پائی گئی ہے) مسلم رکھا اور قبول کیا۔ اور ان کی نسبت حسن ظن کو قائم رکھ کر یہ خیال وفرض کر لیا کہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو علماء اسلام کا عمل (گو اختلاف سے ہے) ان پر پایا نہ جاتا۔ مگر بعد میں حصہ دوم احادیث متعلقہ اعتقاد کو ظنی بنانے کیلئے اس قرار داد علماء کو (جو ان احادیث کے متعلق اعتقاد رکھنے اور ان سے مستخرجہ مسائل کو بالاتفاق قبول کر کے عقائد اسلامی وسنی قرار دینے میں وقوع میں آئی ہے) رد کر دیا اور نا قابل قبول ٹھہرایا۔ اور ان کی نسبت حسن ظنی کو قائم نہ رکھا اور ان کے حق میں یہ نیک ظن نہ کیا کہ اگر یہ احادیث صحیح اور قطعی نہ ہوتیں تو علماء اسلام خصوصاً اہل سنت ان احادیث کو اتفاق کے ساتھ بسر وچشم کیوں قبول کرتے۔ اور ان سے مستخرجہ مسائل کو عقائد اسلامی وسنی کیوں ٹھہراتے۔ بلکہ ان احادیث کو صحیح وقطعی سمجھنے اور ان کے ظاہری معانی مراد ٹھہرا کر ان کو اسلامی وسنی عقائد ٹھہرانے میں ان سب علماء کو غلطی پر سمجھا، اور ان کے علم وفہم و دین پر برا گمان کیا۔ اور یہ اپنی بات کا خود خلاف کرنا ہے۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ کا ص ۲۷۶، اور ۲۷۷ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ اس لئے ان صفحات کا مضمون ہم یہاں شامل نہیں کر سکے۔ آئندہ دستیاب ہوا تو ممکن ہے کہ شامل اشاعت ہو۔ بہا الدین) .....

رسالہ فتح الاسلام کے صفحہ ۵۴ میں مرزا صاحب نے لیلۃ القدر کے حقیقتاً رات ہونے کی نفی کی ہے اور اس کی نسبت صاف اور کھلے الفاظ سے یہ بات کہدی ہے

.اس زمانہ کا نام بطور استعارہ لیلۃ القدر رکھا گیا ہے۔ مگر در حقیقت یہ رات نہیں ہے۔ یہ ایک زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہم رنگ ہے۔

پھر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۲۰ میں اور متعدد تحریروں میں اس نفی سے انکار کیا اور بضمن سوال وجواب یہ کہا ہے۔

سوال۔ لیلۃ القدر کے اور معنے کر کے نیچریت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا۔

اما الجواب ۔ معترض صاحب نے اعتراض سے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اس جگہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالی نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ پہلے معنے لیلۃ القدر کے جو علماء کرتے ہیں وہ بھی مسلم و بجا ہیں اور ساتھ ان کے یہ بھی معنے ہیں۔ اور دونوں معنوں میں کچھ منافاۃ نہیں۔ قرآن شریف ظہر بھی رکھتا ہے اور بطن بھی اور صد ہا معارف اس کے اندر پوشیدہ ہیں پس اگر اس عاجز نے تفہیم الہی سے لیلۃ القدر کے یہ معنے کئے تو کہاں سمجھا گیا کہ پہلے معنوں سے انکار کیا ہے۔

ناظرین اس عبارت ازالہ اوہام اور اس عبارت فتح الاسلام کا مقابلہ کریں اور داد انصاف دے کر کہیں کہ قادیانی کا لیلۃ القدر کے رات ہونے سے عبارت فتح اسلام میں انکار اور اس انکار سے عبارت ازالہ اوہام میں انکار، اور رات ہونے کا اقرار ہمارے دعوی کا مصدق اور اس کی ایک صریح و صحیح مثال ہے یا نہیں ۔ ایسی صریح مثالیں اور بہت ہیں۔ ازانجملہ بعض کا بیان مرزا قادیانی کے تفصیلی اقوال تحریر نمبر ہشتم کے متعلق آئندہ نوٹوں میں ہوگا ۔ انشاء اللہ تعالی۔

مضمون تمہید قادیانی پر ہمارے اس تبصرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے تمہید میں جو دعوی کیا ہے کہ اس نے اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم میں ہمارے اصل سوال کا جواب دیدیا ہے وہ

☆ محض کذب و خلاف واقع ہے۔

☆ اگر اس جواب کا ان تحریرات میں ادا ہونا فرض کر لیا جائے تو وہ ہمارے سوال کا قطعی و کامل جواب نہیں ہے۔

☆ اور اگر اس جواب کو قطعی و کامل جواب فرض کر لیا جائے، تو وہ جواب اصول اہل اسلام و تسنن اور عقل سلیم کے مخالف ہے، بلکہ وہ اپنا آپ مخالف ہے ۔

مرزا صاحب نے ایک دفعہ بھی ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا اور نہ ہم نے اپنی کسی تحریر میں ایک بات بھی غیر متعلق پیش کی ہے۔ جس بات کو مرزا صاحب غیر متعلق سمجھتے ہیں یعنی احادیث ممانعت وشم، و حرمت خرد درندگان سے ان پر الزام، وہ غیر متعلق نہیں۔ مرزا صاحب کی عبارات پر ہم حواشی کی صورت میں نوٹ لکھتے آئے ہیں اور یہاں بتاتے ہیں کہ تعامل کو جو انہوں نے قطعی و یقینی و بلا ریب اور احادیث محل تعامل کو قطعی و یقینی

الثبوت و بلا ریب کہا ہے تو اس سے مجھے ہی نہیں ، ہر کس و نا کس کو جو الفاظ قطعی و یقینی و بلا ریب کے معنی جانتا اور سمجھتا ہے ، یہی سمجھ میں آیا کہ ان احادیث سے آپ کی مراد وہ احادیث ہیں جن پر امت محمدیہ کا اتفاق کے ساتھ عمل پایا گیا ہے ۔ اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے ۔ اور وہی احادیث آپ کے نزدیک اس لائق ہیں اور یہ رتبہ رکھتی ہیں کہ وہ قرآن پر عرض ہونے کی محتاج نہیں اور ان کی تسلیم صحت ، موافقت قرآن پر موقوف نہیں ۔ بلکہ ان کا مضمون مخالف قرآن بھی ہو ، تو وہ لائق تسلیم ہے اور وہی احادیث تعلیم قرآن پر زیادتی کر سکتی ہیں اور وہی احادیث قرآن کی مفسر ہو سکتی ہیں اور جو حدیث ایسی قطعی و یقینی و بلا ریب صحیح نہ ہو وہ بلا شہادت موافقت قرآن ، لائق تسلیم نہیں ہے ، اور نہ وہ حدیث قرآن کی مفسر ہو سکتی ہے ۔ بلکہ ایسی حدیث کے مقابلہ میں قرآن اپنا مفسر آپ ہے ، جس پر آپ کو درندوں کی حرمت اور گدھے کی ممانعت کی حدیث سے الزام دیا گیا ۔ اور یہ کہا گیا تھا کہ گدھے اور درندے کی ممانعت کی حدیث ایسی ہے کہ اس پر تعامل ہو ہی نہیں سکتا ، چہ جائے کہ تعامل قطعی ہو ۔ کیونکہ یہ حدیث متعلق اعتقاد حرمت خرد درندگان ہے ، نہ متعلق عمل و مع ہذا یہ حدیث معنے ان آیات قرآن کی شارح و مفسر ہے جن میں بیان ہے کہ بجز مردار و خون و خنزیر تم پر کوئی جانور حرام نہیں اور جو کچھ زمین میں خدا نے پیدا کیا ہے وہ تمہارے لئے مباح ہے ۔ اس حکم حرمت خر و درندگان میں قرآن اپنا مفسر نہیں ہوا ۔ پھر اس کی تائید و شہادت میں کہا گیا تھا کہ یہ خدمت تفسیر قرآن ، حدیث کو قرآن نے خود عطا کی ہے ۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ رسول جو کچھ تمیں دے ، وہ تم لے لو ۔ پھر اس آیت کی تفسیر و تشریح میں قول ابن مسعود کو پیش کیا گیا تھا کہ انہوں نے اس آیت کی رو سے حکم ممانعت وشم وغیرہ (بدن گودنے) کو جو حدیث نبوی میں وارد ہے ، داخل قرآن اور اس کا ایک حکم سمجھا ۔ باوجود کہ یہ حکم بھی متعلق اعتقاد حرمت وشم ہے ، متعلق عمل نہیں تا کہ یہ محل تعامل ہو سکے ۔ اب ناظرین انصاف سے کہیں ، یہ دونوں حدیثیں (حدیث حرمت خر و درندگان و حدیث حرمت وشم) قادیانی کے اس دعوی سے کہ وہ حدیث جس پر تعامل قطعی و یقینی پایا نہ گیا ہو ، مفسر قرآن نہیں ہو سکتی اور اس کے مقابلہ میں قرآن اپنا مفسر آپ ہے ، پورا تعلق رکھتی ہیں اور اس دعوی میں اس کو پورا الزام دیتی ہیں ، یا یہ اجنبی و غیر متعلق احادیث ہیں ؟ اور یہ بھی داد دیں کہ اس الزام کے جواب میں اب مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ یہ احادیث متعلق احکام ہیں اور احکام تعامل میں

داخل ہیں اور میں احادیث تعامل کو محل نزاع سے خارج کر چکا ہوں اور ان کو قرآن کی مفسر اور اس پر زیادتی کرنے والی مان چکا ہوں۔ ایک طرفہ روباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس میں ناظرین اولاً یہ غور کریں کہ یہ احادیث متعلقہ اعتقاد ہیں، نہ متعلق عمل۔ پھر یہ محل تعامل کیوں کر ہو سکتی ہیں؟

ثانیاً یہ غور کریں کہ مرزا قادیانی نے اپنی تحریرات سابقہ میں ہر ایک حکم یا عمل کو محل نزاع سے خارج کیا اور اس کو مفسر قرآن ٹھہرایا ہے، یا تعامل قطعی و یقینی اور بلا ریب اور اس کے متعلق احادیث قطعیہ یقینیہ بلا ریب صحیحہ ثابت کو۔

ادنی غور و توجہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ قادیانی نے احادیث قطعی الثبوت کو جو تعامل قطعی و یقینی اور بلا ریب کا محل و متعلق ہیں، خارج از محل نزاع کہا۔ اور مفسر قرآن ٹھہرایا ہے، نہ ہر ایک عمل یا حکم کو اور نہ ہر ایک حدیث متعلق عمل کو۔ اور احادیث متضمنہ خر و درندگان و حرمت وشم تو مطلق عمل و تعامل کا محل نہیں۔ وہ صرف اعتقاد حرمت اشیا مذکورہ کے متعلق ہیں۔ لہذا ان احادیث سے قادیانی پر پورا اور باموقع الزام ہوتا ہے۔ مرزا قادیانی اگر دیانت اور امانت سے کام لیتا تو اس الزام کو مان لیتا۔ الٹا یہ الزام نہ دیتا کہ غیر متعلق حدیثوں کو پیش کیا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ لوگوں کو اصل مباحثہ سننے کا انتظار تھا، مولانا بٹالوی جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کا رفع انتظار خوب کیا۔ اخیر تک اصل جواب کی طرف رجوع نہ کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں، قطعی، ظنی، تعامل وغیرہ میں بحث مقدمات کو پھنسا رکھا۔ نہ مقدمات کو ختم ہونے دیا نہ بحث مقصود حیات و ممات کی طرف رجوع کرنے دیا۔ آپ کے اس مناظرہ سے بہت سے حق شناس حقیقت رس لوگوں نے آپ کی دیانت اور مناظرانہ لیاقت و راستی و تہذیب کا خوب اندازہ کر لیا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے آپ کو جھوٹا اور فریبی اور دھوکہ باز سمجھ کر آپ کا اتباع ترک کیا۔ ازانجملہ اس مقام میں زیادہ لائق ذکر ایک حضرت میر عباس علی صاحب صوفی مرحوم لدھیانہ ہیں، جو پہلے آپ کے خلیفہ تھے، پھر اس مناظرہ میں آپ سے بے اعتقاد ہو کر آپ کی اتباع سے بے زار ہوئے۔ ایک دوسرے سادہ لوح میر ناصر نواب ہیں جو آپ کے خسر ہیں اور وہ آپ کے دھوکہ میں آ کر آپ کے مرید ہو گئے تھے۔ اور آخر اسی مباحثہ کو دیکھ کر ایک مجلس عام جامع مسجد پٹیالہ میں تائب ہوئے

اور مظہر ہوئے کہ مجھے باوجود خاص تعلق، مرزا قادیانی کی دھوکہ دہی کا یہ علم نہ تھا جو مباحثہ لودہانہ کے دیکھنے سے حاصل ہوا۔

اور آخر میں مولانا، مرزا صاحب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ پہلے تو آپ نے قطعی ویقینی و بلا ریب وغیرہ کی قیدیں لگا کر احادیث تعامل ان ہی احادیث کو بتایا تھا جن کو اب نمبر اول قرار دیتے ہیں۔ اب رفع یدین وعدم والی حدیثوں تک کو ان احادیث تعامل میں شامل کر لیا۔ مگر یہ اخیر ہتھیار بھی آپ کا کام نہ آیا، خطا گیا۔ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اولاً یہ تفصیل اور اس قسم کے اور مضامین تمہید آپ کی سابق تحریرات کے مخالف ہیں۔

ثانیاً اس تفصیل کے ساتھ بھی یہ جواب ہمارے سوال کا جواب قطعی نہیں ہوسکتا۔

ثالثاً قطعی ہو بھی، تو یہ جواب اصول اسلام کے برخلاف ہے، اور خاص کر یہ تفصیل آپ کی خود مبطل و مکذب ہے کیونکہ جس حالت میں احادیث اختلافی، صرف اختلافی عمل کے سبب سے قطعی اور قرآن پر عرض ہونے سے مستغنی اور قرآن کی مفسر اور اس پر زیادتی کی مثبت ہو سکتی ہیں، تو احادیث اعتقاد متعلق نزول حضرت مسیح وغیرہ اتفاقی تسلیم وقبولیت کے سبب ان سے بڑھ کر اور بدرجہ اولی قطعی و مستغنی و مفسر قرآن و مثبت زیادت ہوسکتی ہیں۔

مرزا صاحب کی تمہید پر تبصرہ ختم ہوا اور اس کے ساتھ ان کے پرچہ ہشتم کے اصل اصول کی بیخ کنی ہوگئی۔ اور حاجت باقی نہیں رہی کہ اب اس تحریر کے اقوال تفصیلیہ پر کچھ نوٹ کئے جاویں۔ تاہم اسکے علم، دیانت، راست بازی اور سلامت روی کی مزید قلعی کھولنے کی غرض سے من جملہ ان اقوال چند اقوال پر نوٹ کئے جاتے ہیں و باللہ التوفیق

مولانا بٹالوی کہتے ہیں کہ ان نوٹوں میں پہلے ہم اپنی تحریر نمبر ہشتم کے اس فقرہ کا حوالہ دیں گے جس کا مرزا صاحب نے کچھ جواب دیا ہے، پھر ان کے جواب کو بعینہ یا اس کا خلاصہ نقل کریں گے۔ پھر اس پر مناسب نوٹ دیا جائے گا انشاء اللہ تعالی۔

☆ **ہمارا قول نمبر ایک۔** آپنے میرے سوال کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا۔

(اشاعۃ السنہ نمبر ۶ ج ۱۴ ص ۱۵۸)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب۔** حضرت میں آپ کوکئی دفعہ جواب دے چکا ہوں

کہ حصہ دوم احادیث سے جو اخبار گذشتہ یا مستقبلہ کی قسم سے ہیں اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی کے مخالف ہوگی تو قابل تاویل ہوگی، یا موضوع قرار پائیگی (مباحثہ مطبوعہ قادیانی۔ص ۸۱)

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ ۔** نوٹ متعلق تمہید میں ثابت ہو چکا ہے کہ یہ جواب ہمارے سوال کا قطعی جواب نہیں ہے ۔ اس جواب میں حرف اگر اور یا اس کے قطعی ہونے میں مانع ہیں ۔ مرزا قادیانی ان احادیث کو صحیح سمجھتا ہے تو صحت کا صاف اقراری ہو ۔ پھر تاویل کا مدعی ہو کر اصول شرط تاویل کی پابندی سے ان میں تاویل کرے اور اگر ان کو غیر صحیح سمجھتا ہے تو برملا ان کو رد کرے ۔ موضوعات میں تاویلات کی کیا ضرورت ہے ۔ مگر اس کو یہ دونوں باتیں اختیار کرنی مشکل ہیں اگر وہ ان کو صحیح کہے تو پھر ان کے ظاہری معانی ماننے پڑتے ہیں کیونکہ ان کی تاویل کی (جو قادیانی کرتا ہے) شرط (ظاہری معنی کا محال ہونا) پائی نہیں جاتی ۔ اور اگر ان کو برملا غیر صحیح کہتا ہے تو اس سے اس کے الحاد و نیچریت کی قلعی کھلتی ہے ۔ اس وجہ سے اگر اور یا کا لفظ کہہ کر اس نے قطعی ہونے سے اس جواب اور اپنی جان کو بچالیا ۔ اور پھر اس طرفہ جھوٹ کو دیکھو کہ فرمایا ۔ میں تو جواب دے چکا ہوں ۔

☆ **ہمارا قول نمبر۲ ۔** صحیح بخاری و مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے جو بوجہ تعارض، موضوع ٹھہر سکے ۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۶ ج ۱۴ ص ۱۵۹)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب ۔** بے شک حصہ دوم کے متعلق کئی ایسی حدیثیں ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہوگیا ہے اور صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں ۔ اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرن اس بات کا مقر ہے اور نصاری کا یونی ٹیرین فرقہ بھی اس بات کا قائل ہے اور یہودیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے ۔ اب اگر ان مخالف حدیثوں کی جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں، ہماری طرز پر تاویل نہ کی جائے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہریں گی ۔ ایسی کئی حدیثیں اور بھی ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے ۔ مثلاً بخاری کی حدیث معراج ۔ پھر اس کے تعارض کی چار وجہ بیان کیں ۔

☆ ایک وجہ یہ کہ ایک حدیث میں، جو بخاری کے صفحہ ۴۵۵ میں ہے، آنحضرت ﷺ کا حضرت موسے کو چھٹے آسمان پر دیکھنا بیان ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں، جو صفحہ ۱۷۴ میں ہے، چھٹے آسمان پر بجائے موسے، حضرت ابراہیم کو دیکھنا بیان ہوا ہے۔

☆ دوسری وجہ یہ کہ ایک حدیث سے جو باب الصلوۃ میں ہے، معراج کا بحالت بیداری ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری حدیث میں، جو صفحہ ۴۵۵ میں ہے، بیان ہے کہ معراج نیند میں ہوا تھا۔

☆ تیسری وجہ یہ کہ ایک حدیث میں محل معراج، جہاں فرشتہ آنحضرت ﷺ کو لینے آیا تھا، آپ کا گھر بیان ہوا ہے، دوسری حدیث میں بیت اللہ کے نزدیک۔

☆ چوتھی وجہ یہ کہ شریک کی حدیث میں وقت معراج، قبل وحی و پیغمبری بیان ہوا ہے، جو دوسری احادیث کے مخالف ہے، بلکہ خود اس حدیث کے الفاظ ما بعد کے مخالف ہے جن میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت مبعوث ہوئے اور نمازیں فرض ہوئیں۔

ان اختلافات کو بیان کر کے قادیانی نے کہا ہے کہ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ اسراء متعدد اوقات میں واقع ہوا ہے، اسی وجہ سے کبھی حضرت موسے کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور کبھی حضرت ابراہیم کو، تو یہ تاویل رکیک ہے، کیونکہ انبیاء اور اولیاء بعد موت کے اپنے اپنے مقامات سے تجاوز نہیں کرتے، جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔ اور نیز اس تعدد معراج کی تجویز سے لازم آتا ہے کہ دو تین بار نمازیں پہلے پچاس پچاس فرض ہوئیں پھر منسوخ ہو کر پانچ پانچ ہوئیں، جو ایک بازیچہ، کھیل اور لغو ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے حکم سے پشیمان ہو کر دو دفعہ دوسرا حکم دیا۔

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ۔** اس جواب میں مرزا قادیانی نے احادیث بخاری و مسلم پر بیسواں کھلم کھلا حملہ کیا۔ اور احادیث صحیحین کو برملا موضوع قرار دیا ہے۔ ہر چند احادیث متعلقہ نزول حضرت عیسی کو موضوع قرار دینے میں اس نے ذرا سی شرط عدم تاویل کی آڑ رکھ لی ہے، مگر احادیث متعلقہ معراج نبوی کو تعارض کے سبب موضوع قرار دینے میں کسی شرط کی آڑ نہیں رکھی، اور بزعم خود بڑے زور شور سے ان کا باہم متعارض و متخالف ہونا ثابت کر کے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔

پھر مرزا قادیانی کا اپنی تحریر پنجم میں یہ کہنا کہ

. بعض احادیث صحیحین میں جو تعارض پایا جاتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے خدا نے میری مدد کی ہے .

اور تحریر نمبر ہفتم میں اس کا یہ کہنا . میں نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع قرار نہیں دیا .

اور اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی کا یہ کہنا ،

میں ان کتابوں کو قرآن کے بعد اصح الکتب جانتا ہوں۔

یہ سب منافقانہ چال نہیں تو اور کیا ہے؟ اس حملہ میں قادیانی نے ایک وار تو احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح پر کیا ہے۔ دوسرا وار احادیث متعلقہ معراج پر۔ احادیث متعلقہ نزول مسیح کو موضوع بنانے کیلئے اس نے تین دعوے کئے ہیں۔

☆ ایک یہ کہ قرآن قطعی فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے۔

☆ دوسرا یہ کہ صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں۔

☆ تیسرا یہ کہ ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرن اس بات کا مقر ہے

یہ تینوں دعاوی جھوٹ ہیں۔ قرآن کی کسی آیت میں یہ فیصلہ قطعی کجا، ظنی طور پر بھی نہیں ہوا کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ اور نہ کسی حدیث صحیحین میں اس فیصلہ پر تصریح یا اشارہ پایا جاتا ہے، اور نہ کسی ایک صحابی یا کسی زمانہ کے ایک عالم اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ اور اب تک وہ مردہ ہیں۔

قادیانی نے ان تینوں دعاوی کا جو ثبوت اپنی تحریرات (ازالہ اوہام وغیرہ) میں پیش کیا ہے، اس میں محض کذب سے کام لے کر کم علم لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اس اجمال کی کسی قدر تفصیل جواب فیصلہ آسمانی میں بضمن نمبر ۲ و ۳ و ۴ جلد ۱۴ ، اشاعۃ السنہ ہو چکی ہے۔ اور پوری تفصیل آئندہ اس جواب کے تتمہ میں ہوگی انشاء اللہ تعالی۔

اس دعوی موضوعیت احادیث متعلقہ نزول مسیح کی تائید میں جو قول یہود اور ایک فرقہ نصاری کا اس نے پیش کیا ہے، وہ بے شک مرزا صاحب کے اصلی دلائل ہیں، جن پر اس کا واقعی اعتماد اور اعتقاد ہے، مگر یہ دلائل ان ہی لوگوں کیلئے موجب اطمینان ہو سکتے ہیں جو اس کی طرح معتقدات یہود و نصاری کے پیرو ہوں۔ خود ابن اللہ کہلاویں یا کسی اور کو ابن اللہ سمجھیں۔ اور تثلیث کو پاک بنا کر اس کے معتقد ہوں یا ملحد ہونے کے سبب اسلام و یہودیت ونصرانیت کو مساوی درجہ پر مانتے ہوں۔

مسلمان تو ان مذاہب کی ایسی باتوں کو، جن کی قرآن وحدیث میں تصدیق نہیں ہوئی، لائق تسلیم نہیں سمجھتے۔ اور حدیث ولا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوھم (اہل کتاب کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا۔ اس کی شرح اشاعۃ السنہ نمبر۳ جلد ۱۱ میں ہو چکی ہے۔ محمد حسین) کے پابند ہیں۔ ان کے اعتقاد و ایمان کی رو سے کوئی اعتقاد یہود و نصاری کا احادیث صحیحین کی موضوعیت کا مثبت نہیں ہوسکتا۔ تفصیل کے لئے اشاعۃ السنہ نمبر۲ تا ۱۰ جلد ۱۱ میں مضمون احکام توریت وانجیل کی نسبت اسلامی اعتقاد ملاحظہ ہو۔

احادیث متعلقہ معراج کو موضوع بنانے کیلئے جو اختلافات وجوہ اربعہ قادیانی نے بیان کئے ہیں، ان کے بیان میں وہ اپنے خیال میں دور کی کوڑی لایا ہے اور یہ خیال کر بیٹھا ہے کہ یہ اختلافات اور کسی کو کب معلوم ہو سکتے ہیں، مگر یہ خیال اس کی بے علمی اور ناواقفی پر دلیل ہے۔ ان اختلافات کو اہل حدیث کا بچہ بچہ جو مشکوۃ تک نظر رکھتا ہو، جانتا ہے۔ ان اختلافات کے علاوہ چھ وجوہ اختلافات اس حدیث میں اور بیان کی گئی ہیں جو فتح الباری میں منقول ہیں، مگر ان سب وجوہات کو خدا کے فضل سے محدثین نے رفع کر دیا ہے اور اس حدیث کی صحت کو ثابت کر دکھایا ہے۔ قادیانی خود تو کوچہ حدیث سے محض ناآشنا اور اس فن سے محض جاہل ہے، حکیم نورالدین نے جو کچھ اس کو حواشی صحیح بخاری سے بتایا، اس نے نئی بات سمجھ کر طمطراق کے ساتھ اس کو نقل کر دیا۔ اس مقام میں ان چاروں وجوہات اختلاف کا ،جو قادیانی نے بیان کی ہیں، جواب دیا جاتا ہے۔

☆ پہلی وجہ اختلاف کا جواب

حضرت ابراہیم اور حضرت موسی کو آنحضرت ﷺ کے چھٹے اور ساتویں آسمان پر، دونوں جگہ، دیکھنے میں درحقیقت کوئی مخالفت نہیں اور یہ ظاہری اختلاف ان احادیث کے موضوع ہونے کا مثبت و موجب نہیں ہوسکتا۔ جائز وممکن ہے کہ دونوں حضرات کو آپ نے دونوں جگہ، چھٹے آسمان اور ساتویں آسمان پر دیکھا ہو اور ان دونوں آسمانوں پر دونوں حضرات اپنے جسمانی وجود سے موجود ہو گئے ہوں۔ وہ حضرات عالم برزخ میں ہیں، جو ایک روحانی عالم ہے جس میں ایسے امور متشابہ الحقیقۃ مجہول الکیفیہ کا وقوع مستبعد نہیں۔ نیز محدثین کرام نے بتایا ہے کہ جائز ومحتمل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسی کو چھٹے آسمان پر پایا،

مگر ان کی اس فضیلت کی نظر سے کہ، وہ خدا سے ہم کلام ہوئے ہیں، آپ نے ان کو ساتویں آسمان تک ساتھ لے لیا اور وہ تواضعاً آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جاتے وقت ان کو چھٹے آسمان پر پایا، آتے وقت ساتویں آسمان میں دیکھا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیم کو پہلے چھٹے آسمان پر، پھر ساتویں پر پانا ہوسکتا ہے۔

ابن حجر نے فتح الباری میں بخاری کی حدیث شریک کی شرح میں جس میں حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان میں دیکھنا بیان ہوا ہے۔ فرمایا ہے

و قد قدمنا ان حديث ابى ذر يوافقه لكن المشهور فى الرواية ان الذى فى السابعة هو ابراهيم و اكد ذالك فى حديث مالك بن صعصعة بانه كان مسنداً ظهره الى البيت المعمور قمع التعدد لا اشكال و مع الاتحاد فقد جمع بان موسى كان فى حالة العروج فى السادسة و ابراهيم فى السابعة على ظاهر حديث مالك بن صعصعة و عند الهبوط كان فى السابعة لانه لم يذكر فى القصة ان ابراهيم كلمه فى شىء مما يتعلق بما فرض الله على امته من الصلوة كما كلمه موسى و السماء السابعة هى اول شىء انتهى اليه حاله الهبوط فناسب ان يكون موسى بها لانه هو الذى خاطب فى ذالك كما ثبت فى جميع الروايات و يحتمل ان يكون لقى موسى فى السادسه فاصعد معه الى السابعة تفضيلاً له على غيره من اجل كلام الله تعالى و ظهرت فائده ذالك فى كلامه مع المصطفى فيما يتعلق بامر امته فى الصلوة و قد اشار النووى الى شىء من ذالك و العلم عند الله تعالى۔ (فتح الباری ج ۱۳ص ۴۰۱)

کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابی ذر کی حدیث اس کے موافق ہے، ولیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتوں آسمان میں حضرت ابراہیم ہیں۔ اس امر کو مالک بن صعصعہ کی حدیث میں یوں مؤکد کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم، بیت المعمور کی طرف پشت کی ٹیک لگائے ہوئے تھے (جو ساتویں آسمان میں ہے) پس اگر واقعہ معراج کو متعدد کہیں تو (اس اختلاف کی وجہ سے) کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور اگر اس کو ایک ہی واقعہ قرار دیں تو اس سے اختلاف کو اس طور پر رفع کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ حالت عروج میں چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت ابراہیم ساتویں

میں ۔جیسا کہ حدیث مالک کا ظاہر ہے ۔اور ساتویں آسمان سے اوپر جا کر واپس آنے کے وقت موسی ساتویں آسمان میں تھے، کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ عدد نماز کی کمی میں جو گفتگو آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے وہ حضرت ابراہیم سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت موسی سے اس گفتگو کا ہونا بیان ہوا ہے، اور اوپر سے نیچے کو اترنے کے وقت ساتواں آسمان ہی پہلے آتا ہے ۔لہذا حضرت موسی کا وہاں ہونا مناسب ہے کیونکہ جملہ روایات میں ان ہی سے اس باب میں آنحضرت ﷺ کا گفتگو کرنا ثابت ہوتا ہے ۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسی کو اس نظر سے کہ وہ خدا تعالی سے ہم کلام ہوئے ہیں، خود ساتھ لے کر صعود فرمایا ہو جس کا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نماز کے باب میں وہ گفتگو کی ۔اس باب میں نووی نے بھی کچھ اشارہ کیا ہے اور حقیقی و اصلی علم خدا کو ہے .

عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حدیث ابوذر کی شرح میں کہا ہے

و فی الصحیحین من حدیث مالک بن صعصعه و فی السابعة ابراہیم و ھو مخالف لروایة انس عن ابی ذر انه و جد ابراہیم فی السادسه و کذا جاء فی صحیح مسلم و اجیب بان الاسراء ان کان مرتین فلا اشکال، و ان کان مرة فیکون اولاً راہ فی السادسة ثم ارتقی معه الی السابعة ۔ (عمدۃ القاری) ۔

کہ مالک بن صعصعہ کی روایت میں حضرت ابراہیم کو ساتویں آسمان میں دیکھنا بیان ہوا ہے اور یہ حدیث ابوذر کے، جس میں چھٹے آسمان میں ان کو دیکھنا بیان ہوا ہے، مخالف ہے ۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ واقعہ معراج دو دفعہ ہوا ہو، تو پھر کوئی شبہ نہیں رہتا ۔اور اگر ایک دفعہ ہوا ہے تو یہ ہوگا کہ پہلے حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان پر دیکھا پھر وہ آپ کے ساتھ ساتویں آسمان پر چڑھ گئے ۔

ایسا ہی قسطلانی نے ارشاد الساری میں کہا ہے اور اس میں یہ بھی کہا ہے

و قد استشکل رویة الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرة فی القبور بالارض و اجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقاته ﷺ تلک اللیلة تشریفاً له و تکریماً

(قسطلانی ج ٦ ص ٣٢٠)

کہ انبیاء کے آسمانوں پر دیکھے جانے سے یہ شبہ کیا گیا ہے کہ ان کے اجسام تو قبروں میں زمین کے اندر مدفون ہیں، پھر وہاں آسمانوں پر کیونکر دیکھے گئے۔ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انکے ارواح ان کے جسموں کی صورت سے متشکل ہوگئے، یا یہ کہ ان کے اجسام بعینھا آنخضرت ﷺ کی ملاقات کیلئے آنخضرت ﷺ کی تعظیم وتکریم کو وہاں حاضر کئے گئے ایسا ہی شیخ عبدالحق نے لمعات شرح مشکوہ میں کہا ہے۔

ان عبارات میں جو تعدد واقعہ معراج کی تجویز بیان ہوئی ہے اس پر مرزا قادیانی کی تقریر سابق میں دو اعتراض ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ انبیاء بعد موت اپنی جگہ سے حرکت وانتقال نہیں کرتے جس کو وہ ہمارے جواب مذکور پر بھی وارد کر سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس تجویز سے تعدد نسخ نماز لازم آتا ہے جو ایک بازیچہ (کھیل) ولغو و موجب پشیمانی خدا تعالی بنتا ہے۔

اس میں سے اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں، جو عرب میں نازل ہوا ہے، تو ایسی کوئی آیت نہیں جس سے انبیاء کا بعد موت جکڑے رہنا ثابت ہو۔ ہاں قادیانی قرآن مورد نزول انا انزلناہ قریباً من القادیان میں کوئی ایسی آیت ہو تو مسلمانوں کے نزدیک وہ جائز التسلیم نہیں۔ مسلمانوں کے قرآن سے کوئی ایسی آیت پیش کرتا تو اس میں اس کی تحریف وتصرف کا جواب دیا جاتا۔

اور احادیث صحیحہ معراج میں صاف آچکا ہے کہ آنخضرت ﷺ نے حضرت موسی و حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء کو بیت المقدس میں بھی دیکھا اور ان انبیاء نے نماز میں آنخضرت ﷺ کا اقتداء کیا اور حضرت موسی کو قبر میں نماز پڑھتے اور وادی ازرق میں لبیک کرتے دیکھا۔ اور مع ہذا آسمانوں پر بھی ان کو دیکھا۔ جس سے علماء اسلام نے یہی سمجھا ہے کہ زمین آسمان دونوں جگہ ان حضرات کا وجود پایا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں آنخضرت ﷺ سے مروی ہے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ فقد رایتنی فی جماعۃ الانبیاء فاذا موسی علیہ السلام قائم یصلی فاذا رجل ضرب من رجال شنوئۃ و اذا عیسی بن مریم علیہ السلام قائم یصلی اقرب الناس شبہاً بہ عروۃ بن مسعود الثقفی، و اذا ابراہیم علیہ السلام قائم یصلی اشبہ

الناس به صا حبکم یعنی نفسه فحا نت الصلوۃ فا ممتهم ۔ (الحدیث مسلم ج ا ص ۹۱) و عند احمد من حد یث ابن عباس فلما اتی النبی ﷺ المسجد ا لاقصی قا م یصلی فا ذا النبیو ن اجمعو ن یصلو ن معه ۔ (قسطلا نی ج ٦)

کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ میں نے موسیٰ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں وہ میانہ قد ہیں جیسے شنوءۃ قوم کے لوگ ۔ اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا کہ وہ بھی نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعود ہے، اور میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا کہ وہ بھی نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے زیادہ مشابہ میں ہوں، پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے ان سبکو نماز پڑھائی، امام احمد کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے سب انبیاء کو نماز پڑھائی اور انہوں نے آپ ﷺ کا اقتداء کیا۔

امام نووی نے ((شرح مسلم۔ص ۹٦) اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے

قا ل القا ضی فا ن قیل کیف رای موسی ﷺ یصلی فی قبره و صلی رسول الله با لا نبیاء ببیت المقدس و و جد هم علی مرا تبهم فی السماوات و سلموا و رحبوا به فا لجوا ب انه یحتمل ان یکو ن رو یة موسی فی قبره عند الکثیب ا لا حمر قبل صعود النبی ﷺ الی السما ء و فی طریقه الی بیت المقدس ثم و جد موسی قد سبقه الی السماء و یحتمل انه ﷺ را ی ا لا نبیاء صلوۃ ا لله و سلا مه علیهم و صلی بهم علی تلک الحا ل لا ول ما را هم ثم سا لوا و ر حبوا به او یکو ن اجتما عه معهم و صلوته و رو یة موسی بعد انصرافه و ر جو عه عن سدرة المنتهی ۔

کہ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے کیونکر دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے انبیاء کو بیت المقدس میں نماز کیونکر پڑھائی، حالانکہ ان کو بحسب مراتب آسمانوں پر پایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محتمل ہے کہ حضرت موسیٰ کو قبر میں سرخ تودہ ریگ کے پاس، آسمانوں کی طرف جانے سے پہلے دیکھا ہو، اور بیت المقدس کے راستہ میں ۔ پھر حضرت موسیٰ آنحضرت ﷺ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انبیاء کو پہلے دیکھا تو نماز

پڑھائی پھرانہوں نے مرحبا وغیرہ کہا ہو۔ یا انبیاء کو آنخضرت کا نماز پڑھانا اور حضرت موسی کو دیکھنا سدرۃ المنتھی سے واپس آنے کے بعد ہوا ہو۔

اور شیخ عبدالحق نے لمعات شرح مشکوۃ میں کہا ہے

اما لذ ین صلوا معه فی بیت المقدس فتحتمل علی ا لارواح المتمثلة و یحتمل ا لا جساد و یحتمل انه احضرت اجسا د هم فی بیت المقدس لملاقا ت ﷺ ثم رفعوا علی السماء ۔ (لمعا ت)،

کہ جن انبیاء نے آنخضرت ﷺ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی، ان کے ارواح متشکل ہو گئے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مجسم ہو گئے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے (اصلی) جسم بیت المقدس میں آنخضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے حاضر کئے گئے ہوں پھر وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہوں۔

ان نصوص صریحہ اور اقوال صحیحہ کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کے اس ڈھکوسلہ کو کہ انبیاء بعد موت ایک جگہ سے نہیں ملتے، گویا وہاں جکڑے ہوئے ہیں (معاذ اللہ)، کون سنتا ہے۔ اور اس دعوی بلا دلیل سے احادیث نبویہ ثابتہ کو کیونکر موضوع سمجھا جا سکتا ہے۔

☆ **دوسرے اعتراض کا جواب۔** تعدد معراج کو اگر یوں مانا جاوے کہ پہلے خواب میں یہ معراج ہوا، پھر بیداری میں، چنانچہ وجہ دوم اختلاف کے جواب میں مفصل بیان ہوگا۔ تو پھر تعدد نسخ نماز اعتراض قادیانی کا مورد نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں پہلا حکم ایک تمہیدی اور مثالی حکم بنتا ہے، دوسرا اصلی اور واقعی اور اس خواب کی تعبیر۔ گویا پہلے خدا تعالی نے آنخضرت ﷺ کو معراج خواب میں دکھایا کہ ہم ایسا حکم کریں گے۔ پھر معراج بیداری میں ویسا کر دکھایا۔ علاوہ بریں تعدد نسخ بحکم عقل ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالی نے پہلے حکم پر پشیمان ہو کر دوسرا حکم دیا ہے۔ اگر تعدد نسخ موجب پشیمانی ہوسکتا ہے، تو چاہیے کہ ایک دفعہ کا نسخ بھی موجب پشیمانی ہو۔ اس صورت میں مرزا قادیانی کو لازم ہے کہ مطلق نسخ کو موجب پریشانی ٹھہرا کر اس سے انکار کرے، اور اپنے چھپے مذہب نیچریت کو برملا ظاہر کرے جس میں نسخ کو خلاف تقدس سمجھا گیا ہے، اور اس وجہ سے قرآن میں وقوع نسخ سے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ قادیانی کے در پردہ پیر و مرشد حکیم نور

الدین نے رسالہ فصل الخطاب لمقدمۃ قرائۃ فاتحہ الکتاب کے خاتمہ میں اس انکار کا اظہار کیا ہے۔ اوراس سے پہلے ان کے پیرو مرشد آنریبل سرسید احمد خان نے اس کا اشتہار دیا ہے۔ تعدد نسخ پر اعتراض کی آڑ میں شکار کھیلنے کی کیا ضرورت ہے۔ اہل سنت تو تعدد نسخ کو ویسا ہی جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ مطلق نسخ کو، اور نسخ کو پہلے حکم سے پشیمانی اوراس کی غلطی پر مبنی نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو اس حکیمانہ تبدیلی کی نظیر خیال کرتے ہیں جو حکیم حاذق سے وقوع میں آتی ہے کہ پہلے وہ ایک مریض کے حق میں ایک نسخہ کو مناسب سمجھتا ہے اور پھر جب اس کی حالت بدل جاتی ہے، تو اس نسخہ کو منسوخ کر کے اس کے بدلے دوسرا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اور جب پھر وہی پہلی حالت مریض عود کرتی ہے، تو اس دوسرے نسخہ کو منسوخ کر کے پھر اس پہلے نسخہ کو تجویز کرتا ہے۔ اور یہ امر اس کے علم و کمال میں کچھ فرق نہیں لاتا اور پشیمانی کا موجب نہیں ہوتا۔ اوراس پر یہ گمان نہیں کیا جاتا کہ وہ اس تبدیلی میں پشیمان وحیران ہوا ہے۔ بلکہ اس کے علم و کمال و تجربہ اور استقلال کا مثبت ہوتا ہے۔ اس تعدد نسخ کی مثال احکام اسلام میں قبلہ کا نسخ ہے کہ پہلے کعبہ شریف، مسلمانوں کا قبلہ تھا، پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لے گئے تو وہاں یہودیوں کی اصلاح حالت کی نظر سے استقبال کعبہ منسوخ ہو کر بیت المقدس قبلہ مقرر ہوا۔ پھر جب یہودیوں کی حالت کا ناقابل اصلاح ہونا کس وناکس پر ظاہر ہو گیا، تو پھر برعایت اصلاح حال عرب، استقبال بیت المقدس منسوخ ہوا اور کعبہ شریف کو قبلہ بنایا گیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل کتب حدیث و تفسیر واصول میں ہے۔ اس مقام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ دونوں اعتراض مرزا قادیانی کے لچر و پوچ ہیں۔ اور واقعہ معراج کا متعدد ہونا کسی اعتراض کا محل نہیں اور اختلاف وجہ اول کو دور کرنے کے لئے تجویز تعدد معراج بھی ایک عمدہ تجویز ہے اور جو جواب وجہ اختلاف اول کا ہم نے دیا ہے، وہ واقعہ معراج کو ایک واقعہ ماننے سے پورا ہو سکتا ہے اوراس پر مرزا قادیانی کا اعتراض اول وارد نہیں ہوتا، اور یہ امر عقلاً جائز وممکن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم علی نبینا و علیھم السلام ایک ہی واقعہ میں مختلف مواضع میں دیکھے گئے ہوں۔ لہذا مومن ومتبع سنت کی یہ شان نہیں کہ اس امکان واحتمال کے ساتھ احادیث میں ظاہر اختلاف مواضع دیکھ کر احادیث میں تعارض کا مدعی ہو کر ان کو موضوع قرار دے۔ یہ

جرأت قادیانی سے ہوئی تھی جس کو حدیث سے دلی عناد وانکار ہے۔

☆ **دوسری وجہ اختلاف کا جواب۔** معراج نبوی کا بحالت بیداری ہونا بھی صحیح ہے اور بحالت خواب بھی درست، اوران دونوں میں کوئی مخالفت وتعارض نہیں ہے۔ جائز وممکن ہے کہ پہلے یہ معراج خواب میں ہوا اور وہ معراج بیداری کیلئے ایک وعدہ اور بشارت ہو۔اور پھر حالت بیداری میں معراج ہوا ہو۔ جواس خواب کی تعبیر وتصدیق ہو اور یہ بھی جائز وممکن ہے کہ ایک ہی معراج کے اول اور آخر آپ پر خواب کی حالت طاری ہواور وسط میں بیداری ہو۔ اور یہ بھی ممکن اور محتمل ہے کہ معراج صرف بیداری میں ہوا ہواور بعض احادیث میں جو نینداوراس سے بیداری کا لفظ وارد ہے اس سے امور عالم بالا میں استغراق اوراس حالت استغراق سے افاقہ اور عالم دنیوی کی طرف توجہ مراد ہو۔

قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے

و الجمہور علی ان وقوعھا فی لیلۃ واحدۃ فی الیقظۃ بجسدہ المکرم ﷺ و قیل وقع ذالک مرتین مرۃ فی المنام توطیہ و تمہیداً و مرۃ فی الیقظۃ (قسطلانی ج ۶ ص ۲۲۷)

کہ جمہور قائل ہیں کہ اسراء بیت المقدس تک اورمعراج آسمانوں تک دونوں یک بارگی ایک رات میں بیداری کی حالت میں جسم شریف کے ساتھ واقع ہوئے ہیں۔بعض قائل ہیں کہ یہ واقعہ دو دفعہ ہوا۔ایک دفعہ خواب میں بطور تمہید دوسری دفعہ بیداری میں۔

الثابت فی الروایات انہکان فی الیقظۃ فان قلنا بالتعدد فلا اشکال و الا فیتحمل ہذا مع قولہ آخر الحدیث و استیقظ و ھو فی مسجد الحرام علی انہ کان فی طر فی القصۃ نائماً و لیس فی ذالک ما یدل علی کونہ نائماً فیھا کلھا۔ (قسطلانی۔ ج ۱۰ ص ۵۰۵)

یہ بھی قسطلانی نے کہا ہے کہ عام روایتوں میں ہے کہ معراج بیداری میں ہوا۔سو اگر ہم تعدد معراج کے قائل ہوں تو پھر کوئی اعتراض واختلاف باقی نہیں رہتا، یعنی یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ خواب میں معراج ہوا، ایک دفعہ بیدای میں۔اوراگر ہم تعدد کے قائل نہ ہوں تو اس لفظ نیند سے اور جو آخر حدیث میں اس سے بیدار ہونے کا ذکر ہے، یہ مراد ہونا محتمل ہے کہ آپ ﷺ اول اور آخراس واقعہ کے نیند میں تھے، اور یہ کہیں نہیں پایا گیا کہ آپ

تمام واقعہ میں سوتے تھے۔

اور ای استیقظ من نومتہ نامہا بعد الاسراء او انہ افاق مما کان فیہ مما خاطر باطنہ من مشاہدۃ الملاء الاعلی فلم یرجع الی حال بشریہ الا وھو نائم۔ (قسطلانی ۔۱۰ ص ۵۰۸) اور یہ بھی قسطلانی میں ہے کہ آخر حدیث میں جو بیدار ہونے کا ذکر ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اس نیند سے بیدار ہوئے جو بعد واپسی آپ پر طاری ہوگئی تھی یا یہ مراد ہے کہ جس مشاہدہ عالم بالا میں آپ مستغرق تھے اس سے افاقہ میں آ کر حالت بشریت کی طرف ایسے وقت رجوع فرمایا کہ آپ سوتے تھے۔

ای افاق مما کان فیہ فانہ کان اذا اوحی الیہ یستغرق فیہ فاذا انتہی رجع الی حالتہ الاولی فکنی عنہ بالاستیقاظہ ۔(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۱) اور فتح الباری میں کہا ہے کہ آپ ﷺ کو اس حالت استغراق سے افاقہ ہوا جس میں آپ مستغرق تھے اور آپ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ کی طرف وحی ہوتی آپ اس میں مستغرق ہو جاتے۔ وہ حالت ہو چکی تو آپ نے پہلی حالت کی طرف رجوع کیا اسی کو کنایۃً بیدار ہونا کہا گیا ہے۔

قال الکرمانی ثبت فی الروایات الآخر ان الاسراء کان فی الیقظۃ واجاب بقولہ ان قلنا بتعددہ فظاہر وان قلنا باتحادہ فیمکن ان یقال کان فی اول الامر وآخرہ فی النوم ولیس فیہ ما یدل علی کونہ نائمأفی القصۃ کلہا ۔(عمدۃ القاری)۔ اور عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں کہا ہے کہ کرمانی نے فرمایا ہے اکثر روایات میں ثابت ہو چکا ہے کہ معراج بیداری میں تھا، پھر خود اس حدیث کا جس میں نیند کا ذکر ہے یہ جواب دیا ہے کہ اگر تعدد واقعہ معراج کے قائل ہوں تو ظاہر ہے (کہ پھر کوئی اختلاف نہیں رہتا) اور اگر ایک واقعہ کے قائل ہوں تو یہ کہنا ممکن ہے کہ آپ اول اور آخر واقعہ میں سو گئے تھے اور یہ کہیں نہیں آیا کہ آپ تمام واقعہ میں سوتے تھے۔

اس امکان واحتمالات کے ساتھ کسی مومن وقائل حدیث سے ممکن ومتصور نہیں کہ خواب اور بیداری کے الفاظ دیکھ کر ان احادیث کے تعارض کا مدعی ہو کر ان احادیث کو موضوع کہدے۔ یہ مرزا قادیانی ہی کا کام تھا۔ جو اس سے وقوع میں آیا، جس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ درحقیقت صحیحین کا منکر اور حدیث کا دلی دشمن ہے۔

☆ **تیسری وجہ اختلاف کا جواب۔** محل معراج ونزول فرشتہ جوآنحضرت ﷺ کے گھر اور بیت الحرام دونوں کو کہا گیا ہے اس میں بھی کوئی مخالفت نہیں ۔ جائز وممکن ہے کہ فرشتہ پہلے آپ کے گھر میں آیا ہو پھر جب آپ حرم میں تشریف لائے تو وہاں حاضر ہو گیا ہو ۔ بلکہ اگرایک دو مقام میں اور بھی آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوتے تو وہاں بھی فرشتہ کا جانا ممکن تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوۃ میں کہا ہے

اختلف الروایات فی تعیین مکان الاسراء ففی بعضها وانا فی الحطیم وفی بعضها بینا اذا عند البیت وفی بعضها فرج سقف بیتی وانا بمکة وفی بعضها استربه فی شعب ابی طالب وفی بعضها فی بیت ام ہانی وهو اشهر۔ والجمع بین ہذه الاقوال علی ما ذکره فی فتح الباری انه بات فی بیت ام ہانی وبیتها فی شعب ابی طالب ففرج سقف بیتها واضاف البیت الی نفسه الشریفة لبیتوته فیه فنزل الملک فاخرجه من البیت الی المسجد الحرام ثم اخذ الملک فاخرجه من المسجد ۔ (لمعات) کہ معراج کے مکان کی تعیین میں روایات کا اختلاف ہے۔ بعض روایات میں حطیم کا ذکر ہے، بعض میں حجر کا، بعض میں بیت اللہ کا، بعض میں آپ کے گھر کی چھت سے فرشتہ کے آنے کا۔ بعض میں ابو طالب کی شعب کا (یہاں تک) کہ بعض میں ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر کا۔ ان سب کو فتح الباری میں یوں باہم متوافق کیا ہے کہ آپ اس رات امام ہانی کے گھر میں تھے جو ابو طالب کے شعب میں تھا اسی گھر کی چھت چیر کر فرشتہ آیا تھا، اسی کو آپ نے اپنا گھر کہا کیونکہ اس میں آپ رہتے تھے۔ پھر فرشتہ آپ کو مسجد الحرام میں لے گیا

ہکذا فی المرقاة وزاد فیه فاخرجه من البیت الی المسجد وکان مضطجعاً وفیه اثر النعاس ثم اخرجه من الحطیم الی باب المسجد ۔

ملا علی قاری نے ایسا ہی مرقاۃ میں بیان کیا ہے، اس میں یہ زیادہ ہے کہ گھر سے فرشتہ آپ کو مسجد میں لایا، اس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے اور آپ پر اونگھ کا اثر باقی تھا، پھر حطیم سے (جس کو حجر بھی کہتے ہیں) مسجد کے دروازہ پر لایا۔ وہاں سے براق پر سوار کرایا۔

اور جب کہ ان سب مواضع میں فرشتہ کا آنا یوں ممکن ومحتمل ہے، تو پھر اس ظاہری

اختلاف کی نظر سے ان کے موضوع ہونے کا مدعی ہونا، مومن قائل حدیث سے کب متصور ہے۔ اور یہ امر بجز مرزا قادیانی کے، جو منکر حدیث ہے، کس طرح ہوسکتا ہے۔

☆ چوتھی وجہ اختلاف کا جواب

درحقیقت واقعہ معراج بعد نبوت ہوا ہے، اور جو شریک کی حدیث میں قبل از وحی کا لفظ وارد ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ معراج وحی سے پہلے ہوا تھا، حاشا و کلا بلکہ اس حدیث میں صریح الفاظ کے ساتھ آچکا ہے کہ قبل از وحی کے فرشتہ آیا تو اس وقت وہ آپ کو پوچھ کر چلا گیا۔ پھر آپ نے اس کو نہ دیکھا، یہاں تک کہ پھر کسی اور شب کو آیا اور اس وقت آپ کو آسمان پر لے گیا۔ ان دونوں شب میں جو فاصلہ تھا اس کے تعیین میں اختلاف ہے۔ سات سے لے کر تیرہ سال تک فاصلہ بیان کیا گیا ہے۔ اس فاصلہ کو ایک شب کا فاصلہ مانا جائے، تب ہی یہ مطلب اس حدیث کا بن سکتا ہے کہ جس شب قبل از وحی فرشتہ آیا اس شب میں وہ آپکو پوچھ کر چلا گیا۔ اس شب معراج نہیں ہوا، معراج کسی اور شب ہوا۔

جن لوگوں نے شریک کی اس روایت میں لفظ قبل از وحی کو غلط قرار دیا، اور شریک کو اس کے بیان میں متفرد اور دوسرے راویوں کا مخالف کہا ہے، انہوں نے اس حدیث کے اس جملہ کی طرف کہ فرشتہ اس رات آپ کو پوچھ کر چلا گیا اور پھر نظر نہ آیا، توجہ و غور سے نہیں دیکھا۔ اور لفظ قبل وحی کو دوسری شب کے معراج سے متعلق کردیا اور دھوکہ کھایا اور جن لوگوں نے اس جملہ کو توجہ سے پڑھا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ شریک نے اس لفظ کے بیان میں کوئی غلطی نہیں۔ یہ لفظ قبل از وحی معراج کا محل و متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ معراج سے پہلے فرشتہ کے آنے کا محل و متعلق ہے۔ اور اس لفظ میں شریک متفرد بھی نہیں اور راویوں نے بھی یہ لفظ بولا ہے۔ اور اس لفظ کو ان روایات سے جن میں معراج کا بعد از وحی و نبوت ہونا بیان ہوا ہے، کوئی مخالفت نہیں، کیونکہ اس لفظ کو معراج سے تعلق نہیں ہے۔

اس مقام میں اصل حدیث شریک کے الفاظ معہ ترجمہ نقل کئے جاتے ہیں اور خطوط وحدانی (بریکٹس) میں اس کی شرح میں بعض اقوال منقول ہوتے ہیں جس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ شریک کی اس میں کوئی غلطی نہیں، بلکہ معترضین کی غلطی فہم ہے۔

صحیح بخاری اور اس کی شرح قسطلانی میں ہے

جا ء ثلا ثه نفر لم اقف علی اسما ئهم صر یحاً لکنهم من الملا ئکة لا کن فی روا یة میمو ن بن سیاه عند الطبری فا تاه جبر یل و میکا ئیل ۔ قبل ان یو حی الیه ۔ و هو نا ئم فی المسجد الحرا م فقا ل اولهم ایهم هو، محمد و قد روی انه کا ن نا ئماً معه حینئذ عمه حمزه بن عبد المطلب و ابن عمه جعفر بن ابی طا لب ۔ فقا ل اوسطهم هو خیر هم فقا ل آ خر هم و لا بی ذر عن الکشمینی فقا ل احد هم ای احد النفر الثلا ثه خذوا خیر هم للعر و ج به الی السما ء فکا نت تلک ا للیلة ای فکا نت تلک القصة الواقعة تلک ا للیلة ما ذکر ها فلم یر هم ﷺ حتی نوه لیلة اخری لم یعین المد ة بین ا للیلتین فیحتمل علی ان المجیء الثا نی کا ن بعد ان یو حی الیه و حینیئذ وقع ا لاسراء و المعرا ج و ان کا ن بین المجیئین مدة فلا فرق بین ان یکو ن تلک المدة لیلة وا حدة او لیا لی کثیرة او مدة سنین وبهذا یحصل الجوا ب عما استشکله الخطا بی و ابن حز م و عبدالحق و عیا ض و النو وی من قبل قو له قبل ان یو حی الیه و نسبتهم روا یة شر یک الی الغلط لا ن المجمع علیه ان فر ض الصلوة کا نت لیلة ا لاسراء فکیف یکو ن قبل الو حی و ان شر یکاً تفرد بذ لک فار تفع ا لا شکا ل کذا قرره ابن حجر ... اما دعو هم تفر د شر یک فقا ل الحا فط ابن حجر انه قد وا فقه کثر بن خنیس عن انس کما اخر جه سعید بن یحی ا لا موی فیما یر ی قلبه و تنا م عینه و لا ینا م قلبه و کذا لک الانبیاء تنا م اعینهم و لا تنا م قلبهم فلم یکلموا حتی احتملوه فو ضعوه عند زمزم ۔ الحدیث ۔ (بخاری۔ ص ۱۱۲ ، قسطلا نی۔ ج ۱۰ ص ۵۰۵)

تین نفر (میں ان کے نام پر مطلع نہیں ہوا ہاں میمون بن سیاہ کی روایت میں جو طبری نے نقل کی ہے جبریل و میکائیل کا نام آیا ہے) آپ پر وحی نازل ہونے سے پہلے ایسے وقت میں آئے کہ آپ ﷺ مسجد الحرام میں سوتے تھے، ان میں سے اول بولا، ان (سونے والوں) میں محمد کو نسا ہے (ایک روایت میں ہے اس وقت آپ کے ساتھ دو آدمی اور سوتے تھے ایک آپ کے چچا حمزہ دوسرے آپ کے چچازاد بھائی جعفر) ان ملائکہ سے بیچ والہ بولا، محمد وہ ہے جو ان میں سے بہتر

ہے ۔پس اخیر والہ بولا (کشمینی کی روایت ہے ان میں سے ایک بولا) اس بہتر کو لے لو (یعنی آسمان پر لے جانے کو)۔ پس اس رات اتنا ہی قصہ واقعہ ہوا (یعنی جو مذکور ہوا ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو نہ دیکھا یہاں تک کہ کسی اور رات وہ فرشتے آئے ۔ان دو دفعہ کے بیچ کی مدت کا تعین ہوا۔ پس یہ قرار دیا جائے گا کہ دوسری دفعہ کا آنا بعد از وحی ہوا تھا اور اس وقت سیر معراج کا وقوع ہوا۔ ان دو دفعہ کے آنے میں کچھ مدت تھی تو اس مطلب میں کہ دوسری دفعہ کا آنا بعد از وحی ہوا تھا کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ وہ مدت ایک رات کی ہو یا کئی راتوں کی یا چند برسوں کی ۔اس مطلب سے خطابی وغیرہ کے اس شبہ کا جواب ادا ہوا۔ جو ان کو لفظ قبل از وحی سے پیدا ہوا تھا۔اور اس لفظ کے بیان میں انہوں نے شریک کو غلطی پر کہا، وہ شبہ یہ کہ بالاتفاق نماز معراج میں فرض ہوئی تھی، پھر معراج قبل از وحی کیونکر ہوسکتا ہے۔ اور نیز یہ شبہ کہ اس لفظ کو صرف شریک ہی لایا ہے اور کسی نے یہ لفظ نہیں بولا، یہ شبہ اس مطلب سے رفع ہوگیا۔ ایسا ہی حافظ ابن حجر نے تقریر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ اس لفظ قبل از وحی کو کثر بن خنیس بھی لایا ہے، چنانچہ یحی بن سعید اموی نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے، (یعنی شریک اس میں متفرد نہیں ہے) وہ فرشتے اس حالت میں آئے کہ آپ کا دل بیدار تھا اور آنکھ خواب میں تھی، دل خواب میں نہ تھا۔ ایسا ہی اور انبیاء کا حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتے۔تب وہ فرشتے کچھ نہ بولے ۔آپ کو اٹھا کر لے گئے۔ اور زمزم کے پاس لے جا کر رکھا۔ (تا آخر حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کو اوپر لے جانے کا بیان ہے)۔

ایسا ہی حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۱۳ ص ۳۹۹ میں کہا ہے

و اما ما ذکرہ بعض الشراح انہ کان بین اللیلتین اتاہ فیھا الملائکۃ سبع و قیل ثمان و قیل عشر و قیل ثلاثہ عشر فیحمل علی ارادۃ السنین لا کما فھمہ الشارح المذکور انھا لیالی ۔

کہ ان دونوں راتوں میں مدت فرق بعض نے سات بعض نے آٹھ بعض نے نو بعض نے دس بعض نے تیرہ بیان کئے ہیں۔جس سے سال مراد ہیں نہ راتیں جیسا کہ بعض شراح نے سمجھا ہے کہ ان اعداد سے راتیں مراد ہیں ۔

بعض علماء نے لفظ قبل از وحی کی یہ تاویل کی ہے

قیل ان ھذا کان اسراء المنام قبل الوحی و اما اسراء الیقظۃ فبعد النبوۃ

و قیل بل الوحی ھھنا مقید و لیس با لوحی الذ ی ھو مبدء النبوۃ و المراد قبل ان یوحی الیہ فی شا ن الاسراء فاسری فجائۃً من غیر تقدم اعلام ۔

(زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۲۴)

و قیل المراد بہ قبل ان یوحی الیہ بیا ن الصلوۃ (قسطلانی۔ ج ۱۰ص ۵۰۵)

کہ قبل از وحی خواب کا معراج تھا اور معراج بیداری بعد از وحی ہوا ہے ۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس وحی سے وہ وحی مراد نہیں جو مبدء نبوت ہے، بلکہ خاص کر وہ وحی جو بیان معراج کی بابت ہوئی ہے یا وہ وحی جو حکم نماز میں وارد ہوئی ہے۔ ان تاویلات کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں نقل کیا ہے، مگر ہمارے نزدیک لفظ قبل وحی کو معراج سے تعلق ہی نہیں (چنانچہ الفاظ حدیث سے ثابت ہے اور آئمہ حدیث نے اس کو تسلیم اور بیان کیا ہے) تو پھر ان تاویلات کی کیا حاجت ہے۔

با لجملہ یہ لفظ قبل از وحی کسی طرح اعتراض کا محل نہیں ہے۔ نہ یہ اور روایات کے مخالف ہے، نہ اس کا راوی اس کے بیان میں متفرد ہے ۔ لہذا اس لفظ کی نظر سے اس حدیث کو دوسری احادیث معراج کی معارض قرار دے کر موضوع ٹھہرانا مرزا قادیانی ہی کا کام ہے جو حدیث کا دلی دشمن ہے۔ مومن متبع سنت سے اس دعوی موضوعیت پر جرئت نہیں ہو سکتی

تکلم ابن حزم و القاضی عیاض و غیرھما علی حدیث ہذا و انتصر لہ جماعۃ منھم ابو الفضل بن طاہر فصنف فیہ جزءً ... ما یتعلق بہ مستوفی عند الکلام علیہ انشاء اللہ تعالی فی موضعہ

(مقدمہ فتح الباری)

ہر چند بعض محدثین سلف نے شریک کی حدیث کے بعض الفاظ پر کچھ اعتراض کئے ہیں جن کے ایک جماعت محدثین نے کہ از انجملہ ایک ابوالفضل بن طاہر ہیں، حدیث شریک کی نصرت و مدافعت میں کھڑے ہو کر کافی جواب دیئے ہیں۔ مگر یہ جرئت کسی محدث سے نہیں ہوئی کہ ان الفاظ کے سبب شریک کی حدیث کو دوسری احادیث کے معارض و مخالف ٹھہرا کر ان سب کو موضوع قرار دیا ہو۔ محدثین سلف میں سے جس نے اپنی غلطی فہم سے کسی لفظ پر کوئی اعتراض کیا ہے، اس نے صرف اسی لفظ کو شریک کے اغلاط سے خیال کر لیا۔ اصل حدیث اور اس کے تمام مضمون کو دائرہ صحت سے خارج نہیں کیا، جیسا کہ مرزا قادیانی سے عمل میں آیا۔

☆ **ہمارا قول نمبر۳۔** آپ (مرزا) لکھتے ہیں احادیث کے دو حصہ ہیں۔ اول وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہے (اشاعۃ السنہ نمبر۶ ج ۱۴ ص ۱۶۲)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب۔** میں نے اصطلاح اہل حدیث سے سروکار نہیں رکھا۔ ہر شخص اپنی اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے۔ میں نے ضروریات دین کے لفظ سے ان امور کو مراد لیا ہے جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے۔ وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول ہیں جو مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر ایک مسلمان ان تمام احکام کو عملی طور پر یاد رکھتا ہے کیونکہ وہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اس کو کرنے پڑتے ہیں، یا کبھی کبھی کرنے کے لئے وہ مجبور کیا جاتا ہے، بخلاف قصص واخبار کے جو سلسلہ تعامل سے خارج ہیں، مسلمانوں کو ان کے علم واطلاع کی کوئی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں سے ایسے آدمی بہت تھوڑے ہیں جن کو وہ قصے یاد و معلوم ہوں.

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ۔** اس جواب میں مرزا قادیانی نے سراسر جھوٹ بول کر سخت دھوکہ دیا ہے۔ ضروریات دین سے احکام متعلق عمل کو مراد لیا اور ان سب احکام کے جاننے اور عمل میں لانے کو مسلمان ہونے کیلئے ضروری شرط ٹھہرایا، اور ہر ایک مسلمان کے ان احکام سے واقف ہونے کا دعوی کیا اور ان احکام عملیہ کے مقابلہ میں احادیث متعلقہ عقاید ایمانیہ اسلامیہ سنیہ کو محض قصص واخبار ٹھہرا کر ضروریات دین (متعلقہ ضرورت دین) سے خارج کیا اور ان کے جاننے ماننے کو غیر ضروری بتایا۔ اور اکثر مسلمانوں کو ان عقائد سے بے خبر قرار دیا۔ اور ان چھ دعاوی میں ایسا کذب ومغالطہ سے کام لیا کہ سچ کو ان کے پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا۔ ضروریات دین سے مرزا قادیانی کی مراد امور دین متعلقہ حاجت وضرورت دینی ہیں تو اعتقادیات اسلامیہ سنیہ عملیات فرعیہ (احکام متعلقہ عمل) سے بڑھ کر اور پیشتر ان ضروریات میں داخل وشامل ہیں۔ مرزا قادیانی نے ضروریات دینیہ میں صرف عملیات کو داخل کرنے اور اعتقادیات کو خارج کرنے میں دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے

☆ ان اعتقادیات کو جاننا اور ماننا ایسا ضروری اور مسلمان بننے کا لازمہ ہے کہ ویسا احکام عملیہ کو جاننا ضروری نہیں ہے۔ عقائد اسلامیہ سنیہ کا جاننا ہر ایک مسلمان سنی کو ضروری ہے، بخلاف احکام متعلقہ عمل کہ ان سب کو ہر ایک مسلمان کا جاننا ضروری وشرط اسلام نہیں۔

بلکہ خاص کر اسی مسلمان کو اس حکم کا جاننا ضروری ہے جو اس حکم کی تعمیل کے لائق ہو۔ مثلاً ایک شخص فقیر ہے اور وہ صرف ادائے نماز کے لائق ہے، تو اس پر اس حکم نماز کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور جب وہ زکوۃ کے لائق مال دار ہو جائے، تب اس پر احکام متعلقہ زکوۃ کا جاننا لازم ہوتا ہے۔ اور جب وہ حج کے لائق مال پیدا کر لے، تو اس وقت اس پر حج کے احکام کا جاننا لازم ہوتا ہے۔ اور جب وہ تجارت کرنے لگے تو اس وقت اس پر احکام تجارت کا جاننا لازم ہوتا ہے۔ ایسے ہی اور ہزاروں بلکہ بے شمار احکام ہیں جن کا قبل از وقت تمام مسلمانوں کو جاننا ضروری نہیں ہے۔

☆ اور اعتقادیات کا یہ حال ہے کہ مسلمان کہلانے کے لئے ہر عاقل بالغ کو جو ایمان سے مامور ہے، لازم ہے کہ وہ خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اس کی کتابوں اور فرشتوں کو ماننے اور قیامت پر اور موت کے بعد جسموں کے ساتھ اٹھائے جانے اور محشر میں حاضر ہونے پر اور نیک و بد اعمال کا حساب دینے اور مومنوں کے بہشت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کا یقین رکھے۔ اور سنی بننے کے لئے ہر ایک سنی کو جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خلفاء اربعہ کی خلافت برحق ہے، اہل بیت نبوی کی محبت جزء ایمان ہے، قبر کا عذاب برحق ہے، اور اہل توحید گناہ گاروں کے لئے آنحضرت ﷺ کی شفاعت برحق ہے۔ و علی ہذا القیاس۔

☆ بہت سے اعتقاد ہیں جو احکام عملیہ نہیں کہلاتے اور اس لئے وہ سلسلہ تعامل میں داخل نہیں ہو سکتے۔ مرزا قادیانی نے اس قسم کے اعتقادیات ایمانیہ وسنیہ کو جاننا اور ماننا مسلمانوں کے لئے غیر ضروری بتایا اور اس کے مقابلہ میں بے شمار احکام متعلقہ حج و زکوۃ و بیع، شرا، وہبہ، طلاق وغیرہ اعمال کو جاننا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے۔ اس میں بھی اس نے دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

☆ اعتقادیات مذکورہ ایسے ہیں جن سے ہزار مسلمان اور سنیوں میں سے دس نہ جانتے ہوں اور بے شمار احکام عملیہ ایسے ہیں جن کو ہزار مسلمانوں سے صرف دس بیس جانتے ہوں گے۔ مرزا قادیانی نے جملہ احکام عملیہ سے تمام مسلمانوں کو واقف اور اعتقادیات سے اکثر کو ناواقف قرار دینے میں بھی دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

☆ اپنی نئی اصطلاح مقرر کرنے کا مرزا قادیانی اور ہر شخص کو اختیار ہے، مگر دو شرط

سے۔ایک یہ کہ جو اصطلاح کوئی مقرر کرے اس کو استعمال میں لانے کے وقت یا اس سے پیشتر مخاطبین کو مطلع کرے، اور یہ بتا دے کہ فلاں اصطلاح سے میری مراد یہ معنے ہیں ۔ دوسری یہ کہ اس اصطلاح میں اس فن یا مذہب یا جماعت کا خلاف نہ کرے جس فن یا مذہب یا جماعت میں دخل دہی کا مدعی ہوکر وہ اصطلاح مقرر کرتا ہے۔اور وہ شخص جو ان شروط کا خلاف کرتا ہے، اس پر اس اصطلاح کے مخالف اصطلاح میں بکری کا نام خنزیر مقرر کر کے اس کو حلال کہدے اور یہ دعوی کرے کہ اسلام میں خنزیر حلال ہے تو اس پر دو الزام قائم ہوں گے

۱۔تو نے پہلے سے یا اس کلام کے ساتھ یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ خنزیر سے میری مراد بکری ہے۔

۲۔اس اصطلاح سے تو نے اصطلاح دین اسلام کا جس نے بکری کو حلال اور خنزیر کو حرام قرار دیا ہے، خلاف کیا۔لہذا تیرا یہ کہنا اسلام کے مخالف ہے۔

مرزا قادیانی نے اعتقادیات اسلامیہ سنیہ کو ضروریات دین سے خارج کرنے میں بعینہ یہی کام کیا ہے۔اس نے اپنی تحریر نمبر ہفتم میں ضروریات دین کا لفظ بولا، تو اس لفظ کا کوئی مطلب بیان نہ کیا۔جس پر وہ پہلے اعتراض کا مورد ہوا۔ جو ہماری تحریر نمبر ہشتم میں اس پر وارد کیا گیا۔اب اس نے اس لفظ کا مطلب اصطلاح اہل اسلام کے مخالف یہ بیان کیا ہے کہ اس سے صرف احکام عملیہ مراد ہیں۔تو اب اس پر اعتراض دوم وارد کیا گیا ہے۔کہ یہ اصطلاح اہل اسلام کی قرار داد کے مخالف ہے، کیونکہ وہ اعتقادیات کو عملیات سے بڑھ کر دینی ضرورت وحاجت کا متعلق سمجھتے ہیں۔ایسا ہی مرزا قادیانی نے دیگر نئی اصطلاحات میں کام کیا ہے جس کا بیان قول مابعد اور اقوال آئندہ میں ہوگا۔انشاء اللہ تعالی۔

☆ **ہمارا قول نمبر ۴** ۔آپ (مرزا) نے سلامت فہم راوی کو شرط ٹھرایا ہے۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۶ ج ۱۴ ص ۱۶۴)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب** ۔میں محدثین کا متبع اور شاگرد ہوکر گفتگو نہیں کرتا، تا میرے لئے ان کی اصطلاحوں کا پابند ہونا ضروری ہو، میں الہی تفہیم سے گفتگو کرتا ہوں۔ سلامت فہم سے میری اصطلاح میں مراد یہ ہے کہ راوی کے دماغ میں کوئی آفت کا دخل نہ ہو وہ فاسد العقل، مخبوط الحواس، نیم مجنوں، مدہوش نہ ہو۔تم نے جو یہ کہا ہے کہ راوی حدیث

صرف الفاظ سے غرض رکھتے تھے ان کے معانی سمجھنے سے بکلی بے نصیب تھے، یہ کم فہمی ہے۔ جو شخص اس قدر بھی فہم نہیں رکھتا کہ جو بات وہ دوسرے کو پہنچاتا ہے وہ کس زبان میں ہے، عربی میں یا ترکی میں یا انگریزی میں یا عبری میں، اس کی تبلیغ کیا خاک کرے گا۔ تم نے یہ دعوی کیا ہے کہ احادیث بعینها الفاظ سے منقول ہیں، یہ محض فضول ہے۔ یہ ہوتا تو مثلا احادیث معراج میں یہ اختلاف کیوں پڑتا، کہ کبھی موسی کو چھٹے آسمان پر کہدیا، کبھی ابراہیم کو، تم نے امام ابوحنیفہ کی تحقیر کی اور ان کی نسبت یہ لکھ دیا کہ وہ حدیث نبوی کے پانے سے محروم رہے اور ان کا قیاسی اٹکلوں پر گذارہ رہا ہے۔ (دیکھو ص ۸۱ - ۸۵ مباحثہ لدھیانہ طبع قادیانی)

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ** ۔ اس جواب میں بھی مرزا قادیانی نے محض کذب و مغالطہ سے کام لیا ہے۔ اس نے اپنی تحریر پنجم میں راویوں کی شرائط میں ایک سلامت فہم کو (جو صحت کی مترادف ہے اور اس کی ضد مقابل غلط فہمی ہے) شمار کیا تھا۔ ہم نے اس کے جواب میں تحریر ہشتم میں کہا تھا کہ فہم معانی حدیث مطلق شرط روایت نہیں بلکہ خاص کر اس حالت میں شرط ہے کہ راوی، حدیث کو بالمعنی روایت کرے۔ تاکہ اس صورت میں مطلب حدیث میں وہ غلطی نہ کرے۔

مرزا قادیانی نے اس سیدھی بات کو بتنگڑ بنا دیا اور اس کو یہ کہنا قرار دیا کہ حدیث کے راوی الفاظ کا مطلب بالکل کچھ نہ سمجھتے تھے، وہ ان الفاظ کے معانی سے ایسے ناآشنا و بے نصیب تھے جیسے ایک عربی شخص ہندی انگریزی ترکی اور عبرانی الفاظ کے معانی سے بے نصیب ہوتا ہے۔ اور اس افتراء میں مرزا صاحب نے لعنة الله على الكاذبين کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ پھر اپنی شرط سلامت فہم (یعنی عدم غلط فہمی) کا مطلب از راہ جعل سازی یہ گھڑ لیا کہ اس سے سلامت ہوش و حواس و عدم خبط و جنون و مدہوشی مراد ہے، نہ فہم معانی۔ اور شرم دنیا و خوف آخرت کو پیش نظر رکھ کر یہ نہ سوچا کہ سلامت فہم کے معنی کس و ناکس، محدث ہو خواہ صرف لغت عرب کا واقف ہو، یہی سمجھتا ہے کہ فہم معانی میں غلطی نہ ہو۔ بلکہ صحت و سلامتی ہو۔ اور اس لفظ سے سلامت حواس و ہوش و عدم جنون کے معنے نہ کوئی محدث سمجھ سکتا ہے نہ عام لغت عرب سے واقف۔ اور یہ اصطلاح میں نے اگر خدا تعالی کی شاگردی سے مقرر کی تھی تو پہلے سے اس لفظ کو بولنے کے وقت اس کا ظاہر کرنا، اور ایک الہامی ڈکشنری کا چھاپ دینا میرا فرض تھا۔ ورنہ مجھ پر وہ دونوں اعتراض وارد ہوتے ہیں جو نوٹ سابق میں بیان ہوئے ہیں۔

علاوہ براں اس لفظ سے میری (مرزا کی) یہی مراد تھی تو پھر اس لفظ کے بعد لفظ سلامت قوت حافظہ کہنا ضروری نہ تھا۔ جب دماغ کسی آفت کا محل نہ ہو پھر قوت حافظہ کا سلامت ہونا اس کیلئے لازم ہے ۔ لہذا اس لفظ کے بعد اس لفظ کے کہنے کی حاجت نہیں رہ جاتی ۔ اس لفظ سلامت فہم کے بعد میرا لفظ سلامت قوت حافظہ کہنا ناظرین کو صاف یقین دلا رہا ہے کہ اس وقت اس لفظ سے میری مراد دماغ کا آفات سے سلامت ہونا نہ تھا، بلکہ فہم معانی احادیث میں غلطی نہ کرنا مراد تھا جس پر مخاطب کا اعتراض مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اب ناظرین منصفین سے عموماً اور مرزا قادیانی کی اتباع سے خصوصاً داد انصاف کی درخواست ہے۔ وہ خدارا طرفداری کو یک سو کر کے داد انصاف دیں اور ایمان سے کہیں کہ مرزا قادیانی کے لفظ سلامت فہم کے وہ معنی صحیح ہیں جو اس نے اب گھڑ کر بیان کئے ہیں، یا وہ معنی جو ہم نے سمجھے اور بیان کئے ہیں۔ اور ہمارے اس قول کے کہ فہم معنے ہر ایک حدیث کیلئے روایت کی شرط نہیں ہے ۔ کیا وہ معنی ہیں کہ جو قادیانی نے افتراء کئے ہیں کہ راوی حدیث معانی احادیث سے بالکل بے نصیب تھے اور وہ صرف الفاظ سے غرض رکھتے تھے، ان کی نسبت وہ اس قدر بھی فہم نہ رکھتے تھے کہ وہ الفاظ عربی ہیں یا ترکی یا انگریزی وغیرہ یا یہ معنے (جو ہم نے بیان کئے ہیں) کہ ہر ایک حدیث کے معانی کو راوی حدیث کا سمجھنا شرط اور لازمی اور ضروری امر نہیں ہے۔ بلکہ خاص اس حدیث کے الفاظ کے معانی کو سمجھنا، شرط روایت ہے جس کے الفاظ کے معانی کو وہ بیان کرے۔ اور یہ جائز و ممکن ہے کہ وہ بعض الفاظ حدیث کو ان کے غریب و نادر و قلیل الاستعمال ہونے کے سبب باوجودیکہ وہ صاحب زبان ہو، اور لغت عرب سے واقف، نہ سمجھے اور اس وجہ سے وہ ان الفاظ کو بعینھا نقل کر دے۔ ناظرین انصاف سے کام لیں تو امید ہے کہ ہم کو ڈگری دیں گے اور مرزا کو جعل ساز کہیں گے۔

ہم اپنے اس قول اور اس کے صحیح معنے کی تائید میں اقوال محدثین و اصولین سے شہادت پیش کرتے ہیں تاکہ منصفین کو داد انصاف دیتے وقت وہ اقوال مدد دیں۔

والضبط ان یکون متنقیظاً حافظاً غیر مغفل ولا ساہ فی حالتی التحمل والاداء فان حدث عن حفظه ینبغی ان یکون حافظا وان حدث عن کتابه ینبغی ان یکون ضابطة له وان حدث بالمعنی ینبغی ان یکون عارفاً بما یختل به المعنی ولا یشرط الذکورة والا لحریة ولا العلم

بفقہہ و غریبہ و لا البصر و لا العدد ۰ (رسالہ اصول طیبی) ۔

طیبی نے رسالہ اصول حدیث میں بیان میں کہا ہے کہ ضبط راوی سے یہ مراد ہے کہ راوی بیدار مغز ہو، صاحب حافظہ ہو ، نہ غافل ہو اور نہ بھولنے والہ ۔ اگر حفظ روایت کرے تو چاہیے کہ اس کو یاد رکھتا ہو اور اگر کتاب سے دیکھ کر روایت کرے تو چاہیے کہ اس کتاب کو ضبط کر رکھا ہو (یعنی وہ غلطی وتغیر سے محفوظ ہو) اور اگر حدیث کو بالمعنی روایت کرے تو چاہیے کہ اس غلطی سے واقف ہو، جس سے معنے میں خلل واقع ہو، اور روایت حدیث کے لئے یہ شرط نہیں کہ راوی مرد ہو (یعنی عورت بھی ہو سکتی) اور نہ یہ کہ آزاد ہو (یعنی غلام بھی ہو سکتا ہے) اور نہ یہ کہ اس کو اس حدیث کی فقہ (یعنی مسائل خفیہ مستنبطہ) کا علم ہو اور نہ یہ کہ وہ اس کے غریب (نادر الاستعمال) الفاظ کے معنے جانتا ہو، اور نہ یہ کہ وہ بینا ہو (یعنی نابینا بھی ہو سکتا ہے) اور نہ کوئی معین عدد شرط ہے (کہ اتنے راوی ہوں) ۔

حنفیہ کے ایک امام، شیخ ابن الہمام کے استاد شیخ عبد العزیز مصنف کشف وتحقیق نے غایۃ التحقیق میں کہا ہے لم تیقل عن احد من السلف اشرا ط الفقه فی الراوی ۔ کہ راویوں کا فقیہ ہونا، یعنی معانی خفیہ حدیث کو سمجھنا شرط روایت نہیں ۔

اور بعض الفاظ غریب و نادر الاستعمال حدیث کے معنے سے بے خبر ہونا بڑے بڑے آئمہ حدیث وغریب سے مروی ہے ۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے ایک حدیث کے ایک لفظ غریب کے معنی پوچھے تو آپ نے جواب دیا کہ اصحاب الغریب (یعنی ان لوگوں سے جو الفاظ غریب کی شرح کرتے ہیں) پوچھو، میں پسند نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث میں اٹکل سے کچھ کہوں اور خطا میں پڑوں

رو ینا عن المیمو نی قا ل سئل احمد بن حنبل عن حر ف من غر یب الحد یث قا ل سلوا اصحا ب الغریب فا نی اکرہ ان تکلم فی قول رسو ل اللہ با لظن فا خطی ۔ (علوم الحد یث ۔ ابن الصلا ح)

اور و بلغنا عن التا ر یخی محمد بن عبد الملک قا ل حد ثنی ابو قلا بہ عبد الملک بن محمد قا ل قلت للا صمعی یا ابا سعید ما معنی قول رسول اللہ ﷺ الجار احق بسقبہ فقا ل انا لا افسر حد یث رسو ل اللہ ﷺ و لا کن العر ب تز عم ان السقب ا للز دق ثم ان غیر وا حد من العلماء

صنفوا فی ذا لک ..... النضر بن شمیل و ابو عبیدہ معمر بن المثنی و ابو عبید القا سم بن سلام و ابو سلیمان الخطا بی ۔

(علوم الحد یث ۔ ابن الصلاح ، مختصراً)

عربیت اور نحو کے امام اصمعی سے ایک شخص نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے قول کہ ہمسایہ اپنے سقب کا حق دار ہے، کیا معنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی حدیث کی کوئی تفسیر نہیں کرتا ۔ ہاں اتنا کہتا ہوں کہ عرب سقب اس کو کہتے ہیں جو ملا ہوا ہو

یہ اقوال ان آئمہ کے ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں بیان کئے ہیں ۔ پھر کہا ہے کہ غریب الفاظ حدیث میں جن لوگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں وہ امام نضر بن شمیل ہیں اور امام ابوعبیدہ معمر بن مثنی و ابوعبید قاسم بن سلام اور امام ابوسلیمان خطابی ہیں ۔

اس بیان سے مرزا صاحب کے دو کذب و مغالطے ظاہر ہوئے جو ہماری کلام کو بگاڑنے اور اپنے قول کے جعلی معنی کرنے میں ان سے سرزد ہوئے ہیں ۔ اب آپ کے باقی دونوں کذب کی کیفیت ناظرین سنیں ۔

صحابہ کے حدیث نبوی کو بالفاظ روایت کرنے کا مدعی میں ہی نہیں ہوں ، یہ دعوی بہت سے علماء نے کیا ہے جن میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کی کلام سے مرزا صاحب بھی اپنی تحریر نمبر ہشتم میں متمسک ہوئے ہیں ۔ اور اس دعوی پر دلیل صحابہ کی وہ روایات ہیں جن میں انہوں نے دولفظوں کو باوجود ہم معنی یا قریب المعنی ہونے کے شک کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور ان کے معنے پر نظر کر کے ایک لفظ کے بیان پر اکتفا نہ کیا ۔ علامہ تفتازانی (جن کی کلام کے غلط معنی سمجھ کر اس کی دست آویز سے مرزا صاحب نے صحیح بخاری میں حدیث موضوع کے پائے جانے کا دعوی کیا ہے) اپنی کتاب تلویح کے صفحہ ۲۲۵ میں فرماتے ہیں

اما ثانیا فلان الظا ہر من حا ل عدو ل الصحا بۃ نقل الحد یث بلفظہ و لھذا نجد فی کثیر من الا حا دیث شک الراوی و انما استفاض النقل با لمعنی عندالعلماء لتقر ر الحدیث با لروا یۃ و التد وین ۔

(تلو یح ۔ ص ۲۵۵) کہ عادل صحابہ کا ظاہر یہ حال تھا کہ وہ حدیث کو بلفظہ نقل کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بہت سی احادیث میں (دو ہم معنی لفظوں کو) صحابہ کا شک کے ساتھ بیان کرنا پاتے ہیں ۔ اگر وہ روایت بالمعنی کرتے تو ان الفاظ کے بیان میں وہ معنے کا لحاظ کر کے صرف ایک لفظ پر اکتفا کرتے ۔

حدیث کو بالمعنی روایت کرنا تو علما میں تب مروج ہوا جب کہ احادیث کے الفاظ روایت اور تصنیف سے مقرر ہو چکے تھے۔

علامہ سندھی نے دراسات میں فرمایا ہے

و من شدة اعتنا ئهم فی حفظ ا لا لفا ظ شکهم و تر ددهم بین ا للفظین و عدم اقتصا د هم علی ا حد هما حتی ظن ذا لک من الد لیل علی عدم صحة النقل با لمعنی فی ا للفظین المتقا ر بین جداً فی المعنی کما فی حدیث عبد الله بن مسعود فی صلوۃ الو سطی ملاء الله اجوا فهم و قبورهم نا راً او حشی الله اجوا فهم و قبورهم نا راً .. (دراسات۔ ص ۱۸۲)

کہ حفظ الفاظ حدیث میں صحابہ کے کمال توجہ پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ نے دو ہم معنے لفظوں کے بیان میں شک وتر دد ظاہر کیا اور ان میں سے ایک لفظ کے بیان پر اکتفا نہ کیا یہاں تک کہ ان کے اس فعل کو اس مسئلہ پر دلیل سمجھا گیا کہ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا جائز ہی نہیں، چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث صلوۃ الوسطے میں لفظ ملاء اللہ او حشی اللہ شک سے وارد ہے (جس کے معنے پر کرنے کے ہیں)

اس کے بعد علامہ سندھی نے امام ابن عبدالبر سے اس فعل ابن مسعود سے عدم جواز روایت بالمعنے نکالنے کا جواب نقل کیا ہے، اور ان الفاظ کی مثالیں حدیث میں بہت پائی جاتی ہیں۔ ازانجملہ بخاری کی بصفحہ ۱۴۴ حدیث کسوف میں لفظ مومن یا موقن اور لفظ منافق یا مرتاب شک کے ساتھ مروی ہیں۔

اس دعوی کے مقابلہ میں جو مرزا قادیانی نے حدیث معراج میں آنحضرت ﷺ کا کبھی موسی کو چھٹے آسمان پر دیکھنا اور کبھی حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان پر دیکھنا بیان کیا اور اس کو روایت کے بالفاظہا مروی نہ ہونے پر دلیل ٹھہرایا ہے، یہ اس کا محض مغالطہ ہے۔ نوٹ سابق میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان الفاظ میں کوئی مخالفت نہیں، یہ دونوں حضرات چھٹے آسمان پر دیکھے گئے تھے۔

حضرت امام الآئمہ ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی توہین وتحقیر کا الزام جو مرزا صاحب نے خاکسار پر لگایا ہے اور ان کے حق میں یہ کلمات کہنے کا کہ وہ حدیث نبوی سے محروم رہے اور قیاسی اٹکلوں پر ان کا گذارہ رہا، مجھ پر بہتان لگایا ہے اور سفید جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت امام الآئمہ کی توہین کرنے والے پر خاکسار ہزار لعنت بھیجتا ہے اور ناحق

تہمت کرنے والے پر ہزار نہیں تو پانچ سو ہی سہی۔ قادیانی سچا ہے تو اس پر آمین کہے۔

خاکسار نے حضرت امام صاحب کی نسبت صرف اتنا کہا تھا کہ اگر صحیح بخاری، امام صاحب کے وقت میں ہوتی تو امام صاحب اس کو آنکھوں پر رکھ لیتے۔ پھر اس کی تائید و تصدیق میں امام شعرانی کی عبارات میزان سے نقل کر دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام صاحب کے وقت میں حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اس لئے آپ کو دوسرے اماموں کی نسبت احادیث کم پہنچیں۔ اسی وجہ سے آپ نے قیاس کیا۔ یہ بات نہیں کہ آپ نے حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی طرف رجوع کیا، جیسا کہ امام کے معترضین اور مخالفین سمجھتے ہیں۔

اصل کلام خاکسار و عبارت شعرانی رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ ج ۱۴ کے صفحہ ۱۹۹ میں اور قادیانی کے مطبوعہ مباحثہ لدھیانہ کے صفحہ ۴۹ میں ناظرین ملاحظہ فرما کر داد انصاف دیں کہ وہ کلام خاکسار و عبارت شعرانی، امام ابوحنیفہ کی مدح و تعریف کی مثبت ہے یا ان کی توہین کی موجب۔ خاکسار کا کلام تو امام صاحب کی مدح و تعریف کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا، امام شعرانی کی عبارت بھی آپ کی مدح و تعریف و حمایت ہی میں فرمائی گئی ہے۔ اس عبارت سے پہلے بصفحہ ۷۱ میزان کبری، امام شعرانی نے ایک فصل منعقد کر کے کہا ہے کہ اس فصل میں اس شخص کے قول کا ضعف بیان ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث سے مقدم سمجھتے تھے، پھر کہا کہ یہ کلام اس شخص سے صادر ہوا ہے جو امام صاحب کی نسبت تعصب رکھتا ہے، اور اپنے دین میں دلیر ہے، گفتگو میں پرہیزگار نہیں اور خدا تعالی کے اس قول سے غافل ہے جس میں ارشاد ہے کہ انسان جو بات منہ سے نکالتا ہے اس کے پاس فرشتہ لکھنے کو منتظر و تیار ہے۔ پھر امام شعرانی نے امام ابوحنیفہ کے بہت سے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جن سے آپ کا رائے سے بے زار ہونا اور حدیث کو قبول کرنا ثابت ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۷۲ میں وہ عبارت فرمائی ہے جس کو قادیانی نے موجب توہین امام قرار دیا ہے۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ اس مدعا و غرض کے ساتھ وہ عبارت امام صاحب کی مدح بنتی ہے یا نہیں۔

ہمارے زمانہ کے سر آمد حنفیہ مولوی عبدالحی مرحوم لکھنوی بھی اپنے رسالہ نافع کبیر میں اس عبارت میزان کو اپنے اس دعوی کی تائید میں لائے ہیں کہ

و ما اتباعه الا حاديث و الآثار خلاف ما يظنه الظانون انه يقيس

علی خلاف الحد یث فید ل علیه ما اورده فی المیزا ن الی ان نقل عبارتها۔ ثم قا ل و مطا لعة المیزا ن لهم نا فع و لا و ها مهم دا فع ۔(النافع الکبیر۔ ص ۱۸) امام ابوحنیفہ احا دیث وآ ثار کے متبع تھے، حدیث کے مقابلہ پر قیاس نہ کرتے تھے۔ (پھر اس عبارت کو نقل کر کے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ) یہ عبارت ان بدگمانوں کیلئے جو امام صاحب کو حدیث کے مقابلے میں قیاس کرنیوالہ سمجھتے ہیں، نافع ہے اور ان کے اوہام کے دافع ہے۔

اس عبارت میزان میں اگر ذرا بھی وہم توہین ہوتا تو ایسے مشاہیر حنفیہ کی کلام میں امام صاحب کی مدح اور برائت پر اس سے تمسک و استدلال نہ کیا جاتا۔

مرزا قادیانی نے اس الزام واتہام توہین امام صاحب سے حنفیوں کو اپنا دوست اور ہمارا دشمن بنانا چاہا تھا جس سے الٹا نتیجہ نکلا۔ اس کا دجال ہونا ثابت ہوا، کسی نے اس کو اپنا دوست نہ سمجھا، بلکہ تمام حنفیہ ہندوستان و پنجاب نے اسے اپنا دشمن اور اپنے مذہب کا مخالف تصور کیا۔ خواص حنفیہ نے اس کے معتقدات پر کفر کا فتوی لگایا اور عوام حنفیہ نے اس فتوی پر کاربند ہو کر ہر شہر و دیار میں قادیانی پر نعرہ لعنت بلند کیا اور ہر جلسہ اور معرکہ میں اس کے مکفرین کا ساتھ دیا اور اس افتراء میں وہ خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق بنا۔

☆ **ہمارا قول نمبر ۵** ۔ شائد آپ کہیں کہ احادیث سبھی بالمعنے روایت ہوئی ہیں جیسا کہ آپکے مقتداء سید احمد خان نے کہا ہے، جس کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۶ ج ۱۴ ص ۱۶۴)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب** ۔ سید احمد خان میرا مقتداء نہیں ہے۔ صحابہ حتی الوسع حفظ الفاظ نبی کرتے۔ مگر ان کی روایتوں پر اعتماد کرنے کیلئے سلامت فہم ضروری شرط ہے، کیونکہ اگر فہم میں بباعث پیرانہ سالی، یا اختلال دماغ کوئی آفت پیدا ہو جاوے تو مجرد حفظ الفاظ کافی نہیں۔ اس صورت میں تو الفاظ میں بھی شک پڑتا ہے کہ شائد اختلال دماغ کے سبب سے اس میں بھی کچھ تصرف ہو گیا ہو۔ قرآن کریم کی نسبت خدا تعالی نے فرمایا ہے کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہر ایک امر کا بیان ہے۔ محجوب لوگ احادیث صحیحہ نبویہ کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ قرآن پر کچھ زوائد بیان کرتے ہیں یا بعض احکام میں ان کے ناسخ ہیں (یہاں مرزا صاحب یہ لکھنا بھول گئے ہیں یا آپ کا کاتب بھول گیا کہ درحقیقت نہ وہ احادیث قرآن کی

ناسخ ہیں اور نہ زوائد) اور زوائد بیان کرتے ہیں بلکہ قرآن شریف کے بعض مجمل اشارات کی شارح ہیں۔ اور حدیث معاذ بن جبل (جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو فرمایا کہ تو کس چیز پر فیصلہ کیا کرے گا۔ اس نے کہا کتاب اللہ پر۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کتاب اللہ میں نہ پاوے گا تو پھر کس چیز پر۔ تب اس نے کہا کہ پھر حدیث پر۔ الخ) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر ایک امر دین درج ہے، کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ لہذا حق الامر یہ ہے کہ جو چیز قرآن کے باہر یا اس کے مخالف ہو، وہ مردود ہے اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں کیونکہ وحی غیر متلو کی رو سے وہ مسائل قرآن سے مستخرج و مستنبط کئے گئے ہیں۔ لہذا جو حدیث از قسم حصہ دوم (قصص واخبار) ہے، ان کو پرکھنے کے لئے قرآن محک و معیار ہے یعنی جو حدیث قرآن میں نہیں یا اس کی مخالف ہے وہ موضوع ہے۔

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ** ، اس جواب میں بھی مرزا قادیانی نے کذب و مغالطہ سے کام لیا ہے۔ اس میں آپ نے تین دعوی کئے ہیں۔

ایک یہ کہ سید احمد خان میرا مقتداء نہیں ہے۔ اس دعوی کا کذب ہونا ہم بیان کر چکے ہے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ قادیانی، سید احمد خان کا شاگرد ہے، اس نے جو ملحدانہ ایجاد کیا ہے اس کو سر سید احمد سے بعینہ و باصلہ لیا ہے۔ ہاں اس شاگردی کے ساتھ وہ سر سید سے بڑھ گیا ہے اور اس کا مقابل بن بیٹھا ہے، جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔

دوسرا یہ دعوی کہ صحابہ کی مرویات پر اعتماد کرنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مختل الحواس تو نہیں ہو گئے تھے۔ اس دعوی میں اس نے بہت غضب ڈھایا اور دھوکہ دیا ہے، اور یہ بندوبست کرنا چاہا ہے کہ جس حدیث کو اپنے مذہب ملحدانہ کے مخالف دیکھا اس کو اس بہانہ سے کہ اس کا راوی صحابی مخبوط الحواس ہو گیا تھا، رد کر دیا جائے۔ اس دعوی کے کذب و مغالطہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ کی عدالت بالاجماع مسلّم ہے۔ امام ابن صلاح نے علوم الحدیث میں فرمایا ہے

والثانية لصحابة بأمرهم خصيصة وهی انه لا يسئل عن عدالته احد منهم بل ذالک امر مرفوع عنهم لکونهم علی الاطلاق معدلين بنصوص الکتاب والسنة واجماع من يعتد به فی الاجماع۔ (علوم

الحدیث، ابن الصلاح) کہ جملہ صحابہ کا یہ خاصہ ہے کہ ان کی عدالت سے سوال نہ ہو۔
یہ سوال ان سے اٹھایا گیا ہے، کیونکہ وہ بلا تفصیل بحکم کتاب وسنت واجماع عادل ہیں، پھر اس پر
کتاب وسنت سے استدلال کیا ہے۔

اور یہ بات مرزا قادیانی خود لکھ چکا ہے کہ عدالت تب ہی قائم رہ سکتی ہے جبکہ ہوش وحواس قائم ہوں۔ اس کے مطبوعہ مباحثہ لدھیانہ کے صفحہ ۸۷ میں اس کی تحریر نمبر ہشتم میں یہ عبارت موجود ہے

.آپ (محمد حسین) اپنے بیان میں راوی کے لئے عدل کی شرط لگاتے ہیں اور صفت عدل، صفت سلامت کی تابع ہے ۔ اگر سلامت فہم میں آفت ہو، صفت درست فہمی میں اختلال راہ پاوے تو پھر کسی کے قول وفعل میں عدل قائم نہیں رہ سکتا .

اس کلام واعتراف کے ساتھ پھر اسی تحریر ہشتم میں مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ صحابہ کی مرویات پر تب ہی اعتماد کیا جاوے گا جب کہ ان کی فہم میں سلامت ہو، یعنی اختلال نے راہ نہ پائی ہو ، یہ کہنے کے برابر ہے کہ وہ سب عادل نہ تھے، ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مختل الحواس ہوکر ساقط العدالت ہو چکے تھے۔ اور یہ بات قرارداد اہل اسلام کے مخالف ہے اور محض کذب اور مغالطہ ہے۔

تیسرے دعوے میں قادیانی نے قرآن شریف کو جملہ امور متعلقہ دین کا متضمن ٹھہرایا ہے اور احادیث متعلقہ اعتقاد نزول حضرت مسیح وخروج دجال کو قصص واخبار بنا کر اس وجہ سے ساقط الاعتبار ٹھہرایا کہ قرآن میں ان کا مضمون پایا نہیں جاتا۔ ومع ہذا بر طبق مثل مشہور دروغ گورا حافظہ نہ باشد اور بحکم نص قرآن فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون اور واللہ لا یھدی القوم الفاسقین یہ دو فقرے بھی اس کی قلم سے نکل گئے ۔

۱۔ احادیث، مجمل اشارات قرآن کی شارح ہیں۔

۲۔ احادیث صحیحہ، قرآن سے باہر نہیں، کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے مستنبط کئے جاتے ہیں ۔

لہذا اس کے دعوی سوم کے ابطال کیلئے ہم کو زیادہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں صرف ان ہی دو فقروں کے دست آویز سے یہ کہنا کافی ہے کہ جملہ امور متعلقہ دین کی تفصیل کا قرآن میں پایا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن میں ان امور کا بیان موجود ہے، مجمل ہوخواہ

مفصل ۔جس آیت میں اس تفصیل کا ذکر ہے اس میں تفصیل سے مطلق بیان مراد ہے نہ وہ تفصیل جو اجمال کے مقابل ہوتی ہے ۔قرآن میں پانچ جگہ یہ لفظ تفصیل آیا ہے، جہاں مطلق بیان ہی کے معنے مراد ہیں (جو مرزا کی قلم سے بھی بعد لفظ تفصیل بطور تفسیر نکل گئے ہیں)، تفصیل مقابل اجمال مراد نہیں ۔اور جو قرآن کا بیان اجمال ہے اس کی تفصیل و شرح حدیث صحیح نے کردی ہے ۔چنانچہ مرزا صاحب نے بھی اقرار کیا ہے اور اس کی مثال حکم ممانعت و شم ہے جو حدیث میں وارد ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اس کو اس وجہ ہے داخل قرآن قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کے اس مجمل و عام حکم کے کہ

.جو کچھ تمہیں رسول دے، لے لو اور جس چیز سے روکے، اس سے رک جاؤ.

داخل و شامل ہے ۔چنانچہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ ج ۱۴ کے صفحہ ۲۰۵ میں مفصل بیان ہوا، بناءً علیہ، احادیث صحیحہ متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال جن کو مرزا قادیانی نے قصص و اخبار بنا کر خارج از قرآن و مخالف قرآن ٹھہرا کر ساقط الاعتبار کیا ہے، قرآن میں داخل ہیں اس سے باہر نہیں ۔قرآن مجید نے نزول حضرت مسیح کو پانچ آیتوں میں مجملاً ذی الوجوہ الفاظ سے بیان کیا ہے ۔احادیث نے ان وجوہات سے بعض وجوہ کی تفصیل و تعیین کردی ہے ۔لہذا ان احادیث کو ماننا عین قرآن کو تسلیم کرنا ہے ۔مرزا صاحب نے احادیث متعلقہ احکام فرعیہ عملیہ اختلافیہ کو تو اس اصول سے قرآن میں داخل اور اس کے مجمل اشارات کی شارح تسلیم کرلیا اور ان احادیث کو پرکھنے کے لئے محتاج قرآن نہیں ٹھہرایا، مگر احادیث متعلقہ اعتقاد کو جو احادیث عملیہ فرعیہ اختلافیہ سے بڑھ کر صحیح اور قطعی ہیں، قرآن سے خارج کیا اور ساقط الاعتبار ٹھہرایا ۔اس میں اپنے اصول کا خود خلاف کیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا ۔

☆ **ہمارا قول نمبر ۶** ۔آپ نے باستدلال آیت و ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً ۔احادیث پر اعتراض کیا ہے ۔(اشاعۃ السنہ نمبر ۷ ج ۱۴ صفحہ ۱۷۸)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب** ۔ میرا عام طور پر احادیث پر اعتراض نہیں بلکہ ان احادیث پر اعتراض ہے جو ادلہ قطعیہ بینہ قرآن کے مخالف ہوں (الحق مباحثہ لدھیانہ، ص ۹۲)

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ** ۔ یہ محض کذب ہے ۔ جس مقام میں مرزا صاحب نے اس آیہ سے تمسک کرکے احادیث کو ظنی اور ناقابل وثوق ٹھہرایا ہے، اس مقام

میں عموماً الفاظ احادیث پر اعتراض کیا ہے اور ان میں تعارض تجویز کر کے ان میں وقوع تحریف کا دعوی کیا ہے۔اس اعتراض اور دعوی سے احادیث مخالفہ قرآن کو مخصوص نہیں کیا۔ ناظرین اصل عبارت اشاعۃ السنہ نمبر ۸ ج ۱۳ ص ۲۲۸ میں ملاحظہ کریں۔

☆ **ہمارا قول نمبر ۷۔** علماء کا، حنفی ہوں یا شافعی، اہل حدیث ہوں یا اہل فقہ، اس پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۷ ج ۱۴ ص ۱۹۲)۔

☆ **مرزا قادیانی کا جواب۔** حنفیوں شافعیوں کا یہ مذہب نہیں کہ مخالفت قرآن کی حالت میں خبر واحد واجب العمل ہے۔حنفیہ بجز خبر مشہور کسی حدیث سے قرآن پر زیادتی کو جائز نہیں رکھتے۔شافعی بجز متواتر کسی حدیث سے زیادتی جائز نہیں رکھتے۔آپ نے کس سے سن لیا کہ ان سب کے نزدیک خبر واحد بہر حال واجب العمل ہے۔

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ۔** سنی سنائی باتیں کرنا آپ (مرزا) ہی کا کام ہے، جو نہ کتابوں میں نظر رکھتے ہیں نہ کسی اہل علم سے استفادہ۔آپ کا علم لدنی (خیالی) ہے اور معلم واستاد حکیم نور الدین۔ انہوں نے جو کچھ کہا آپ نے مان لیا۔ہم تو ایسی بات کوئی نہیں کہتے جو کسی کتاب میں نہ ہو، آپ جس کتاب اصول سے چاہیں ہم یہ مسئلہ آپ کو نکال دیتے ہیں۔ مثلاً کتاب توضیح میں ہے

> الثالث یوجب غلبة الظن اذا اجتمع الشرائط التی اذکرها وهی کافیة لوجوب العمل ۔(توضیح۔ ص ۳۰۴)،۔ تیسری (خبر واحد) مفید ظن ہے اور وہ وجوب عمل کے لئے کافی ہے۔

> الجمهور ذهبوا الی انه یوجب العمل دون العلم ۔(تلویح ۔ ص ۳۰۴)
> جمہور کا یہی مذہب ہے کہ وہ (خبر واحد) عمل کو واجب کرتی ہے نہ یقین واعتماد کو۔

اس مقام میں ہم نے صرف اتنا ہی دعوی کیا تھا۔سو اس کا ثبوت دے دیا۔رہا یہ مسئلہ کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے یا نہیں، اور وہ کتاب اللہ کے معارضہ میں مقبول ہے یا نہیں؟ سو اس مقام میں اجنبی ہے۔ ہمارے نزدیک احادیث محل نزاع (متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال وغیرہ) کتاب اللہ کے مخالف نہیں، بلکہ عین موافق ومطابق ہیں۔ چنانچہ اشاعۃ السنۃ میں مذکور ہوا۔لہذا اس مقام میں ہم کو اس مسئلہ کے بیان اور مذاہب کی

تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔

قادیانی نے جو اس باب میں شافعیوں کا مذہب نقل کیا اس میں بھی کذب سے کام لیا ہے اور اپنی بے علمی کا اظہار کیا ہے۔ امام شافعی کتاب اللہ کے عام کی خبر واحد سے تخصیص، اور اس طور سے قرآن پر زیادتی کو جائز رکھتے ہیں، چنانچہ توضیح تلویح میں بتفصیل بیان ہوا ہے۔

و لکن عند الشافعی هو دلیل فیه شبهة فیجوز تخصیصه بخبر الواحد و القیاس ای تخصیص عام الکتاب بکل واحد من خبر الواحد و القیاس۔ (توضیح تلویح، ص ۷۱)

☆ **ہمارا قول نمبر ۸۔** اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علمائے اسلام نے، جن میں مقلد حنفیہ و محدث سب داخل ہیں، اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں. اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ مسلم چلی آئی ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے اس حدیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے موافق مذہب کیوں اختیار نہ کیا؟، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے یا بعض وجوہات ترجیح پر۔ آپ فتح القدیر و برہان ملاحظہ کریں۔

(رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۷ جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۳ سے ۲۰۱ تک)۔

☆ **مرزا قادیانی کا جواب۔** یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر علمائے متقدمین کے نزدیک بخاری مسلم کی حدیثیں بغیر کسی عذر، نسخ وغیرہ کے، بہرحال واجب العمل ہوتیں تو وہ بھی آپ کی طرح امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے، رفع یدین کرتے۔ آپ کا یہ کہنا کہ وہ دوسرے طور پر معنے کرتے ہیں، دوسرا جھوٹ ہے۔ وہ تو صریح منسوخ یا ضعیف قرار دیتے ہیں۔ آپ سچے ہیں تو لودہانہ کے علماء سے شہادت دلائیں۔

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ۔** کسی پر صرف منہ سے جھوٹ بولنے کا دعوی کرنا آسان ہے مگر انسان اور مرد میدان وہ ہے جو اپنے دعوی کو ثابت کر دے۔ آپ انسان اور مرد میدان ہیں تو ان اپنے دونوں دعووں کو حنفیہ کی کتابوں سے حنفی علماء کے مجمع میں ثابت کریں۔ یہ نہ ہو سکے (اور ہرگز نہ ہوگا۔ آپ میدان میں نہ نکلیں گے۔ اور نہ کسی کتاب سے متقدمین

حنفیہ کے اس کا ثبوت پیش کریں گے) تو اس باب میں مباہلہ کریں ۔ میدان میں آویں اور قسموں کے ساتھ کہیں کہ بعض حنفیوں نے بعض احادیث صحیح بخاری کے برخلاف عمل کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کی تاویل و معانی میں اختلاف کیا ہو یا دیگر وجوہات سے ان کی معارض حدیثوں کو ترجیح دی ہو۔ یہ بات جھوٹ ہو تو قائل پر خدا کی لعنت ہے۔

خاکسار محمد حسین نے اپنے بیان میں دو دعوی کئے ہیں ۔ ازانجملہ اول دعوی کے ثبوت میں اقوال علماء محدثین وفقہاء صفحہ ۱۶۵ سے ۲۰۰ تک جلد ۱۴ اشاعۃ السنۃ میں نقل کر چکا ہے۔ اور دوسرے دعوی کے ثبوت کے لئے فتح القدیر اور برہان شرح مواہب الرحمٰن کا حوالہ دے چکا ہے ۔ اس ثبوت خاکسار کو اہل اسلام کی پبلک کافی نہ سمجھے تو میں اور ثبوت دینے کو مستعد ہوں اور مرزا قادیانی مباہلہ چاہے تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔

دعوی ضعف کے ساتھ لفظ منسوخ کو جو مرزا قادیانی نے ملا دیا، اس میں اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے ۔ بے شک بعض احادیث صحیحین کو بعض حنفیہ نے منسوخ قرار دیا ہے، مگر کسی حدیث کے منسوخ ہونے سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ نسخ تو آیات قرآن میں بھی پایا جاتا ہے جس سے کوئی مسلمان یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ وہ آیات ضعیف ہیں، یعنی ان کا قرآن سے ہونا ثابت نہیں ۔

مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ کسی حدیث بخاری کو حنفیوں کا ضعیف قرار دینا تو مجھ سے ثابت نہ ہو سکے گا، تو اس کے ساتھ بعض اور منسوخ کے لفظ لگا دیئے ۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ مسلمان اس دھوکہ میں نہ آئیں گے ۔ وہ جانتے ہیں کہ منسوخ ہونے سے ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

☆ **ہمارا قول نمبر ۹** ۔ امام ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ ان کی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں ۔ (رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۷ جلد ۱۴ ص ۱۹۴)

☆ **مرزا قادیانی کا جواب** ۔ ابن الصلاح کا قول حجت نہیں ۔ اس کا قول حجت ہے تو چاہیے کہ ان لوگوں کا قول بھی حجت ہو جنہوں بخاری و مسلم کی حدیثوں میں قدح کیا ہے ۔ تلویح میں لکھا ہے (یہ پوری حدیث پہلے نقل ہو چکی ہے ۔ یہ وہ حدیث ہے جس کو قادیانی نے تحریر نمبر ۷

میں صحیح سمجھا ہے اور اس کی دست آویز سے حدیث کو قرآن پر عرض کرنا ضروری ٹھہرایا تھا۔ اب بخاری پر جرح وقدح کرنے کی حرص سے اس حدیث کا علامہ تفتازانی کی تقلید سے موضوع ہونا مان لیا۔ یہ شتر مرغی یا روباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟ محمد حسین) کہ بخاری میں یہ حدیث یکثر لکم الا حا دیث من بعدی فا ذا روی لکم حد یث اعر ضوہ علی کتاب اللہ ۔ الخ (یعنی جو صاحب تلویح کے نزدیک مجروح وموضوع ہے ۔ محمد حسین) مسلم کی شرح نووی میں شریک کی حدیث میں (جو بخاری ومسلم میں ہے) قبل ان یوحی الیہ کا لفظ غلط لکھا ہے، نووی نے شرح مسلم میں حدیث اقض بینی و بین ہذا الکا ذب کا جھوٹا ہونا تجویز کیا ہے۔

☆ **اس جواب پر ہمارا نوٹ** ۔ ابن الصلاح یا کسی اور شخص کا قول بلا دلیل تسلیم نہیں کیا جاتا اور نہ تسلیم کرایا جاتا ہے ۔ بلکہ جس قول پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو اسی کو تسلیم کیا، کرایا جاتا ہے ۔ قول ابن الصلاح کی دلیل، صحت صحیحین پر اجماع امت ہے ۔ جس کو مخالفین و موافقین نے نقل کیا ہے ۔ اس اجماع سے قطعیت صاف ثابت ہوتی ہے اور طرفہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں خود مان چکے ہیں کہ وہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یقین کرتے ہیں ۔ اس اظہار یقین کے بعد انہیں ابن الصلاح کا قول ماننے سے کب عذر ہو سکتا ہے۔

اب ان لوگوں کے اقوال کو دیکھا جاتا ہے جنہوں نے صحیحین کی حدیثوں پر جرح وقدح کیا ہے۔ وہ بے وجہ و بلا دلیل نکلے تو پھر وہ کیونکر لائق تسلیم ہو سکتی ہے ۔ تلویح میں جو حدیث یکثر لکم الا حا دیث پر جرح کیا گیا ہے، صحیح بخاری اس جرح سے یقیناً پاک ہے ۔ وہ حدیث موضوع صحیح بخاری میں نہیں ہے ۔ بلکہ وہ زندیقوں کی بنائی ہوئی ہے ۔ چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸ ج ۱۴ ص ۲۰۹ وغیرہ میں بیان ہوا ہے ۔ صاحب تلویح نے جو اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس پر جرح کیا ہے، تو اس میں صحیح بخاری یا اس کے مصنف کو نشانہ نہیں بنایا اور نہ یہ دعوی کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ۔ مرزا قادیانی نے جو کہا ہے کہ تلویح میں لکھا ہے کہ

صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے ۔

یہ سفید جھوٹ ہے ۔ تلویح میں یہ لفظ ہرگز نہیں لکھا ہوا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے ۔ بلکہ تلویح میں اس حدیث کے رد کرنے اور موضوع قرار دینے کے بعد یہ فقرہ لکھا ہے

ایرا د البخاری ایاہ فی صحیحہ لا ینا فی ا لا نقطاع او کو ن احد رواتہ غیر معرو ف ۔

جس کا تر جمہ لفظی یہ ہے کہ بخاری کا اس کو اپنی صحیح میں لانا اس کے منقطع اور اس کے راوی کے غیر معروف ہونے کے مخالف نہیں۔

یہ قول صاحب تلویح کا بقول ملا خسرو محشی تلویح کتاب کشف کے مصنف کے اس سوال کا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے، رد و جواب ہے۔ صاحب تلویح اس کے جواب میں گو یا یہ کہتے ہیں کہ اگر بقول تمہارے یہ حدیث بخاری میں ہے، تو بھی صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ منقطع و غیر متصل ہے اور اس کا راوی غیر معروف ہے۔

قو لہ ایرا د البخاری ایاہ فی صحیحہ لا ینا فی ا لا نقطاع اقول فیہ رد علی صا حب الکشف حیث قا ل ا ن ا لاما م ابا عبد اللہ محمد بن اسما عیل اورد ہذا الحد یث فی کتا بہ ۔ (ص ۸۲)۔

صاحب تلویح نے صاحب کشف کے قول کو بطور فرض محال تسلیم کر کے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ خود اپنے علم یا رؤیت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان نہیں کیا۔

مرزا قادیانی نے یہ لفظ کہ بخاری میں یہ حدیث ہے ازخود گھڑ لیا اور صاحب تلویح کی طرف منسوب کر کے اس پر افتراء کیا۔ مباحثہ لدھیانہ کے جلسہ آخیر میں اسے اس کذب پر متنبہ کیا گیا تو اس نے اور اس کے ایک کاسہ لیس نے اس کے جواب میں عذر بدتر از گناہ کیا۔ اور اس جھوٹ پر کئی اور جھوٹ کا ملمع چڑھا دیا۔ مرزا قادیانی نے کہا

. ظاہر کہ صاحب تلویح نے بطور شاہد اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث (یعنی عرض الحدیث علی القرآن) بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابلہ پر یہ عذر کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری، جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان، میں یہ حدیث موجود نہیں، سراسر ناسمجھی کا خیال ہے۔ کیونکہ علم محدود کے عدم سے بکلی عدم لازم نہیں آتا۔ جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رویئت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے، اور آپ کو یہ دعوی نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخہ جات بخاری کے، قلمی و غیر قلمی، آپ دیکھ چکے ہیں ۔ اگر ثانی الحال کوئی نسخہ قلمی نکل آوے، جس میں یہ حدیث موجود ہو تو پھر آپ کا کیا حال ہو۔ مؤمن کی شہادت عند

الشرع قابل پذیرائی ہوتی ہے، اور فقط ایک مومن کی شہادت رویئت ماہ رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی، صاحب تلویح کی شہادت بالکل ضائع اور نکمی نہیں ہوسکتی (ازالہ اوہام)

اگر صاحب تلویح اپنی رویت میں کاذب ہوتا تو اسی زمانہ میں علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا۔ اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا۔ تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اس کی رویئت صحیح تھی اور ان سب کا سکوت بطور شواہد مل کر اس امر کو اور بھی قوت دیتا ہے کہ درحقیقت وہ حدیث صاحب تلویح نے بخاری میں دیکھی تھی۔ (ازالہ اوہام)

(ایسا ہی مرزا قادیانی کے ایک مرید نے الحق مباحثہ لدھیانہ کے حاشیہ میں لکھا ہے)۔

اس کلام میں مرزا صاحب نے اول سے آخر تک جو کچھ کہا ہے وہ سراسر کذب و مغالطہ ہے۔ علامہ تفتازانی نے کتاب تلویح میں اس حدیث کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہم نے نقل کر دیا ہے۔ اس میں علامہ تفتازانی نے نہ اس حدیث کا بخاری میں موجود ہونا بیان کیا ہے، نہ اس حدیث کے متعلق اپنی رؤیت ظاہر کی ہے اور نہ اس حدیث کے بخاری میں ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس کا کلام مذکور صرف صاحب کشف کے قول کا جواب ہے۔ اب مرزا قادیانی کے اکاذیب و مغالطات دیکھیں کہ

- ☆ پہلے اس فقرہ کا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے علامہ پر افتراء کیا۔
- ☆ پھر علامہ تفتازانی کی رؤیت کا جھوٹا دعوی کیا۔
- ☆ پھر علامہ تفتازانی کو اس بیان کا کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، گواہ بنایا۔
- ☆ پھر اس کی تائید میں یہ مسئلہ گھڑ لیا کہ ایک شخص کی رؤیت ہلال رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ فرض ہو جاتا ہے، جو علی الاطلاق کسی مذہب کا مسئلہ نہیں ہے۔
- ☆ پھر دوسرے علماء کے اس دعوی رؤیت پر سکوت کو شہادت بنا دیا۔

جو شخص تلویح کے اس مقام کو دیکھے گا، وہ صاف یقین کرے گا کہ جو کچھ مرزا قادیانی نے کہا ہے، صاف جھوٹ ہے۔ علامہ تفتازانی نے نہ یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، نہ یہ کہا ہے کہ میں نے اس میں خود دیکھی ہے۔ اور نہ اس حدیث کے متعلق علامہ کا بیان اس حدیث کے صحیح بخاری میں پائے جانے کی نسبت شہادت ہے، نہ اور علماء کا اس پر

سکوت اس کی شہادت ہوسکتی ہے۔

مرزا قادیانی نے جو یہ کہا ہے کہ شائد کسی قلمی نسخہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث موضوع وافتراء کفار کا صحیح بخاری میں ہونا ایسا محال اور ناممکن ہے جیسا کسی نسخہ قرآن میں یا صحیح بخاری میں شراب یا خنزیر کی حلت کا ہونا ناممکن ہے اگر کوئی یہ کہدے کہ ایک نسخہ قلمی قرآن میں اس مضمون کی آیت ہے کہ خنزیر حلال ہے اور صحیح بخاری کے ایک قلمی نسخہ میں اس مضمون کی حدیث میں نے دیکھی ہے، تو اس کے جواب میں مسلمان یہی بات کہیں گے کہ ایسی آیت اور حدیث کا قرآن اور صحیح بخاری میں ہونا ناممکن ہے، اور کوئی شخص بجز قادیانی یہ تجویز نہ کرے گا کہ شائد کسی قلمی نسخہ میں یہ آیت و حدیث ہو۔

ایسا ہی محدثین کے نزدیک اس حدیث کا صحیح بخاری میں ہونا ناممکن ہے، کیونکہ اس حدیث کا موضوع وافتراء ہونا اور اس کے مضمون کا مخالف و معارض قرآن ہونا محدثین کے نزدیک مسلم ہے اور صحیح بخاری موضوعات اور معارضات قرآن سے بالاتفاق پاک ہے

اس بیان سے یہ شبہ پیدا ہوگا کہ یہ حدیث ایسی موضوع وافتراء کفار ہے تو علامہ تفتازانی نے نہ سہی، صاحب کشف نے اسکو صحیح بخاری کی حدیث کیوں سمجھا اور علامہ نے اسکے جواب میں صاف کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور بخاری میں اس کے موجود ہونے کا دعوی غلط ہے۔ یا اور اصولیوں نے اس کو اس کتاب میں وارد کر کے اس سے کیوں استدلال کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو صحیح بخاری کی حدیث قرار دیا یا کسی اور کتاب کی حدیث صحیح سمجھا، اس نے دوسرے سے سنی سنائی بات پر اعتماد کیا۔ بچشم خود حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور یہ امر غیر واقع و مستبعد نہیں ہے۔ بہت سے ایسے اکابر گذرے ہیں جن کو خاص خاص فنون کا شغل و تعلق رہا ہے، جن میں ان کو امامت کا درجہ بھی حاصل ہوا، لیکن دوسرے فنون کی طرف توجہ کرنے کا انہیں موقع نہیں ملا۔ اور یہ امر ان کے رتبہ امامت میں جو خاص خاص فنون میں ان کو حاصل تھا، خلل انداز نہیں سمجھا گیا۔ اس کی تائید میں ہم ایک عام شہادت پیش کرتے ہیں جو بمنزلہ اصول ہے۔ پھر ایک خاص شہادت پیش کریں گے جو اس عام اصول کی تمثیل ہوگی۔

عام شہادت یہ ہے جو تذکرۃ الحفاظ ملخص طبقات ذہبی سے منقول ہے

نو ح۔ الجا مع لجلا لته فی العلم تر ك حد يثه۔ و كذا لک شيخه مع عبا دته۔ فكم من امام فی فن مقصر من غيره كسيبويه مثلاً امام فی النحو و لا يد ری ما الحد يث و و كيع امام فی الحد يث و لا يعر ف العربية و كا بی نوا س را س فی الشعر عر ی من غيره و عبد الر حمن بن مهدی امام فی الحديث لا يدری ماا لطب قط و محمد بن الحسن را س فی الفقه لا يدری ما القرئة و كحفص امام فی ا القر ئت تا لف فی الحد يث و للحرب ر جال يعر فو ن بها ۔ (ملخص طبقا ت ذہبی)۔

نو ح کی نسبت کہا ہے کہ وہ جا مع اور علم میں جلیل الشا ن تھا۔ متر وک الحد یث تھا۔ اور بہت سے لوگ ایسے گذ رے ہیں جو ایک فن میں امام تھے، دوسرے میں قا صر۔ جیسے سیبو یہ نحو میں امام تھے اور یہ نہ جا نتے تھے کہ حد یث کیا چیز ہے اور وکیع حد یث میں امام تھے، علم ادب نہ جا نتے تھے۔ ابو نو اس شعر میں رئیس تھے اور دیگر فنو ن سے عا ری۔ اور عبد الرحمٰن بن مہدی حد یث میں امام تھے اور نہ جا نتے کہ طب کیا ہے۔ اور امام محمد بن حسن فقہ کے امام تھے اور نہ جا نتے تھے علم قر أت کیا چیز ہے۔ اور امام حفص قر أت میں امام تھے، حد یث سے خا لی۔ چنا نچہ کہا گیا ہے لڑا ئی کے لئے مخصوص لوگ ہو تے ہیں جو اس سے پہچا نے جا تے ہیں۔

خا ص شہا دت یہ ہے کہ مفسر ین اور فقہاء اصولین اپنی کتا بوں میں بہت سے ایسی احا دیث لا ئے ہیں جو موضو ع اور ضعیف ہیں اور اس امر کو محد ثین اور ان فقہاء نے جن کو علم حد یث میں دخل ہے، بڑی شد و مد کے سا تھ بیا ن کیا ہے۔ طیبی شا رح مشکوہ نے رسا لہ اصول حد یث میں کہا ہے

ولوا ضعو ن الحد يث اصنا ف و اعظمهم ضرراً من انتسب الی الز ہد فوضع احتسا باْ و و ضعت الز نا دقه ايضاْ جملا ثم نهضت جها بذة الحديث بكشف عوا ر ها و محو عا ر ها و الحمد لله و قد ذہب الكرامتيه و الطا ئفة المبتد عه الی جوا ز و ضع الحد يث فی التر غيب و التر ہيب و منه ما رو ی عن ابی عصمة نو ح بن ابی مر يم انه قيل له من اين لک عن عكر مة عن ابن عباس فی فضا ئل القر آ ن سورة سورة فقا ل انی

رئیت الناس قد اعرضوا عن القرآن و اشتغلوا بفقه ابی حنیفه و مغازی محمد بن اسحاق فوضعت ہذہ الاحادیث حسبۃً ۔ و قد اخطا المفسرون فی ابداعھا فی تفاسیرھم الا من عصمہ اللہ و مما ادعوا فیھا انہ قال ﷺ حین قرء و مناۃ الثالثۃ الاخری ، تلک الغرانیق العلی و ان شفاعتھن لترجی۔ و لقد اشبعنا القول فی ابطالہ فی باب سجدۃ التلاوۃ و کذا ما اوردہ الاصولیون من قولہ اذا روی عنی حدیث فاعرضوا علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ و ان خالفہ فردوہ قال الخطابی وضعہ الزنادقۃ و یدفعہ قولہ انی قد اوتیت الکتاب و ما یعدلہ و یروی اوتیت الکتاب و مثلہ معہ

حدیثیں وضع کرنے والے کئی قسم کے لوگ ہیں ازانجملہ بہت ضرررساں وہ لوگ ہیں جو زاہد کہلاتے ہیں، انہوں نے بامید ثواب حدیثیں وضع کی ہیں۔ اور زندیقوں نے بھی حدیثیں وضع کی ہیں۔ پھر ماہرین حدیث کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ان کے عیب کھول دیئے اور اس ننگ کو جو ان احادیث کے سبب اسلام کو لاحق ہوا تھا، مٹا دیا۔ کرامتہ (معتزلہ کا ایک فرقہ ہے) اور بعض بدعتی بھی ثواب کی رغبت دلانے اور ڈرانے کے لئے حدیثوں کو وضع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ ہے جو ابوعصمہ نوح بن مریم سے منقول ہے کہ اس کو کسی نے پوچھا کہ تیرے پاس جو فضائل قرآن میں عکرمہ عن ابن عباس کی حدیثیں ہیں، یہ تو نے کہاں سے لی ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے، اور امام ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کے جنگ ناموں میں مشغول ہیں، تو میں نے خدا کے لئے یہ حدیثیں از خود بنائیں۔ بے شک تمام مفسرین نے، بجز ان لوگوں کے جن کو خدا نے بچا لیا، خطا کی کہ ان احادیث کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا۔ اور منجملہ موضوعات، وہ حدیث ہے جن کو مفسرین، تفاسیر میں لائے ہیں۔ جس کا یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ نجم میں و مناۃ الثالثہ الاخری پڑھا تو اس کے بعد تلک الغرانیق العلی و ان شفاعتھن لترجی بھی ان کی زبان سے نکل گیا۔ ہم نے اس روایت کے ابطال میں باب السجدہ تلاوۃ میں بتفصیل بحث کی ہے۔ وازانجملہ وہ حدیث موضوع ہے جس کو اصولی اپنی کتابوں میں لائے ہیں کہ جب کوئی حدیث مجھ سے روائت ہو تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو،

موافق ہوتو قبول کرو، ورنہ ردکردو۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس کو چھپے زندیقوں نے وضع کیا اور اس کو آنحضرت ﷺ کا یہ قول ردکرتا ہے کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کی مثل،

اس مضمون کے اور بہت سے محدثین سے اقوال ہیں جن میں انہوں نے ان احادیث موضوعہ کونقل کرنے والے مفسرین کے حق میں کہا ہے، فلیسوا من اہل ہذا الشان کہ وہ لوگ فن حدیث کے اہل نہ تھے۔

شیخ عبدالحق محدث احادیث ہدایہ کی نسبت شرح سفرالسعادۃ میں فرماتے ہیں

وکتاب ہدایہ کہ در دیار ما مشہور ومعتبرترین کتابہا است نیز درین وہم انداختہ چہ مصنف وے رحمۃ اللہ علیہ دراکثر بنائے کار بر دلیل معقول نہادہ واگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ۔ غالباً اشتغال وقت آن اوستاد درعلم حدیث کمتر بودہ است۔

مرزا قادیانی شائدان اقوال کے ذریعہ بھی عوام حنفیہ کومشتعل کرے اور یہ کہے کہ ان میں فقہاء واصولیین کی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے۔ مگر وہ یادرکھے کہ جیسے پہلے بہتان توہین امام ابوحنیفہ میں اس کو کامیابی ہوئی ہے، ویسی ہی اس اشتعال میں ہوگی۔ خواص علماء حنفیہ خوب جانتے ہیں کہ ان اقوال میں مفسرین واصولیین وفقہاء کی توہین نہیں ہوتی۔ ہوتی تو اکابر حنفی علماء مثل شیخ عبدالحق دہلوی کی زبان سے یہ اقوال نہ نکلتے،

شریک کی حدیث میں لفظ قبل ان یو حی کا غلط ہونا، جو امام نووی سے مرزا قادیانی نے نقل کیا ہے، اس کا جواب پہلے منقول ہو چکا ہے کہ یہ شریک کی غلطی نہیں بلکہ یہ معترضین کی غلطی فہم ہے

وکم من عائب قولاً صحیحاً وآفتہ من الفہم السقیم

حدیث اقض بینی و بین ہذا الکاذب کا جھوٹا ہونا، جو مرزا قادیانی نے امام نووی سے نقل کیا ہے، اس میں اس نے کذب وخداع سے کام لیا ہے۔ امام نووی ہرگز اس بات کا قائل نہیں کہ یہ حدیث یا یہ الفاظ راوی کا کذب ہے۔ امام نووی نے صرف مازری سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ان الفاظ کی کوئی تاویل نہ ہوسکے اور باب تاویل بند ہوجائے تو راوی کی طرف کذب منسوب کیا جائے گا۔ مگر آگے چل کر اسی مازری نے یہ بھی نقل کردیا ہے کہ جب کہ اس لفظ کا ثابت اور صحیح سمجھنا ضروری ہے تو اس لفظ کی تاویل ہوسکتی ہے اور اس کو بیان کیا۔

اس مقام میں امام نووی کا پورا کلام نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ناظرین کو قادیانی کے کذب کا یقین ہو۔ امام نووی نے شرح مسلم جلد دوم کے صفحہ ۹۰ میں کہا ہے

قا ل الما زر ی ہذا الفظ وقع لا یلیق ظا ہرہ با لعباس و حا ش لعلی ان یکو ن فیه بعض ہذه ا لاو صا ف فضلاً عن کلها و لسنا نقطع با لعصمة ا لا للنبی ﷺ ولمن شهد له بها لکنا ما مورو ن بحسن الظن با لصحا بة و نفی کل ر ذیله عنهم ۔ و اذا انسدت طرق تا ویلها ، نسبنا الکذ ب الی رواتها قا ل و قد حمل ہذا المعنی بعض الناس علی ان ازال ہذه للفظة من نسخته تو ر عا عن اثبا ت مثل ہذا و لعله حمل الو ہم علی روا ته قال الما زری و اذا کا ن ہذا للفظ لا بد من اثبا ته و لم نصف الو ہم الی رواته فا جود ما حمل علیه انه صدر من العباس علی جهة ا لا دلا ل علی ا بن اخیه لا نه بمنز لة ابنه و قا ل ما لا یعتقده و ما یعلم براة ذمة ابن اخیه منه و ما .. قصد بذ لک ردعه عما یعتقد انه مخطی فیه و ان ہذا الاو صا ف یتصف بها لو کا ن یفعل ما یفعله عن قصد و ان علیا کالایرا ها ا لا مو جبة لذا لک فی اعتقا ده و ہذا کما یقول الما لکی شارب النبیذ نا قص الدین و الحنفی یعتقد انه لیس بنا قص فکل وا حد بحق فی اعتقا ده و لا بد من ہذا التا ویل لا ن ہذه القضیة جر ت فی مجلس فیه عمر و ہو الخلیفه و عثما ن و سعد و زبیر و عبد الر حمن و لم ینکر احد منهم ہذا الکلام مع تشدد ہم فی انکار المنکر و ما ذا لک ا لا لا نهم فهمو بقرینة الحا ل انه تکلم بما لا یعتقد ظا ہره مبا لغة فی الز جر قا ل الما ز ری و کذا لک قو ل عمر انکما جئتما ابا بکر فر ایتماه کا ذباً آ ثماً غا دراً خا نیاً و کذا لک ذکر عن نفسه انهما را یاه کذا لک و تا ویل ہذا علی نحو ما سبق و ہو ان المراد انکما تعتقدان ان الوا جب ان نفعل فی ہذه القضیة خلاف ما فعلته انا و ابو بکر فنحن علی مقتضی رئیکما لو اتینا و نحن معتقدا ن ما تعتقد انه لکنا بهذه ا لا و صاف ۔

که ما زری نے کہا کہ یہ ایسا لفظ واقع ہوا ہے جو بظاہر معنے حضرت عباس کے

مناسب حال نہیں ہے کیونکہ حضرت علی کی شان اس سے پاک ہے کہ یہ اوصاف ان میں ہوں ۔ اور ہم کو بجز نبی ﷺ کے، یا اس شخص کے جس کے حق میں نبی ﷺ نے شہادت دی ہو، کسی کے معصوم ہونے کا یقین نہیں ۔ ولیکن ہم تمام صحابہ کے حق میں حسن ظن رکھنے اور ان کی نسبت برے خصائل کی نفی کرنے پر مامور ہیں ، جب باب تاویل بالکل بند ہو جائے تو ہم راوی کی طرف کذب کو منسوب کریں گے ۔ بعض لوگوں نے اس لفظ کے یہی معنی (ظاہری) سمجھے تو اپنے نسخہ سے ان الفاظ کو کاٹ دیا ۔ شائد اس نے یہ سمجھا ہو کہ ان الفاظ کے بیان میں راوی کو وہم ہو گیا ہے ۔ مازری نے کہا ہے کہ جب کہ اس لفظ کا صحیح رکھنا ضروری ہے اور ہم راوی کو وہم سے موصوف نہیں کرتے ، تو اس کی عمدہ تاویل یہ ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی کو اپنا بھتیجا بمنزلہ فرزند سمجھ کر یہ الفاظ زبان سے کہہ دیئے ہیں ۔ مگر ان کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ حضرت علی ایسے ہیں ۔ شائد ان کا مقصود (ان الفاظ سے) یہ تھا کہ حضرت علی اس خیال سے رک جائیں جس خیال میں وہ حضرت عباس کے نزدیک خطا پر تھے ۔ اور یہ مقصود تھا کہ اگر حضرت علی دیدہ دانستہ وہ خطا کرتے ہیں تو ویسے ہیں ۔ گو حضرت علی اپنے خیال میں ایسے نہ تھے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی مالکی مذہب والہ ، شیرہ انگور یا کھجور پینے والے کو ناقص الدین کہے ، جس کو حنفی اپنے خیال میں ناقص الدین نہیں سمجھتا ۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک شخص اپنے خیال میں حق پر ہے ۔ یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ یہ مقدمہ حضرت عمر ، جو خلیفہ وقت تھے ، اور حضرت عثمان وزبیر وعبدالرحمٰن کے سامنے پیش ہوا ، ان میں سے کسی نے ان الفاظ پر انکار ظاہر نہ فرمایا ، باوجودیکہ بری بات پر انکار کرنے میں ان کو تشدد تھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بقرینہ حال یہ سمجھا کہ وہ ایسے الفاظ بولتے ہیں جن کے ظاہری معنے مراد نہیں لیتے ۔ مازری نے کہا ایسا ہی (یعنی اسی معنے سے) حضرت عمر کا ان دونوں (حضرت علی وحضرت عباس) کو یہ کہنا ہے کہ تم ابوبکر کے پاس آئے تو تم نے ان کو کاذب ، گنہگار ، غادر اور خائن سمجھا ، ایسا ہی اپنی نسبت ان کا خیال بیان کیا ۔ اس کے معنی بنا برتاویل مذکورہ بالا یہی ہیں کہ تم جب کہ یہ سمجھ رہے ہو کہ معاملہ اراضی متنازعہ فیھا میں واجبی امر وہ تھا جو تمہارا خیال ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ ہم تمہارے خیال میں کاذب وغادر وخائن ہیں .

اس کلام نووی کو دیکھ کر ناظرین داد انصاف دیں کہ امام نووی نے ان الفاظ کو راوی کا کذب قرار دیا ہے یا ان کی تاویل کر کے ان الفاظ کو صحیح و ثابت ٹھہرایا ہے۔

☆ مولانا بٹالوی اپنی گذارشات کا اختتام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ہم نے تحریر ہشتم قادیانی کے اقوال کا اول سے نہم تک بطور تمثیل کذب و دھوکہ ظاہر کیا ہے۔اس تفصیل سے مرزا قادیانی کا کذاب و دھوکہ باز ہونا بخوبی ثابت ہو گیا ہے اور اس سے ناظرین کو یقین ہوسکتا ہے کہ آئندہ اقوال میں بھی اس نے اسی کذب و دھوکہ بازی سے کام لیا ہوگا۔

اور ناظرین غور کریں کہ جس شخص کو اس کا مقابل و مبارز چتھاڑے یا پچھاڑے، وہ پھر اس کے مقابلہ کا مدعی ہو، تو اس کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر پھر اس نے چتھاڑا، یا پچھاڑا تو اس وقت اسے مزید لوگوں کے سامنے (جو پہلے حاضر نہ تھے) ذلت اٹھانی پڑے گی مگر یہ خیال اور دوراندیشی اسی شخص کو ہوتی ہے جو کچھ حیا رکھتا ہو۔ اور جن کو نہ خوف آخرت ہو اور نہ ننگ وحیاء دنیا۔ وہ سو دفعہ لتاڑ اور چتھاڑ کھاتے ہیں اور پھر مقابلے کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں جو مار کھائے جاتے ہیں اور مارنے والے کو کہتے جاتے ہیں کہ یک دفعہ پھر مار اور دیکھ تماشا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان من ما ادرك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحيي فاصنع ما شئت جس کا خلاصہ یہ مصرعہ ہے

بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

اب اگر کوئی پوچھے کہ اس کا مصداق کون ہے تو وہ مرزا صاحب کا اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء ملاحظہ کرنے کے علاوہ انہی کے ایماء پر جاری ہونے والہ ان کے مریدوں کا درج ذیل اشتہار دیکھے جو حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر اور منشی عبدالحق اکونٹنٹ وغیرہ کی طرف سے جاری ہوا اور ضمیمہ ریاض ہند ۲۲۔اگست ۱۸۹۱ء کے صفحہ اول پر شائع ہوا۔

لاہور سے ایک خط

بنام مولوی محمد لکھو کے، مولوی عبد الرحمٰن لکھو کے، مولوی عبید اللہ بنتی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی غلام دستگیر قصوری، مولوی عبد الجبار غزنوی، مولوی سید نذیر حسین دہلوی، مولوی عبد العزیز لدھیانوی، مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی محمد سعید بنارسی وغیرہ

مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعاوی حضرت مسیح علی نبینا وعلیہ السلام کی موت اور خود مسیح موعود ہونے کی نسبت کئے ہیں، آپ سے مخفی نہیں۔ ہم لوگوں نے جن کی طرف سے یہ درخواست ہے اپنی تسلی کے لئے خصوصاً اور عامہ اہل اسلام کے فائدہ کے لئے عموماً کمال نیک نیتی سے بڑی جد و جہد کے بعد ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مولوی حکیم نور دین صاحب کے ساتھ مرزا صاحب کے دعاوی پر گفتگو کے لئے مجبور کیا (طنبورہ من چی می سرائد؟ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ آپ کا اس میں دخل ہی نہ تھا، آپ تو محض تماشائی تھے۔ بلانے والے کہتے ہیں کہ حکیم صاحب کو ان ہی سے مباحثہ کے لئے بلایا گیا۔ اور محمد حسین کو مجبور کر کے بڑی کاوش کے بعد میدان میں لایا گیا۔ یعنی اصل شخص اس میں محمد حسین ہے۔ اور پھر یہ ہوا کہ جب بحث شروع ہوئی تو حکیم صاحب اسے ناتمام چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور اس واقعہ کے دو تین روز بعد پھر لاہور تشریف لائے لیکن مباحثہ کا نام تک نہ لیا۔ بہاء) مگر نہایت ہی حیرت ہے کہ ہماری بدقسمتی سے ہمارے منشاء اور مدعا کے خلاف مولوی ابوسعید صاحب نے مرزا صاحب کے دعوؤں سے جو اصل مضمون تھا، قطع نظر کر کے غیر مفید امور پر بحث شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مترددین کے شبہات کو اور تقویت ہو گئی اور حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے بعد لدھیانہ میں مولوی ابوسعید صاحب کو خود مرزا صاحب سے بحث کرنے کا اتفاق ہوا۔ تیراں روز گفتگو ہوتی رہی۔ اس کا نتیجہ بھی ہمارے خیال میں وہی ہوا جو لاہور کی بحث سے ہوا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ مضر۔ کیونکہ مولوی صاحب اس دفعہ بھی مرزا صاحب کے اصل دعاوی کی طرف نہ گئے... لہذا ہم سب لوگ آپ کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ اور محض بنظر خیر خواہی برادران اسلام درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس فتنہ و فساد کے وقت میدان میں نکلیں..

اور خدا کے واسطے مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دعاوی پر بحث کر کے مسلمانوں کو ورطہء تذبذب سے نکالنے کی سعی فرما کر عندالناس مشکور عنداللہ ماجور ہوں۔

(مجموعہ اشتہارات مرزا قادیانی۔ ج اول ص ۲۷۹۔۲۸۱)

مرزائی رسالہ الحق کے جولائی، اگست، ستمبر ۱۸۹۱ء کے شمارہ میں مباحثہ لدھیانہ کے پرچے شائع ہوئے۔ اس میں انٹروڈکشن کے عنوان سے مرزا صاحب کے دست راست عبدالکریم سیالکوٹی نے لکھا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کی طرف کافۃ الناس کو بلایا۔ اور اہل پنجاب سے بٹالہ کے شیخوں میں کے ایک بزرگ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی اس دعوت کی تردید کے لئے کھڑے ہوئے .... (مرزا کے مخالفین نے) کسی حامی و معاون کی تلاش مشتاقانہ میں نگاہیں چاروں طرف دوڑا رکھی تھیں۔ مولوی محمد حسین کے وجود میں انہیں مغتنم حامی اور عزیز حریف مقابل نظر آیا (انہوں نے) مولوی محمد حسین کو امید وبیم کا مرجع قرار دیا۔ پنجاب کے اکثر مساجد نشین علماء نے بڑے فخر سے ہمارے بٹالوی مولوی صاحب کو اپنا وکیل مطلق قرار دیا۔ سب سے پہلے لاہور کی ایک برگزیدہ جماعت نے جنہوں نے اب تک اپنی عملی زندگی سے ثبوت دیا ہے کہ وہ اسلام کے سچے خیرخواہ اور حق پسند اور حق بین لوگ ہیں، مولوی نورالدین صاحب کو... بڑے اصرار والحاح سے لاہور بلایا کہ وہ انہیں ان مسائل مشکلہ کی کیفیت پر آگاہ کریں۔ مولوی نورالدین کی تشریف آوری پر تبعاً وہ اس طرف متوجہ ہوئے کہ مولوی ابوسعید صاحب کو جو ان دعاوی کے بطلان کے مدعی ہیں، ان کے مقابل کھڑا کر کے جانبین کے اسلامیانہ مباحثہ اور صحابیانہ طرز مناظرہ سے حق دائر کو پالیں ......مگر افسوس جناب مولوی ابوسعید صاحب نے صحابہ کے طرز مناظرہ کا ثبوت نہ دیا...اور معاملہ جوں کا توں رہ گیا.....اس کے بعد مرزا صاحب کے دعاوی کی تائید میں کتابیں اور رسالے یکے بعد دیگرے شائع ہونے شروع ہوئے اور فوج فوج لوگ اس سلسلہ میں داخل ہونے لگے .... (کچھ لوگوں) کے شرم دلانے سے مولوی صاحب نے پھر کروٹ لی۔ اور آخر کار وہ زوردار دھکوں سے کرہاً لودیانہ پہنچائے گئے اور اس مباحثہ کی بنا پڑنے لگی۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ، اشاعت دوم، ستمبر ۱۹۰۳ء ص ۲ تا ۷ ملخصاً)

☆ اس تحریر میں اس بات کا اقرار ہے کہ حافظ یوسف وغیرہ نے خود حکیم نورالدین کا مباحثہ محمد حسین سے کرایا تھا۔ اور اس مجمع میں مولانا محمد حسین محض تماشائی نہ تھے، جیسا کہ مرزا صاحب کا کہنا ہے۔

☆ اس تحریر میں حافظ یوسف وغیرہ کو حق پسند کہا گیا ہے۔ اور وہ مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے مرزا صاحب کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی۔

☆ دوست محمد قادیانی اوپر بتا چکا ہے کہ مولانا محمد حسین نے خود لدھیانہ جا کر مرزا قادیانی کو للکارا تھا، اور یہاں مولوی عبدالکریم فرماتے ہیں کہ مولوی محمد حسین کو ان کی مرضی کے خلاف اور بڑی مشکل کے ساتھ مرزا صاحب کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا۔

لائے ہیں کوئے یار سے دوست خبر الگ الگ

☆ مباحثہ لاہور (اپریل ۱۸۹۱ء میں ہوا) اور مباحثہ لدھیانہ (جولائی ۱۸۹۱ء میں ہوا) کے درمیانی عرصہ میں مرزا صاحب کی کون کون سی کتاب شائع ہوئی ہے؟ جب کہ عبدالکریم نے اپنی تحریر میں کتابوں کے شائع ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور لفظ فوجیں تو شائد عبدالکریم نے ان لوگوں کی زبان مستعار لے کر استعمال کیا گیا ہے جو اکیلے کو سوا لاکھ بتایا کرتے ہیں، کیونکہ مرزائیوں کی تعداد تو اس واقعہ کے دو سال بعد بھی چار سو سے زائد نہ تھی۔

مباحثہ میں مرزا صاحب نے آخری پرچہ مخالفین کو نہیں دیا۔ اپنے پاس ہی رکھ لیا اور اس میں چیلنج دیا کہ ۴۰ دن میں روحانی نشان دکھاؤ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ علمی بحث سے میں عاجز آ گیا ہوں۔ اور مولوی محمد حسین کو روحانی نشانات اور الہام کا دعوی ہی نہیں تھا وہ کیوں نشان دکھائیں؟ اور جب مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی نے مرزا صاحب کو ان کے چیلنج کے جواب میں روحانی نشان کے لئے دعوت مقابلہ دی تو ہماری کتاب کے حصہ اول کے ناظرین جانتے ہیں کہ مرزا صاحب بل میں گھس گئے تھے۔

مرزا صاحب نے اس آخری پرچے میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں محمد حسین کے ساتھ پھر بحث کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس کے دو ماہ بعد جب دہلی میں مولانا بٹالوی نے انہیں دعوت مباحثہ دی تو مرزا صاحب نے فرمایا کہ میں نہ حضرت بٹالوی سے مباحثہ کروں گا اور نہ ایسی مجلس میں کسی اور کے ساتھ بھی مباحثہ نہیں کروں گا جس میں حضرت بٹالوی موجود ہوں

فتوی تکفیر قادیانی

۱۸۹۲ء

مباحثہ لدھیانہ کے بعد فتوی تکفیر مرزا تیار ہونا شروع ہوا، اور برصغیر کے معروف علماء کے دستخط کروانے میں اس پر ایک عرصہ صرف ہونے کے بعد ۱۸۹۲ء میں اسے جاری کیا گیا۔فتوی کی تیاری کے دوران مرزا صاحب سے دہلی میں مولوی محمد بشیر سہسوانی کا مباحثہ ہوا۔اور دیگر مقامات پر بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اپنے فاسد عقائد سے رجوع کر لیں تو اس فتوی کو جاری کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ان تفصیلات سے صرف نظر کر کے ہم ذیل میں استفتا پیش کرتے ہیں جو حضرت بٹالوی نے تیار کیا تھا، اور اس کے بعد جواب استفتاء نقل کریں گے جو سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے دیا۔اجراء کے بعد یہ فتوی اشاعۃ السنۃ کی جلد۱۳ میں شائع ہوا تھا۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوال۔ علمائے حفظہ دین و جماۃ شرع رسول امین، میرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے حواریوں اور ہم مشربوں کے حق میں کیا فرماتے ہیں جن کے عقائد و مقالات یہ ہیں جو ان کی تصنیفات وتحریرات سے نقل کئے جاتے ہیں اور مزید تحقیق وتصدیق کی غرض سے ان کی اصل تصنیفات وتحریرات بھی شامل سوال ہیں (جہاں سائل خود پہنچا، وہاں اصل تصنیفات قادیانی اور ان کے حواریوں کی ساتھ لے گیا۔اور ان مضامین کو اصل تصنیفات میں دکھا دیا۔بعض جگہ ان سوالات کو بذریعہ ڈاک بھیجا تو وہاں بھی اصل تصنیفات قادیانی کو بھیجا گیا۔محمد حسین)

☆ ا۔ ملائکہ ستاروں کی ارواح ہیں۔ وہ ستاروں کے لئے جان کا حکم رکھتے ہیں۔

لہذا وہ ان ستاروں سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔

☆ ۲۔جبریل جس کا سورج سے تعلق ہے، وہ بذات خود اور حقیقۃً زمین پر نہیں اترتا۔ اس کا نزول جو شرع میں وارد ہے اس سے اس کی تاثیر کا نزول مراد ہے۔اور جو صورت جبریل وغیرہ فرشتوں کی انبیاء دیکھتے تھے، وہ جبریل وغیرہ کی عکسی تصویر تھی جو انبیاء کے خیال میں متمثل ہو جاتی تھی، جیسے آئینہ میں دیکھنے والے کی صورت متمثل ہو جاتی ہے۔

☆ ۳۔ ملک الموت بھی بذات خود زمین پر اتر کر قبض ارواح نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی تاثیر سے قبض ارواح ہوتا ہے۔

☆ ۴۔دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، نجوم کی تاثیرات سے ہو رہا ہے۔

☆ ۵۔ روح القدس، روح الامین، شدید القوی، ذوالافق الاعلی، جن کا شرع میں ذکر وارد ہے، وہ انسان ہی کی ایک صفت ہے، جو خدا کی محبت اور اس کے محبوب انسان کی محبت کے باہم ملنے سے متولد ہوتی ہے۔

☆ ۶۔ان دونوں محبتوں اور انکے متولد نتیجہ (روح القدس) کا مجموعہ پاک تثلیث ہے۔

☆ ۷۔آپ (مرزا) کو اور حضرت مسیح بن مریم کو استعارہ کے طور پر ابن اللہ کہہ سکتے ہیں

(یہ عقائد نمبر اول لغایت ہفتم مرزا قادیانی کے رسالہ توضیح مرام میں موجود ہیں جو بہ ترتیب رسالہ توضیح، نہ بہ ترتیب عقائد مندرجہ سوال، نقل کئے جاتے ہیں۔

اس (توضیح مرام) کے صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے کہ

.اگر یہ استفسار ہو کہ جس خاصیت اور قوت روحانی میں یہ عاجز اور مسیح بن مریم مشابہت رکھتے ہیں، وہ کیا شئے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک مجموعی خاصیت ہے جو ہم دونوں کے روحانی قوائے میں ایک خاص طور پر رکھی گئی ہے، جس کے سلسلہ کی ایک طرف نیچے کو اور ایک طرف اوپر کو جاتی ہے۔ نیچے کی طرف سے مراد وہ اعلی درجہ کی دل سوزی اور غم خواری ءخلق اللہ ہے جو داعی الی اللہ اور اس کے مستعد شاگردوں میں ایک نہایت مضبوط تعلق اور جوڑ بخش کر نورانی قوت کو جو داعی الی اللہ کے نفس پاک میں موجود ہے، ان تمام سرسبز شاخوں میں پھیلاتی ہے۔ اوپر کی طرف سے مراد وہ اعلی درجہ کی محبت قوی ایمان سے ملی ہوئی ہے، جو اول بندہ کے دل میں بارادہ ءالٰہی پیدا ہو کر رب قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتی ہے ایک مستحکم رشتہ اور شدید مواصلت خالق اور مخلوق

میں پیدا ہوکر الٰہی محبت کی چمکنے والی آگ سے جومخلوق کی ہیزم مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے، ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے ۔ سو اس درجہ کے انسان کی روحانی پیدائش اس وقت سمجھی جاتی ہے جب کہ خدا تعالی اپنے ارادہ خاص سے اس میں اس طور کی محبت پیدا کر دیتا ہے اور اس مرتبے کی محبت میں بطور استعارہ یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ خدا تعالی کی محبت سے بھری ہوئی روح اس انسانی روح کو جو بارادہ الٰہی اب محبت سے بھر گئی ہے، ایک نیا تولد بخشتی ہے ۔ اسی وجہ سے اس محبت کی بھری ہوئی روح کو خدا تعالی کی روح سے جو نافخ المحبت ہے استعارہ کے طور پر ابنیت کا علاقہ ہوتا ہے ۔ اور چونکہ روح القدس ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن ہے اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ محبت کیلئے ضروری ہے جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے .

اور اس (توضیح المرام) کے صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے

. اور یہ کیفیت جو ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے اس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں ، کیونکہ یہ ایک تاریکی سے امن بخشتی ہے ۔ اور ہر یک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القوی بھی ہے ۔ کیونکہ یہ اعلی درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصور نہیں ۔ اور اس کا نام ذوا لافق الاعلی بھی ہے، کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے .

اور اس کے صفحہ ۲۷ میں لکھا ہے . مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں .

اور اس کے صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے

. اس جگہ اس بات کا بیان کرنا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین وغیرہ کی تعبیر کی ہے، یہ درحقیقت ان عقائد سے جو اہل اسلام ملائک کی نسبت رکھتے ہیں منافی نہیں ہے ۔ کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح زمین پر اترتے ہیں اور یہ خیال بہ بداہت عقل بھی باطل ہے ۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا لوگوں کی جانیں نکالتا ہے، جو مختلف بلاد وامصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلے پر رہتے ہیں ، اگر ہر ایک کے لئے اس بات کا

محتاج ہو کہ اول پیروں (پاؤں) سے چل کر اس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا اس کو موقع ملے تو ایک سیکنڈ کیا، اتنی بڑی کارگذاری کے لئے تو کئی مہینوں کی مہلت بھی کافی نہیں ہوسکتی ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین میں یا اس کے کم عرصہ میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے ۔ ہرگز نہیں .

اور اس توضیح مرام کے صفحہ ۳۲۔۳۳ میں ہے

. پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی اور روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے، اسی طرح روحانیات سماویہ، خواہ ان کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں، یا دساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق، ارواح کواکب سے ان کو نامزد کریں، یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائک اللہ کا ان کو لقب دیں، درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے ...... جیسے ہمارے اجسام اور ہماری تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے ۔ ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ اور ہماری روحانی قوتوں پر یہ سب ملائک ہماری مختلف استعدادوں کے موافق اپنا اپنا اثر ڈال رہے ہیں .

اور اس (توضیح المرام) کے صفحہ ۳۸ میں ہے

. اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کر لیا جائے تو پھر ان کے تمام قوای میں فرق پڑ جائے گا ۔ انہی نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے باقی تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے خداتعالی تمام عالم کے لئے بطور جان کے ہے، ایسا ہی (مگر اس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں) وہ نفوس نورانیہ، کواکب اور سیارات کے لئے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں ۔ اور ان کے جدا ہو جانے سے ان کی حالت وجودیہ میں بکلی فساد راہ پا جانا لازمی وضروری امر ہے ۔ اور آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل وتربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں ..... . تمام نباتات جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے .

اور اس توضیح المرام کے صفحہ ۴۰ میں ہے

. قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہ سیارات اور کواکب اپنے اپنے قالبوں کے متعلق ایک روح رکھتے ہیں، جن کو نفوس کواکب سے بھی نامزد کر سکتے ہیں ۔ اور جیسے کواکب اور سیاروں میں

باعتبار ان کے قالبوں کے، طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں، جو زمین کی ہر ایک چیز پر حسب استعداد اثر ڈال رہے ہیں، ایسا ہی ان کے نفوس نورانیہ میں بھی انواع اقسام کے خواص ہیں جو باذن حکیم مطلق کائنات الارض کے باطن پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور یہی نفوس نورانیہ کامل بندوں پر بشکل جسمانی متشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بشری صورت سے متمثل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔

اور اس توضیح المرام کے صفحہ ۶۷ میں ہے

جس قدر ارواح و اجسام اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتے ہیں ان سب پر تاثیرات سماویہ کام کر رہی ہیں۔ اور کبھی ایک ہی فرشتہ مختلف طور پر اثر ڈالتا ہے۔ مثلاً جبرائیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک نہائت روشن نیر سے تعلق رکھتا ہے، اس کو کئی قسم کی خدمات سپرد ہیں، انہی خدمات کے موافق جو اس کے نیر سے لئے جاتے ہیں، سو وہ فرشتہ اگرچہ ہر ایک ایسے شخص پر نازل ہوتا ہے جو وحی الٰہی سے مشرف کیا گیا ہو (نزول کی اصل کیفیت جو صرف اثر اندازی کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر یاد رکھنی چاہیے) لیکن اس کے نزول کی تاثیرات کا دائرہ مختلف استعدادوں اور مختلف ظروف کے لحاظ سے چھوٹی اور بڑی بڑی شکلوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

اور اس (توضیح المرام) کے صفحہ ۷۰ میں ہے

اس وقت میں کہ جب انسان بوجہ اقتران محبتین روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئیں رکھ دیتا ہے، معاً اس نالی میں سے فیض وحی اس کے اندر گر جاتا ہے، یا یوں کہو کہ اس وقت جبرائیل اپنا نورانی سایہ اس مستعد دل میں ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر لکھ دیتا ہے، تب جیسے اس فرشتے کا جو آسمان پر مستقر ہے جبریل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہو جاتا ہے۔ یا مثلاً اس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے، بلکہ اس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب تم نہائت مصفی آئینہ اپنے منہ کے سامنے رکھ دو گے تو موافق دائرہ اور مقدار اس آئینہ کے تمہاری شکل کا عکس بلا توقف اس میں پڑے گا۔ یہ نہیں کہ تمہارا منہ اور تمہارا سر گردن سے ٹوٹ کر اور الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائے گا۔ بلکہ اس جگہ رہے گا جہاں رہنا چاہیے۔ صرف اس کا عکس پڑے گا، بلکہ جیسی جیسی وسعت آئینہ قلب کی ہو گی

اسی مقدار کے موافق اثر پڑے گا۔ مثلاً اگر تم اپنا چہرہ آرسی کے شیشہ میں دیکھنا چاہو کہ جو ایک چھوٹا سا شیشہ ایک قسم کا انگشتری میں لگا ہوتا ہے تو اگر چہ اس میں بھی تمام چہرہ نظر آئے گا۔ مگر ہر ایک عضو اپنی اصلی مقدار سے نہائت چھوٹا ہو کر نظر آئے گا، لیکن اگر تم اپنے چہرہ کو ایک بڑے آئینہ میں دیکھنا چاہو جو تمہاری شکل کے پورے انعکاس کے لئے کافی ہے تو تمہارے تمام نقوش اور اعضا چہرے کے اپنے اصلی مقدار پر نظر آجائیں گے .

اور اس توضیح المرام کے صفحہ ۷۹ میں ہے

. جب جبرائیل نور خدا تعالی کی کشش اور تحریک اور نفخہء نورانیہ سے جنبش میں آجاتا ہے تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا چاہیے، محبّ صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے۔ اور اس کی محبت صادقہ کا ایک عرض لازم ٹھہر جاتی ہے۔ تب یہ قوت خدا تعالی کی آواز سننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے اور اس کے عجائبات کے دیکھنے کے لئے آنکھوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور اس کے الہامات زبان پر جاری ہونے کے لئے ایک ایسی محرک حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کے پہیے کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے .

اور اس توضیح المرام صفحہ ۸۴ میں لکھا ہے

. اس جگہ میں ان لوگوں کا وہم بھی دور کرنا چاہتا ہوں جو ان شکوک وشبہات میں مبتلاء ہیں جو اولیاء اور انبیاء کے الہامات اور مکاشفات کو دوسرے لوگوں کی نسبت کیا خصوصیت ہوسکتی ہے کیونکہ اگر نبیوں اور ولیوں پر امور غیبیہ کھلتے ہیں تو دوسرے لوگوں پر بھی کبھی کبھی کھل جاتے ہیں بلکہ فاسقوں اور غایت درجہ کے بدکاروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں، اور بعض پرلے درجے کے بدمعاش اور شریر آدمی اپنے ایسے مکاشفات بیان کیا کرتے ہیں کہ آخر وہ سچے نکلتے ہیں۔ پس جب کہ ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے تئیں نبی یا کسی اور خاص درجے کے آدمی تصور کرتے ہیں، ایسے ایسے بدچلن آدمی بھی شریک ہیں جو بدچلنیوں اور بدمعاشیوں میں چھٹے ہوئے اور شہرہ آفاق ہیں تو نبیوں اور ولیوں کی کیا فضیلت باقی رہی۔ سو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ درحقیقت یہ سوال جس قدر اپنی اصل کیفیت رکھتا ہے وہ سب درست اور صحیح ہے۔ اور جبریلی نور کا چھیالیسواں حصہ تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق اور فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں، بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہائت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے۔ جس کی تمام جوانی بدکاری میں ہی

گذری ہے، کبھی سچی خواب دیکھ لیتی ہے اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات بھی کہ جب وہ بادہ بسر آشنا بہ بر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ جبریلی نور جو آفتاب کی طرح، جو اس کا ہیڈکوارٹر ہے، تمام معمورہ عالم پر حسب استعداد ان کے اثر ڈال رہا ہے اور کوئی نفس بشر دنیا میں ایسا نہیں کہ بالکل تاریک ہو، کم سے کم ایک ذرہ سی محبت وطن اصلی اور محبوب اصلی کی ادنی سے ادنی سرشت میں بھی ہے اس صورت میں نہائت ضروری تھا کہ تمام بنی آدم پر یہاں تک کہ ان کے مجانین پر بھی کسی قدر جبرائیل کا اثر ہوتا اور فی الواقع ہے بھی .

ان عبارات سے جیسے عقائد میرزائی کی از نمبر ایک لغائت سات تصدیق ہوئی، ویسی ہی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ کے نزدیک نبوت اور وحی کی وہی حقیقت ہے جو نیچریوں اور برہم سماج والوں نے بیان کی ہے کہ نبوت ایک نیچرل امر ہے جس سے کوئی فرد خالی نہیں، یہاں تک کہ ناچنے والی کسبی (رنڈی) بھی اس سے محروم نہیں، اور وحی لانے والا فرشتہ باہر سے نہیں آتا بلکہ صاحب وحی کے دل ودماغ ہی سے وہ پیدا ہوتا ہے اور جبریل یا روح القدس اسی کی ایک صفت کا نام ہے۔ وعلی ہذا القیاس)

☆ ۸۔ آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) ایک معنی سے نبی ہیں کیونکہ آپ محدث ہیں جن سے خدا تعالی باتیں کرتا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔ ختم نبوت کا جو قرآن میں ذکر ہے تو اس سے ایسی نبوت مراد ہے جو حامل وحی شریعت اور جمیع اقسام وحی کی جامع ہو نہ مطلق نبوت۔

(توضیح مرام میں صفحہ ۱۷ سے ۲۰ تک کہا ہے

. اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیے کیونکہ مسیح نبی تھا، تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سید ومولا نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی، بلکہ صاف طور یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہوگا، اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں۔ ماسوا اس کے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالی کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔ اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہے، کیونکہ وہ خدا تعالی سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی طرح اس کی وحی

کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے۔ اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے اس پر مہر لگ چکی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے، بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا امت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے، مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہے گا نبوت تامہ نہیں بلکہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے جو انسان کامل کی اقتداء سے ملتی ہے جو مستجمع جمیع کمالات نبوت تامہ ہے یعنی ذات ستودہ صفات حضرت سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ فاعلم ارشدک اللہ تعالی ان النبی محدث والمحدث نبی باعتبار حصول نوع من انواع النبوۃ و قد قال رسول اللہ ﷺ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات ای لم یبق من انواع النبوۃ الا نوع واحد وھی المبشرات من اقسام الرئیا الصادقہ و المکاشفات الصحیحہ و الوحی الذی ینزل علی خواص الاولیاء و النور الذی یتجلی علی قلوب قوم مرجع فانظر ایھا الناقد البصیر الفہیم من ہذا سد باب النبوۃ علی وجھہ کلی بل الحدیث یدل علی ان النبوۃ التامۃ الحاملۃ لوحی الشریعۃ قد انقطعت و لکن النبوۃ التی لیس فیھا الا المبشرات فھی باقیۃ الی یوم القیامۃ و اما النبوۃ (ان مقامات میں آپ کی عربی دانی ثابت ہوتی ہے۔ پہلی جگہ ہذا معرفہ کی صفت جملہ نکرہ۔ سد باب النبوۃ لائے ہیں۔ اور اگر یہ جملہ صلہ ہے تو اس کا موصول الذی ندارد ہے۔ دوسری جگہ صلہ موصول کا ندارد ہے۔ حق عبارت یہ تھا و اماالنبوۃ التی ھی تامۃ جس شخص کا عربیت میں یہ مبلغ علم ہوگا وہ قرآن وحدیث سے کیا استخراج دقائق ومعارف کرے گا۔ اگر کہو کہ الہام وعلم لدنی اس کا مددگار ہوگا تو کہا جائے گا کہ وہ الہام علم لدنی صحت الفاظ میں کیوں اس کا مددگار نہ ہوا۔ اور ایسی فاش غلطیوں سے اس کو کیوں نہ بچا سکا)

التی تا مۃ کا ملۃ جا معۃ لجمیع کما لا ت الو حی فقد آ منا با نقطاعھا من یو م نز ل فیہ و ما کا ن محمد اباا حد من ر جا لکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین ۔

اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ۵۳۲ میں مرزا غلام احمد لکھتے ہیں

. ہاں یہ سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے ہی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو امتی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے ... ۔ اب ان تمام اشارات سے صاف ظا ہر ہے کہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کے صفت سے متصف نہیں ہو گا ۔ ہاں نبوت نا قصہ اس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوت تا مہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے ۔ سو یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیت اور نبوت اس میں پائی جائیں گی جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایہ جانا ضروری ہے لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے ۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے ۔ اس لئے خدا تعالی نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی .

اس عبارت میں تو آپ نے اپنے آپ کو کھلا نبی کہہ دیا ہے ۔

اب اس سے بڑھ کر سنئے، رسالہ ازالہ اوہام آپ نے چھپوایا تو اسی کے سرورق پر صاف لکھوا دیا ہے

. ازتصانیف مرسل یزدانی مرزا غلام احمد قادیانی .

اس میں تو آپ نے رسالت کا بھی دعوی کیا ہے ۔ اور یہ بتا دیا کہ آپ خدا کے رسول بھی ہیں اس صورت میں آپ کا شعر من نیسم رسول و نیاوردہ ام کتاب (یعنی) دعوی رسالت سے انکار کرنا صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے، درحقیقت آپ کو رسالت کا دعوی بھی ہے، شائد چند مدت کے بعد کسی کتاب آسمانی کا بھی ادعا ہو ۔ اس سے بھی اور بڑھ کر سنئے ۔

ازالہ اوہام کے صفحہ۶۷۳ میں اپنے رسول مبشر بزبان حضرت عیسی ہونے کا دعوی کیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ قرآن کی آیت و مبشراً برسول یا تی من بعدی اسمہ احمد میں آپ ہی کی بشارت مراد ہے، نہ محمد رسول اللہ کی ۔ اصل عبارت ازالہ اوہام کی آگے چل کر منقول ہوگی)

☆ ۹ ۔ آنیوالے مسیح ابن مریم جن کی بشارت حدیثوں میں وارد ہے اور اہل اسلام کو ان کا انتظار تھا وہ آپ ہی ہیں، نہ عیسی بن مریم اسرائیلی ۔ کیونکہ وہ صلیب پر چڑھایا گیا اور

بعد اس کے وہ فوت ہوکر بہشت میں داخل ہو گیا ہے۔لہذا اب وہ دنیا میں نہیں آ سکتا۔

(فتح الاسلام کے صفحہ ۱۰ میں ہے

. شکر کرو اور شکر کے سجدات بجالاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے اور بے شمار روحیں اس کے شوق ہی میں سفر کر گئیں ۔ وہ وقت تم نے پا لیا ...میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا، تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے .

اور اس (فتح الاسلام) کے صفحہ ۱۵ کے حاشیہ میں ہے

. مسیح جو آنے والہ تھا یہی ہے، چاہو تو قبول کرو ۔

اور اس کے صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے

. بلکہ ایک دفعہ اس کو اپنے زعم میں صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا۔مگر چونکہ ہڈی نہیں توڑی گئی تھی اسلیئے وہ ایک خوش اعتقاد اور نیک آدمی کی حمایت سے بچ گیا اور بقیہ ایام زندگی بسر کر کے آسمان کی طرف اٹھایا گیا .

اور آپ نے رسالہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷ میں مسیح کا سولی پر چڑھایا جانا اس تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کیا ہے جو سید احمد خان کی تفسیر جلد چہارم کے صفحہ ۴۱ میں موجود ہے)

☆ ۱۰۔ آنیوالے مسیح کے جو صفات احادیث میں وارد ہیں کہ وہ ابن مریم ہوگا، اور وہ دمشق کے منارہ شرقی کے پاس نزول کرے گا۔اور وہ دو زرد کپڑے پہنے ہوئے ہوگا۔اور وہ دجال یک چشم کو ہلاک کرے گا۔ اور وہ صلیب کو توڑ دے گا۔ اور وہ خنازیر کو قتل کرے گا، اور اس کے وقت میں مال کثرت سے ہوگا اور وہ لوگوں کو مال کی طرف بلائے گا تو کوئی قبول نہ کرے گا۔ کافر اس کی خوشبو سے مر جائے گا، اور اس کے وقت میں یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا وغیرہ ۔ان میں بعض صفات صحیح نہیں اور جن احادیث میں ان کا ذکر ہے وہ موضوع ہیں

(بعض صفات مسیح کا دعوی آپ کی تصنیفات کتب میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ فتح الاسلام کے صفحہ ۱۰ میں آپ لکھتے ہیں

. خیال مذکور، یعنی حضرت مسیح کا زندہ آسمان پر موجود ہونا . جو کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں پھیل گیا ہے صحیح طور پر ہماری کتابوں میں اس کا نام ونشان نہیں، بلکہ احادیث نبویہ کی غلط فہمی کا ایک غلط نتیجہ ہے۔ جس کے ساتھ بے جا حاشیے لگا دیئے ہیں ۔ اور بے اصل موضوعات سے ان کو رونق دی گئی ہے .

اورازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھا ہے

. اوراس مقام میں زیادہ تر تعجب کی یہ جگہ ہے کہ امام مسلم صاحب تو یہ لکھتے ہیں کہ دجال معہود کی پیشانی پر ك ف ر لکھا ہوگا، مگر یہ دجال تو انہیں کی حدیث کی رو سے مشرف باسلام ہوگیا۔ ۔۔۔ پھر مسلم صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال معہود بادل کی طرح، جس کے پیچھے ہوا ہوتی ہے، پھر جائے گا۔ مگر یہ دجال جب مکہ سے مدینہ کی طرف گیا توابوسعید سے کچھ زیادہ نہیں چل سکا، جیسا کہ مسلم کی حدیث سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی کسی نے اس کی پیشانی پر ك ف ر لکھا ہوا نہیں دیکھا...اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ دجال کی پیشانی پر ك ف ر لکھا ہوا ہوگا تو پھر اوائل دنوں میں ابن صیاد کی نسبت خود آنحضرت ﷺ کیوں شک وتردد میں رہے اور کیوں یہ فرمایا کہ شاید یہی دجال معہود ہو یا شائد کوئی اور ہو (آپ ﷺ نے یہ کہیں نہیں فرمایا، یہ افتراء قادیانی ہے۔محمد حسین) گمان کیا جاتا ہے کہ شائد اس وقت تک ك ف ر اس کی پیشانی پر نہیں ہوگا، میں سخت متعجب اور حیران ہوں کہ اگر سچ مچ دجال معہود آخری زمانہ میں پیدا ہونا تھا، یعنی اس زمانہ میں کہ جب مسیح بن مریم ہی آسمان سے اتریں تو پھر قبل از وقت یہ شکوک اور شبہات پیدا ہی کیوں ہوئے؟ اور زیادہ تر عجیب یہ کہ ابن صیاد نے کوئی ایسا کام بھی نہ دکھایا کہ جو دجال معہود کی نسبت نبوت میں سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ بہشت اور دوزخ کا ساتھ ہونا، اور خزانوں کا پیچھے پیچھے چلنا، اور مردوں کا زندہ کرنا، اور اپنے حکم سے مینہ برسانا اور کھیتوں کو اگانا اور ستر باع کے گدھے پر سوار ہونا۔ اب بڑی مشکلات یہ در پیش آتی ہیں کہ اکر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں ان کی موضوع ٹھہرتی ہیں۔ اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے، اگر یہ متعارض اور متناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسری صحیحوں میں ہوتیں تو شائد ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ پاس خاطر کرکے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے۔ مگر اب مشکل تو یہ آپڑی ہے کہ انہیں دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسموں کی حدیثیں موجود ہیں، اب ہم جب ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس کو صحیح سمجھیں اور کس کو غیر صحیح، تب عقل خداداد ہم کو یہ طریق فیصلہ کا بتاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں، انہیں کو صحیح سمجھنا چاہیے)

اور بہ فرض صحت کل یہ صفات سب کی سب بحسب تاویل وتفصیل ذیل آپ میں

پائے جاتے ہیں ۔مثلاً اس کے ابن مریم ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ابن مریم کی خاصیت پراوراس کا مثیل ہوگا

(فتح الاسلام کے صفحہ ۱۱ میں ہے

. اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پا کر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح بن مریم کے زمانہ تک تھی، یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اترا اور وہ اترنا روحانی طور پر تھا، جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لئے نزول ہوتا ہے .

آپ کا ایک حواری اپنے رسالہ قول فصیح کے صفحہ ۲ میں کہتا ہے

. وہ اسی زمین پر چلتا پھرتا ہے مگر ظاہر محدود نگاہوں کے نزدیک حقیقت میں وہ معمورہ عالم سے باہر آسمانوں پر مقیم ہے۔ وہ زمین کی آنکھ میں چارپائی پر بستر بچھائے سوتا ہے۔مگراس کی پاک روح پورے اٹھارہ سال کا دورہ آسمانوں کا کرآتی ہے، (جیسا کہ عام اہل اسلام کا آنحضرت ﷺ کی نسبت معراج کی رات اس دورہ کرنے کا اعتقاد ہے)

اس کے نزول سے روحانی نزول مراد ہے، اور دمشق کے شرقی منارہ سے قادیان کی مسجد کا منارہ مراد ہے

(ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۸۶ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے

. ایک مرتبہ میں نے اس مسجد کی تاریخ جس کے ساتھ میرا مکان ملحق ہے، الہامی طور پر معلوم کرنی چاہی تو مجھے الہام ہوا مبارک ومبارک و کل امر مبارك يجعل فيه یہ وہی مسجد ہے جس کی نسبت میں اپنے رسالہ میں لکھ چکا ہوں کہ میرا مکان اس قصبہ کی شرقی طرف آبادی کے آخری کنارے پر واقع ہے ۔اس مسجد کے قریب اوراس شرقی منارہ کے نیچے جیسا کہ ہمارے سید و مولی کی پیشگوئی کا مفہوم ہے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اورازالہ اوہام کے صفحہ ۱۵۸ میں ہے

از کلمہ منارہ شرقی عجب مدار چوں خودز مشرق است تجلی نیرم

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسے کجاست تا بنہد پا بہ منبرم

(اس کلمہ سے جوحضرت عیسی کی توہین مفہوم ہوتی ہے وہ علماء اہل افتاء کی توجہ کے لائق ہے کیونکہ منبر سے مراد مرتبہ ہے، نہ لکڑی یا پتھر کا میز۔اس لئے کہ یہ میز آپ نہیں رکھتے اور نہ کبھی اس پر بیٹھنا ان کو آج تک نصیب ہوا ہے۔لہذا اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ

عیسی کہاں؟ یعنی کیا رتبہ رکھتا ہے کہ وہ میرے منبر یعنی رتبہ کو پہنچ سکے۔محمد حسین)

جو دمشق کی جانب مشرق میں واقع ہے اور زرد کپڑوں سے مراد یہ ہے کہ اس کی حالت صحت اچھی نہ ہوگی (جو آپ میں موجود ہے کہ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں)

(ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۹ میں ہے

. اور پھر فرمایا کہ جس وقت وہ اترے گا اس وقت اس کی زرد پوشاک ہوگی، یعنی زرد رنگ کے دو کپڑے اس نے پہنے ہوئے ہوں گے ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کی صحت کی حالت اچھی نہیں ہوگی .)

اور دجال سے دنیا پرست، یک چشم جو دین کی آنکھیں نہیں رکھتے ، مراد ہے

(فتح الاسلام کے صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے

. اور ہر یک حق پوش دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا، حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا .

اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۴۶ میں لکھتے ہیں

. مگر ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ دجال سے مراد با اقبال قومیں ہوں، اور گدھا ان کا یہ ریل ہو جو مشرق اور مغرب کے ملکوں میں ہزارہا کوسوں تک چلتی دیکھتے ہو)

اور ان کے قتل سے ان کا حجت و دلیل سے مغلوب کرنا جو آپ کر رہے ہیں۔ یا دجال سے با اقبال قومیں (یعنی انگریز وغیرہ) مراد ہیں اور اسکے گدھے سے ریل گاڑی مراد ہے ۔سو ان لوگوں کو آپ دلائل سے مغلوب کر رہے ہیں ۔ اور صلیب توڑنے سے اعتقاد صلیبی کو پاش پاش کرنا مراد ہے جو آپ کر رہے ہیں، نہ ہاتھ یا ہتھوڑہ سے صلیب کو توڑنا۔ اور خنازیر سے خنزیر صفت انسان مراد ہیں

(فتح الاسلام کے صفحہ ۱۷ میں لکھا ہے

. اور اسی فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا، تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے ، سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کو قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں ۔

اور توضیح مرام کے صفحہ ۱۳ میں کہتا ہے کہ صلیب کے توڑنے سے مراد کوئی ظاہری جنگ نہیں، بلکہ روحانی طور پر صلیبی مذہب کا توڑ دینا اور اس کا بطلان ثابت کر کے دکھا دینا مراد ہے ..

.اور خنزیروں سے مراد وہ لوگ ہیں ہیں جن میں خنزیروں کی عادتیں ہیں وہ زور حجت اور دلیل

سے مغلوب کئے جائیں گے اور دلائل بینہ کی تلوار انہیں قتل کرے گی ، نہ یہ کہ ایک پاک نبی جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کرتا پھرے گا .) ۔

اور ان کے قتل سے ان کا مغلوب کرنا، جو آپ کر رہے ہیں ۔ نہ ظاہری خنزیروں کا جنگلوں میں شکار کرتے پھرنا جو کسی نبی کی شان نہیں ہے ۔

اور مال کے بہت ہو جانے اور کسی کے اس مال کو قبول نہ کرنے سے یہ مراد ہے جو آپ سے ہو رہا ہے کہ آپ مخالفین اسلام کو مقابلہ اسلام پر اشتہار کے ذریعہ سے روپیہ دینے کا وعدہ کر رہے ہیں اور کوئی شخص وہ روپیہ نہیں لیتا اور نہ اس کا مقابلہ کرتا ہے ۔ یہ ہی مقابلہ سے عاجز آنا کفار کی موت ہے جو آنے والے مسیح کے خوشبو کے لئے لازمی صفت ٹھہرائی گئی ہے اور وہ آپ (مرزا) میں موجود ہے ۔

(مال قبول نہ کرنے اور مقابلہ سے عاجز آنے کی مرادیں محمد احسن امروہی ملازم ریاست بھوپال نے بیان کی ہیں ۔ چنانچہ اس کے رسالہ اعلام الناس کے صفحہ ۵۵ میں ہے ۔

چھٹی صفت اس کی یہ ہے کہ لوگوں کو مال کی طرف بلاوے گا اور کوئی قبول نہ کرے گا ۔

پڑھو اس حدیث کو لید عون الی الما ل فلا یقبلہ احد ۔تم سمجھے اس کے کیا معنی ہیں ۔ ایک معنی یہ بھی ہیں جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں ۔

اس مسیح وقت نے اول تو دس ہزار روپیہ کا اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ تمام دنیا کی اطراف میں مشتہر کیا ہے اور ثانیاً پانچ سو روپیہ کا اشتہار مندرجہ کحل الجواہر شائع کیا ہے ۔ اور ثالثاً ہر ایک پادری کلاں کو دو سو روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ فرماتے ہیں ۔

اور اس (اعلام الناس) کے صفحہ ۵۹ میں کہا ہے

. نواں نشان اس کا یہ ہے کہ کوئی مخالف اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا ۔ ہر چند کہ اشتہار دیئے جاتے ہیں کہ اگر تم کو شک ہو مقابلے کے لئے آؤ، لیکن کوئی مخالف مقابلے پر نہیں آتا ۔ اس کے مقابلے سے ہر مخالف پر موت ہی آجاتی ہے ۔صدق رسو لہ الکر یم فلایحل لکافر یجد من ریح نفسہ الامات ونفسہ ینتھی حیث ینتھی طرفہ ۔ رواہ مسلم)

اور یاجوج ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں جو آپ کے وقت میں موجود ہیں

(یہ مراد پہلے تو آپ نے مسیح موعود بننے سے پیشتر ایک حواری حکیم نورالدین جمونی بھیروی کے

ذریعہ سے اس کے رسائل فصل الخطاب وتصدیق براہین احمدیہ میں مشتہر کرائی اوراس سے گویا آپ نے مسیح موعود بننے کی پٹڑی جمائی تھی ۔ پھر جب دیکھا کہ یہ مراد ان کے حواریوں میں تسلیم کی گئی ہے اوراس سے ان کو وحشت نہیں ہوئی، تو خود اس مراد کا اظہار کردیا اوراپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۰۸ میں لکھ دیا

. ان دونوں قوموں سے مراد انگریز وروس ہیں ۔) ۔

اورآنیوالے مسیح کی بعض صفات ایسی بیان ہوئی ہیں کہ وہ حضرت مسیح ابن مریم میں نہیں پائی جاتیں ، وہ صرف آپ ہی میں متحقق ہیں، جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ آنیوالے مسیح آپ ہیں نہ عیسی بن مریم اسرائیلی نبی ۔

مثلاً اس کا گندم رنگ ہونا، اور اس کے بالوں کا سیدھا ہونا، جوآپ ہی میں پایا جاتا ہے ۔ کیونکہ حضرت مسیح بن مریم تو سرخ رنگ کے تھے اوران کے گھونگھر والے بال تھے ۔آنے والے مسیح کو احادیث میں ایک مرد مسلمان، مسلمانوں کا امام ، آنخضرت ﷺ کی امت بتایا گیا ہے، جوآپ ہی میں پایا جاتا ہے۔

(بالوں کے سیدھاے ہونے اور مرد مسلمان، اور مسلمانوں سے ہونے کی نسبت مرزا قادیانی نے توضیح مرام میں بصفحہ ۱۶ لکھا ہے

. ختم المرسلین نے مسیح اول اور مسیح ثانی میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے صرف یہی نہیں فرمایا کہ مسیح ثانی ایک مرد مسلمان ہوگا اورشریعت قرآنی کے موافق عمل کرے گا اور مسلمانوں کی طرح صوم وصلوۃ وغیرہ احکام فرقانی کا پابند ہوگا، اورمسلمانوں میں پیدا ہوگا اوران کا امام ہوگا، اورکوئی جدا گانہ دین نہ لائے گا، اورکسی جدا گانہ نبوت کا دعوی نہیں کرے گا ، بلکہ یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ مسیح اول اور مسیح ثانی کے حلیہ کا فرق بھی بیّن ہوگا ۔ چنانچہ مسیح اول کا حلیہ جو آنخضرت ﷺ کو معراج کی رات میں نظر آیا وہ یہ ہے کہ درمیانہ قد اور سرخ رنگ گھونگھر والے بال اور سینہ کشادہ ہے ۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۴۸۹ ، لیکن اسی کتاب میں مسیح ثانی کا حلیہ جناب ممدوح نے یہ فرمایا ہے کہ . وہ گندم گوں ہے اوراس کے بال گھونگھر والے نہیں اور کانوں تک لٹکتے ہیں ۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ کیا یہ دونوں ممیّز علامتیں جو مسیح اول اور ثانی میں آنخضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، کافی طور پر یقین نہیں دلاتیں کہ مسیح اول اور ہے اور مسیح ثانی اور ۔ ان دونوں کو ابن مریم کے نام سے پکارنا ایک لطیف اشارہ ہے جو باعتبار مشابہت طبع اور روحانی خاصیت کے استعمال کیا گیا ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ اندرونی خاصیت کی مشابہت کی رو

سے دو نیک آدمی ایک ہی نام کے مستحق ہو سکتے ہیں ۔۔

اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۵۷ میں لکھا ہے

موعودم و بحلیہء ماثور آمدم حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

رنگم چو گندم است و بموفرق بین است زانساں کہ آمدست در اخبار سرورم

ایں مقدمم نہ جائے شکوکست والتباس سید جدا کند زمسیحائے احمرم

اور آپ توضیح مرام میں فرماتے ہیں

. اس بارہ میں نہائت صاف اور واضح حدیث نبوی وہ ہے جو امام محمد (بن) اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح میں بروایت ابو ہریرہ کے لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم یعنی اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اترے گا، وہ کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا جو تم ہی میں سے پیدا ہوگا۔ پس اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صاف فرما دیا کہ ابن مریم سے یہ مت خیال کرو کہ سچ مچ مسیح ابن مریم ہی اتر آئے گا، بلکہ یہ نام استعارہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے ورنہ درحقیقت وہ تم میں سے تمہاری ہی قوم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا جو ابن مریم کی سیرت پر پیدا کیا جائے گا.

اور آپ نے ازالہ اوہام میں بصفحہ ۴۴ کہا ہے کہ

. آنحضرت ﷺ لفظ ابن مریم کی تصریح میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہی ہوگا اور تم سے ہی پیدا ہوگا۔ گویا آنحضرت ﷺ نے اس وہم کو رفع کرنے کیلئے جو ابن مریم کے لفظ سے دلوں میں گزر سکتا تھا، مابعد کے لفظوں میں بطور تشریح کے فرمایا کہ اس کو سچ مچ ابن مریم ہی نہ سمجھ لو بل ہو امامکم منکم

اور اسی ازالہ اوہام میں بصفحہ ۲۰۱ اس حدیث کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے

. تمہارا اس دن کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔ اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے۔ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہی (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا.

ان احادیث میں جو تصرّف آپ (مرزا) نے کیا ہے اور انکے معانی کے بیان میں جس افتراء سے کام لیا ہے اس کا بیان جواب کے ضمن مین آئے گا۔ انشاء اللہ تعالی)

آنے والے مسیح کا نسب حدیث میں فارسی الاصل بیان ہوا ہے جو صرف آپ میں پایا جاتا ہے، نہ مسیح بن مریم میں

(آپ فتح الاسلام بصفحہ ۱۴ فرماتے ہیں

. تب فارس کی اصل میں سے ایک ایمان کی تعلیم دینے والہ پیدا ہوگا ۔ اگر ایمان ثریا میں معلق ہوتا تو وہ اسے اس جگہ سے بھی پالیتا .

آپ کا اپنے تیئں اس خیالی حدیث (خیالی اسلیئے کہا گیا ہے کہ واقعی حدیث کے الفاظ اور ہیں) کا مصداق ٹھہرانا اور فارسی الاصل قرار دینا اور اسکے ساتھ مسیح موعود ہونے کا دعوی کرنا، صاف بتاتا ہے کہ آنے والے مسیح کا آپ کے نزدیک فارسی الاصل ہونا آنحضرت ﷺ کی زبان سے بیان ہوا ہے۔

ایسا ہی آپ کے بھوپالی حواری مولوی محمد احسن نے آپ کے کلام سے سمجھا . چنانچہ اپنے رسالہ اعلام الناس کے صفحہ ۵۴ میں کہا ہے

. نسب اس کا صحیح مسلم وغیرہ میں یہ لکھا ہے لو کا ن العلم معلقاً با لثر یا لنا له رجل من ابناء فارس ۔ ایک مرد مسلمان ہوگا اور شریعت قرآنی کے موافق عمل کرے گا اور مسلمانوں کی طرح صوم وصلوۃ وغیرہ احکام فرقانی کا پابند ہوگا اور مسلمانوں میں پیدا ہوگا اور ان کا امام ہوگا اور کوئی جدا گانہ دین نہ لاوے گا اور کسی جدا گانہ نبوت کا دعوی نہیں کرے گا، یہ سب صفات اس مسیح الزمان میں موجود ہیں .

☆ **۱۱۔ دجال موعود کے حق میں جو احادیث میں آیا ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کرے گا اور اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوگا وغیرہ ۔ یہ مشرکانہ اعتقاد ہے اور توحید قرآنی کے مخالف**

(آپ (مرزا) نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۸ میں لکھا ہے

. جب ہم ان دوسری حدیثوں کو دیکھتے ہیں جو دجال معہود کے ظاہر ہونے کا وقت اس دنیا کا آخری زمانہ بتلاتی ہیں تو وہ سراسر ایسے مضامین سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں کہ جو نہ عندالعقل درست وصحیح ٹھہر سکتی ہیں اور نہ عندالشرع اسلامی توحید کے موافق ہیں ۔ چنانچہ ہم نے قسم ثانی کے ظہور دجال کی نسبت ایک لمبی حدیث مسلم کی لکھ کر معہ اس کے ترجمہ کے ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے ۔ ناظرین خود پڑھ کر سوچ سکتے ہیں کہ کہاں تک یہ اوصاف جو دجال معہود کی نسبت لکھے ہیں عقل اور شرع کے مخالف پڑے ہیں ۔ یہ بات بہت صاف اور روشن ہے کہ اگر ہم اس دمشقی حدیث کو اس کے ظاہری معنوں پر حمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودہ خدا و رسول مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیق دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور زمین وآسمان اس کا کہا مانیں گے اور خدا تعالی کی طرح فقط اس کے ارادہ

سے سب کچھ ہوتا جائے گا۔ بارش کو کہے گا۔ ہو۔ تو ہو جائے گی۔ بادلوں کو حکم دے گا کہ فلاں ملک کی طرف چلے جاؤ، تو فی الفور چلے جائیں گے۔ زمین کے بخارات اس کے حکم سے آسمان کی طرف اٹھیں گے اور زمین گو کیسی ہی کلر وشور ہو فقط اس کے اشارہ سے عمدہ اور اول درجہ کی زراعت پیدا کرے گی۔ غرض جیسا کہ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون اسی طرح وہ بھی کن فیکون سے سب کچھ کر دکھائے گا۔ مارنا، زندہ کرنا، اس کے اختیار میں ہوگا۔ بہشت اور دوزخ اس کے ساتھ ہوں گے۔ غرض زمین وآسمان دونوں اس کی مٹھی میں آجائیں گے۔ اور ایک عرصہ تک جو چالیس برس یا چالیس دن ہیں، بخوبی خدائی کام چلائے گا اور الوہیت کے تمام اختیار واقتدار اس سے ظاہر ہوں گے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ مضمون جو اس حدیث کے ظاہر لفظوں سے نکلتا ہے اس موحدانہ تعلیم کے موافق ومطابق ہے جو قرآن شریف ہمیں دیتا ہے۔ کیا صدہا آیات قرآن ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ ناطق نہیں سناتیں کہ کسی زمانہ میں بھی خدائی کے اختیارات انسان ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ مضمون اگر ظاہر پر حمل کیا جائے تو قرآنی توحید پر ایک سیاہ دھبہ نہیں لگاتا۔

اور اس (ازالہ اوہام) کے صفحہ ۲۳۱ میں اس خیال کے شرک ہونے پر ایک نظیر نقل کر کے لکھتے ہیں

سوچنا چاہیے کہ یہ کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہاء بھی ہے، افسوس کہ ان لوگوں کے دلوں پر کیسے پردے پڑ گئے کہ انہوں نے استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے ایک طوفان شرک کا برپا کر دیا ہے۔ اور باوجود قرائن قویہ کے ان استعارات کو قبول کرنا نہ چاہا جن کی حمایت میں قرآن کریم شمشیر برہنہ توحید کی لے کر کھڑا ہے۔

☆ ۱۲۔ حضرت مسیح کی نسبت مسلمانوں کا یہ اعتقاد کہ وہ زندہ آسمانوں پر اٹھائے ہیں اور اب تک وہاں زندہ موجود ہیں اور اپنی دنیاوی زندگی میں مردوں کو زندہ کرتے اور مادرزاد اندھوں کو اور کوڑھی کو اچھا کرتے اور مٹی سے جانور کی شکل بناتے تو وہ پرندہ بن جاتا، احمقانہ اور مشرکانہ اعتقاد ہے۔ اور در حقیقت حضرت مسیح کی روح آسمان پر اٹھائی گئی ہے جیسا کہ اور انبیاء کی۔ اور ان کے مردوں کو زندہ کرنے اور اندھے کوڑھی کو اچھا کرنے سے گمراہوں کو ہدائت کرنا مراد ہے۔

(اشتہار ۲۰ مئی ۱۸۹۱ء میں آپ نے حضرت مسیح کی زندگی کے اعتقاد کو شرک کا ستون قرار دیا

اور یہ لکھا ہے کہ ہمارے گزشتہ علماء نے اس طرف خیال نہیں کیا اور یہ اعتقاد مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں نے برخلاف کتاب اللہ کے ٹھہرالیا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں

. لیکن افسوس کہ ہمارے گزشتہ علماء نے عیسائیوں کے مقابل پھر بھی اس طرف توجہ نہ کی حالانکہ اس ایک ہی بحث میں تمام بحثوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ عیسائی مذہب کا ستون جس کی پناہ میں انگلستان اور جرمن اور فرانس اور امریکہ اور روس وغیرہ کے عیسائی ربنا المسیح ربنا المسیح پکار رہے ہیں۔ صرف ایک یہی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں اور عیسائیوں نے برخلاف کتاب الٰہی یہ خیال کرلیا ہے کہ مسیح آسمان پر مدت دراز سے زندہ ہے، چلا آتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ستون ٹوٹ جائے تو اس خیال باطل کے دور ہوجانے سے صفحہ دنیا یک لخت مخلوق پرستی سے پاک ہوجائے اور تمام یورپ اور ایشیا اور امریکہ ایک ہی مذہب توحید میں داخل ہوکر بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ لیکن میں نے حال کے مسلمانوں مولویوں کو خوب آزمالیا ہے، وہ اس ستون کے ٹوٹ جانے سے سخت ناراض ہیں اور درپردہ مخلوق پرستی کے مؤید ہیں.

(ازالہ اوہام میں بصفحہ ۲۴۱ مذکور ہے

. انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ یہی اعتراض ہمیشہ مسیح پر رہا کہ اس نے کوئی معجزہ تو دکھایا ہی نہیں، یہ کیسا مسیح ہے۔ کیونکہ ایسا مردہ تو کوئی زندہ نہ ہوا کہ وہ بولتا اور اس جہان کا سب حال سناتا اور اپنے وارثوں کو نصیحت کرتا کہ میں تو دوزخ سے آیا ہوں، تم جلد ایمان لے آؤ۔ اگر مسیح صاف طور پر یہودیوں کے باپ دادے زندہ کر کے دکھا دیتا، اور ان سے گواہی دلواتا، تو بھلا کس کو انکار کی مجال تھی۔ غرض پیغمبروں نے نشان تو دکھائے، مگر پھر بھی بے ایمانوں سے مخفی رہے۔ ایسا ہی یہ عاجز بھی خالی نہیں، بلکہ مردوں کے زندہ ہونے کیلئے بہت سا آب حیات خدا تعالی نے اس عاجز کو بھی دیا ہے۔ بے شک جو شخص اس میں سے پئے گا زندہ ہوجائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے کلام سے مردے زندہ نہ ہوں اور اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہو، تو میں خدا تعالی کی طرف سے نہیں آیا .

اور اس (ازالہ اوہام) کے صفحہ ۲۹۵ میں ہے

. بعض لوگ موحدین کے فرقہ میں سے بحوالہ آیت قرآنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بن مریم انواع واقسام کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے تھے،

چنانچہ اس بنا پر اس عاجز پر اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں مثیل مسیح ہونے کا دعوی ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر پھر اس کو زندہ کر کے دکھلا یئے ۔ ان تمام اوہام کا جواب یہ ہے کہ وہ آیات جس میں ایسا لکھا ہے متشابہات میں سے ہیں اور ان کے یہ معنی کرنا کہ گویا خدا تعالی نے اپنے ارادہ اور اذن سے حضرت عیسی کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا، صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے، کیونکہ اگر خدا تعالی اپنی صفات خاصہ الوہیت بھی دوسروں کو دے سکتا ہے تو اس سے اس کی خدائی باطل ہوتی ہے .

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۲ میں ہے

. اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دنوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے کہ جو شعبدہ بازی کی قسم میں سے اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں مصر میں ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور تیار کر کے ان کو زندہ جانوروں کی طرح چلا دیتے تھے وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے ان سے بہت سے ساحرانہ کام سیکھ لئے تھے، جیسا کہ قرآن کریم بھی اس بات کا شاہد ہے، سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالی نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو، کیونکہ حضرت مسیح بن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے .

اور ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۵ میں ہے

. ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل الترب یعنی مسمریزی طریق سے بطور لہو ولعب، نہ بطور حقیقت ظہور میں آ سکیں ، کیونکہ عمل الترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں ۔

انسان کی روح میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گرمی ایک جماد پر، جو بالکل بیجان ہو، ڈال سکتی ہے ۔تب جماد سے وہ بعض حرکات صادر ہوتے ہیں جو زندوں سے صادر ہوا کرتے ہیں۔ .

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۶ میں ہے

. مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے اور عمل الترب سے اپنے روح کی گرمی اس کو پہنچائی جاوے وہ در حقیقت زندہ نہیں ہوتا، بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے ۔صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اس کو جنبش میں لاتی ہے .

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۹ میں ہے

. بہر حال مسیح کی یہ ترّبی کاروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں ۔مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالی کے فضل وکرم سے امید قوی رکھتا تھا کہ اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ تھا۔لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی ﷺ نے قدم مارا ہے ۔اور حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کے فطرت میں مرکوز تھی باذن وحکم الہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔ واضح ہو کہ اس عمل جسمانی کا ایک نہایت برا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغولے میں ڈالے اور جسمانی مرضوں کے رفع دفع کرنے کے لئے اپنی دلی ودماغی طاقتوں کو خرچ کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیروں میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں، بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے اور امر تنویر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے، اس کے ہاتھ سے بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعہ اچھا کرتے رہے، مگر ہدایت اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارے میں ان کی کاروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام رہے ۔حضرت مسیح کے عمل الترب سے وہ مردے زندہ ہوتے تھے یعنی وہ قریب الموت آدمی جو گویا نئے سرے زندہ ہو جاتے تھے، وہ بلاتوقف چند منٹ میں مر جاتے تھے، کیونکہ بذریعہ عمل الترب روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی .

اوراس ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۲۲ میں ہے

. غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ اعتقاد ہے کہ مسیح مٹی کے پرند بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں، بلکہ صرف عمل الترب تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا... بہر حال یہ معجزہ صرف کھیل کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی درحقیقت مٹی ہی رہتی تھی .)

☆ ۱۳۔ حضرت عیسی یا آنحضرت ﷺ کا اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر جانا قانون قدرت (یعنی نیچر) کے برخلاف ہے اور خدا تعالی کا ایسے خوارق دنیا میں دکھانا اپنی حکمت اور ایمان بالغیب کو تلف کرنا ہے

(توضیح المرام کے صفحہ ۹ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

. کفار مکہ نے ہمارے سید و مولی حضرت خاتم الانبیاء سے مانگا تھا کہ آسمان پر ہمارے رو برو چڑھیں اور رو برو ہی اتریں، اور انہیں جواب ملا تھا قل سبحان ربی یعنی خدا تعالی کی شان اس سے پاک ہے کہ ایسے کھلے کھلے خوارق اس دارالابتلاء میں دکھاوے، اور ایمان بالغیب کی حکمت تلف کرے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جو امر آنحضرت ﷺ کے لئے، جو افضل الانبیاء تھے، جائز نہیں اور سنت اللہ سے باہر سمجھا گیا ہو وہ حضرت مسیح کے لئے کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ ۔

اور توضیح المرام کے صفحہ ۶ میں لکھتے ہیں

. قانون قدرت بھی اسی کو چاہتا ہے اور اسی کو مانتا ہے .

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۵ میں لکھتے ہیں

. ماسوائے اس کے اور کئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں جن سے مخلصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ... ازانجملہ ایک یہ اعتراض کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کر رہا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک پہنچ سکے، بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوتی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ پس اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے .

اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محالات میں سے ہے تو

پھر آنحضرت ﷺ کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ وہ نہائت اعلی درجہ کا کشف تھا .

اور اس ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۴۶ میں ہے

. پھر مسیح کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جب کہ تیس چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیوں کر پہنچ گئے .)

☆ ۱۴۔ لیلۃ القدر سے، جس کا ذکر قرآن میں ہے، رات مراد نہیں، بلکہ وہ زمانہ مراد ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہم رنگ ہے۔ اور نبی یا اس کے قائم مقام مجدد کے گزر جانے سے ایک ہزار مہینہ کے بعد آتا ہے۔

(آپ فتح الاسلام میں بصفحہ ۵۴ لکھتے ہیں .

تم سمجھتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے ۔ لیلۃ القدر اس ظلماتی زمانہ کا نام ہے جس کی ظلمت کمال کی حد تک پہنچ جاتی ہے اس لئے وہ زمانہ بالطبع تقاضا کرتا ہے کہ ایک نور نازل ہو جو اس ظلمت کو دور کرے ۔ اس زمانہ کا نام بطور استعارہ کے لیلۃ القدر کہا گیا ہے مگر درحقیقت یہ رات نہیں ہے، یہ زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہم رنگ ہے۔ نبی کی وفات یا اس کے روحانی قائم مقام کی وفات کے بعد جب ہزار مہینہ جو بشری عمر کے دور کو قریب الاختتام کرنے والہ اور انسانی حواس کے الوداع کی خبر دینے والہ ہے، گذر جاتا ہے تو یہ رات اپنا رنگ جمانے لگتی ہے)

☆ ۱۵۔ آیات ذکر سجدہ آدم میں باوا آدم کی طرف سجدہ کرنا مراد نہیں بلکہ ملائکہ کا خدمت انسان کامل بجالانا مراد ہے۔

(توضیح مرام میں بصفحہ ۴۹ کہا ہے

جاننا چاہیے کہ یہ سجدہ کا حکم اس وقت سے متعلق نہیں کہ جب حضرت آدم پیدا کئے گئے بلکہ یہ علیحدہ ملائک کو حکم کیا گیا کہ جب کوئی انسان اپنی حقیقی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچے اور اعتدال انسانی اس کو حاصل ہو جائے اور خدا تعالی کی روح اس میں سکونت اختیار کرے تو تم اس کامل کے آگے سجدہ میں گرا کرو، یعنی آسمانی انوار کے ساتھ اس پر اترو اور اس پر صلوۃ بھیجو ۔ سو یہ قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو خدا اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے)

☆ ۱۶۔ صحیحین (صحیح بخاری و مسلم) کی احادیث سب کی سب صحیح نہیں بلکہ ان میں غیر

صحیح وموضوع بھی ہیں (اس کی تفصیل بعض سابق حواشی میں گذر چکی ہے)

☆ ۱۷۔آپ (مرزا غلام احمد) اپنے کشف والہام کے ذریعہ سے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث کوموضوع ٹھہرا سکتے ہیں

(مباحثہ لودھیانہ جولائی ۱۸۹۱ء کی تحریر نمبر۴ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

.اب جب کہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی بذریعہ کشف کے موضوع ٹھہر سکتی ہے تو پھر کیوں کر ہم ایسی حدیثوں کو ہم پایہءقرآن کریم جان لیں گے۔ ہاں ظنی طور پر بخاری و مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً اکثر ان میں صحیح ہوں گی لیکن کیونکر ہم حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں)

☆ ۱۸۔حدیث صحیح کی (بخاری ومسلم کی کیوں نہ ہو) یہ شان و وقعت نہیں کہ وہ قرآن کریم کی مفسر ومبین ہو سکے اور قصص واخبار و واقعات ماضیہ کے بیان میں بیان قرآن پر زیادتی کر سکے۔

(مباحثہ لودھیانہ جولائی ۱۸۹۱ء کی تحریر نمبر۷ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

وہ (یعنی قرآن) اپنے مقاصد کی آپ تفسیر فرماتا ہے اور اس کی بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہیں، یہ نہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں حدیثوں کا محتاج ہے)

☆ ۱۹۔نصوص قرآن وحدیث کو ان کے ظاہری معانی سے پھیرنا اور اس سے استعارات مراد ٹھہرانا جائز ہے، بلکہ مغز شریعت ہے جو مجدد وقت کا کام ہے۔اور وہ ظاہری علوم سے نہیں ہوسکتا۔

(یہ عقیدہ آپ کے مذہب جدید کا اصل اصول ہے۔آپ اسی اصول سے ہر ایک آیت، ہر ایک حدیث میں تاویل وتحریف کرتے ہیں۔ بعض سابق حواشی کے علاوہ دیکھو فتح اسلام صفحہ ۱۵ جہاں آپ لکھتے ہیں

. خدا تعالی ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے اور طبع اور خاصیت اور استعداد کے لحاظ سے ایک کا نام دوسرے پر وارد کر دیتا ہے.

اور توضیح مرام کے صفحہ ۱۴ میں حدیث قتل خنازیر اور قطع صلیب اور رفع جزیہ کی تاویل اور تحریف کر کے آپ لکھتے ہیں

. یہ سب استعارے ہیں جن کو خدا تعالی کی طرف سے فہم دیا گیا وہ نہ صرف آسانی سے بلکہ

ایک قسم کی ذوق سے ان کو سمجھ جائیں گے۔ ایسے عمدہ اور بلیغ مجازی کلمات کو حقیقت پر اتارنا گویا ایک خوب صورت معشوق کا ایک دیو کی شکل میں خاکہ کھینچنا ہے۔ بلاغت کا تمام مدار استعارات لطیفہ پر ہوتا ہے، اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ کے کلام نے بھی، جو ابلغ الکلام ہے، جس قدر استعاروں کو استعمال کیا ہے اور کسی کے کلام میں یہ طرز لطیف نہیں ہے .

اور فتح الاسلام کے صفحہ ۸ میں آپ لکھتے ہیں

. صرف رسمی اور ظاہری طور پر قرآن شریف کے تراجم پھیلانا یا فقط کتب دینیہ اور احادیث نبویہ کو اردو یا فارسی میں ترجمہ کر کے رواج دینا.... (وغیرہ وغیرہ) یہ ایسے امور نہیں ہیں جن کو کامل اور واقعی طور پر تجدید کہا جائے۔ ایسی ظاہری اور بے مغز خدمتیں ہر ایک باعلم آدمی کر سکتا ہے اور ہمیشہ جاری ہیں۔ ان کو مجددیت سے کچھ علاقہ نہیں .

اور فتح اسلام کے صفحہ ۱۷ میں لکھا ہے

.پس کمال افسوس کی جگہ ہے کہ جس قدر تم رسمی باتوں اور رسمی علوم کی اشاعت کے لئے جوش رکھتے ہو اس کا عشر عشیر بھی آسمانی سلسلہ کی طرف تمہارا خیال نہیں)

☆ **۲۰۔ جو شخص آپ (قادیانی صاحب) کو بایں کمالات مسیحائیت و مجددیت نہ مانے گا وہ ہلاک ہوگا اور آگ میں ڈالا جائے گا اور جس نے آپ کو مانا، وہ ناجی ہوا۔**

(فتح اسلام کے صفحہ ۴۲ میں آپ لکھتے ہیں

. اس نے (یعنی خدا نے) اس سلسلہ کو قائم کرتے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفان ضلالت برپا ہے تو اس طوفان کے وقت میں یہ کشتی تیار کر، جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پائے گا اور جو انکار میں رہے گا اس کے لئے موت درپیش ہے .

اور (فتح اسلام) میں بصفحہ ۵۸ فرماتے ہیں

. اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں، جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی .

اور فتح اسلام کے صفحہ ۶۷ میں لکھتے ہیں

. بلکہ بعض خشک ٹہنیوں کی طرح نظر آتے ہیں جن کو میرا خداوند جو میرا متولی ہے مجھ سے کاٹ کر جلنے والی لکڑیوں میں پھینک دے گا .)

یہ مرزا غلام احمد قادیانی اور آپ کے حواریوں اور ہم مشربوں کے عقائد و مقالات کی چند تمثیلات ہیں۔ بطور مشتے نمونہ از خردار واند کے از بسیار۔ کیونکہ مزید تفصیل کی اس مقام میں گنجائش نہیں۔

اب ان کے طریق عملی کو، جس میں وہ عقائد و مقالات مذکورہ بالا کی تائید کرتے ہیں اور اس سے اصول و مسائل اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں، بیان کیا جاتا ہے۔

عقائد و مقالات مذکورہ کی تائید و ترویج کی غرض سے وہ احادیث صحیحہ کو بلا تردد رد کرتے و غیر صحیح و موضوع قرار دیتے ہیں اور کئی احادیث و آثار واقوال از خود وضع کر کے آں حضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب اور علمائے اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آیات و احادیث نبویہ (جس کو مجبوراً صحیح مانتے ہیں) کی ایسی تاویل اور تحریف کرتے ہیں کہ اس میں نیچریوں اور باطنیوں کو بھی انہوں نے مات کیا ہے۔

ان کے عمل کی تمثیلات و شواہد ان کی عبارات منقولہ سابق میں موجود ہیں۔ اور علاوہ براں چند تمثیلات و شواہد ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

☆ ۱۔ آپ نے احادیث متضمنہ ذکر دجال موعود کو غیر صحیح و موضوع بنانے کی غرض سے آنخضرت ﷺ پر یہ افتراء کیا ہے کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمیں اس کے (یعنی ابن صیاد کے) حال میں ابھی تک اشتباہ ہے۔ یہ فقرہ بقلم جلی آپ کے رسالہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۵ میں بعینہ موجود ہے۔ اور مباحثہ لدھیانہ (جولائی ۱۸۹۱ء) کی تحریر نمبر ۴ میں آپ نے لکھا ہے کہ آنخضرت ﷺ نے آپ بھی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں (یہ بھی مرزا قادیانی ہی کے الفاظ ہیں) حالانکہ کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں یہ قول آنخضرت ﷺ سے منقول نہیں۔ اور آپ سے مباحثہ لدھیانہ میں آنخضرت سے اس قول کے مروی ہونے کا ثبوت طلب کیا گیا تو آپ نے جابر بن عبداللہ کا یہ قول کہ آنخضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے رہے جو شرح السنہ میں مروی ہے، اور وہ آنخضرت ﷺ کا قول نہیں ہے، پیش کیا اور آخر مباحثہ تک آنخضرت ﷺ سے اس قول کا ثبوت نہ دیا۔

☆ ۲۔ اس حدیث کو موضوع ٹھہرانے کی غرض سے آپ نے ایک حدیث کو وضع کیا اور اس میں صحابہ پر افتراء کیا اور طرفہ یہ ہے کہ اس حدیث کو صحیح مسلم میں موجود بتایا۔ چنانچہ

مباحثہ لودھیانہ تحریر نمبر ۴ میں آپ نے لکھا ہے کہ ایک اور حدیث مسلم میں ہے جس میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ دجال معہود ابن صیاد ہی ہے۔ حالانکہ صحیح مسلم میں اس حدیث کا نام ونشان نہیں جس میں اجماع صحابہ کا ذکر ہو یا اشارہ ہو۔ مباحثہ لودھیانہ میں آپ سے اس حدیث اور اجماع کی سند پوچھی گئی تو آپ نے حضرت ابوسعید خدری کے اس قول کی کہ ابن صیاد نے ان کے پاس شکائت کی کہ لوگ اس کو دجال معہود سمجھتے ہیں، نشاندہی کی، جس میں نہ اس اجماع کا صریح ذکر پایا جاتا ہے نہ اس کی طرف وہاں کوئی اشارہ ہے۔ صرف غیر معین لوگوں کا ابن صیاد کو دجال کہنا مفہوم ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں بہت سے صحابہ کا، جن میں خود ابوسعید خدری داخل ہیں، ابن صیاد کو دجال موعود نہ سمجھنا بلکہ اور شخص کو دجال موعود سمجھنا اسی مسلم کی احادیث سے ثابت ہے۔

☆ ۳۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کو (جس میں حضرت مسیح کا دمشق کے قریب اترنا بیان ہوا ہے) موضوع قرار دینے کی غرض سے آپ نے ایک افتراء بعض علماء امت پر کیا اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۸ میں لکھا ہے کہ

> بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت مسیح نہ بیت المقدس میں اترے گا، اور نہ دمشق میں، بلکہ وہ مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اترے گا جہاں حضرت مہدی ہوں گے۔

حالانکہ علماء اسلام سے ایسا کوئی معلوم نہیں ہوا جس نے یہ بات کہی ہو کہ حضرت مسیح نہ بیت المقدس میں اترے گا اور نہ دمشق میں۔ بلکہ علمائے اسلام نے ان سبھی مقامات کو ایک مقام قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت مسیح بیت المقدس میں اتریں گے۔

ابن ماجہ کے حاشیہ میں بصفحہ ۳۰۶ لکھا ہے

قال الحافظ ابن كثير وقد ورد في بعض الاحاديث ان عيسى عليه السلام ينزل ببيت المقدس وفي روا ية بالاردن وفي روا ية بمعسكر المسلمين فالله اعلم قلت حديث النزو ل ببيت المقدس عند المصنف و هو عند ی ارجح و لاينافي سائرالروايات لان بيت المقدس هوشرقي دمشق و هومعسكر المسلمين اذ ذا ك والاردن اسم الكو رة كذا في الصحاح و بيت المقدس داخل له فاتفقت الروايات فا ن لم يكن في بيت المقدس الان منارة بيضاء فلابد ان تحدث قبل نزو له ۔

کہ بیت المقدس دمشق سے مشرق میں ہے، وہیں مسلمانوں کا لشکر ہوگا اور وہ اردن ہی کے علاقہ میں ہوگا، اسی جگہ خداتعالی منارہ سفید بنادے گا۔ ملخص۔

لودھیانہ کے مباحثہ میں آپ سے اس قول . بعض علماء . کا ثبوت طلب کیا گیا۔ تو آپ نے ایسا جواب دیا جس سے آپ کے اس افتراء کا اوریقین ہوا۔

☆ ۴ ۔ اس حدیث صحیح مسلم اوردیگر احادیث نزول حضرت مسیح میں تحریف وتاویل کرنے کی غرض سے ایک افتراء آپ نے آنخضرت ﷺ پر یہ کیا اور کہا ہے کہ آنخضرت ﷺ نے اس حدیث کی نسبت جس میں دجال کوکعبہ کا طواف کرتے دیکھا اوراس میں (اس کوابن قطن کے مشابہ کہا) صاف اورصریح طور پرفرمایاہے کہ

یہ میراایک مکاشفہ یاایک خواب ہے ۔(ازالہ اوہام۔ ص ۲۰۶)۔

اور کہا ہے کہ آنخضرت ﷺ صاف اورصریح طور پرفرماتے ہیں کہ

میرا یہ ایک کشف یاخواب ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۲۰۷)۔

اور کہاہے آنخضرت ﷺ خوداس بات کا اقرارفرماتے ہیں کہ

. یہ سب بیانات میرے مکاشفات میں سے ہیں..(ازالہ اوہام ۔ص ۲۳۲)

حالانکہ کسی حدیث میں آنخضرت ﷺ سے یہ اقوال مروی نہیں۔ حدیث میں آنخضرت ﷺ کا دجال کوطواف کرتے دیکھنا، اورابن قطن سے تشبیہ دینامروی ہے، اس کوتسلیم کرلیاجائے کہ وہ ایک خواب یاکشف کاواقعہ ہے تو کوئی شخص (جس کودین سے تعلق ہواورکذب سے احتراز) اس کوآنخضرت ﷺ کاقول اورصاف وصریح اقرارنہیں ٹھہرا سکتا۔

اس افتراء سے آپ کی غرض (جس کوآپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۳۲ میں ظاہر کیا ہے) یہ ہے کہ اسی پرحدیث دمشقی وغیرہ کوقیاس کریں اوران کوبھی ایک خواب یامکاشفہ قراردے کر تعبیر اورتاویل کامحتاج بنادیں اوران کے ظاہری معنی سے ان کوپھیرسکیں (اس کی تفصیل مباحثہ لدھیانہ جولائی ۱۸۹۱ء کے حواشی میں ہے) جوکمال جرئت ومحض افتراء ہے۔

☆ ۵ ۔ان احادیث نزول حضرت مسیح میں تحریف اورتاویل کی غرض سے آپ نے اس حدیث کے ترجمہ میں، جس میں یہ بیان ہے کہ عنقریب ابن مریم حاکم عادل ہوکرنزول کریں گے آنخضرت ﷺ پرایک سوال وجواب کا افتراء کیا۔ اورازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۱ میں آنخضرت ﷺ سے نقل کیا ہے

. تمہارا اس دن کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہوگا، اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے، وہ تمہارا ہی امام ہوگا۔ اور تم ہی میں سے (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا۔

اور ازالہ اوہام میں لفظ بل ہو اپنے مجوزہ جواب میں از خود ملا کر وضع لفظ حدیث کا بھی ارتکاب کیا اور لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو سچ مچ ابن مریم ہی نہ سمجھ لو، بل ہو امامکم منکم ۔ حالانکہ اس حدیث کے کسی طریق میں آنحضرت ﷺ سے یہ سوال جواب منقول نہیں ہے۔ اور نہ لفظ بل ہو اس حدیث میں آنحضرت ﷺ مروی ہے۔ اس سوال و جواب کے افتراء سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ جو ظاہر حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام آئیں گے تو اس وقت مسلمانوں کا امام موجود ہوگا (جس سے عام اہل اسلام کے اعتقاد میں امام مہدی مراد ہیں) اور وہ آپ کے خیال اور دعووں کی جڑ کاٹ رہا ہے کیونکہ اس وقت امام مہدی موجود نہیں تو آپ مسیح موعود کیوں کر بن سکتے ہیں؟ اس کا جواب ادا ہو۔

یہ سوچ کر آپ نے چاہا کہ چلو امام مہدی بھی ہم خود ہی بن جائیں اور حدیث کے یہ معنی گھڑ لیں کہ جو مسیح آئے گا وہی امام مہدی ہوگا۔ اور یہ سوال و جواب بنایا، اور جواب میں لفظ بل ہو بڑھایا اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا، مگر یہ نہ سوچا کہ دوسری حدیث صحیح مسلم میں صاف آیا ہے

عن جابر بن عبداللہ یقول سمعت النبی ﷺ یقول لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامة قال فینزل عیسی ابن مریم ﷺ فیقول امیر ہم تعال صلّ لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة اللہ ہذہ الامة ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷ کتاب الایمان ۔ باب نزول عیسی حاکماً بشریعة نبینا ۔

کہ عیسی بن مریم اتر آئیں گے تو ان کا (یعنی مسلمانوں کا) امیر (یعنی امام) ان کو کہے گا کہ آپ نماز پڑھائیں وہ (اس امام کو) یہ جواب دیں گے، نہیں۔ امیر (یعنی امام) تم ہی میں سے ہونا چاہیے۔ یہ کہنا اس امت محمد یہ کے اعزاز واکرام کیلئے ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کو حاصل ہے۔

اس قسم کی تاویلات وتحریفات اور رد نصوص و وضع احادیث واقوال آپ کے طریق عملی میں اور بھی بکثرت پائی جاتی ہیں اور آپ کی تصانیف کے صدہا صفحات میں موجود ہیں۔

ان چند امثلہ وعقائد ومقالات وطریق عملی میرزا قادیانی کو پیش کر کے علمائے اسلام سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آیا وہ ان عقائد ومقالات وطریق عملی میں اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت کا پابند وپیرو ہے، یا اس سے خارج ؟

☆ بشق اول علمائے ربانی، نصوص کتاب وسنت واقوال سلف امت اہل قرون ثلاثہ اس کی تائید میں نقل کریں ۔قرون ثلاثہ کے مابعد کے علماء یا صوفیوں کے اقوال بلا دلیل کتاب اللہ وسنت معرض نقل میں نہ لاویں ۔

☆ بشق ثانی وہ علمائے ربانیین یہ فرمائیں کہ ان عقائد ومقالات اور طریق عملی خصوصاً اس کے دعوی نبوت واشاعت اکاذیب ووضع احادیث کاذبہ ورد احادیث صحیحہ و تحریف معانی نصوص کی نظر سے اس کو من جملہ ان تیس دجالوں کے، جن کے خارج ہونے کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے، ایک دجال اور اس کے ان عقائد وخیالات وطریق عملی میں اس کے پیروان وہم مشربوں کو ذریات دجال کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

☆ اور ایسے عقائد ومقالات وطریق وعملی کے ساتھ کوئی شخص شرعاً وعقلاً ولی و ملہم و محدث ومجدد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ابو سعید محمد حسین

جواب استفتاء

ان عقائد ومقالات اور اس طریق عملی میں مرزا قادیانی پابندیء اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت سے خارج ہے کیونکہ یہ عقائد ومقالات وطریق عملی اسلامی وسنی نہیں بلکہ ازاں جملہ بعض عقائد ومقالات یونانی فلاسفہ کے ہیں، بعض ہندوؤں پیروان وید کے، بعض نیچریوں کے، بعض نصاری کے، بعض اہل بدعت وضلالت کے۔ اور اس کا طریق عملی ملحدین باطنیہ وغیرہ اہل ضلال کا طریق ہے۔

(باطنیہ ایک ملحد فرقہ کا نام ہے جس کی تاویلات کی چند تمثیلات بیان کی جاتی ہیں۔جن سے ناظرین کو یقین ہو کہ مرزا غلام احمد اور اس کے اتباع کی تاویلات اسی قسم کی تاویلات ہیں اور سب کا طریق

ایک ہے۔

ملاحدہ سبعیہ کا یہ مذہب ہے کہ وضو سے امام وقت کی دوستی مراد ہے اور زکوۃ سے تزکیہ نفس، اور کعبہ سے ذات نبی ﷺ۔ اور صفا مروہ سے جناب امامین حسن وحسین علیہما السلام۔ اور احتلام سے افشائے اسرار امام وقت۔ اور غسل سے امام وقت کے جناب میں دوبارہ عہد وبیعت کرنا۔ اور جنت سے جسم کو آسائش وآرام دینا۔ اور دوزخ سے تکلیفات اٹھانا وغیرہ۔

اسی طرح ملاحدہ باطنیہ کی یہ رائے ہے کہ روزہ، نماز، حج، زکوۃ، خلفائے ثلاثہ کے من گھڑت احکام ہیں اور روزہ رمضان خاص بدعت عمری ہے۔

ملاحدہ منصوریہ کہتے ہیں کہ جنت سے امام وقت اور دوزخ سے اس کے دشمن مراد ہیں۔ جیسے ابوبکر وعمر وغیرہ وغیرہ۔

جناب شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں کہ مطیع باللہ عباسی کے عہد میں ان فرقوں کو بایں عقل وشعور نہائت غلبہ اور کمال تسلط حاصل تھا۔ جس کے بعد انہوں نے ایک عالم کو گمراہ کیا، دانشمندوں کو ایک قسم کی عبرت حاصل ہونے کا مقام ہے)

☆ اور اس کے دعوی نبوت اور اشاعت اکاذیب اور اس ملحدانہ طریق کی نظر سے یقیناً اس کو ان تیس دجالوں میں سے، جن کی خبر حدیث میں وارد ہے، ایک دجال کہہ سکتے ہیں اور اس کے پیروان وہم مشربوں کو ذریات دجال۔ یہ لوگ دجال نہ ہوں تو پھر احادیث نبویہ کا جن میں تیس دجالوں کذابوں کی خبر دی گئی ہے کوئی مصداق نہیں ہوسکتا۔

☆ اور اس اعتقاد وعمل کے ساتھ کوئی شخص شرعاً وعقلاً ولی وملہم ومحدث نہیں ہوسکتا۔ اس عمل واعتقاد کا شخص خدا کا ملہم ومخاطب ہو تو انبیاء وملہمین سابقین کا الہام بے اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل بطور تمثیل ذیل میں معروض ہے۔

قادیانی کا کواکب وسیارات وافلاک کے لئے نفوس وارواح تجویز کرنا یونانیوں کے فلاسفہ اشراقیین وہندوان پیروان وید کا مذہب ہے (چنانچہ مرزا قادیانی اس امر کا صفحہ ۴۳ توضیح المرام میں خود معترف ہوا ہے)۔ اسلام نے یہ اعتقاد مسلمانوں کو نہیں سکھایا۔ اور قرآن و حدیث میں جو اسلام کے اصل اصول ہیں اس کا کہیں ذکر پایا نہیں گیا اور جو بعض متأخرین صوفیہ نے بہ تقلید فلاسفہ یا اپنے مشاہدہ ومکاشفہ سے ان ارواح کو تسلیم کیا ہے وہ مذہب اسلام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کتاب وسنت میں اس اعتقاد کا ثبوت پایا نہیں جاتا اور ان صوفیوں نے

خود بھی اس اعتقاد کو اعتقاد یا مذہب اسلام قرار نہیں دیا۔ صرف اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ لہذا ان صوفیوں کا مکاشفہ سے وجود ان ارواحوں کو تسلیم کرنا اس اعتقاد کو داخل اسلام نہیں بنا سکتا اور اگر کوئی نا واقف اس مذہب و اعتقاد کو جزء اسلام قرار دے تو وہ بحکم حدیث من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فھو رد (جو شخص ہمارے دین میں وہ عمل یا اعتقاد از خود پیدا کرے جو بحکم قرآن و حدیث اس میں نہ ہو تو وہ لائق رد ہے) قادیانی کے اس خیال کا بطلان ان نصوص و اقوال سے بھی ہو گا جو اس کے اقوال آئندہ کے ابطال کے لئے پیش کئے جائیں گے۔

☆ اور قادیانی کا نفوس فلکیہ و ارواح کواکب کو ملائکہ کہنا بھی ان فلاسفہ کا احداث ہے جو فلسفہ کے ساتھ اسلام کے قائل ہیں، انہوں نے فلسفہ کو اسلام سے ملایا ہے اور ٹن زیب میں گاڑھے کا پیوند لگانا چاہا ہے۔ کتاب اللہ و سنت میں کہیں اس مذہب کا ثبوت پایا نہیں جاتا۔

امام رازی نے ملائکہ کے متعلق لوگوں کے مذاہب بیان کئے ہیں تو ان میں فلاسفہ کا یہ مذہب بیان کیا ہے کہ وہ ارواح کواکب ہیں، چنانچہ فرمایا ہے

ثانیھما قول الفلاسفة و ھی انھا جواہر قائمة بانفسھا لیست بمتحیزة البتة و انھا بالماہیة مخالفة لانواع النفوس الناطقة البشریة و انھا اکمل قوة منھا و اکثر علماً منھا و انھا للنفوس البشریة جاریته مجری الشمس بالنسبة الی الاضواء ثم ان ہذہ الجواہر علی قسمین منھا ماھی بالنسبة الی اجرام الافلاك و الکواکب کنفوسنا الناطقة بالنسبة الی ابداننا و منھا ماھی لا علی شیء من تدبیر الافلاك بل ہی مستغرقة فی معرفة اللہ و محبتہ مشتغلة بطاعتہ و ہذا القسم من الملائکة ھم المقربون و نسبتھم الی الملائکة الذین یدبرون السماوات کنسبة اولئک المدبرین الی نفوسنا الناطقة فھذان القسمان قد اتفقت الفلاسفة علی اثباتھما و منھم من اثبت نوعاً آخر من الملائکة و ھی الملائکة الارضیة المدبرة لاحوال ہذا العالم السفلی ثم ان المدبرات لھذا العالم ان کانت خیرة فھم الملائکة و ان کانت شریرة فھو الشیاطین۔ (تفسیر کبیر۔ ج اول۔ ص ۳۳۷)۔

کہ دوسرا فلاسفہ کا قول ہے کہ ملائکہ جواہر یعنی بذات خود قائم ہیں مگر وہ کسی حیز (مکان)

میں جاگزیں نہیں ہوتے اوران کی حقیقت انسانی نفوس کی حقیقت سے مخالف ہے وہ ان سے قوی تر اور علم میں بڑھ کر ہیں۔ ان کو انسانی نفوس سے وہ نسبت ہے جو روشنی کو سورج سے نسبت ہے۔ پھر یہ جواہر دو قسم کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو افلاک و کواکب سے وہ نسبت ہے جو ہمارے نفوس ناطقہ کو ہمارے بدنوں سے ہے اور بعض ایسے ہیں جن کو اجرام فلکیہ کی تدبیر سے کچھ تعلق نہیں ہے (یعنی وہ اس کے مدبر نہیں) بلکہ وہ اللہ کی معرفت اور محبت میں مستغرق اور اسکے حکم کی بجا آوری میں مشغول ہیں۔ اس قسم کے ملائکہ مقربین کہلاتے ہیں۔ ان کے ملائکہ مدبرین افلاک کو ہمارے نفوس ناطقہ سے نسبت ہے ان دونوں قسموں کے ماننے پر فلاسفہ کا اتفاق ہے بعض فلاسفہ ایک اور قسم ملائکہ کو بھی مانتے ہیں۔ وہ زمین کے ملائکہ ہیں جن کو عالم سفلی کی تدبیر سے تعلق ہے۔ پھر یہ (عالم سفلی کے مدبر) اگر اچھے ہیں تو وہ ملائکہ کہلاتے ہیں اور اگر برے ہیں تو شیاطین ہیں۔

☆ اور قادیانی کا جملہ حوادث وکائنات عالم کو ستاروں کی تاثیر سمجھنا بھی فلاسفہ اور نجومیوں اور ہندوؤں اور مجوسیوں اور ثنویہ اور بت پرستوں کا مذہب ہے۔ ہندوان قائلین وید کا قائل تاثیر ہونا تو قادیانی نے خود توضیح مرام کے صفحہ ۳۲ میں بیان کیا ہے۔ بت پرست اور مجوس وثنویہ کا قائل ہونا امام رازی کی تفسیر سے نقل کیا جاتا ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر کے صفحہ ۳۷۷ میں فرماتے ہیں

و ثانیهما قول طوائف من عبدة الاوثان و هو ان الملائكة هی الحقيقة فی ہذه الكواكب الموصوفة بالاسعاد و الانحاس فانها بزعمهم احياء ناطقة و ان المسعدات منها ملائكة الرحمة و المنحسات ملائكة العذاب و ثالثها قول معظم المجوس و الثنوية و هو ان ہذا العالم مركب من اصلين ازليين و هما النور و الظلمة و هما فی الحقيقة جوہران شفافان مختاران قادران متضاد الجنس و الصورة مختلفا الفعل و التدبير فجواہر النور فاضل خير تقی طبيب الريح كريم النفس يسر و لا يضر و ينفع و لا يمنع و يحی و لا يبلی و جوہر الظمة علی ضد ذالک ثم ان جوہر النور لم يزل يولد الاولياء و هم الملائكة لا علی سبيل

التناكح بل علی سبیل تو لد الحکمة من الحکیم و الضوء من المضیی و جو ہر الظلمة لم یز ل یو لد الاعداء و ھم الشیا طین علی سبیل تو لد السفه من السفیه لا علی سبیل التنا کح ۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۷۔)

کہ دوسرا قول کئی بت پرست جماعتوں کا ہے، وہ یہ کہ ملائکہ درحقیقت یہ ستارے ہیں جو سعد اور نحس کہلاتے ہیں ۔ان کے اعتقاد میں یہ ستارے زندہ ہیں اور گویا ہیں ۔ اوران میں جو سعد (نیک) ہیں وہ رحمت کے ملائکہ کہلاتے ہیں اور جو نحس ہیں وہ عذاب کے فرشتے ۔تیسرا قول اکثر مجوس اور ثنو یہ کا ہے (جو عالم کے دو خالق مانتے ہیں) وہ کہتے ہیں عالم درحقیقت دو اصول (مادہ) سے مرکب ہے جو ہمیشہ سے چلے آتے ہیں ۔ان میں ایک نور ہے دوسرا اندھیرا۔اور وہ حقیقت میں جو ہر شفاف ہیں،خود مختار قادر جنس وصورت میں باہم مختلف فعل و تدبیر میں جداگانہ ۔سو نور کا جو ہر بہتر اور سنہرا اور سخی ہے، خوش کرتا ہے،ضرر نہیں پہونچاتا، نفع دیتا ہے، فائدہ کو نہیں روکتا، زندہ کرتا ہے، مارتا اور بوسیدہ نہیں کرتا ۔اندھیرے کا جو ہر اس کے مخالف ہے ۔ پھر نور کے جو ہر سے ہمیشہ دوست پیدا ہوتے ہیں ۔ جیسے حکیم سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور روشن چیز سے روشنی اور وہ ملائکہ کہلاتے ہیں اور اندھیرے کے جو ہر سے دشمن پیدا ہوتے ہیں جیسے احمق سے حماقت پیدا ہوتی ہے اور وہ شیاطین کہلاتے ہیں ۔

قادیانی نے بڑی جرئت کی ہے کہ ان باتوں کو قرآن سے ثابت بتایا ہے ۔اس جرئت میں قادیانی نے خدا پر افتراء کیا ہے ۔کسی آیہ قرآن میں یہ ارشاد نہیں ہوا کہ کواکب و سیارات کے لئے ارواح ہیں اور کائنات الارض کے وجود میں مؤثر ہیں اور وہی ملائکہ ہیں جو انبیاء وغیرہ ملہمین کی روحانی تربیت کر رہے ہیں ۔اور نہ آنحضرت ﷺ نے کہیں یہ ارشاد فرمایا ہے ۔اور اعتقاد تاثیر کواکب کو تو قرآن شریف نے اشارۃً اور آنحضرت ﷺ نے صراحتاً ناشکری و کفر قرار دیا ہے ۔قرآن میں ارشاد ہے و تجعلو ن رز قکم انکم تکذ بو ن ۔ (واقعہ۔ ع ۲)۔ (کیا تمہاری یہی شکر گزاری ہے کہ تم خدا کو جھٹلاتے ہو) جو بارش ہوتی ہے تو یہ کہتے ہو کہ فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے ۔

صحیحین میں آنحضرت ﷺ سے ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے

عن زید بن خا لد الجھنی انه صلی لنا رسول الله ﷺ صلوۃ الصبح

بالحديبية على اثر سماء كا نت من ا لليلة فلما انصرف النبى ﷺ اقبل على الناس فقا ل هل تدرو ن ما ذا قا ل ربكم قا لوا الله و رسو له اعلم۔ قال قال اصبح من عبادى مو من بى و كا فر۔ فا ما من قا ل مطر نا بفضل الله و ر حمته فذا لک مو من بى و كافر با لكوا كب و اما من قا ل بنوء كذا فذا لک كا فر بى و مو من با لكوا كب (بخاری۔ص ۴۱۔ مسلم۔ ۵۹)

کہ مقام حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے بارش کے بعد صبح کی نماز پڑھائی تو اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آیا تم جانتے ہو کہ خدا تعالی نے کیا فرمایا ہے۔ اصحاب بولے کہ اللہ اور اللہ کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں کوئی مجھ پر ایمان لاتا ہے اور کوئی کافر ہوتا ہے۔ سو جو یہ کہے کہ ہم پر خدا کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والہ ہے اور ستاروں سے منکر اور جو یہ کہے کہ فلاں ستارہ کے فلاں مقام پر پہنچنے کے سبب بارش ہوئی ہے تو وہ ستاروں پر ایمان لاتا ہے اور مجھ سے کافر ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے

عن ابن عباس قا ل مطر الناس على عهد رسو ل الله ﷺ فقا ل النبى ﷺ اصبح من الناس شا كر و منهم كا فر قا لوا هذه ر حمة الله و قا ل بعضهم لقد صدق نوع كذا و كذا قا ل قا ل فنز لت هذه ا لآ ية فلا اقسم بموا قع النجو م حتى بلغ و تجعلو ن رز قكم انكم تكذ بو ن (مسلم۔ص ۵۹)۔

آنحضرت ﷺ کے وقت میں بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا خدا تعالی فرماتا ہے میرے بندوں سے کوئی شاکر ہے کوئی کافر۔ شاکر کہتے ہیں یہ بارش خدا کی رحمت ہے۔ بعض کافر کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کا غروب سچا نکلا جو بارش ہوئی۔ اس پر آیات اتریں فلا اقسم بمواقع ..۔

امام نووی شرح مسلم کے صفحہ ۵۹ میں فرماتے ہیں

اما معنى الحديث فا ختلف العلماء فى كفر من قا ل مطر نا بنو ء كذا على قو لين احد هما هو كفر با لله تعا لى سا لب لا صل الا يمان مخر ج من ملة الاسلام قا لو و هذا فى من قال ذا لک معتقداً ان الكوا كب فاعل

منشیء للمطر کما کا ن بعض اہل الجا ہلیة یز عم و من اعتقد ہذا فلا شک فی کفرہ و ہذا القول الذی ذہب الیه جما ہیر العلماء و الشا فعی منهم و هو ظا ہر الحدیث قا لوا و علی ہذا لو قا ل مطر نا بنوء کذا معتقداً انه من الله و بر حمته و ان النوء میقا ت له و علا مة اعتبار بالعادة فکا نه قا ل مطر نا فی وقت کذا فهذا لا یکفر و اختلفوا فی کراہته و الا ظہر کرا هته لکنها کرا هة تنز یهة و سبب الکرا ہة انها کلمة متر ددة بین الکفر و غیرہ فیساء الظن بصا حبها ولا نها شعار الجا ہلیة و من سلک مسلکم و القول الثا نی فی اصل تا ویل الحدیث ان المراد کفر نعمة الله تعا لی لا قتصادہ علی اضا فة الغیث الی الکوا کب و ہذا لا یعتقد تد بیر الکوا کب (شرح مسلم۔ ص ۵۹) ۔ کہ جو یہ کہے کہ فلاں ستارہ کے سبب بارش ہوئی، اس کے کفر کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں ۔ اول یہ کہ یہ خدا کے ساتھ کفر ہے ایمان کو دور کرنے والہ، اسلام کے دائرہ سے نکالنے والہ ۔ یہ قول اس شخص کے حق میں ہے جو اعتقاد رکھے کہ ستارہ بارش کا فاعل اور مد بر ہے، اس کی تا ثیر سے بارش ہوتی ہے، جیسا کہ جاہلیت میں خیال کیا جا تا تھا ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے کفران نعمت (یعنی ناشکری) مراد ہے ۔ یہ قول اس شخص کے حق میں ہے جو ستارہ کو مد بر و مؤثر نہ سمجھے یعنی صرف علامت ظہور تا ثیر خداوندی خیال کرے ۔ ملخص ۔

فتح الباری (ج ۲ ص ۴۳۴) شرح صحیح بخاری میں ہے

و کا نوا فی الجا ہلیة یظنو ن ان نز ل الغیث بواسطة النوء اما لصنعه علی زعمهم و اما بعلا مته فا بطل الشرح قو لهم و جعله کفراً فان اعتقد قا ئل ذا لک ان النوء صنعاً فی ذا لک فکفرہ کفر یشریک و ان اعتقد ان ذا لک من قبیل التجر بة فلیس بشر ك لن یجوز ا طلاق الکفر علیه و ارادة کفر النعمة لا نه لم یقع فی شیء من طرق الحد یث بین کفر الکفر و الشکر واسطة فیعمل الکفر فیه علی المعنیین لتناول الا مرین ۔

کہ ایام جاہلیت میں یہ اعتقاد تھا کہ بارش ستاروں کے فعل سے یا ان کی (مقررہ) علامت سے ہوتی ہے ۔ سو شارع نے ان دونوں خیالوں کو باطل کیا اور کفر ٹھہرایا ۔ سو

اگر یہ اعتقاد ہو کہ فعل ستارہ کا اس میں دخل ہے تو یہ مشرکانہ کفر ہے اور اگر صرف یہ اعتقاد ہو کہ تجربہ کی رو سے ہے تو یہ شرک نہیں مگر اس کو کفر بمعنی ناشکری کہہ سکتے ہیں۔

ان احادیث سے بہ شہادت اقوال علماء صاف ثابت ہے کہ ستاروں کو بارش میں مؤثر وسبب وجود سمجھنے کو آنحضرت ﷺ نے کفر قرار دیا ہے، اس کو کفر ملت سمجھیں یا کفر نعمت۔

☆ اب اور حوادث وکائنات میں تاثیر نجوم کے اعتقاد کا کفر ہونا ثابت کیا جاتا ہے

ایک حدیث میں ہے

عن ابن عباس قا ل قا ل رسول الله ﷺ من اقتبس علماً من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد۔ رواه ابو دائود و احمد و ابن ما جه

(۔مشکوۃ۔ ص ۳۸۵) آپ ﷺ نے فرمایا جس نے علم نجوم سے کچھ حاصل کیا اس نے سحر کا ایک شعبہ حاصل کیا، جس قدر اس میں ترقی کرے گا سحر میں زیادتی کرے گا۔

ایک حدیث یوں ہے

عن ابن عباس قا ل قا ل رسول الله ﷺ من اقتبس با باً من علم النجوم لغير ما ذكر الله فقد اقتبس شعبة من السحر المنجم كا هن و الكا هن ساحر و السا حر كا فر۔ رواه رزين۔ (مشكوة۔ ص ۳۸۶)۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علم نجوم کا کوئی باب (حصہ) حاصل کیا یعنی اس کی تاثیرات وفوائد کا علم سیکھا بجز ان فوائد کے جو خدا تعالی نے بیان کئے ہیں (چنانچہ قتادہ کی روایت میں ان کی تفسیر عنقریب آتی ہے) اس نے سحر کا ایک شعبہ حاصل کیا اور نجومی (اس علم کو حاصل کرنے والہ اور اس کا معتقد) کاہن ہے اور کاہن ساحر ہے اور ساحر کافر ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے

و اما ا لا نواء و النجو م فلا يبعد ان يكو ن لهما حقيقة ما فا ن الشر ع انما با لنهى عن الاشتغا ل به لا نفى الحقيقة البتته و انما توا رث السلف الصالح تر ك و الاشتغا ل به و ذم السمتغلين و عدم القول بتلك التاثيرات لا القول با لعدم اصلا و لكن النا س جميعاً تو غلوا فى هذا العلم تو غلا شديداً حتى صار مظنة لكفر الله و عدم ا لايما ن به فعسى ان لا يقول صا حب تو غل هذا العلم مطر نا بفضل الله و ر حمته من

صمیم قلب بل یقول مطر نا بنوء کذا و کذا فیکو ن صادا عن تحققه بالایمان الذی هو ا لاصل فی النجا ة و اما النجو م فا نه لا یضر جهله اذالله مد بر للعا لم علی حسب حکمته علمه احد و لم یعلم فلذا لک و جب فی الملة ان یخمل ذکره و ینهی من تعلمه و یجهر با ن من اقتبس علما من النجو م اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد و مثل ذا لک مثل التوراة و ا لا نجیل شدد النبی ﷺ علی من اراد ان ینظر فیهما لکو نهما محر فة و مظنة لعدم ا لا نقیاد للقر آ ن العظیم و لذا لک نهوا عنه ہذا ما ادی الیه رئنا و تفحصنا فا ن ثبت من السنة ما یدل علی خلا ف ذا لک فا لا مر علی ما فی السنة ۔ (حجة الله البا لغه۔ ص ۳۷۷)۔

کہ حقیقت نجوم کو ممکن تسلیم کرنے اور ان کی تا ثیرات کو غیر مستبعد ماننے کے ساتھ علم نجوم سے شغل ترک کرنا اور اس شغل والے کو برا سمجھنا اور نجوم کی تا ثیرات کا قائل و معتقد نہ ہونا سلف صالحین سے متوارث چلا آیا ہے اور اس علم میں توغل مظنہ کفر ہے اور پیغمبر، صاحب ملت کا یہ فرض تھا کہ اس کے ذکر کو مٹا وے اور اس کے سیکھنے سے لوگوں کو روک دے اور پکار کر یہ کہہ دے کہ جو شخص اس علم سے کچھ حاصل کرتا ہے وہ سحر کا ایک شعبہ حاصل کرتا ہے۔

شاہ صاحب کا کلام اس باب میں ایک نص قطعی ہے کہ شریعت اور اسلام میں نجوم کی تا ثیرات کے اعتقاد سے منع کیا گیا ہے۔ گو نفس الا مر میں خدا تعالی نے ان میں تا ثیرات رکھے ہوں اور وہ واقعی و ممکن و غیر مستبعد ہوں

اور صحیح بخاری میں ہے

با ب فی النجو م و قا ل قتاده لقد زینا السماء الد نیا بمصابیح خلق ہذه النجو م لثلث جعلها زینة للسماء و ر جو ماً للشیا طین و علا ما ت یهتدی بها فمن تا ول فیها بغیر ذا لک اخطا و اضا ع نصیبه و تکلف ما لا علم له به ۔ بخاری ص ۴۵۴ ۔

و فی روا یة رزین تکلف ما لا یعنیه و ما لا علم له به و ما عجز عن علمه الا نبیاء و الملائکة و عن الر بیع مثله و ذاوا الله ما جعل الله فی نجم

حیوۃ احد و لا رزقه و لا موته و انما یفترون علی الله الکذب و یتعللون بالنجوم (مشکوۃ۔ص ۳۲۰)

و صله عبد بن حمید من طریق شیبان عنه به و زاد فی آخره و ان ناسا جهلة بامر الله قد احدثوا فی هذه النجوم کهانة من غرس بنجم کذا کان کذا و من سافر بنجم کذا کان کذا و لعمری ما من النجوم نجم الا و یولد به الطویل و القصیر و الاحمر و الابیض و الحسن و الذمیم و ما علم هذه النجوم و هذه الدابة و هذا الطائر شیء من هذا الغیب۔ انتہی۔ و بهذه الزیادة و تظهر مناسبة ایراد المصنف ما اورده من تفسیر الاشیاء التی ذکرها من القرآن و ان کان ذکر بعضها وقع استطرادا و الله اعلم قال الداؤدی قول قتادہ فی النجوم حسن الا قوله اخطأ و اضاع نفسه فانه قصر فی ذالک بل قائل ذالک کافر۔ انتہی و لم یتعین الکفر فی حق من قال ذالک و انما یکفر من نسب الاختراع الیها و اما من جعلها علامة علی حدوث امر فی الارض فلا۔ (فتح الباری۔ ج ۶ ص ۲۲۱)

کہ یہ ستارے تین (فوائد) کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

۱۔ خدا تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کے لئے زینت بنایا ہے۔

۲۔ ان سے شیاطین کو جو آسمانوں پر احکام سننے کو چڑھتے ہیں، مارا جاتا ہے۔

۳۔ وہ علامات ہیں (جن کے سمت سے جنگلوں اور دریاؤں میں راستہ پہچانا جاتا ہے)۔

پھر جو شخص ان ستاروں سے اور اغراض وفوائد کا ہونا بیان کرے تو وہ خطا کار ہے اور اپنا حصہ (فہم قرآن سے) ضائع کرتا ہے اور اس علم کے لئے تکلف کرتا ہے جس کا علم اس کے لئے ممکن نہیں۔ رزین کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص اس امر کے جاننے کے لئے تکلف کرتا ہے جس کے جاننے سے انبیاء و ملائکہ بھی عاجز ہیں۔ ایسا ہی ربیع بن زیاد سے رزین نے نقل کیا ہے۔ اس نے اس پر یہ بھی بڑھایا ہے کہ بخدا خدا تعالیٰ نے کسی ستارہ کو نہ کسی کی زندگانی کا سبب بنایا ہے، نہ موت کا، نہ رزق کا۔ نجومی جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ ستاروں کو علل (اسباب موثرہ) بتاتے ہیں۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ اس قول قتادہ کی سند عبد بن حمید نے بیان کی ہے اور اس کے آخر میں یہ بڑھا دیا ہے

کہ خدا کے حکم یا شان سے جاہل لوگوں نے ستاروں میں یہ باتیں ازخود نکالی ہیں کہ فلاں ستارہ کے وقت درخت لگاوے تو یہ ہوگا۔ فلاں ستارے کے وقت سفر کرے تو ایسا ہوگا اور ہر ایک ستارہ کی تاثیر سے کوئی دراز قامت پیدا ہوتا ہے کوئی پست قامت، کوئی سرخ کوئی سفید، کوئی خوب صورت کوئی بدصورت ۔ اور ستاروں اور چوپایوں اور جانوروں کے یہ علوم غیب سے نہیں ہیں۔ داؤدی نے کہا ہے کہ قتادہ کا یہ قول اچھا ہے۔ مگر اس اعتقاد وقول جاہلیت کو صرف خطا کہنا اس کی کوتاہی ہے، ایسے اعتقاد والہ شخص کافر ہے (صاحب فتح الباری کہتے ہیں) صرف اسی کہنے پر کفر کا حکم نہیں ہوسکتا۔ کافر اسی کو کہا جاتا ہے جو ستاروں کو مخترع (یعنی موجد و موثر) کہے اور جو یہ سمجھے کہ یہ ستارے زمین میں خدا کی قدرت و تاثیرات کے ظاہر ہونے کی علامات ہیں تو وہ کافر نہیں ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ پرانے فلسفی اور قادیانی ان کواکب کو صرف علامات نہیں سمجھتے بلکہ ان کو مئوثر جانتے ہیں اور ان کی تاثیرات کے قائل ہیں لہذا ان کا اعتقاد وہی اعتقاد ہے جس کو عبارات مذکورہ میں حقیقی کفر کہا گیا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ مرزا قادیانی تو مدعی اسلام ہے، وہ خدا تعالی کو عالم کا خالق و موجد جانتا ہے۔ستاروں کا خالق و موجد بھی خدا تعالی ہی کو سمجھتا ہے۔ لہذا اس کا ستاروں کی تاثیر کا قائل ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ تاثیر ستاروں کو خدا تعالی نے عطا فرمائی ہے۔ پھر ان کی تاثیر کا اعتقاد کفر کیوں کر ہوا۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ پرانے فلسفی اور نجومی بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ستاروں کا خالق خدا ہے اور اسی نے ستاروں کی یہ تاثیرات پیدا کر دی ہیں ۔ایسا کوئی فلسفی یا نجومی (بجز دہریہ کے) نہیں جو ستاروں کو خدا کی مخلوق نہ سمجھتا ہو، یا ان کی تاثیر کو خدا کی مخلوق نہ جانتا ہو۔ با ایں ہمہ وہ اس تاثیر کے اعتقاد کے سبب کافر سمجھے گئے ہیں تو قادیانی کو کیوں کر نہ سمجھا جاوے۔

اس اعتقاد تاثیر کو باوجود اس اعتراف کے کہ وہ تاثیر خدا کی طرف سے ہے اور اس کی مخلوق ہے، کفر ٹھہرانے کی عقلی وجہ اور اس کا سرّ (بھید) یہ ہے کہ جو لوگ اس تاثیر کے قائل ہیں وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ تاثیر ستاروں کے لئے ایسی لازمی ہے کہ اس تاثیر کا ستاروں سے جدا ہونا محال ہے۔ خدا تعالی نے اس تاثیر کو پیدا تو کر دیا مگر وہ اب اس تاثیر کو معدوم کرنے پر قادر نہیں رہا۔ اور اپنے مقررہ قانون کو وہ معزول بادشاہ کی مانند بدل نہیں سکتا

اس امر کا فلاسفہ نہ صرف تاثیرات نجوم کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ جملہ اسباب ومسببات عالم کی نسبت وہ یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور اسباب ومسببات میں تلازم کو واجب اور عدم تلازم کو محال جانتے ہیں۔ اور اس کو قانون قدرت (لاءآف نیچر) کہتے ہیں اور اس کی تبدیل اور تغییر سے خدا کو عاجز وغیر قادر جانتے ہیں اور اسکے کفر ہونے میں اہل اسلام کو کیا شک ہے

اہل اسلام خدا تعالی کو فاعل ، با اختیار، متصرف و مدبر عالم جانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو آثار اسباب عالم سے ظاہر ہوتے ہیں وہ خدا ہی کی تاثیر سے ہیں اور اسی کی قدرت واختیار میں ہیں۔ وہ چاہتا ہے تو ان سے ان آثار کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا ہے تو ان سے ان آثار کا عکس ظاہر کرتا ہے۔ وہ پانی سے آگ کا کام لیتا ہے اور آگ سے پانی کا۔ الغرض اہل اسلام کے نزدیک موثر خدا تعالی ہے، اسباب عالم اس کی تاثیر کے ظہور کے محل ہیں۔

☆ اس بیان سے ثابت ہوا کہ تاثیرات نجوم جس کے قرآن سے ثابت ہونے کا مرزا قادیانی مدعی ہے قرآن سے ثابت نہیں بلکہ قرآن اور حدیث اور علماء اسلام نے اس کو کفر قرار دیا ہے۔ کفر حقیقی ملت سے خارج کرنے والہ ہو خواہ کفران نعمت۔ اور اعتقاد تاثیر صرف فلاسفہ اور نجومیوں اور ہندوؤں کا مذہب ہے اور قادیانی اس اعتقاد میں انہیں کا پیرو اور مقلد ہے، نہ پیرو اسلام۔

☆ اور قادیانی کا حضرت جبرائیل و ملک الموت کے زمین پر آنے کو محال جاننا بھی اسی فلسفیوں اور نیچریوں کے اصول پر مبنی ہے جس کا کفر ہونا ابھی بیان ہوا ہے اور جبرائیل وغیرہ ملائکہ کے صور محسوسہ کو جو انبیاء علیهم الصلوة و السلام دیکھتے ہیں ان کی خیالی صورت و عکسی تصویر قرار دینا بھی بعینہ نیچریوں کی تجویز ہے جو سید احمد خان کی تفسیر میں بیان ہوئی (دیکھو تفسیر ص ۴۷ و ۴۹ جلد ۱، ۲ کا مقام رویت مریم کا صورت جبرائیل کو)۔ علماء اسلام کے نزدیک نزول و رویت جبریل میں یہ تاویل کرنا معانی نصوص میں تحریف کرنا ہے جو ملحدین کا شیوہ ہے

شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۱۹ میں لکھا ہے

و النصوص من الکتاب و السنة تحمل علی ظواہرها ما لم یصرف عنها دلیل قطعی و العدول عنها ای عن الظواہر الی معان ید عیها اہل الباطن و هم الملاحدة و سموا الباطنية لا دعائهم ان النصوص لیست

علی ظوا ہر ھا بل لھا معا ن با طنیۃ لا یعر فھا ا لا المعلم و قصد ھم بذالک نفی الشر یعۃ با لکلیۃ الحاد ای میل وعدو ل عن ا لاسلام و اتصال و التصاق با لکفر لکو نہ تکذ یباً للنبی علیہ السلام فیما علم مجیئہ بہ با لضرورۃ و اما ما ذہب الیہ بعض المحققین من ان النصو ص مصروفۃ علی ظوا ہر ھا و مع ذا لک فیھا اشارات خفیفۃ الی دقا ئق تنکشف علی ار با ب السلو ك یمکن التطبیق بینھا و بین ظوا ہر ھا المرادۃ فھو من کما ل الا یمان و محض العر فا ن ۔

کہ قرآن وحدیث کے نصوص سے ان کے ظاہری معانی مراد لئے جائیں گے جب تک کہ کوئی قطعی دلیل ان معانی سے نہ پھیرے۔ اور ظاہری معانی سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا جس کے اہل باطن مدعی ہیں، اسلام سے عدول کرنا اور ملحد بننا ہے باطنیہ ملحد لوگ ہیں، ان کو باطنیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کی واضح عبارات کی نسبت یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ باطنی معنی مراد ہیں جن کو ان کا معلم سکھلاتا ہے۔ ان کا مقصود اس اصول سے یہ ہے کہ احکام شریعت باطل و بے کار ہو جائیں۔ اس امر کو کفر و الحاد اس لئے کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے احکام و ارشادات کے جو بطور ہدایت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں، تکذیب پائی جاتی ہے۔ ہاں جو بعض اہل تحقیق قائل ہیں کہ نصوص قرآن اور حدیث کے ظاہری معنی تو مراد ہیں ہی اور باوجود اس کے ان نصوص میں بعض مخفی اشارات بھی پائے جاتے ہیں، اور وہ اہل سلوک پر کھلتے ہیں اور وہ معانی ظاہری معانی سے مطابق ہو سکتے ہیں سو وہ کمال ایمان و عرفان کی بات ہے۔

ایسا ہی شرح فقہ اکبر وغیرہ کتب عقائد میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی اور ان کے حواریوں کی تاویلات اس قسم سے نہیں ہیں کہ وہ معانی ظاہریہ کو بھی تسلیم کرتے ہوں اور مع ہذا اس کے اسرار و معانی لطیفہ بیان کرتے ہوں۔ وہ تو معانی ظاہری کی نفی کرتے ہیں اور صاف کہہ چکے کہ نزول جبریل سے حقیقۃً نزول مراد نہیں ہے اور جبرائیل کا اپنے ہیڈ کوارٹر آفتاب سے جدا ہونا نظام شمسی میں فساد پیدا کرتا ہے۔ اور ملک الموت کا بذات خود زمین پر آنا ناممکن ہے و علی ہذا القیاس۔ انہیں اصول مسلمہ اہل اسلام کی شہادت سے مرزا قادیانی

اوران کے گروہ کی وہ تاویلات جودر باب نزول حضرت مسیح وخروج دجال ویاجوج وماجوج ولیلۃ القدر وسجود آدم وغیرہ میں وہ کرتے ہیں نصوص کی تحریف والحاد ہے اوران سب امور کو اہل اسلام انہیں معانی سے تسلیم کرتے ہیں جوان کے ظاہری معانی ہیں ۔

امام نووی شرح مسلم جلد ثانی میں فرماتے ہیں

قال القاضی رحمہ اللہ تعالی نزول عیسی علیہ السلام و قتلہ الدجال حق و صحیح عند اہل السنۃ للاحادیث الصحیحۃ فی ذالک و لیس فی العقل ولا فی الشرع ما یبطلہ فوجب اثباتہ و انکر ذالک بعض المعتزلۃ و الجہمیۃ و من وافقہم و زعموا ان ہذہ الاحادیث مردودۃ بقولہ تعالی و خاتم النبیین و بقولہ ﷺ لا نبی بعدی و باجماع المسلمین انہ لا نبی بعد نبینا ﷺ و ان شریعۃ مؤیدۃ الی یوم القیامۃ لا تنسخ و ہذا الاستدلال فاسد لانہ لیس المراد بنزول عیسی علیہ السلام انہ ینزل نبیاً بشرع ینسخ شرعنا و لا فی ہذہ الاحادیث و لا فی غیرہا شیء من ہذا بل صحّت ہذہ الاحادیث ہنا و ما سبق فی کتاب الایمان و غیرہا انہ ینزل حکما مقسطا یحکم بشرعنا و یحی من امور شرعنا ما ہجرہ الناس ۔ انتہی ۔ (شرح نووی۔ ج ۲ ص ۴۰۳۔)

کہ حضرت عیسی کا نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا اہل سنت کے نزدیک حق اور صحیح ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اس باب میں موجود ہیں اور عقل وشرع میں ایسی کوئی دلیل وارد نہیں ہے جواس نزول کو باطل کرے ۔ لہذا اس کا ثابت رکھنا (یعنی تسلیم کرنا) واجب ہے ۔ معتزلہ اور بعض جہمیہ اوران کے ہم مشرب اس کے منکر ہیں ۔ ان کا یہ خیال ہے کہ وہ احادیث جن میں نزول مسیح کا ذکر ہے اس آیت کے مخالف ہیں جس میں آنحضرت ﷺ کونبیوں کا خاتم کہا گیا ہے اوراس قول نبوی کے مخالف ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور مسلمانوں کے اس اجماع کے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور آپ کی شریعت قیامت تک منسوخ نہ ہوگی ۔ مگران کا ان دلائل سے استدلال ایک فاسد استدلال ہے، کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت عیسی ایسے نبی ہوکر آئیں گے جوآنحضرت ﷺ کی شریعت کومنسوخ کریں گے ۔ یہ بات نہ ان احادیث نزول میں

ہے نہ اور کسی حدیث میں، بلکہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ وہ حاکم عادل ہوکر آئیں گے، ہماری ہی شریعت پر عمل کریں گے اور اس شریعت کے ان امور کو زندہ کریں گے جن کو لوگوں نے چھوڑ رکھا ہوگا۔

اور اس شرح مسلم جلد اول میں بصفحہ ۸۷، امام نووی نے لکھا ہے

والصواب ما قدمناه و هو انه لا يقبل الا الاسلام فعلى هذا قد يقال هذا خلاف ما هو حكم الشرع اليوم فان الكتابى اذا بذل الجزية وجب قبولها و لم يجز قتله و لا اكراهه على الاسلام وجوابه ان هذا الحكم ليس مستمرا الى يوم القيامة بل هو مقيد بما قبل نزول عيسى عليه السلام و اخبر النبى ﷺ فى هذه الاحاديث الصحيحة بنسخه و ليس عيسى عليه السلام هو الناسخ بل نبينا ﷺ هو المبين للنسخ فان عيسى عليه السلام يحكم بشرعنا فدل على ان الامتناع من قبول الجزية فى ذالک الوقت هو شرع نبينا محمد ﷺ۔ ۔

کہ ٹھیک بات وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجز اسلام کچھ (جزیہ وغیرہ) قبول نہ کریں گے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ہماری آج کے دن کی شریعت کے مخالف ہے کیونکہ اس وقت کتابی سے جزیہ قبول کرنا واجب ہے اور اس کو قتل کرنا یا اسلام پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم قیامت تک نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے زمانہ تک رہے گا۔ اس حکم کا بوقت نزول مسیح منسوخ ہو جانا آنحضرت ﷺ نے ان احادیث میں ظاہر کر دیا ہے تو اس حکم کے ناسخ حضرت عیسیٰ نہ ٹھہرے بلکہ آپ ﷺ ناسخ ہوئے۔ حضرت عیسیٰ اس وقت اس حکم کے نسخ کے مبیّن ہوں گے وہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم سے جزیہ موقوف کریں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس وقت جزیہ نہ قبول کرنا آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوگا، نہ کہ حضرت عیسیٰ کے حکم سے۔

اور اس کے بعد نووی شرح مسلم جلد دوم کے صفحہ ۳۹۹ میں فرمایا ہے

قال القاضى هذه الاحاديث التى ذكرها مسلم و غيره فى قصة الدجال حجة لمذهب اهل الحق فى صحة وجوده و انه شخص بعينه ابتلى الله

به عباده و اقدره على اشياء من مقدورات الله تعا لى من احياء المو تى الذى يقتله و من ظهوره زہرة الدنيا و الخصب معه و جنته و ناره و تهويه و اتباع كنوز ا لار ض له و امره السما ء ان تمطر فتمطر و ا لار ض ان تنبت فتنبت فيقع كل ذا لک بقدرة الله تعا لى و مشيته ثم يعجزه الله تعا لى بعد ذا لک فلا يقدر على قتل ذا لک الر جل و لا غيره و يبطل امره و يقتله عيسى عليه السلام و يثبت الله الذين آ منوا ہذا مذ ہب اہل السنة و جميع المحد ثين و الفقہاء و النظار خلا فاً لمن انكره و ابطل امره من الخوار ج و الجهمية و بعض المعتز له و خلافاً للجبا ئى المعتز لى و موا فقه من الجہمية و غير هم فى انه صحيح الو جود لكن الذى يد عى مخا رف و خيا لا ت لا حقا ئق لها و ز عموا انه لو كا ن حقاً لم يو ثق بمعجزا ت ا لا نبياء صلوا ت الله و سلا مه عليهم و ہذا غلط من جميعهم لا نه لم يد ع النبوة فيكو ن ما معه كا لتصديق له و انما يد عى ا لا لهية و هو فى نفس دعواه مكذب لها بصورة حا له و و جود دلا ئل الحدو ث فيه و نقص صور ته و عجز ه عن ازا لته العور الذى فى عينه و عن ازا لة الشاہد بكفره المكتو ب بين عينيه و لہذه ا لد لا ئل و غير ها لا يغتر به ا لا دعا ع من الناس لسد الحا جة و الفا قة ر غبة فى سد الر مق و تقية و خو فاً من اذاده لا ن فتنته عظيمة جدا تد ہش العقو ل و تحير ا لا لبا ب مع سر عة مروره فى ا لا مر و لا يمكث بحيث يتا مل الضعفاء حا له و دلا ئل الحدوث فيه و النقص فيصدقه من يصدقه فى ہذه الحا لة و لہذا احذرت الانبياء صلوات الله و سلا مه عليهم اجمعين من فتنة و نبهوا على نقصه و دلا ئل ابطا له و اما اہل التو فيق فلا يغترو ن به و يخد عو ن بما معه لما ذكرناه من الد لا ئل المكذبة له مع ما سبق لهم من العلم بحا له و لہذا يقول له الذى يقتله ثم يحييه ما ازددت فيک ا لا بصيرة ۔

کہ قاضی عیاض نے کہا ہے ان احادیث میں جن کو مسلم نے قصہ دجال میں ذکر کیا ہے اہل حق کے مذہب کی دلیل پائی جاتی ہے کہ دجال کا ہونا صحیح ہے ۔ اور وہ ایک

ایسا شخص ہے جس کے ذریعہ سے خدا تعالی مسلمانوں کا امتحان کرے گا اور اس کو ایسی چیزوں پر قدرت دے گا جو خدا کی قدرت میں داخل ہیں۔ جیسے مردہ کو (جس کو وہ مارے گا) زندہ کرنا اور دنیا کی زینت اور فراخی اور بہشت اور آگ اور نہروں کا اس کے ساتھ ہونا اور زمین کے خزانوں کا اس کے تابع ہونا، اور اس کے کہنے سے آسمان سے مینہ برسنا، اور زمین کا اگانا، یہ سب کچھ خدا کی قدرت اور ارادہ سے ہوگا۔ پھر خدا تعالی اس کو عاجز کردے گا تو وہ کسی کے مارنے پر قادر نہ ہوگا۔ اور اس کا حال بگڑ جائے گا اور حضرت عیسی اس کو قتل کریں گے اور خدا ایمان لانے والوں کو اس امتحان میں ثابت قدم رکھے گا۔ یہی اہل سنت اور تمام محدثین وفقہاء اور اہل اجتہاد کا مذہب ہے۔ خوارج، بعض معتزلہ اور جبائی اور اس کے ہم خیال جہمیہ اسکے مخالف ہیں۔ وہ اسکے ہونے کو تو مانتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ جو وہ کرے گا، یا دکھائے گا، وہ صرف خیالات ہوں گے، ان کی حقیقت کوئی نہ ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ امور واقعی ہوں تو پھر معجزات انبیاء کا اعتبار نہیں رہتا۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ وہ یہ کرشمات دکھانے کے وقت نبوت کا دعوی نہ کرے گا تاکہ ان امور سے اس کے اس دعوی کی تصدیق ہو اور وہ معجزات انبیاء کے مشابہ ہوکر نبوت میں شبہ وشک ڈال سکیں۔ بلکہ وہ ان خوارق کے وقت الوہیت کا دعوی جھوٹا کرے گا جو خود بخود باطل ہوگا، اور دجال کا ظاہری اور اسکے مخلوق ہونے کے دلائل اور اس کی صورت کا عیب اور اس کا اس عیب کو دور کرنے سے اور اپنی پیشانی سے علامت کفر (لفظ کافر) کو مٹانے سے عاجز رہنا اس کو جھٹلائے گا۔

اس میں ان دلائل عجز وحدوث کے موجود ہونے کی وجہ سے اس کے خوارق سے کوئی دھوکا نہ کھائے گا۔ بجز عامی لوگوں کے، جو بھوک کے سبب یا اس کے ڈر کے مارے اس کو مان لیں گے کیونکہ اس کا فتنہ مدہوش و حیران کردے گا اور اس کا زمین پر جلدی سے پھر جانا ان کو اس کے حال کو سوچنے کا موقع نہ دے گا۔ اسی وجہ سے انبیاء نے اس کے فتنہ سے لوگوں کو ڈرایا ہے اور اس کے نقص و عجز پر آگاہ کردیا اور جن لوگوں کو خدا توفیق دے گا وہ اس سے دھوکہ نہ کھائیں گے۔ اور جو خوارق اس سے صادر ہوں گے وہ ان سے اسکے فریب میں نہ آئیں گے، کیونکہ وہ اسکے کذب اور عجز کے دلائل جانتے ہوں گے اور وہ اسکے حال سے واقف ہوں گے۔ اسی وجہ سے جس شخص کو وہ قتل

کر کے جلا دے گا وہ اس کو صاف کہے گا کہ تیرے اس فعل سے میرا یقین بڑھ گیا ہے)

اور ایسا ہی تمام کتب حدیث کے متون وشروح میں حضرت مسیح بن مریم کا نزول اور دجال و یاجوج و ماجوج کا خروج ظاہری معنی سے تسلیم و بیان کیا گیا ہے اور ان امور کو ایسا یقینی سمجھا گیا ہے کہ ان کو اہل سنت کے اعتقادات میں داخل کیا گیا ہے۔

امام الآئمہ امام اعظم نے فقہ اکبر میں اور ملا علی قاری نے اسکی شرح میں فرمایا ہے

و خروج الد جا ل و یا جوج و ما جوج کما قا ل تعا لی حتی اذا فتحت یاجوج و ما جو ج و ھم من کل حد ب ینسلو ن ۔ و طلوع الشمس من مغربھا کما قا ل تعا لی یو م یأ تی بعض آ یا ت ر بک لا ینفع نفساً ایما نھا لم تکن آ منت من قبل او کسبت فی ایما نھا خیراً و نزو ل عیسی من السما ء قا ل اللہ تعا لی انہ لعلم السا عۃ و قا ل و ان من اہل الکتا ب الا لیؤ منن بہ قبل مو تہ ای قبل موت عیسی علیہ السلام بعد نزو لہ عند قیام السا عۃ فیصیر الملل وا حدۃ و ھی ملۃ ا لاسلا م الحنیفیۃ و فی نسخۃ قدم طلوع الشمس علی البقیۃ و علی تقدیرہ قا لوا او المطلق الجمعیۃ و ا لا فتر تیب القضیۃ ان المہدی یظہر اولا فی الحر مین الشریفین ثم یا تی بیت المقدس فیا تی الد جا ل و یحصرہ فی ذا لک الحال فینز ل عیسی علیہ السلا م من المنارۃ الشر قیۃ فی دمشق الشام و یجیء الی قتال الد جا ل فیقتلہ بضر بۃ فی الحا ل فا نہ یذو ب کا لملح فی الماء عند نز و ل عیسی علیہ السلام من السما ء فیجتمع علیہ السلام با لمہدی و قد اقیمت الصلوۃ فیشیر المہدی لعیسی علیہ السلام با لتقد م فیمتنع معللا با ن ہذہ الصلو ۃ اقیمت لک فا نت او لی با ن تکو ن ا لا ما م فی ہذا المقام و یقتدی بہ لیظہر متا بعتہ لنبینا علیہ السلام کما اشار الی ہذا المعنی صلی اللہ علیہ و سلم بقو لہ لو کا ن موسی حیاًلما وسعہ ا لا اتباعی و قد بینت و جہ ذا لک عند قو لہ تعا لی و اذ اخذ اللہ میثا ق النبیین لما اتیتکم من کتا ب و حکمۃ ثم جا ء کم رسول ۔ ا لآ یہ ۔ فی شر ح الشفاء و غیرہ و قد ورد انہ یبقی فی ا لا ر ض

اربعین سنة ثم یموت و یصلی علیه المسلمون و ید فنون علی ما رواه الطیا لسی فی مسند ہ و روی غیرہ انه ید فن بین النبی ﷺ و الصدیق و روی انه ید فن بعد الشیخین فھنیئاً للشیخین حیث اکتفنا با لنبیین ۔ و فی روا یة انه یمکث سبع سنین و قیل و ھی ا لا صح و المراد بار بعین فی الروا یة ا لاولی مد ة مکثه و بعده فا نه رفع و له ثلا ث و ثلا ثو ن سنة ۔ ... حتی کا یں ای ثا بت و امر قوی ۔ (شرح فقه اکبر)

(کہ دجال اور یاجوج ماجوج کا نکلنا جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے کہ وہ ہر بلندی سے دوڑیں گے، اور آفتاب کا جانب مغرب سے طلوع کرنا جس کا اس آیت میں ذکر ہے کہ جس وقت خدا کی بعض نشانیاں آویں گی اس دن کسی کو جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا اس کا ایمان نفع نہ دے گا، اور حضرت عیسی کا آسمان سے نازل ہونا، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ وہ (یعنی حضرت عیسی) قیامت کی ایک نشانی یا اس کے علم و شناخت کی ایک دلیل ہیں اور ارشاد ہے کہ اہل کتاب سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو حضرت عیسی پر ان کی موت سے پہلے یعنی قیامت کے قریب ایمان نہ لائے گا۔ اور اس وقت سبھی دین وملت ایک دین (اسلام) ہو جائے گا۔ یہ سب امورحق اور ثابت ہیں۔ فقہ اکبر کے بعض نسخوں میں آفتاب کے مغرب سے نکلنے کا ذکر باقی امور سے پہلے ہوا ہے۔ اس صورت میں واؤ حرف عطف مطلق جمیعت کے لئے ہوا۔ اور ترتیب امور مذکورہ کی اس طرح پر ہوگی کہ اول امام مہدی حرمین میں ظاہر ہوں گے، پھر وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔ اس وقت دجال آئے گا اور اس کا محاصرہ کرلے گا پھر حضرت عیسی دمشق کے مشرقی کنارہ کے پاس آسمان سے اتریں گے اور دجال کے قتل کی طرف متوجہ ہوکر ایک ہی وار سے اس کو مار ڈالیں گے۔ وہ ان کے اترنے کے وقت نمک کی طرح پگھلنے لگے گا (مگر اس کی جان انہیں کے ہاتھ سے نکلے گی) پھر حضرت عیسی اور مہدی ایک جگہ جمع ہوں گے اور نماز کیلئے تکبیر ہوگی تو حضرت مہدی حضرت عیسی کی طرف نماز پڑھانے کے لئے اشارہ کریں گے۔ وہ اس سے انکار کریں گے یہ کہہ کر کہ آپ ہی کی امامت کیلئے یہ تکبیر ہوئی ہے لہذا آپ ہی اس کے مستحق ہیں اور خود ان کے مقتدی بن جائیں گے تاکہ معلوم ہوکہ وہ آنخضرت کے تابعین میں سے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے

فرما دیا کہ اگر حضرت موسی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی سے چارہ نہ ہوتا۔اس کی وجہ اس قول خداوندی کی شرح میں بیان ہوئی ہے جس میں ذکر ہے کہ اللہ تعالی نے نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ تمہارے پاس میرا رسول (یعنی محمد ﷺ) آوے تو تم پر اس کا ماننا اور مدد کرنا ضروری ہوگا۔شفاء کی شرح وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح زمین میں چالیس برس رہیں گے اور پھر فوت ہوں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور ان کو دفن کریں گے۔ یہ ابوداؤد طیالسی کی مسند میں روایت ہے، اوروں کی روایت میں ہے کہ آپ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک اور حضرت صدیق اکبر کی قبر کے درمیان دفن کئے جائیں گے۔ایک روایت میں ہے کہ شیخین (صدیق اکبر اور فاروق) کی قبر کے بعد دفن کئے جائیں گے۔اس صورت میں شیخین کے لئے مژدہ کہ شیخین دو نبیوں (آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح) کے درمیان مدفون ہوں گے، بعض کا قول ہے کہ وہ زمین میں سات سال رہیں گے اور یہی صحیح ترین اقوال سے ہے اور چالیس سال ٹھہرنے کی روایت سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ بعد نزول سات برس رہیں گے کیونکہ از انجملہ تینتیس برس انہوں نے آسمان پر جانے سے پہلے دنیا میں بسر کئے اور جب وہ اٹھائے گئے تھے تو ان کی عمر ۳۳ سال تھی).

اور شرح عقائد نسفی میں ہے

و ما اخبر به النبی علیه السلام من اشرا ط السا عة ای من علاماتها من خروج الد جا ل و دا بة الا رض و یا جوج و ما جوج و نزو ل عیسی من السما ء و طلوع الشمس من مغر بها فهو حق لا نها امور مملکة اخبر بها الصادق قا ل حذیفه بن اسید الغفاری طلع النبی ﷺ علینا و نحن نتذا کر فقا ل ما تذ کرو ن ۔ قلنا نذ کر السا عة قا ل انها لن نقو م حتی تروا قبلها عشر آ یا ت فذ کر الد خا ن و الد جا ل و الدا بة و طلوع الشمس من مغر بها و نزو ل عیسی بن مر یم و خرو ج یا جو ج ماجوج و ثلا ثة خسو ف ۔الخ ۔ (شر ح عقا ئد)۔

(کہ آنحضرت ﷺ نے جو علامات قیامت (یعنی قیامت سے پہلے آنیوالی چیزوں) کی خبر دی ہے یعنی دجال اور یاجوج ماجوج کا نکلنا، اور حضرت عیسی کا آسمان

سے نازل ہونا اور آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا (وغیرہ) وہ حق (واقع ہونے والے) ہیں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جو ممکن الوقوع ہیں اور مخبر صادق (آنخضرت ﷺ) نے ان کے وقوع کی خبر دی ہے۔ حذیفہ بن اسید غفاری فرماتے ہیں کہ آنخضرت ﷺ ایک دن تشریف لائے۔ ہم کچھ مذاکرہ کر رہے تھے۔ آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کیا ذکر کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت نہ ہوگی جب تک تم دس نشان اس سے پہلے نہ دیکھ لو گے۔ پھر آپ نے دخان، دجال، دابۃ الارض، طلوع آفتاب از جانب مغرب، نزول حضرت عیسی۔ خروج یاجوج ماجوج اور زمین کا خسوف، اور یمن سے نکلنے والی آگ کا ذکر فرمایا۔)

یہ حدیث حذیفہ بن اسید کی جس کا شرح عقائد میں حوالہ دیا گیا ہے صحیح مسلم میں بصفحہ ۳۹۳ مروی ہے اور صحاح میں ایسی بہت سی احادیث موجود ہیں جن میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی تاویلات مذکورہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نزول عیسی علیہ السلام کے عنوان سے ایک باب منعقد کر کے اس میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کا یہ مضمون ہے

قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد۔ حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیراً من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ہریرۃ واقرئوا ان شئتم وان من اہل الکتاب الا لیئومنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً۔

(بخاری۔ ص ۴۹۰۔ مسلم۔ ص ۸۷)۔

کہ عنقریب حضرت عیسی ابن مریم حاکم عادل اتریں گے، صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کریں گے وغیرہ۔ اس حدیث کے آخر میں راوی حدیث ابو ہریرہ کا یہ قول منقول ہے کہ چاہو تو (اس حدیث کی تصدیق کے لئے) یہ آیت پڑھ لو جس میں ارشاد ہے کہ اہل کتاب سے ایسا کوئی نہ ہوگا جو حضرت عیسی کی وفات سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے گا۔

اور اس میں بالاتفاق اہل اسلام و گروہ مسیحائی میرزائی بہ کی ضمیر سے حضرت عیسی

مراد ہیں۔ اگرچہ موتہ کی ضمیر سے مراد میں اختلاف ہے۔ اس سے بلانزاع و بے اختلاف ثابت ہے کہ اس حدیث میں راوی ابو ہریرہ اور اس کے مخرجین امام بخاری و مسلم کے نزدیک عیسی ابن مریم ہی کا نزول مراد ہے، نہ کسی اور نام کے عیسی یا مثالی مسیح کا۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں

قوله ثم يقول ابو هريرة اقرئوا ان شئتم و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ففيه دلالة ظاهرة على ان مذهب ابي هريرة في الآية ان الضمير في موته يعود على عيسى ۔ (شرح مسلم)۔

کہ ابو ہریرہ کے اس قول سے کہ چاہو تو اللہ کا یہ فرمان پڑھ لو و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته صاف سمجھا جاتا ہے کہ ابو ہریرہ کا اس آیت مے یہی قول تھا کہ اس میں لفظ موته کی ضمیر حضرت عیسی کی طرف پھرتی ہے۔

اور صحیح مسلم کی مشہور حدیث دمشقی میں جس آنے والے مسیح کا ذکر ہے اس کے نام کے ساتھ جابجا نبی الله کا لفظ وارد ہے ایک جگہ پر فيحصر نبي الله ایک جگہ يهبط نبي الله دوجگہ فيرغب نبي الله ۔ چنانچہ ارشاد ہے

و يحصر نبي الله عيسى عليه السلام اصحابه حتى يكون رأس الثور لاحدهم خيراً من مأة دينار لاحدكم اليوم فيرغب نبي الله عيسى و اصحابه فيرسل الله عليهم الالنغف في رقابهم ۔ فيصبحون فرسى كموت نفس واحدة ثم يهبط نبي الله عيسى عليه السلام يدعوا اصحابه الى الارض فلا يجدون في الارض موضع شبرا الاملاه زهمهم و نتنهم فيرغب نبي الله عيسى عليه السلام و اصحابه

کہ خدا کے نبی عیسی اور ان کے ساتھ والے (یاجوج ماجوج کے) محاصرہ میں آجائیں گے۔ اس وقت گائے کی سری (کھانے کے لئے) سو دینار سے ان کو بہتر معلوم ہوگی۔ پھر خدا کے نبی عیسی اور آپ کے ساتھ والے خدا کی جناب میں رغبت (دعا) کریں گے تو خدا تعالی یاجوج ماجوج کی گردنوں میں پھوڑا پیدا کر دے گا پھر وہ سب کے سب ایسے مر جائیں گے جیسے ایک جان مرتی ہے۔ پھر خدا کے نبی عیسی پہاڑ سے اتر آئیں گے اور اپنے ساتھ والوں کو بلائیں گے تو زمین پر بالشت بھر ایسی جگہ نہ پائیں

گے جو ان کی نعشوں اور بدبوؤں سے بھری نہ ہو گی ۔ پھر خدا کے نبی عیسیٰ اور انکے ساتھ والے خدا سے دعا مانگیں گے، (مسلم)

یہ الفاظ بھی صاف شاہد و ناطق ہیں کہ جس مسیح کے نزول کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ اللہ کا نبی ہو گا، نہ کوئی اور نام کا عیسیٰ یا مثالی مسیح ۔

اور سنن ابو داؤد میں آنے والے مسیح کا ذکر ہوا ہے تو اس میں بھی آنے والے مسیح کو پہلے نبی کہا ہے پھر اس کے نزول کا ذکر فرمایا ہے ۔ چنانچہ ابو ہریرہ سے روایت ہے

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ انہ قال لیس بینی و بینہ (یعنی عیسی) نبی و انہ نازل ۔ (ابو دائود ۔ ص ۲۳۸) کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہ ہو گا اور وہ اترنے والے ہیں ۔

اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنے والہ مسیح نبی ہے نہ کوئی نام کا یا مثالی مسیح اس قسم کی روایات کتب حدیث میں اور بہت ہیں (مثلاً ابن ماجہ کے صفحہ ۳۰۹ میں ایک حدیث ہے کہ حضرت عیسی نے فرمایا کہ خدا تعالی نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے تجھے دنیا میں بھیجوں گا۔ پھر میں اتروں گا اور دجال کو قتل کروں گا) جن میں گروہ قادیانی کی سابق تاویلات کا دخل نہیں ہے، ہاں ان احادیث کو آپ برملا موضوع قرار دے دیں یا اس میں یہ نئی تاویل کریں کہ آنیوالے مسیح کو جو نبی کہا گیا ہے تو اس سے قادیانی نبی مراد ہے کیونکہ وہ محدث ہے اور محدث بھی ایک قسم کا نبی ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس نبی سے محدث مراد ہوتا تو آنخضرت ﷺ اس کی نفی نہ کرتے اور نہ فرماتے کہ میرے اور اس کے مابین کوئی نبی نہیں، کیونکہ محدث تو آنخضرت ﷺ اور آنیوالے مسیح کے درمیان بہت ہو چکے ہیں ۔

☆ لیلۃ القدر اور سجود آدم کے ظاہری معانی پر محمول ہونے میں جو اقوال علمائے اسلام ہیں ان کی نقل کی اس مقام پر ضرورت نہیں ہے ۔ وہ تمام لوگوں میں معروف و مشہور ہیں ۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ ان احادیث نزول حضرت مسیح و خروج دجال و یاجوج ماجوج میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے اتباع کی تاویل ملحدانہ ہے ۔ اور تمام اہل اسلام میں جو ان احادیث کو صحیح مانتے ہیں ان کے وہی معنی مراد ہونا مسلم ہے جو ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں ۔ مرزا قادیانی نے جو اس تاویل و تحریف کو تجدید دین و مغز شریعت قرار دیا ہے یہ اس کے الحاد پر ایک اور دلیل ہے ۔ تجدید دین یہ نہیں ہے کہ عقائد و مسائل اسلام کے ایسے

معانی کئے جائیں جو نہ صحابہ کے خیال میں آئے ہوں، نہ تابعین کے، اور نہ ظاہر الفاظ نصوص سے سمجھ میں آتے ہوں، اور نہ قرون ثلاثہ میں تسلیم کئے گئے ہوں۔ ایسے معانی کا بیان تو احداث کہلاتا ہے، بلکہ تجدید کے معنی یہ ہیں کہ جو اصول ومسائل (عقائد و اعمال) ادلہ شرعیہ سے ثابت ہوں اور قرون ثلاثہ میں تسلیم کئے گئے ہوں، مگر لوگوں کی غفلت یا ناواقفی سے متروک ومہجور ہوگئے ہوں، ان کو از سرنو زندہ کرکے رواج دیا جائے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ تجدید دین کا حکم وارد ہے اور احداث سے ممانعت آچکی ہے۔ ان دونوں کو باہم متوافق کرنے سے صاف ثابت ہے کہ تجدید دین اسی صورت میں مطلوب شارع ہے جس میں احداث نہ پایا جائے۔

☆ اور مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ تجدید دین ظاہری علوم سے نہیں ہوسکتی یہ اس کے الحاد پر ایک اور دلیل ہے۔ تجدید احیاء و ترویج اصول ومسائل اسلام کا نام ہے تو ظاہری علوم اسلام اور علوم مسائل اسلامیہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ الحادات اور باطنیہ خیالات کی اشاعت تجدید ہوتی تو وہ ظاہری علوم کے بغیر بھی ممکن تھی۔

☆ مرزا قادیانی اور اس کے اتباع نے جو آنے والے مسیح کی بعض ایسی صفات بیان کی ہیں جو ان کے زعم میں حضرت مسیح علیہ السلام میں نہیں پائی جاتیں صرف قادیانی میں پائی جاتی ہیں، ان کے بیان میں انہوں نے کذب و تدلیس سے خوب کام لیا ہے اور اس سے اپنا دجال ہونا ثابت کردکھایا ہے۔ آنیوالے مسیح کی نسبت یہ کہیں بیان نہ ہوا تھا کہ وہ فارسی الاصل ہوگا، اور نہ یہ ثابت ہے کہ مغل لوگ (جن میں قادیانی صاحب ہیں) فارسی الاصل ہیں۔ ایسا ہی کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آنے والہ مسیح صرف ایک مسلمان امتی ہوگا اور نبی نہ ہوگا۔ یہ بات صرف قادیانی اور اسکے حواریوں کی من گھڑت ہے جسکو انہوں نے آنحضرت ﷺ پر ایک سوال جواب وضع کرکے اس سے نکالا ہے، جس کا بیان بضمن سوال کافی ہوچکا ہے۔

☆ آنحضرت ﷺ نے تو متعدد حدیثوں میں آنیوالے مسیح کو نبی قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے منقول ہوچکا ہے۔

☆ آنے والے مسیح کے بالوں کا سیدھا ہونا اور رنگ کا گندم گوں ہونا، جو انہوں نے بیان کیا ہے یہ حضرت مسیح بن مریم میں پایا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مسیح بن مریم کا بھی حلیہ بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

وارانی الیل عند الکعبة فی المنام فاذا رجل آدم کاحسن ماتری من آدم الرجال تضرب لمته بین منکبیه رجل الشعر یقطر راسه ماء واضعاً یدیه علی منکبی رجلین و هو یطوف با لبیت فقلت من ہذا فقالوا ہذا المسیح بن مریم۔

کہ میں نے (خواب میں) ایک خوبصورت شخص گندم گوں سیدھے بال والے کودیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ مسیح بن مریم ہے۔

ہاں مجاہد کی حدیث میں حضرت ابن عمر سے یہ بھی بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسی کوسرخ رنگ و جعد دیکھا۔ اس حدیث کی دست آویز سے مرزا قادیانی اوراس کے حواریوں نے یہ افتراء کیا ہے کہ عیسی یا مسیح بن مریم دو ہیں۔

ایک حضرت عیسی بنی اسرائیل جن کوسرخ اور جعد کہا گیا ہے۔

دوسرا آنے والہ عیسی یا مسیح بن مریم جس کو گندم رنگ اورسیدھے بالوں والہ کہا گیا ہےاوروہ آپ (قادیانی) ہیں۔

مگر یہ نہ سوچا کہ یہ لفظی اختلاف یوں رفع ہوسکتا ہے، اورعلمائے اسلام نے رفع کردیا ہے، کہ درحقیقت حضرت عیسی گندم رنگ وسیدھے بال والے تھے۔ ایک روایت میں جو انکوسرخ رنگ اور جعد کہا گیا ہےتواس سے مراد ہے کہ ان کا گندمی رنگ مائل بہ سرخی تھا اورجعودت آپ کے جسم میں تھی نہ بالوں میں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمایا ہے

ووقع فی روایة سالم الآتیه فی نعت عیسی انه ادم سبط الشعر و فی الحدیث الذی قبله فی نعت عیسی انه جعد و الجعد ضدالبسط فیمکن ان یجمع بینهما با نه سبط الشعر و وصفه با لجعودة فی جسمه لا فی شعره و المراد بذا لک اجتماعه و اکتنازه و ہذا الا ختلاف نظیر الاختلاف فی کو نه آدم اواحمر و الاحمر عند العرب الشدید البیاض مع الحمرة و الآدم الا سمر و یمکن الجمع بین الوصفین با نه احمر لو نه بسبب کا لتعب و هو فی الاصل السمر وقد وافق ابوہریرہ علی ان عیسی احمر۔ الخ۔ کہ سالم کی روایت میں آنحضرت ﷺ نے حضرت مسیح کوسیدھے بال

والہ کہا ہے اوراس سے پہلی حدیث میں آیا ہے کہ وہ جعد تھے جو اس کی ضد ہے مگر ان دونوں روایتوں میں یوں موافقت ہوسکتی ہے کہ آپ کے بال تو سیدھے تھے مگر جعد ہونے کا جو ذکر ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ آپ کا بدن جعد یعنی کسا ہوا اور مضبوط تھا یہ اختلاف ایسا ہے جیسا کہ آپ کی رنگت کی نسبت اختلاف ہوا ہے وہ گندم رنگ تھے یا سرخ رنگ جس سے یہ مراد ہوسکتی ہے وہ تھے تو گندم رنگ مگر کسی سبب سے وہ رنگ سرخ ہوگیا تھا۔

اور وفی روایة عبد الرحمن بن آدم عن ابی ہریرہ فی نعت عیسی انه مربوع الی الحمرة والبیاض ۔(فتح الباری۔ ج ۶ ص ۳۵۰)۔
کہ ان کے رنگ میں سرخی وسپیدی دونوں موجود تھیں۔
کرمانی نے شرح بخاری میں کہا ہے

ویجوز ان یأول و یجمع بینهما بانه لیس احمر صرا فابل هومائل الی الادمة ۔ (حاشیه بخاری۔ ص ۴۸۹) کہ حضرت عیسی کو سرخ وگندم رنگ کہنا یوں جمع ہو سکتا ہے کہ وہ صرف سرخ نہ تھے بلکہ سرخ رنگ مائل بگندم گونی تھے۔

اس اختلاف کی نظیر حضرت موسی کی نعت میں دو متضاد صفتوں جسیم اور خفیف کا ورود ہے جس کو باہم یوں متوافق کیا گیا ہے

لامانع ان یکون مع کونه خفیف اللحم جسیماً بالنسبة لطوله ولوکان غیرطویل لاجتمع لحمه وکان جسیماً ۔ (فتح الباری۔ ج ۶ ص۳۵۰)

کہ وہ بلحاظ طول قامت جسیم تھے وہ چھوٹے قد کے ہوتے تو بھاری معلوم ہوتے اس اختلاف سے کوئی یہ نہیں نکالتا کہ حضرت موسی دو تھے، ایک جسیم اور دوسرے خفیف۔

اس کی دوسری نظیر خود آنحضرت ﷺ کی نعت وحلیہ میں یہ اختلاف لفظی ہے کہ ایک حدیث میں آپ کو ابیض (گورے رنگ والہ) کہا گیا ہے چنانچہ صحیح بخاری (ص ۱۳۷) میں آنحضرت ﷺ کی نعت میں ابوطالب کا شعر منقول ہے جس میں آپ ﷺ کو ابیض کہا گیا ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للاوامل

اور شمائل ترمذی میں ہے

کان رسول الله ﷺ ابیض کانما صیغ من فضة کان رسول الله ربقه

اسمر اللون

اور کان رسول اللہ ﷺ رجلاً مربوعا (شمائل ترمذی۔ ص۴)

اور لم یکن بالجعد القطط و لا با لسبط کان رجلا جعداً (شمائل ترمذی۔ ص۷)

کہ آپ ایسے گورے تھے کہ گویا چاندی سے بنائے گئے اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ گندم گوں رنگ تھے۔

اس اختلاف کو یوں ہی متوافق کیا گیا ہے کہ آپ سفید رنگ تھے مگر مائل بسرخی جس سے گندم گونی پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ دیگر روایت میں صریح آچکا ہے۔

ایسا ہی آپ کے بالوں کو سیدھا بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ شمائل ترمذی ہے۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ آپ سیدھے بال والے نہ تھے۔

جس کو یوں باہم متوافق کیا گیا ہے کہ آپ کے بال نہ بہت سیدھے تھے اور نہ بہت گھونگھر والے بلکہ ایسے سیدھے تھے کہ ان میں کسی قدر شکن پڑتی تھی۔ مگر اس اختلاف رنگ اور موئے نبوی سے بھی کسی نے یہ نہیں نکالا کہ جناب رسول اللہ ﷺ دو تھے۔ ایک گورے رنگ کے، دوسرے گندمی رنگ کے، یا ایک سیدھے بال والے دوسرے کسی قدر شکن دار بال والے۔ پس اس قسم کے لفظی اختلاف سے حضرت مسیح کیوں کر دو مسیح ہو سکتے ہیں۔

قادیانی نے بڑا غضب ڈھایا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حلیہ کے لفظی اختلاف کے سبب ایک مسیح کو دو مسیح (ایک سرخ رنگ، گھونگھر والے بال کا، دوسرا گندم گوں، سیدھے بال والا) بنا دیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ صرف گندم گوں ہونے سے کوئی شخص مسیح نہیں ہو جاتا جہاں تک کہ بقیہ صفات مسیح اس میں نہ ہوں۔ گندم گوں ہزاروں مسلمان بلکہ مذاہب غیر کے اشخاص موجود ہیں پھر کیا وہ صرف رنگت سے مسیح ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اتباع قادیانی سے کوئی شخص منصف و طالب حق ہو تو صرف اس ایک مغالطہ کی نظر سے اس کو دجال سمجھے اور اس کے اتباع سے دست بردار ہو جائے۔

☆ اور قادیانی کی تجویز، پاک تثلیث .نصف عیسائیت ہے۔ عیسائی لوگ باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعہ کو تثلیث قرار دیتے ہیں۔ قادیانی صاحب خدا کی محبت (باپ) اور بندہ محبوب کی محبت (ماں) اور ان دونوں سے متولد روح القدس کے مجموعہ کو تثلیث قرار دیتے ہیں۔ اب لوگوں کو عیسائی بنانے میں صرف ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے کہ اس تثلیث کے ساتھ توحید

کو بھی ملا دیں اور ان تینوں کو ایک خدا کہہ دیں جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں۔ یہ بات آپ اس وقت نہیں کہتے تو آئندہ سال کہیں گے اور لوگوں کو پورا عیسائی بنائیں گے۔ آپ کا یہ ارادہ نہ ہوتا تو حرف تثلیث آپ کی تحریر میں نہ آتا اور نہ اس کو پاک کہا جاتا۔

☆ مرزا قادیانی کا بطور استعارہ ابن اللہ کہلانے کو تجویز کرنا پوری عیسائیت ہے۔ نحن ابناء الله واحبائه (المائدہ)۔ بائیبل سے ثابت ہے کہ عیسائیوں نے بھی استعارہ کے طور پر خدا کے پیارے و مطیع بندوں کو ابن اللہ کہا ہے۔ اور قرآن میں ان کے اس قول کی حکایت کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، اسی کی طرف مشعر ہے۔ مگر یہی استعارہ ان لوگوں کے مشرک ہو جانے اور مخلوق کو حقیقۃً خدا کا بیٹا قرار دینے کا موجب ہوا تو قرآن و اسلام آیا اور اس محاورہ کو اٹھایا۔ اور بیٹے بیٹی کی نسبت سے (استعارہ کے طور پر کیوں نہ ہو) خدا کی پاکی کا اظہار فرمایا۔ اب قادیانی صاحب پھر اس محاورہ کو مسلمانوں میں قائم کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی فکر میں ہیں۔ اناللہ وانا الیه راجعون۔

☆ اور مرزا قادیانی کا محدث ہونے کا دعوی کرنا اور اس ذریعہ سے ایک قسم کا نبی کہلانا اور ختم نبوت و نبوت کلی و تشریعی سے مخصوص کرنا اور نبوت جزئی کے دروازہ کو مفتوح کہنا، ان نصوص قرآن و حدیث سے انکار ہے جو مطلق نبوت کو ختم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت وخاتم النبیّن اپنے اطلاق و عموم کے ساتھ آنخضرت ﷺ پر مطلق نبوت کو ختم کرتی اور صاف بتاتی ہے کہ آنخضرت ﷺ کے بعد ایسا کوئی شخص نہ ہوگا جس پر لفظ نبی کا اطلاق ہو سکے اور آنخضرت ﷺ نے اپنے اس کلام کے اطلاق و عموم کے ساتھ بھی مطلق نبوت کو ختم کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ محدثین سابقین اور محدث امت محمدیہ حضرت عمر فاروق کا نبی نہ ہونا ظاہر فرما دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں آیا ہے

عن النبی ﷺ قال کانت بنواسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلك نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء (بخاری۔ ص۴۹۱)

کہ بنی اسرائیل کی سرداری انبیاء کرتے۔ جب کوئی نبی ان میں فوت ہو جاتا تو اس کا جانشین بھی دوسرا نبی ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، صرف خلفاء ہوں گے۔

ابوداؤد کی حدیث میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ میری امت میں تیس ایسے جھوٹے ہوں گے جو نبوت کا دعوی کریں گے حالانکہ میں نبیوں کا خاتم ہوں۔ میرے بعد کوئی

نبی نہیں ہوگا۔ ہاں میری امت میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی جن کو ان کا مخالف ضرر نہ پہنچائے گا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں

سیکون فی امتی کذا بون ثلاثون کلھم یزعم انه نبی وانا خاتم النبیّن لا نبی بعدی۔

ان ارشادات نبویہ کے جملہ لا نبی بعدی میں لفظ نبی نکرہ ہے، جو نفی لا کے نیچے داخل ہے اور وہ مفید عموم و استغراق ہے اور یہ بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا کوئی نہ ہوگا جس پر لفظ نبی بولا جا سکے۔

اب خصوصیت کے ساتھ محدث کا نبی نہ ہونا آپ ﷺ کے کلام سے ثابت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے

قال النبی ﷺ لقد کا ن فیما کان قبلکم من ا لامم ناس محدثون فان یک فی امتی احد فانه عمر .قال النبی ﷺ قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمو ن من غیر ان یکونوا انبیاء فا ن یک فی امتی منھم احد فعمر۔ قال ابن عباس من نبی و لا محدث۔ (بخاری۔ ص۵۲۱) تم سے پہلے امتوں میں محدث ہوتے تھے۔ اس امت میں محدث ہے تو وہ عمر ہے۔

یہ بھی آپ ﷺ سے ان کتابوں میں منقول ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے تھے جو نبی نہ ہوتے اور وہ خدا سے یا ملائکہ سے ہم کلام (مخاطب) ہوتے۔ میری امت میں ایسا کوئی ہے تو عمر ہے۔

ابن عباس کی روایت میں آیت و ما ارسلنا من قبلک من رسول و لا نبی میں لفظ نبی کے بعد یہ لفظ و لا محدث بھی پڑھا گیا ہے۔ اور صحیح مسلم میں لفظ محدث کی تفسیر ملہم سے ہوئی ہے۔

یہ اقوال نبوی صاف اور صریح ناطق ہیں کہ پہلی امتوں کے محدث باوجودیکہ وہ خدا تعالیٰ یا ملائکہ کے ہم کلام و مخاطب ہوتے تھے، نبی نہ کہلاتے تھے۔ اب خاص محدث امت محمدیہ حضرت عمر فاروق کا نبی نہ ہونا آپ ﷺ کے کلام سے ثابت کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

لو کا ن بعد ی نبی لکا ن عمر ابن الخطا ب۔ (ترمذی۔ ۲۳۰)۔ میرے

بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت فاروق ہوتے۔

اس سے ثابت ہے کہ حضرت عمر نبی نہیں تھے اور اس لفظ کا اطلاق ان پر نہیں ہوسکتا، باوجودیکہ حدیث مذکورہ بالا میں ان کا محدث ہونا بیان ہو چکا ہے اور جب کہ آیہ قرآن کی عموم واطلاق سے اور ارشادات نبویہ کی عموم وخصوص دونوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس پر لفظ نبی کا اطلاق ہوسکے اور محدثین سابقین اور اس امت کے تسلیم شدہ محدث نبی نہ کہلا سکے اور قرآن وحدیث نے اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے تو پھر قادیانی کا یہ دعوی کرنا کہ محدث ایک طرح کا نبی ہوتا ہے وبناءً علیہ وہ خود ایک قسم کا نبی ہے، ان نصوص صریحہ کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

☆ قادیانی کا ختم نبوت کو نبوت تشریعی اور کلی سے مخصوص کرنا اور اپنے آپ کو محدث قرار دے کر اپنے لئے جزئی نبوت اور ایک نوع نبوت کو تجویز کرنا اور ایک قسم کا نبی کہلانا صاف مشعر ہے کہ وہ اپنے آپ کو انبیائے بنی اسرائیل کی مانند (جونئی شریعت نہ لاتے بلکہ پیروی شریعت سابق کی کرتے اور نبی کہلاتے) نبی سمجھتا ہے۔ یہی امر اس کے قصیدہ الہامیہ کے اشعار ذیل سے جو ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۶۲ وغیرہ میں منقول ہے، سمجھ میں آتا ہے

حکم است ز آسمان بزمیں مے رسانمش گر بشنوم نگویمش آں را کجا برم

من می زیم بوحی خدائے کہ بامن ست پیغام اوست چوں نفس روح پرورم

من نیستم رسول و نہ آوردہ ام کتاب ہاں ملہم ہستم وز خداوند منذرم

(ہر چند ان ابیات میں آپ نے رسول ہونیکی نفی کی ہے، مگر سرورق ازالہ پر اپنے حق میں لفظ مرسل یزدانی لکھوا کر چھپوا دیا ہے۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ درحقیقت آپ کو رسالت کا بھی دعوی ہے۔ اور ان ابیات میں نفی صرف دھوکہ ہے۔ اس پر ایک روشن اور قطعی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ازالہ کے صفحہ ۶۷۳ میں اپنا رسول مبشر بزبان حضرت مسیح ہونا آپ نے بزعم خود قرآن سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے

> اس سلسلہ کا خاتم باعتبار نسبت تامہ وہ مسیح عیسی بن مریم ہے جو اس امت کے لوگوں میں سے بحکم ربی مسیحی صفات سے رنگین ہوگیا ہے اور فرمان جعلنا ك المسيح ابن مريم نے اس کو درحقیقت وہی بنا دیا ہے و كان الله على كل شيء قديراً ۔ اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جلالی۔ اور احمد اور عیسی اپنے جمالی معنوں کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی طرف یہ

اشارہ ہے و مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع جلال و جمال ہیں ۔لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی مجرد احمد (خود بدولت) جو اپنے اندر حقیقت عیسوی رکھتا ہے، بھیجا گیا ہے ۔ .
اور جس فرمان کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۷۳ میں آپ نے بیان کیا اور فرمایا ہے . اس عاجز کا نام مسیح ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمادیا

جعلناك المسيح ابن مريم ۔

یہ عبارت صاف ناطق ہے کہ آپ اپنے آپ کو بہ شہادت قرآن، رسول سمجھتے ہیں ۔ پھر اس بیت میں اپنی رسالت سے انکار مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور الزام دعوی رسالت سے بچنے کے سوا کیا معنی رکھتا ہے؟)

یہ (فارسی) ابیات صاف پکار رہے ہیں کہ آپ نبی ہیں، صاحب وحی ہیں، منذر ہیں، پیغمبر ہیں ۔ سب کچھ ہیں ،صرف کسر ہے تو اتنی ہے کہ آپ کوئی نئی کتاب نہیں لائے، بلکہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح پہلی کتاب کے تابع ہیں اور اس میں عموم و خصوص نصوص قرآنیہ ونبویہ مذکورہ بالا سے صاف انکار ہے ۔ اور یہ دعوی نبوت وتکذیب نصوص قادیانی کے دجال وکذاب ہونے پر بڑی روشن وقوی دلیل ہے ۔

☆ ایسے ہی کاذب مدعی نبوت کو آنحضرت ﷺ نے دجال فرمایا ہے ۔ چنانچہ حدیث مذکور ابی داؤد میں صاف تصریح ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے منقول ہے

لاتقوم الساعة حتى يبعث دجالو ن كذابو ن قريباً من ثلاثين كلهم يزعمون انه رسو ل الله (بخاری ۔ ص ۵۰۹ ، مسلم۔ ص ۳۹۷ جلد۲)۔

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت نہ ہوگی جب تک کہ تقریباً تیس دجال کذاب پیدا نہ ہوں جو دعوی کریں گے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں ۔

صحیح مسلم (ج ا ص ۱۰) میں یہ بھی حدیث ہے

قال رسول الله ﷺ يكو ن فى آخر الزما ن د جالون كذابون يأتو نكم من الاحاديث بمالم تسمعوا انتم ولا آباء كم فاياكم واياهم لا يضلو نكم ولا يفتنو نكم کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے دجال کذاب پیدا ہوں گے جو تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جن کو تم نے نہ سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپوں نے ۔ ان

سے بچتے رہنا وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور کسی بلا میں نہ ڈال دیں۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے

قال ثعلب کل کذاب فھودجال وقیل الدجا ل المموہ یقال د جال فلان اذا موہ ودجل الحق بباطلہ ای اعطاہ ۔(شرح مسلم۔ ص ۱۰ ج ۱)۔کہ ثعلب نے کہا جو جھوٹا ہو وہ دجال ہے۔بعض نے کہا دجال وہ ہے جو باطل پر حق کا ملمع چڑھا وے، یا حق کو باطل سے ڈھانپ دے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے

قد ظہر مصداق ذا لک فی آخر زمن النبی ﷺ فخر ج مسیلمۃ بالیمامۃ واسود العنسی با لیمن ثم خر ج فی خلافۃ ابی بکر طلیحہ بن خو یلد فی بنی اسد بن خزیمہ وسجاح التمیمیہ فی بنی تمیم ۔ وقتل الاسود قبل ان یموت النبی ﷺ وقتل المسیلمہ فی خلافۃ ابی بکر و تاب طلیحہ و ما ت علی ا لاسلام علی الصخیح فی خلا فۃ عمر و نقل ان السجاح ایضاً ثابت واخبار ھئولاء مشہورۃ عندالاخبار یین ثم کا ن اول من خر ج منھم المختار بن ابی عبید الثقفی غلب علی الکوفہ فی اول خلافۃ بن زبیر ۔ فاظہر محبت اہل البیت و عدا الناس الی طلب قتلۃ الحسین فتبعھم فقتل کثیر ممن باشر ذا لک او اعان علیہ فاحبہ الناس ثم انہ زین لہ الشیطا ن ان ادعی النبو ۃ وزعم ان جبرا ئیل یأ تیہ ۔ فروی ابودائود الطیالسی باسنادصحیح عن رفاعۃ بن شداد قال کنت ابطن شیء بالمختار فدخلت علیہ یوماً فقال دخلت وقد قام جبر ئیل قبل من ہذاالکرسی ۔ و روی یعقوب بن سفیان باسناد حسن عن الشعبی ان الاحنف بن قیس اراہ کتاب المختار الیہ یذکر انہ نبی و روی ابودائود فی السنن من طر یق ابرا ہیم النخعی قال قلت العبیدۃ بن عمرو اتری المختار منھم قال اما انہ من الرئوس وقتل المختار سنۃ بضع وستین و منھم الحراث الکذاب خر ج فی خلافۃ عبدالملک بن مروان فقتل وخرج فی خلافۃ بنی العباس جماعۃ ۔ (فتح الباری ۔ ص ۴۵۴ ج ۲)۔

کہ اس حدیث کا صدق آنخضرت ﷺ ہی کے آخر زمانہ میں ظاہر ہو چکا ہے۔ یمامہ میں مسیلمہ کذاب ایسا نکلا، یمن میں اسود عنسی۔ پھر حضرت ابوبکر کے دور میں طلیحہ اور سجاح نکلے۔ اسود تو آنخضرت ﷺ کی رحلت سے پہلے مارا گیا۔ اور مسیلمہ خلافت ابوبکر میں، اور طلیحہ تائب ہوا اور اسلام کی حالت میں مرا اور سجاح بھی تائب ہوئی۔ ان کے حالات اہل تاریخ جانتے ہیں۔ ان سب کے بعد پہلے مختار بن عبید نکلا۔ اس نے ابن زبیر کی شروع خلافت میں کوفہ پر غلبہ پایا۔ سو پہلے تو اس نے محبت اہل بیت کا اظہار کیا اور اس کی طرف لوگوں کو بلایا پھر یہ دعوی کیا کہ میرے پاس جبرائیل آتے ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد الطیالسی نے رفاعہ سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن مختار کے پاس گیا تو وہ بولا کہ ابھی اس کرسی سے جبرائیل اٹھ کر گئے ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ احنف ابن قیس نے ان کو مختار کا ایک خط دکھایا جس میں اس نے اپنی نبوت کا ذکر کیا تھا۔ ابوداؤد نے سنن میں عبیدہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ مختار ان مدعیان نبوت کا سردار تھا۔ یہ مختار ۶۰ھ میں مارا گیا اور من جملہ ان کے حارث کذاب ہے جو خلافت عبدالملک بن مروان میں نکلا اور مارا گیا۔

☆ غلام احمد قادیانی کا یہ بھی حال سنا گیا ہے کہ وہ اپنے مریدوں میں بیٹھ کر دعوی کیا کرتا ہے کہ جبرائیل میرے سامنے کھڑے ہیں، جو کچھ مجھ سے کہتے ہیں میں وہی لوگوں کو سناتا ہوں (جبرائیل کے سامنے کھڑے ہونے سے آپکی مراد یہ ہے کہ جبرائیل کی عکسی تصویر کھڑی ہے، نہ ذات جبرائیل۔ کیونکہ آنخضرت ﷺ پر نزول جبریل سے وہ عکسی تصویر مراد لیتے ہیں۔ یا شائد اپنے پاس جبرائیل کا بذات خود آنا جائز رکھتے ہوں۔ مگر یہ آپ کے اس اصول کے برخلاف ہے کہ جبرائیل اپنے ہیڈ کوارٹر سے جدا نہیں ہوتا)

اس الزام کے جواب میں شائد مرزا قادیانی یا اس کے حواری یہ دو عذر پیش کریں۔

اول یہ کہ ہر چند مرزا قادیانی نے نبوت کا دعوی کیا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس نبوت کا دوسرا نام محدثیت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نبوت کے دعوے سے محدثیت کا دعوی مراد ہے، نہ حقیقۃً اور معناً نبی ہونے کا دعوی۔ اس میں اس پر زیادہ سے زیادہ الزام قائم ہوتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے حق میں لفظ نبی کا اطلاق کیا اور اس میں الفاظ نصوص مذکورہ کا خلاف کیا، نہ یہ الزام کہ وہ حقیقۃً نبوت کا مدعی ہے۔

عذر دوم یہ کہ ان احادیث میں ان لوگوں کو دجال و کذاب کہا گیا ہے جو نبوت خاتم

النبیین کے مقابلہ میں نبوت کا دعوی کریں اور مستقل نبی کہلاویں جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود وغیرہ سے وقوع میں آیا ہے، اور قادیانی تو نبوت مستقلہ کا دعوی نہیں کرتے بلکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کے ساتھ دعوی نبوت کرتے ہیں۔ لہذا وہ ان احادیث کے مصداق نہیں ہوسکتے اور نہ دجال کذاب کہلانے کے مستحق ہیں۔

ان دونوں عذر میں سے پہلے عذر کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ قادیانی نے یہ بات کہہ دی ہے کہ جس نبوت کا اس کو دعوی ہے اور اس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس کا دوسرا نام محدثیت ہے اور اسی محدثیت کے معنی سے نبوت کا وہ مدعی ہے، مگر ساتھ اس کے اس نے محدثیت کے معنی ایسے بیان کئے ہیں اور اس کی حقیقت کی ایسی تشریح کر دی ہے کہ اس سے بجز نبوت اور کچھ مراد نہیں ہوسکتا۔

اس کی عبارت توضیح مرام میں (جو پہلے منقول ہوچکی) صاف تصریح ہے کہ محدث جزئی طور پر ایک نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خداتعالی سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر کھولے جاتے ہیں اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہوکر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والہ ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں، الی قال۔ ان النبی محدث والمحدث نبی باعتبار حصول نوع من انواع النبوۃ جس سے صاف اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک محدث کے وہی معنی اور اس کی وہی حقیقت ہے جو نبی کے معنی اور حقیقت ہے۔ اور محدث اور نبی آپ کے نزدیک صدق وتحقق میں مساوی ہیں۔ یا نبی عام ہے اور محدث ایک نوع خاص۔ اور اس سے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے صرف لفظی نبوت کا دعوی نہیں کیا اور اس میں صرف لفظی غلطی کا ارتکاب نہیں فرمایا بلکہ آپ معنی نبوت کو اپنی ذات شریف میں متحقق سمجھتے ہیں اور حقیقۃً اور معناً نبی ہونے کے مدعی ہیں۔ اور عبارت منقولہ (بمقام دیگر) میں آپ کا مرسل رسول کہلوانا بھی اس کا مؤید ہے۔

دوسرے عذر کا جواب یہ ہے کہ نبوت جس کے مدعی کو آنحضرت ﷺ نے دجال کہا ہے، نبوت مستقلہ سے مخصوص نہیں۔ یہ تخصیص نہ احادیث مذکورہ میں وارد ہے اور نہ اور کہیں اس کا وجود ہے۔ اور اطلاق نصوص مذکورہ سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت

غیر مستقلہ کا مدعی بھی ویسا ہی دجال وکذاب ہے جیسا کہ مدعی نبوت مستقلہ ۔ اور ابو داؤد کی حدیث مذکورہ اپنے سیاق وصراحت سے بتارہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسے نبی بھی نہ ہوں گے جیسے بنی اسرائیل میں ہوتے تھے (جو نئی شریعت نہ لاتے بلکہ پچھلی شریعت کی پیروی کرتے تھے) کیونکہ آپ ﷺ نے ایسے ہی نبیوں کو ذکر فرما کر اپنے بعد نبی آنے کی نفی کی ہے

اس حدیث کا سیاق اور احادیث سابقہ کا اطلاق صاف بتارہا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے اور نبی کہلائے، گو دعوی استقلال نبوت نہ کرے بلکہ پیروی خاتم النبین کا مدعی ہو، وہ دجال وکذاب ہے اور احادیث مذکورہ کا مصداق ۔ مرزا صاحب قادیانی ان احادیث کے اطلاق وسیاق میں بلادلیل تخصیص کرینگے اور نبی غیر مستقل کہلا کر ان احادیث کے مضمون سے اپنے آپ کو مستثنی قرار دیں گے تو یہ ان کے دجال ہونے پر ایک اور دلیل ہوگی ۔

علاوہ بریں قادیانی کا یہ دعوی اتباع آنحضرت ﷺ اور عدم استقلال دعوی رسالت بھی چند روز تک ہی معلوم ہوتا ہے ۔ جب آپ کا یہ دعوی نبوت تبعی غیر استقلالی آپ کے مریدوں میں بلاخوف مانا گیا تو دعوی نبوت مستقلہ بھی آپ سے بعید نہیں ہے ۔ جیسا کہ مختار سے وقوع میں آیا تھا۔ چنانچہ فتح الباری کی عبارت میں گذرا اور ایسا ہی دجال موعود سے وقوع میں آئے گا۔ چنانچہ طبرانی کی روایت میں ہے

واماالذی یدعیه فا نه یخر ج اولا فیدعی الایمان والصلاح ثم یدعی النبو ة ثم یدعی الالهیة کما اخر ج الطبرا نی من طریق سلیمان ابن شهاب قال نزل علی عبدالله ابن المعتمر وکا ن صحا بیاً فحدثنی عن النبی ﷺ انه قال الدجال لیس فیه خفاء یجیء من قبل المشرق فیدعوا الی الدین فیتبع و یظهر فلایزال حتی یقد م الکوفة فیظهر الدین والعمل به فیتبع وبعث علی ذالک ثم یدعی انه نبی فیفرغ من ذالک کل ذی لب و یفارقه فیمکث بعدذالک فیقول اناالله فتغشی عینه وتقطع اذ نه و یکتب بین عینیه کافر ۔ (فتح الباری) ۔ کہ دجال لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلائے گا جب لوگ اس کے اس دعوی کے سبب پیرو ہو جائیں گے اور کوفہ وغیرہ میں اس کا تسلط اور تغلب ہوجائے گا تو پھر دعوی نبوت کرے گا جس سے عقل مند لوگ

گھبرائیں گے اوراس سے جدا ہوں گے۔ پھر وہ دعوی خدائی کرے گا اس وقت اس کی آنکھ پر جھلی پیدا ہوگی یعنی وہ کانا ہوگا اوراس کی پیشانی پر لفظ کافر لکھا جائے۔

ایسا ہی قادیانی سے ڈر لگتا ہے کہ اب تو اس کو دعوی نبوت تبعی ہے، پھر دعوی نبوت مستقلہ ہوگا۔ پھر دعوی الوہیت۔ یہ گمان آپ کے حق میں بلا برہان نہیں ہے۔ آپ کے سابق حالات اس گمان پر روشن دلائل ہیں۔

زمانہ تالیف براہین احمدیہ میں آپ نے یہ دعوی کیا تھا کہ جو پیشین گوئی غلبہ دین اسلام حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔ حضرت مسیح اس کے ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہیں اور ہم (خود بدولت) روحانی اور معقولی طور پر اس کے مصداق ہیں اور فرمایا تھا کہ جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا اس پیش گوئی میں وعدہ کیا گیا ہے وہ غلبہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب آپ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تب آپ کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع اقطار عالم میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ۔ص ۴۹۸ جلد۴)۔

یہ بات آپ کی مسلمانوں میں مانی گئی تو آپ اب فرما رہے ہیں کہ مسیح گئے گذرے اور مر گئے۔ اب وہ دنیا میں نہیں آسکتے اور جو پیشین گوئیاں مسیح کے حق میں وارد ہیں وہ سر بسر آپکے حق میں ہیں، اور آپ ہی ان کے مصداق ہیں۔ پس اگر ایسا ہی چندروز کے بعد دعوی بنوت مستقلہ بلکہ الوہیت کاملہ آپ سے ظہور پاوے تو کون سے تعجب کا محل ہے۔

اس دعوی نبوت مستقلہ کرنے کا زمانہ آئندہ میں آپ کی نسبت کوئی گمان نہ کرے تو وہی نبوت تبعی اور جزئی (جس کے آپ برملا مدعی ہیں) آپ کے دجال ہونے کیلئے کافی دلیل ہے۔ نصوص مذکورہ صاف فیصلہ کرتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد دعوی نبوت کرے (محدث ہی کیوں نہ کہلاتا ہو) وہ دجال و کذاب ہے۔

اس میں بھی کسی کو اشتباہ رہے تو اس کی فہمائش کے لئے صحیح مسلم کی دوسری حدیث اس کے دجال ہونے پر کافی دلیل ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ جو شخص ان کو ایسی باتیں (دین کے متعلق) سناوے جو ان کے بزرگوں سے نہ پہنچی ہوں تو وہ دجال ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی اصول دین اور مسائل اعتقادیہ میں ایسی باتیں کہتا اور قرآن وحدیث کے ایسے معنی بیان کرتا ہے جو آنحضرت ﷺ کے اصحاب کبار کے خواب میں بھی نہ آئے تھے اور نبوت ختم شدہ کو نبوت کلی اور تشریعی سے مخصوص کرنا اور نبوت

جزئی وغیر تشریعی کو اپنے لئے تجویز کرنا اسی قسم سے ہے۔ پھر اس کے دجال و کذاب ہونے میں کیا شک ہے۔

☆ قادیانی نے جو اپنے عقیدہ کفریہ بدعیہ پر حدیث مبشرات سے استدلال کیا ہے وہ اس کے عقیدہ کا مثبت نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کی بے علمی و نافہمی پر ایک روشن دلیل ہے۔ اس حدیث میں مبشرات یعنی مومنوں کے سچے خوابوں کو نبوت کا ایک جزء قرار دیا ہے نہ ایک نوع نبوت یا جزئی نبوت۔ (چنانچہ بخاری کی حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ نبیوں کے خواب وحی ہیں یعنی وحی نبوت کا ایک نوع۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرق کرنا اور مومنوں کے خواب کو جزء نبوت اور نبیوں کے خواب کو وحی، یعنی نوع وحی نبوت، قرار دینا صاف مشعر ہے کہ مومنوں کے خواب نبوت نہیں ہیں، بلکہ وہ جزء نبوت ہیں) اور یہ ظاہر ہے اور ادنی اہل علم کو معلوم ہے کہ جزء اور ہے، جزئی اور۔ کسی چیز کی جزء پر اس کے کل کا حقیقۃً اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اور جزئی پر کلی کا اطلاق حقیقۃً ہوتا ہے۔ جزئی میں کلی کا پورا تحقق ہوتا ہے۔ ایسا ہی نوع میں جنس مع فصل پوری پائی جاتی ہے بلکہ خارج اور نفس الامر میں جزئی ہی موجود اور اپنی کلیات کا کل ہوتی ہے اور کلیات اس کے اجزاء ہوتے ہیں۔ اور یہ امور جزء میں پائے نہیں جاتے، نہ ان میں کل کا پورا تحقق ہوتا، نہ وہ کل کا کل ہوتی ہے۔ لہذا کوئی عقل مند جزء کو جزئی یا کلی کا ایک نوع نہیں کہہ سکتا۔ مثلاً حقیقت انسان کی جزء حیوان کو کوئی شخص انسان نہیں کہہ سکتا اور نہ اس کو جزئی انسان یا ایک نوع انسان قرار دے سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص صرف شکر یا سرکہ کو سکنج بین نہیں کہہ سکتا، اور نہ ان اجزاء کو سکنج بین کا ایک قسم قرار دے سکتا ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنی بے علمی اور نافہمی سے اس بات کو نہیں سمجھا اور جزء نبوت کو نوع نبوت اور نبوت جزئی قرار دیا ہے اور انکار نصوص ختم نبوت کا ارتکاب کیا ہے۔ ریاست بھوپال کا ملازم محمد احسن امروہی جو قادیانی کو علوم و حقائق کا دریائے ناپیدا کنار سمجھتا اور اپنے رسالہ اعلام میں اس کے حق میں لکھ چکا ہے و لا ينتهى بحره الذى لاساحل له وہ اس بات کو غور سے سمجھے۔ اور اب بھی اس کو بے علم سمجھ کر اس کے اتباع سے ہاتھ ٹھائے ورنہ تھوڑے دنوں بعد وہ سخت پچھتائے گا اور آخر اس کی اتباع سے دست بردار ہوجائے گا۔ ان شاء الله تعالى۔

☆ اور قادیانی کا حضرت عیسی مسیح کا سولی پر چڑھایا جانا تجویز کرنا نص قرآن وماقتلوہ

وما صلبوہ سے انکار ہے اوراس میں آپ نے نیچریوں کی تقلید کی ہے جو عیسائیوں کے مقلد ہیں۔تفسیر نیچری (سرسید احمد) نکالو اوراس امر کی تصدیق کرلو۔

☆ ایسا ہی مرزا قادیانی کا حضرت مسیح کے معجزات سے بتاویل انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔اوران کی تاویلات میں نیچریوں کا اتباع ہے۔اس بات میں قادیانی کا قانون قدرت سے استشہاد کرنا بھی اسی اعتقاد نیچریت کو ظاہر کرنا ہے۔انسان کا تجربہ اورمشاہدہ خداتعالی کی قدرت کا قانون نہیں ہوسکتا، اوراس کی قدرت انسان کے تجربہ ومشاہدہ میں محدود نہیں ہوسکتی۔اس بات کا مرزا قادیانی خود پہلے مقر ہوچکا ہے اوراپنی کتاب سرمہ چشم آریہ کے صفحہ ۱۷ وغیرہ میں اپنے تجربہ کو قانون خداوندی قرار دینے والے کو کفر و بے ادبی و بے ایمانی کہہ چکا ہے۔

☆ اورقادیانی کا بعض احادیث صحیحین کو موضوع کہنا بدعت وضلالت ہے اوران تمام اہل اسلام کے مخالف جو احادیث صحیحین کو مانتے ہیں۔حجۃ اللہ البالغہ میں ہے

اماالصحیحان فقد اتفق المحدثو ن علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المر فوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانہ کل من یھو ن امر ھما فھومبتدع یتبع غیرسبیل المو منین ۔کہ صحیحین کی مرفوع و متصل حدیثوں کے صحیح ہونے اوران کتب کے مؤلفوں تک بتواتر پہنچ جانے پر محدثوں کا اتفاق ہوچکا ہے۔اوراس امر پران کا اتفاق ہے کہ جوشخص ان کی شان کی توہین کرے وہ بدعتی ہے۔مومنوں کی راہ کے مخالف راہ کا پیرو۔

☆ اورقادیانی کا کشف کے ذریعہ سے حدیث صحیح بخاری کو موضوع قرار دینا اوربھی گمراہی ہے۔غیر نبی کا کشف والہام، حجت شرعی نہیں۔چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے

والالہام المفسربالقاء معنی القلب بطریق الفیض لیس من اسباب المعرفۃ بصحۃ الشیء عند اہل الحق (شرح عقائد نسفی ص ۴۵) کہ الہام جس کی تفسیر یہ ہے کسی کے دل میں بطور فیض کچھ القاء ہو۔اہل حق کے نزدیک حقیقت اشیاء کے علم ومعرفت کا وسیلہ نہیں ہے،

ایسا ہی تلویح وغیرہ کتب اصول میں ہے۔

تو پھر وہ ایک حجت شرعی (یعنی حدیث صحیح) کا مبطل کیوں کرہوسکتا ہے۔وہ خود اپنی

صحت وقبولیت میں توافق قرآن وحدیث کا محتاج ہے ۔

☆ اور قادیانی کا حدیث کو مفسر قرآن نہ ماننا ضلالت اور اہل بدعت کی علامت ہے ۔ اہل سنت میں مسلّم ہے کہ حدیث قرآن کی تفسیر ہے اور اس کے اجمال کی مبین ۔

سنن دارمی کے صفحہ ۷۶ میں باب السنة قا ضية على كتاب الله عقد کیا ہے اور اس میں ایک حدیث مرفوع نقل کی ہے ۔ پھر بعینہ یہ قول امام یحی ابن کثیر سے نقل کیا ہے اور اس کے صفحہ ۲۸ میں حضرت عمر سے نقل کیا ہے

عن عمر ابن الخطاب قا ل انه سيأ تى ناس يجاد لو نكم بشبهات القر آن فخذو هم با لسنن فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله ۔ کہ لوگ قرآن کی متشابہ آیات تمہارے سامنے پیش کریں گے، تم ان کو احادیث نبویہ سے پکڑنا کیونکہ قرآن کو بہتر جاننے والے اصحاب سنن ہیں ۔

اور امام شعرانی نے منہج میں کہا ہے

اجتمعت الامة على ان السنة قا ضية على كتاب الله ۔ کہ امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت، کتاب اللہ کی وجوہات مختلف کا فیصلہ کرنے والی ہے ۔

☆ اور قادیانی کا اپنی اتباع کو مدار نجات ٹھہرانا اور اس سے انکار کو موجب ہلاکت کہنا بھی سخت گمراہی ہے ۔ اور اس میں بھی اس کا اپنے حق میں در پردہ نبوت کا دعوی ہے کیونکہ یہ دعوی صرف انبیاء علیہم السلام کو پہنچتا ہے جو سوء خاتمہ سے مامون ہیں ۔ دوسروں کو، ولی ہی کیوں نہ ہوں ، اپنی ہی نجات وحسن خاتمہ کا یقین نہیں ہے تو وہ دوسروں کو نجات کا یقین کیوں کر دلا سکتے ہیں ۔

صحیح بخاری میں اکابر صحابہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنے اوپر نفاق کا ڈر رکھتے تھے ۔

قال ابن ابى مليكه ادر كت ثلاثين من اصحاب النبى ﷺ كلهم يخاف النفاق على نفسه (صحیح بخاری) کہ اسود نے کہا کہ میں نے تیس اصحاب نبوی کو پایا، یعنی دیکھا، وہ سب کے سب اپنے حق میں نفاق کا ڈر رکھتے تھے ۔

اور مشکوۃ میں حضرت عثمان سے مروی ہے کہ آپ مقبرہ (قبرستان) میں جاتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی ۔ اسی نظر سے علمائے اسلام نے کہا ہے کہ ایمان بین

الرجاء والخوف چاہیے۔ اور شرح عقائد کے صفحہ ۲۳۷ میں ہے۔

و الامن من الله تعالی کفر لانه لایأ من مکرالله الاالقوم الخاسرون ۔
خدا کے مواخذہ سے بے خوف ہوجانا کفر ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے خدا تعالی سے وہی لوگ بے ڈر ہوتے ہیں جو خسارہ میں ہیں۔

اور اس کے صفحہ ۲۳۱ میں ہے

لایبلغ الولی درجة الانبیاء لان الانبیاء معصومون ما مونون من سوء الخاتمة (۔شرح عقائد۔) کہ ولی انبیاء کے درجہ کو نہیں پہنچتے کیونکہ انبیاء خاتمہ برا ہونے سے باامن ہوتے ہیں۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے

ورسول الله مات علی الایمان و لیس ہذا فی اصل شارح تصدر لهذا المیدان لکونه ظاہرا فی معرض البیان ولایحتاج ذکره لعلوه فی ہذا الشان و لعل مرام الامام علی تقدیر صحة و رود ہذاالکلام انه ﷺ من حیث کونه نبیاً من الانبیاء و هم کلهم معصومون عن الکفر فی الابتداء و الانتهاء نعتقد انه مات علی الایمان واماغیره من الاولیاء والعلماء والاصفیاء بالاعیان و لانجزم بموتهم علی الایمان وان ظہر منهم خوارق العادات و کمال الحالات و جمال انواع الطاعات فان مبنی امره علی الایمان و هو مستور علی افراد الانسان و لهذا کانت العشرة المشرة وامثالهم خائفین من انقلاب احوالهم و سوء اعمالهم فی مآلهم۔
کہ آنحضرت ﷺ کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔اس مسئلہ کا بیان اہم مقام میں اس امر کے اظہار کی غرض سے ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ نبی ہیں اور نبی سب کے سب ابتداء عمر سے انتہاء تک کفر سے محفوظ ہوتے ہیں ۔ لہذا ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔ان کے سوا اور ولیوں کے ایمان پر خاتمہ ہونے کا ہم یقین نہیں کر سکتے اگرچہ ان سے کرامات و کمال حالات اور انواع طاعات ظاہر ہوں، کیونکہ یہ یقین تب ہو جب کہ ان کا ایمان یقیناً ثابت ہو۔اور یہ ایمان لوگوں پر مخفی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے عشرہ مبشرہ اور ان کے امثال اصحاب سوء خاتمہ سے ڈرتے رہے ۔

اور جب اکابر اولیاء کو یہ دعوی نہیں پہونچتا تو مرزا قادیانی (جو عقائد اور اقوال مذکورہ کی نظر سے دائرہ اسلام اور تسنن سے خارج ہے اور اس اعتقاد و اقوال کے ساتھ اس کا ولی ہونا ممکن نہیں ہے) کو یہ دعوی کب زیبا ہے۔

☆ اور مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ اعتقاد حیات مسیح علیہ السلام شرک کا ستون ہے، ان تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین، آئمہ مجتہدین اور آنحضرت ﷺ کے وقت سے اسوقت تک کے عام مسلمین کو جو حضرت مسیح کو زندہ سمجھتے اور قیامت سے پہلے ان کے نزول کے معتقد ہیں، مشرک بنانا ہے۔ اور یہ امر جیسا کفر ہے، محتاج بیان نہیں ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہم نے سوال سائل کے جواب میں کہا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے حق میں فتوی دیا، وہ صحیح ہے۔ کتاب وسنت و اقوال علماء امت اس کی صحت پر شاہد ہیں۔ اب مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہیں۔ نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کو ابتداء سلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنون میں بلاویں۔ اور نہ اس کی دعوت قبول کریں اور نہ اس کی اقتداء کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، اگر انہیں اعتقادات و اقوال پر یہ رحلت کرے۔ واللہ الموفق للعمل والقبول۔

الراقم العاجز **سید محمد نذیر حسین**

(اس فتوی پر جن علماء نے تصدیقی و تائیدی دستخط فرمائے تھے ان کے اسماء گرامی ہماری کتاب کے حصہ سوم میں درج کیئے جاچکے ہیں۔ بہاء الدین)



جلسہ قادیان

۱۸۹۲ء

اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ نمبر یکم لغایت ہشتم بابت ۱۳۰۹۔۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء (جو اپریل۔مئی ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی) میں (بصفحہ ۲ تا ۴) مولانا بٹالوی نے لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مناظرات لودہانہ اور دہلی میں شکست کھائی، تو اس کو اپنے بچاؤ کی تدبیر اس کے سوا کچھ نہ سوجھی کہ قادیان میں پناہ گزین ہوکر گوشہ خلوت اختیار کرے اور اس مصرعہ پر کاربند ہو

ہیچ آفت نرسد گوشہ تنہائی ما

گو حریف اس کو گریز سمجھیں۔ اور اس بیت کا مصداق خیال کریں

زاہد نہ داشت تاب وصال پری رخاں کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

مگر پھر مرزا صاحب کو یہ فکر و حیرت ہوئی کہ خلوت اختیار کریں، تو کھائیں کہاں سے؟ کیونکہ اس کی زمین (جس کی نظر سے اپنے آپ کو رئیس قادیان سمجھتا ہے) کی سالانہ آمدنی اس کے ایک مہینے کے خرچ کی بھی مکتفی نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو چپ چاپ بیٹھنے سے باہر سے بھی کوڑی آنے کی امید نہیں ہوتی۔ یہ سوچ کر اس نے دو تدبیریں (جن سے خلوت بھی قائم رہے اور روٹی بھی مل جائے) زرکشی اور اوقات بسری کی نکالیں۔

☆ ایک تدبیر یہ کہ قادیان میں ایک سالانہ میلہ یا بھنڈارہ مقرر کریں، اس کی ترغیب و تحریص کے لئے اس مضمون کے اشتہار جاری کریں کہ اس جلسہ میں ایسے انوار و برکات و آثار و آیات ظاہر ہوں گی، جن کو حاضرین خود مشاہدہ کرلیں گے۔ اس مضمون کو سن کر اس میلہ میں اکثر عوام کالانعام جو دنیا میں حیوانات کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، اور ان

بھیڑوں کی مانند جن میں اگر ایک کسی چیز کی طرف منہ مارنے کو دوڑتی ہے، تو اس کو دیکھ کر بیسیوں اسی طرف دوڑتی ہیں، آئیں گی۔ اور بعض خواص بھی آئیں گے تو وہ نئی روشنی نئے فیشن کے ہوں گے جو اس کے نیچریانہ خیالات کو پسند کرتے ہوں گے۔ پس عوام کو ان کے مذاق کے موافق اپنی کرامات اور جھوٹے الہامات سنائیں گے اور خواص کو عقلی اور نیچری تقریریں اور دلائل سنا کر دام میں لائیں گے اور اس میلہ میں سو پچاس چندہ کا روپیہ خرچ کر کے سال بھر کی روٹیاں کما لیں گے۔

☆ دوسری تدبیر یہ کہ علماء وقت سے بحث مباحثہ یک لخت چھوڑ دیں، اور اپنے پرانے خیالات ملحدانہ کو نئے نئے رنگ دے کر اور ان کے روپ بدل کر شائع و مشتہر کرتے رہیں۔ ان میں اگر کسی مولوی سے مخاطب ہوں تو وہ بھی ایسے طور پر کہ ان کے سوال یا اعتراض کا پورا جواب نہ دیں، بلکہ ان کے مقابلہ میں کوئی اور ہی عوام فریب اور دلچسپ بات کہکر شائع کر دیں۔ اور بحث بھی کریں تو اس طرز کی جیسے مشہور ہے کہ کسی نے ایک شخص کو کہا کہ بھائی تمہاری ازار ٹخنے سے نیچے لٹک رہی ہے اور یہ امر خلاف شریعت ہے۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ تمہارے باواجی کے نکاح میں جو پلاؤ پکا تھا، اس میں نمک کہاں برابر تھا؟ اس تدبیر سے معتقد و مرید بھی جمے رہیں گے اور نئی تصانیف کی قیمت میں نقدی بھی خوب وصول ہوگی۔

☆ مرزا صاحب کی پہلی تدبیر کا اثر ۱۸۹۱ء میں تو صرف اتنا ہوا تھا کہ اس میلہ کی پٹری جم گئی۔ اس میں قادیانی صاحب کے اخصّ مرید آئے اور چند اجنبیوں کو بھی پھنسا لائے۔ ان کے سامنے آپ نے اسلام کی موجودہ حالت کا خوفناک ہونا، اور اپنا نصرت اسلام کے لئے مستعد ہونا ظاہر کر کے ان کے دل میں یہ بات جمادی کہ اس میلہ سے یہی غرض و مقصود ہے اور ہر سال خیر خواہان اسلام کا اس میلہ میں آنا ضروری ہے۔ ۱۸۹۲ء میں اس پٹری پر ایک عمارت بنائی گئی۔ اشتہار اور پرائیویٹ خطوں کے ذریعہ انوار و آیات و آثار و برکات کی خوب طمع دلائی گئی، اور اخصّ مریدوں نے وہ طمع امید کے درجہ تک پہنچا دی۔ سال گذشتہ کے مخلص مرید آئے اور وہ بہت سے نئے جانوروں کو جو محض امّی (ان پڑھ) تھے، جھوٹی طمع دے کر پھنسا لائے۔ بعض شرکاء میلہ سمجھدار اور خواندہ بھی تھے مگر از انجملہ بعض ذاتی اغراض

سے شامل ہوئے، بعض صرف وزیٹر یعنی تماشائی تھے، بعض اگزیمینر (ممتحن)۔

اس جلسہ میں مرزا قادیانی نے جو عوام اور بعض خواص کو بعض ناٹک اور کرتب دکھائے۔ ازانجملہ تین امر زیادہ توجہ ناظرین کے لائق ہیں جن سے قادیانی نے اپنے مطبوعہ کیفیت کے جلسہ میں صرف امر سوم کا ذکر کیا ہے، باقی دو کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔

☆ امر اول یہ کہ ایک شخص مسلوب الحواس میاں کریم بخش کمال پوری کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس کے منہ سے یہ کہلوا دیا کہ گلاب شاہ مجذوب نے یہ کہہ دیا تھا کہ آنے والا مسیح، غلام احمد قادیانی ہے۔ اس بات کو مرزا قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۰۵ میں اور رسالہ نشان آسمانی میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کاروائی پر حاضرین عوام کالانعام کو مرزا صاحب قادیانی کے مسیح موعود ہونے کا یقین ہو گیا اور کسی بے چارہ کو یہ خیال نہ آیا کہ

اول تو اس مسلوب الحواس شخص کی بات کا کیا اعتبار ہے؟

اور اگر وہ اس بیان میں سچا ہے تو پھر اس مجذوب کا کیا اعتبار ہے؟

اور جس مسیح کی اطاعت اور اس کے دعوی کی اجابت اس وقت کی تمام دنیا کے اہل اسلام پر واجب ہے، اس کی تائید میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے ہی مسلوب الحواس اور مجذوبوں کی شہادت کافی ہوسکتی ہے؟

ہرگز نہیں، خصوصاً اس حالت میں کہ اس مسلوب الحواس کی تلقین کیلئے قادیانی کا ایک خلیفہ عبدالقادر جمال پوری مقرر و مسلّط ہے۔

☆ امر دوم یہ کہ مرزا قادیانی نے وجوہات فتوی تکفیر علماء پنجاب و ہندوستان اپنے اوپر سے ٹلانے کے لئے اپنا قائل معجزات و کرامات ہونا بیان کیا اور اس کے ضمن میں یہ بھی کہہ دیا کہ کسی بزرگ کی دعا یا کرامت سے یہ کوٹھا (ایک کوٹھے کی طرف اشارہ کر کے) پرواز کر سکتا ہے۔ اس پر اگرچہ قادیانی کے نیچری معتقد گھبرائے اور سنا ہے کہ بعض یہ کلمہ سن کر بلاملاقات قادیان سے چلے آئے، اور باقی ماندہ نیچریوں کے مرزا قادیانی نے بلطائف الحیل آنسو پونچھے، اور ان کی طفل تسلی کی، مگر عوام کالانعام پر اس بیان کا اثر بحق قادیانی مفید پڑا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ قادیانی معجزات کا منکر نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی مطبوعہ کیفیت جلسہ قادیان سے اس بیان کو، جس سے اس کو نفع ہوا تھا، صرف اس خیال سے نکال دیا کہ اس کے نیچری دوست، جو اس وقت حاضر نہ تھے، اس بیان کو سن کر منحرف نہ ہو جائیں۔

☆ امر سوم۔ قادیانی نے بڑے زور شور سے بیان کیا کہ اس وقت یورپ اور امریکہ میں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اور اس کا باعث اس کی ذات اور تبلیغی کوششیں ہیں جن کو تیز کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے مالی امداد فراہم کی جائے

(قادیانی اور اس کے خواص حواری یورپ اور امریکہ کے اسلام کو قادیانی کے برکات اور کرامات سے سمجھتے ہیں امریکہ میں اسلام کی نسبت تو ان کا صاف یہ دعوی ہے کہ مسٹر الیگزینڈر رسل دب صاحب، جنہوں نے امریکہ میں اسلام کا علم بلند کیا ہے، کو قادیانی سے ہدایت ہوئی ہے۔ صاحب موصوف نے قادیانی سے خط و کتابت کی، جو شحنہ حق میں چھپی ہے، تو قادیانی نے ان کی تسلی کر دی جس کے سبب وہ مسلمان ہو گئے اور یورپ میں قادیانی کے ذریعہ سے اسلام پھیلنے کی بابت رسالہ فتح اسلام میں متعدد اشارات کئے ہیں۔ لکھا ہے

. ناسمجھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے خیالات نے خود بخود راستی کی طرف پلٹا کھایا ہے، لیکن درحقیقت یہ کام ان فرشتوں کا ہوتا ہے جو خلیفۃ اللہ کے ساتھ آسمان سے اترتے ہیں، درحقیقت یہ فرشتے اس خلیفۃ اللہ سے الگ نہیں ہوتے، اسی کے چہرہ کا نور ہوتے ہیں، خواہ وہ جسمانی طور پر نزدیک یا دور ہو۔ وہ جوش ایشیائی لوگوں میں پیدا ہوں یا یورپ کے باشندوں میں۔ ایسے وقت میں نہایت ضروری اور اہم امر یہ ہے کہ نئے رسائل تالیف کر کے اور انگریزی زبان میں ان کو چھپوا کر ان کے پاس بھیجے جائیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس امر اہم میں روپیہ سے مدد دیں .

درحقیقت یہ دونوں باتیں خیال اور سودائے محال ہیں۔ الیگزینڈر صاحب موصوف نے قادیانی سے کچھ ہدایت و تسلی نہیں پائی۔ ان کا خط بے شک قادیانی کے پاس آیا مگر جو اس کا جواب قادیانی نے دیا، وہ تسلی بخش نہ تھا۔ صاحب مذکور دسمبر ۱۸۹۲ء میں لاہور میں رونق افروز ہوئے تو قادیانی کے حواری منشی عبدالحق پنشنر اکونٹنٹ، منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ، منشی امیر الدین وغیرہ ان کے گرد ہو گئے کہ آپ قادیان تشریف لے چلیں اور قادیانی سے ملاقات کریں۔ انہوں نے انکار کر دیا اور صاف کہا کہ مجھے قادیانی سے کوئی تسلی نہیں ہوئی اور قادیان کی طرف منہ کر کے تھوکا بھی نہیں۔

اور فتح اسلام میں جو کچھ قادیانی نے کہا ہے وہ محض ڈھکوسلہ ہے اور حمقاء کے پھنسانے کے لئے دھوکہ۔ قادیانی درحقیقت وجود ملائکہ کا قائل نہیں اس کلام میں وہ ملائکہ کو خلیفۃ اللہ کے انوار بتا چکا ہے اور آسمان سے ان کے نزول کو محال جانتا ہے۔ افسوس قادیانی کے اکثر معتقدین بے علم ہونے کی وجہ سے ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ اس کی کورانہ تقلید کے سبب اسکے کلام کو نہیں دیکھتے۔محمد حسین)

حاضرین مجلس یہ سن کر لٹو ہو گئے اور قادیانی کی مدد کو دین سمجھ کر اپنے جیبوں سے روپئہ نکالنے یا فہرست میں، جس کو قادیانی نے کتاب دافع الوساوس کے آخر میں شائع کیا ہے، نام درج کرانے لگ گئے اور کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ شخص مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپئہ خورد برد کر چکا ہے اور اب تک اسلام اور مسلمانوں کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچا۔ نہ ان روپئوں سے کتاب براہین احمدیہ کو، جس میں تین سو دلائل حقیّت قرآن اور اسلام کے بیان کا وعدہ دیا تھا، چھاپا اور نہ رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ، جس کا شحنہ حق میں اشتہار دیا تھا، نکالا۔ نہ رسالہ سراج منیر، جس کا اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں چند ہفتوں کے بعد شائع کرنے کا وہ وعدہ دے چکا تھا، شائع کیا۔ نہ رسالہ تجدید دین یا اشعۃ القرآن اس نے چھاپ کر مشتہر کیا۔ پھر اپنے اموال کو اس کے ذاتی مصارف کے لئے کیوں برباد کر رہے ہیں؟

☆ اور مرزا صاحب کی دوسری تدبیر کا اثر و نتیجہ ۱۸۹۱ء میں یہ ظاہر ہوا کہ اس نے فیصلہ آسمانی شائع کر کے اپنے اتباع کا گھر پورا کیا، اور اس کے ذریعہ سے خوب روپئہ کمایا۔ (اس فیصلہ آسمانی کا جواب مولانا بٹالوی نے اشاعۃ السنہ نمبر ایک لغایت ۴ جلد ۱۴ میں دیا ہے)۔

☆ ۱۸۹۲ء میں اس تدبیر ثانی کا ایک اثر مرزا قادیانی کا رسالہ نشان آسمانی ہے جس میں اس نے ایک تو اسی کریم بخش مسلوب الحواس کی شہادت کو بیان کیا ہے، دوسرا نعمت اللہ ولی کے قصیدہ مشہورہ کو، جس میں انہوں نے مسیح و مہدی کی خبر دی ہے، اپنے اوپر لگا لیا ہے اس کے جواب میں اہل اسلام نے کئی رسائل تالیف کئے ہیں ازانجملہ

ایک رسالہ تائید آسمانی از منشی محمد جعفر تھانیسری ہے۔

دوسرا اظہار فریب قادیانی مؤلفہ منشی سعد اللہ صاحب مدرس لودہانہ ہے۔

☆ تدبیر ثانی کا دوسرا اثر مرزا قادیانی کی کتاب دافع الوساوس ہے جس کی حقیقت

ہم نے اشاعۃ السنۃ میں بخوبی واضح کر کے اس کے اکثر کفریات کا جواب دیا ہے۔

☆ تیسرا اثر یہ ہے کہ اسی موقعہ (میلہ سالانہ ۱۸۹۲ء) پر مرزا قادیانی نے خاکسار محمد حسین کے نام ایک مراسلت جاری کی، جس میں خاکسار کو ایک منذر الہام سے ڈرایا۔ اس کا جواب کافی وشافی دیا گیا، تو پھر اس نے اپنے خسر فرضی کی موت کے متعلق ایک پیش گوئی کو پیش کیا، اس کا جواب اس کو دیا گیا اور ۸۵ سوالات جرح سے اس پیش گوئی کے الہام ربانی نہ ہونے کی طرف اشارہ کیا، تو قادیانی نے اس پیش گوئی کے دعوی سے سکوت اختیار کر کے ایک اور پرانی بات، مگر نئے رنگ اور دوسرے پیرائے میں پیش کر دی۔ اس کا جواب بھی اس کو ایسا دیا گیا ہے کہ اس میں اس کو معقول کلام کرنے کی جگہ نہیں رہی۔

ذیل میں اس مراسلت اور اس کے جواب اور جواب الجواب کو (اشاعۃ السنۃ ج ۱۵ صفحات ۵ تا ۴۰ سے) نقل کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب جو مرزا قادیانی نے دیا ہے،

اور اس کا جواب جو مولانا بٹالوی کی طرف سے ہے،

وہ دونوں اس سلسلہ مراسلت سے الگ اشاعۃ السنۃ ج ۱۵ صفحات ۱۹۳ تا ۱۹۹ سے نقل کیئے جائیں گے۔



مراسلت

۱۸۹۲ء۔۱۸۹۳ء

☆ مرزا قادیانی کا خط بنام حضرت بٹالوی

نحمدہ و نصلی بخدمت شیخ محمد حسین صاحب ابوسعید بٹالوی

میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں آپکے فتوی تکفیر کی وجہ سے جس کا یقینی نتیجہ احد الفریقین کا کافر ہونا ہے۔اس خط میں سلام مسنون یعنی السلام علیکم سے ابتدانہیں کرسکا لیکن چونکہ آپ کی نسبت ایک منذر الہام مجھ کو ہوا اور چند مسلمان بھائیوں نے بھی مجھ کو آپ کی نسبت ایسی خوابیں سنائیں، جن کی وجہ سے میں آپ کے خطرناک انجام سے بہت ڈر گیا۔تب بوجہ آپ کے ان حقوق کے جو بنی نوع کو اپنے بنی نوع انسانوں سے ہوتے ہیں اور نیز بوجہ آپ کی ہم وطنی اور قرب و جوار کے بھی میرا رحم آپ کی اس حالت پر بہت جنبش میں آیا۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی حالت پر نہایت رحم ہے اور ڈرتا ہوں کہ آپکو وہ امور پیش نہ آجائیں جو ہمیشہ صادقوں کے مکذبوں کو پیش آتے رہے ہیں ۔اسی وجہ سے میں آج رات کو سوچتا سوچتا ایک گرداب تفکر میں پڑ گیا کہ آپ کی ہمدردی کے لئے کیا کروں ۔آخر مجھے دل کے فتوی نے یہی صلاح دی کہ پھر دعوت الی الحق کے لئے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھوں۔ کیا تعجب ہے کہ اسی تقریب سے خدا تعالی آپ پر فضل کر دیوے اور اس خطرناک حالت سے نجات بخشے۔

سو عزیز من۔آپ خدا تعالی کی رحمت سے ناامید نہ ہوں ۔ وہ بڑا قادر ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر

قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالی ہمیشہ کذب کی ناپا کی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطر میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی۔ لیکن اللہ جلّ شانہ کی توفیق سے میں سچ کے لئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کے لئے میں نے بڑے بڑے نقصان اٹھائے اور بسا اوقات محض خدا تعالی کے خوف سے اپنے والد اور بھائی کے بر خلاف گواہی دی۔ اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں اور نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گذر گئی ہے، مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ کبھی میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتداء سے متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا، تو پھر میں خدا تعالی پر کیوں جھوٹ بولتا۔ اور اگر آپ کو یہ خیال گذرے کہ یہ دعوی کتاب اللہ اور سنت کے بر خلاف ہے، تو اس کے جواب میں باد ب عرض کرتا ہوں کہ یہ خیال محض کم فہمی کی وجہ سے آپ کے دل میں ہے۔ اگر آپ مولویانہ جنگ وجدل کو ترک کر کے چند روز طالب حق بن کر میرے پاس رہیں تو میں امید کرتا ہوں کہ خدا تعالی آپ کی تمام غلطیاں نکال دے گا اور مطمئن کر دے گا، اور اگر آپ کو اس بات کی بھی برداشت نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ پھر آخر علاج فیصلہ آسمانی ہے۔ مجھے اجمالی طور پر آپ کی نسبت کچھ معلوم ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں چند روز توجہ کر کے اور تفصیل پر بفضلہٖ تعالی اطلاع پا کر چند اخباروں میں شائع کر دوں۔ اس شائع کرنے کے لئے آپ کی خاص تحریر سے مجھ کو اجازت ہونی چاہیے۔ میں اس خط کو محض آپ پر رحم کر کے لکھتا ہوں اور بہ ثبت شہادت چند کس آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور آخر دعا پر ختم کرتا ہوں۔

ربنا افتح بيننا و بين قو منا با لحق و انت خير الفا تحين۔

الراقم مرزا غلام احمد بقلم خود ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء

☆ جواب منجانب شیخ محمد حسین بٹالوی

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی خدا آپ کو ہدایت کرے اور راہ راست پر لائے

سلام علی من اتبع الھدی ۔ آپ کا خط ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء میں نے تعجب سے پڑھا۔ میں آپ کی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا، بلکہ اس ڈرنے کو شرک سمجھتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں یہ آیات قرآن پیش کرتا ہوں

اتحاجونی فی اللہ وقد ھدان ۔ ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی شیئا وسع ربی کل شیء علما ۔ افلا تتذکرون ۔ وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا ۔ فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون۔ والذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون (حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم مجھ سے خدا کی بابت جھگڑا کرتے ہو ۔ بے شک اس نے مجھے ہدایت کی ہے۔ میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں وہ مجھے کچھ ضرر پہنچانا چاہے تو پہنچا سکتا ہے وہ اپنے علم سے ہر چیز پر وسعت رکھتا ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔ میں ان سے کیوں ڈروں جن کو تم نے شریک خدا بنا رکھا ہے جس کی خدا نے کوئی سند نہیں اتاری بتاؤ ہم دونوں فریق میں سے کون امن کا مستحق ہے اگر کچھ جانتے ہو۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملایا وہی امن میں ہیں اور وہی راہ پانے والے)

قادیانی صاحب میں قرآن اور پہلی کتابوں کو، اور دین اسلام اور پہلے دینوں کو، اور نبی آخرالزمان اور پہلے نبیوں کو، سچا جانتا اور مانتا ہوں ۔ اور اس کا یہ لازمہ اور شرط ہے کہ آپ کو جھوٹا جانوں اور آپ کا منکر ہوں کیونکہ آپ کے عقائد، آپ کی تعلیمات، آپ کے اخلاق و عادات، پہلی کتابوں اور پہلے دینوں اور پہلے نبیوں کے مخالف اور متناقض ہیں ۔ لہذا ان کتابوں دینوں اور نبیوں کو ماننا تب ہی صحیح اور سچا ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے عقائد اور تعلیمات کو جھوٹ اور آپ کو گمراہ سمجھوں، جس پر آیات ذیل دلائل ہیں ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی (جس نے طاغوت سے انکار کیا اور خدا پر ایمان قائم رکھا ، اس نے مضبوط رسی کو ہاتھ میں لیا) وقد امروا ان یکفروا بہ (ان کو حکم ہوا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر کریں)۔

قد کا نت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابرا ہیم و الذ ین معہ اذ قا لوا لقو مھم انا براء منکم و مما تعبدو ن من دو ن اللہ کفر نا بکم و بداء بینا و بینکم العدا وۃ و البغضاء ابداً حتی تو منوا با للہ و حدہ (تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی پیروی اچھی ہے جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور تمہارے معبودوں سے جو خدا کے سوا ہیں ...)

عقائد باطلہ مخالفہ دین اسلام وادیان سابقہ کے علاوہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا آپ کا ایسا وصف لازم بن گیا ہے کہ گویا وہ آپ کی سرشت کا ایک جزء ہے۔ زمانہ تالیف براہین احمدیہ کے پہلے آپ کی سوانح عمری کا میں تفصیلی علم نہیں رکھتا، مگر زمانہ تصنیف براہین سے جو جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، آپ نے اختیار کیا ہے خصوصاً ۱۸۸۶ء سے جب سے آپنے الہامی بیٹا تولد ہونے کی پیش گوئی کی، اور اس قسم کی اور پیشگوئیاں مشتہر کی ہیں۔ علی الخصوص ۱۸۹۰ء سے، جب سے آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوی مشتہر کیا ہے، اس سے آپ کی کوئی تحریر، کوئی تقریر، کوئی خط، کوئی تصنیف خالی نہیں ہے۔ اس پر قیاس ہوسکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں خصوصاً امتحان مختاری میں فیل ہونے اور پھر عدالت میں سال ہا سال اپنے مقدمات کرنے کے وقت آپ کا یہی حال رہا ہوگا۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ بولنے اور ان کو دھوکہ دینے میں ایسا دلیر ہو، وہ خدا پر یہ افتراء کرنے سے، کہ میں ملہم ہوں اور مجھے الہام ہوا ہے کہ فلاں شخص مجھے بیٹی نہ دے گا تو ہلاک ہو جائیگا اور فلاں شخص مجھے مسیح نہ مانے گا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوگا، کس طرح رک سکتا ہے اور اس دعوی الہام میں کیونکر سچا سمجھا جا سکتا ہے۔

آپ اس قسم کے تین ہزار الہامات کے صادق ہونے کے مدعی ہیں (یہ دعوی آپ نے سالانہ میلہ کے جلسہ میں برملا کیا تھا۔ اور ان الہامات کے واقعی الہام ہونے کا۔ محمد حسین) میں ان تین ہزار میں سے صرف تین الہاموں کے صادق ٹھہرنے پر آپ کو ملہم مان لوں گا، اور یہ سمجھوں گا کہ میں نے آپ کے عقائد وتعلیمات کو مخالف حق اور آپ کو بداخلاق اور گمراہ سمجھنے میں غلطی کی۔ ان تین ہزار میں سے جن تین الہاموں کو آپ بیّن الصدق سمجھتے ہیں مثلاً دیانند سرستی کی موت کے متعلق الہام، یا شیخ مہر علی کی رہائی کی نسبت الہام، یا دلیپ سنگھ کی ناکامی سے واپس ہونے کی نسبت الہام، یا آپ کے آئندہ اور

فرضی خسر کے فوت ہو جانے کی نسبت الہام، وامثال ذالک۔ ان کو آپ کسی ایسی مجلس میں جس میں جانبین کے اشخاص مساوی ہوں اور تین منصف مختلف مذاہب کے یا آزاد مشرب ہوں، ثابت کر دیں اور آسانی سے کامیاب ہوں۔

تین نہ سہی، چلو ایک ہی، اپنے خیالی الہام اخیر کا جس کو آپ نے اپنے جلسہ میلہ سالانہ میں اپنے معتقدوں اور دام افتادگان میں، جو اکثر عوام بے علم تھے، اور خواص خود غرض نیچری اور بعض تماشائی، جن کو تحقیق اصل حال سے کوئی غرض نہ تھی، بڑی شد و مد سے بیان کیا تھا، واقعی الہام ہونا ثابت کر دیں۔ آپ مرد میدان ہیں تو میدان میں نکلیں ورنہ ان لن ترانیوں سے شرم کریں۔

اپنے دریائے رحمت کے جوش و جنبش میں آنے کا جو آپ نے ذکر کیا ہے، اس میں آپ نے اپنی سنت قدیم کذب و دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ آپ کو رحمت سے کیا نسبت؟ رحمت اور ہمدردی کا تو آپ میں مادہ ہی نہیں۔ آپ کے افعال و حرکات و کلمات صاف شہادت دے رہے ہیں کہ آپ پرلے سرے کے بے رحم، خود غرض، جانی ونفسانی آدمی ہیں۔ آپ کی زبان، اور حجاج بن یوسف کی تلوار، دونوں توام ہیں آپ نے اپنے مسلمان مخالفین اور معترضین کو اس حالت اور اس وقت میں جب کہ آپ ان کو مخدومی، اخوی کے خطاب سے یاد کرتے اور ان کی نیک نیتی کے معترف تھے، بے حیا، بے ایمان، درندہ، منہ سے جھاگ نکالنے والا، کتا، کلب یموت علی کلب، سفلہ، کمینہ، وحشی وغیرہ وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ کیا رحمت اور انسانی نوع کی ہمدردی یہی معنی رکھتی ہے؟

آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپئہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت میں اور قبولیت دعاؤں کی طمع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور کتاب براہین احمدیہ ہنوز در بطن شاعر کا مصداق ہے اور قبولیت دعاؤں کے امیدوار آپ کے منہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کیا ہمدردی و رحم اسی کا نام ہے؟

جب مجھے آپ سے آپ کے امکانی ولی ہونے کی نظر سے حسن ظنی تھی، تو میں نے آپ سے بارہا التجا کی کہ مجھے آپ اپنے پاس ٹھہرا کر رحمت و برکت کے آثار دکھائیں آپ نے کبھی ہاں نہ کی۔ ایک دفعہ میں نے آپ کو یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے مخالف و منکر

اچھے رہے کہ آپ ان کو نشان آسمانی دکھانے کے لئے انعام کے وعدہ پر بلاتے ہیں، ہم موافقین کو بلا وعدہ انعام بھی نہیں بلاتے ۔تو آپ ہنس کر چپ ہو گئے ۔ پھر جب آپ نے مسیح ہونے کا دعوی کیا، تو میں نے اپنا خلاف ظاہر کر کے آپکے پاس آنا اور دوستانہ پرائیویٹ گفتگو کرنا چاہا، تو آپ بلانے کا وعدہ دیتے دیتے لودہانہ میں جا براجے اور وہاں جا کر مخاصمانہ بحث کا اکھاڑہ جما کرنا جائز اور بحث کو ٹلانے کی شروط سے پناہ گزین ہوئے ۔ پھر جب بمقام لودہانہ آپ کے گھر پر پہنچ کر آپ کو گفتگو پر مجبور کیا تو آپ نے اس باامن گفتگو کو نا تمام چھوڑ کر مخاصمانہ اکھاڑہ جمانے کا اہتمام کیا اور دہلی پٹیالہ، لاہور، سیالکوٹ وغیرہ میں مخاصمانہ بحث کا علم بلند کیا اور پھر بحث سے گریز کر کے انواع اتہام واکاذیب کا اشتہار کیا اور اسی اثنا میں فیصلہ آسمانی لکھ مارا جس میں کوئی دقیقہ بے رحمی و بدگوئی کا فروگذاشت نہ کیا، اس بے رحمی ونفسانی کاروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا۔ بھائی بھائی سے اور دوست دوست سے الگ ہو گیا۔ کیا رحمت و ہم دردی کا یہی اثر ہے۔

آپ میں رحمت و ہم دردی کا شمہ اثر بھی ہوتا تو جس وقت میں نے اپنا خلاف آپ کے دعوی مسیحائی سے ظاہر کیا تھا، آپ فوراً مجھے اپنی جگہ بلاتے یا غریب خانہ پر قدم رنجہ فرماتے (جیسا کہ پہلے بھی آپ سے وقوع میں آتا رہا اور کم سے کم تین دفعہ آپ نے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرما کر رابطہ اتحاد ظاہر کیا تھا) اور اس صورت سے اپنے دعوے جدیدہ کو ثابت کر دکھاتے ۔ اب جو آپ نے یہ خط ارسال فرمایا ہے، یہ بھی آپ کی خودغرضی اور نیت فساد سے خالی نہیں ۔ اس میں خودغرضی یہ ہے کہ آپ کے مرید آپ کو نیک نیت اور اپنے دعوی میں ثابت قدم اور مقابلہ مخالفین کیلئے مستعد سمجھیں ۔ نیت فساد کی یہ ہے کہ جانب ثانی سے جواب ترکی بہ ترکی ملے تو اس سے بٹالہ کے مسلمانوں میں پھوٹ پڑے ۔

یہ آپ کے دعوی الہام وراست بازی وخیر خواہی ورحمت کا جواب ہے ۔ اب میں آپ کی اس درخواست کا کہ خاکسار آپ کے اور آپ کے تابعین کے الہامات و منامات سے ڈر کر آپ کے پاس پہنچے اور آپ کا مطیع ہو جاوے یا آپ کو ان ڈرانے والے الہامات ومنامات کی اشاعت کی اجازت دے، جواب دیتا ہوں ۔

آپ کا خاکسار کو اپنے پاس بلانا، اگر اس غرض سے ہے کہ میں آپ کے عقائد

باطلہ کی نسبت آپ سے کچھ دریافت کروں، تو اس نظر سے آنا فضول ہے۔ ہم مسلمانوں کو آپ کے عقائد باطلہ کے بطلان میں اب کوئی شک نہیں ہے۔ لہذا اس میں کچھ دریافت کرنے کی کوئی ضرورت و حاجت باقی نہیں۔ ہاں آپ کو کچھ شک و اشتباہ ہو تو آپ جس وقت چاہیں، حسب عادت قدیم غریب خانہ پر تشریف لاویں۔ دستور قدیم کے موافق آپ کی مدارات ہوگی اور آپ کی تسلی کی جاوے گی۔ انشاء اللہ

اور اگر خاکسار کو اپنے پاس بلانا اس غرض سے ہے کہ آپ مجھے نشان آسمانی دکھائیں گے تو اس نظر سے آنا نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ گناہ اور موجب نقصان ہے جس شخص کے عقائد اسلام اور سابق ادیان کے مخالف ہوں اس سے نشان آسمانی کا متوقع ہونا، مومن کا کام نہیں۔ اور اگر وہ کچھ چالاکی اور شعبدہ بازی سے بذریعہ مسمریزم وغیرہ دکھا بھی دے تو اس پر اعتماد کرنا مخالف اسلام ہے۔ اس بات کو آپ بھی اپنے اشتہار میں تسلیم کر چکے ہیں۔ ہاں اس غرض سے میرا وہاں پہنچنا جائز بلکہ موجب ثواب ہے کہ میں وہاں پہنچ کر آپ کا عجز اظہار نشان آسمانی سے لوگوں پر ظاہر کروں اور مسلمانوں پر آپ کا جھوٹ اور فریب کھولوں، کیونکہ میرے خیال میں آپ کو مسمریزم وغیرہ میں بھی دخل نہیں۔ اور آپ کے پاس جو ہتھیار اور دام تزویر ہے وہ صرف زبان کی چالاکی اور فقرہ بندی ہے۔ لیکن مجھے اس صورت میں قادیان پہنچنے میں یہ اندیشہ ہے کہ آپ میری جان کو نقصان پہنچانے میں کوشش کریں گے اور اس سے اپنے الہام کو، کہ یہ شخص باون برس کا ہو کر فوت ہو جاوے گا (جس کو آپ کے حواری اور دوست میاں چٹو ریشم فروش اور میاں رجب الدین لاہور وغیرہ آپس میں پھیلا رہے ہیں) سچا کر دکھائیں گے (گو واقع میں کبھی سچا نہیں ہوسکتا کیونکہ میں باون برس کی عمر پوری کر چکا ہوں۔ ۱۷ محرم ۱۲۵۶ھ میری پیدائش ہے اور اب ۱۳۱۰ھ گذر رہا ہے) اور کم سے کم میری آبروریزی کی تدبیر کریں گے۔ پس اگر آپ میری اس غرض کو پیش نظر رکھ کر مجھے اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں تو میرے اس اندیشہ کو ایک باضابطہ تحریر سے جو عدالت میں رجسٹرڈ ہوا ٹھا دیں۔

آپ نے اس تحریر ذمہ داری کو منظور کیا تو اس کا مسودہ آپ کے پاس بھیجا جاوے گا۔ اس صورت میں یہ خاکسار قادیان میں حاضر ہوگا اور جو کام آپ کی خدمت گزاری کا یہاں کرتا ہے، وہاں بیٹھ کر کرے گا۔ درصورت عدم منظوری شرط مذکور، میں قادیان

نہیں آ سکتا۔ اس صورت میں جو آپ نے اپنے اور اپنے تابعین کے الہامات و منامات کے جو میری نسبت ہوئے ہیں، اجازت چاہی ہے اس سے مجھے تعجب آیا اور یقین ہوا کہ آپ دعوی الہام میں کذّاب ہیں۔ خدا کے الہام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے اوروں کی اجازت کے کیا معنی؟ اول تو جو الہام کسی نبی یا ولی کو کسی شخص کے ڈرانے کے لئے ہوتا ہے اس کی اشاعت و تبلیغ اس الہام کا عین مدعا ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا ملہم آپ کو ایسے الہام کرتا ہے جس کی اشاعت تا نظر ثانی و حکم ثانی جائز نہیں ہوتی تو آپ اپنے ہی ملہم سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ میں اس الہام کو شائع کروں یا نہ کروں؟ اور اگر کرونگا تو کسی قانون کے شکنجہ میں تو نہ پھنسایا جاؤں گا؟ آپ کے اس اجازت چاہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الہام کی آڑ میں مجھے گالیاں دینا چاہتے ہیں اور ایسے الفاظ لکھنے اور مشتہر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے میری حیثیت عرفی کا ازالہ ہو۔ اور میرے اور میرے عزیزوں اور اقارب کی دل شکنی ہو اور ان کو رنج پہنچے۔ چنانچہ پہلے بھی آپ نے اس قسم کے الہام میری نسبت شائع کئے ہیں۔ ومعہذا آپ قانونی گرفت کا بھی اندیشہ رکھتے ہیں اور حکام وقت کو اپنے ملہم کی نسبت زبردست سمجھتے ہیں۔ لہذا میں ایسے الہام کی اشاعت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہاں اس قسم کی اجازت سے میں روک بھی نہیں سکتا کہ آپ اپنے اور اپنے تابعین کے الہامات کو جہاں تک کہ قانون ان کی اشاعت کی اجازت دیتا ہے شائع کریں۔ اور اپنے ملہم کو کمزور اور ڈرپوک (جو حقیقتاً خدا تعالی نہیں بلکہ معلم الملکوت ہے) اور حکام وقت سے مغلوب سمجھ کر اسکے حکم کی تعمیل کو حکام وقت کے قانون کے تابع رکھیں۔ اس کا آپ نے خلاف کیا تو آپ کو کورٹ میں پھر کسی اور آرام گاہ میں آنا پڑے گا۔ آپ کے پچھلے الہامات والفاظ بھی میری نگاہ میں ہیں اور ان کی نسبت تدارک کا ارادہ بھی ہنوز ملتوی نہیں ہوا۔ میں یہ کہنا بھی نامناسب نہیں سمجھتا کہ اگر آپ خدا سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور خدا تعالی سے مجملات کی تفصیل پوچھ سکتے ہیں اور معہذا ابنی نوع سے ہمدردی رکھتے ہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں دعوی کیا ہے) تو بجائے مجھے دھمکانے اور ڈرانے کے آپ میری نسبت خدا تعالی سے پہلے یہ دریافت کریں کہ جو منذر الہام آپ کو اس شخص کی نسبت ہوا ہے وہ مبرم و قطعی الوقوع ہے یا اس کا وقوع معلق ہے جو ڈر یا عذاب اس میں بیان کیا گیا ہے وہ

درصورت اس کے تابع ہو جانے کے اس شخص سے اٹھ سکتا ہے۔

پس اگر خدا تعالی آپ کو یہ بتا دے کہ وہ مبرم نہیں، معلق ہے تو آپ خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے آپکی شناخت کی توفیق دے اور آپکا تابع کر دے۔ اور مجھ سے وہ عذاب اٹھالے اور اس امر میں اپنے دریائے رحمت کو جوش میں لاویں اور اس نبی رحیم کی سنت پر عمل کریں جس کو اس کی قوم نے مار کر خون آلودہ کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتا تھا اور یہ کہتا تھا اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون اور نیز آنحضرت ﷺ کی اس سنت پر عمل کریں کہ جب آپکے پاس ملک الجبال نے حاضر ہو کر کہا کہ خدا تعالی نے مجھے اسلئے آپکے پاس بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپکے منکروں اور مخالفوں کو پہاڑ کے نیچے کچل دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کی توحید پکاریں گے۔ اور اگر خدا تعالی آپکو یہ خبر دے کہ یہ الہام مبرم وقطعی الوقوع ہے تو پھر آپ میری دعوت سے دست بردار ہوں اور اپنے تابعین کو وہ الہام سنا کر ان پر اپنی نبوت و ولایت ثابت کریں اس صورت میں مجھے دعوت کرنا فضول ہے کیونکہ قطعی وعدہ عذاب کے بعد کسی نبی نے دعوت نہیں کی، اور اگر آپ اپنی اس دھمکی پر مصر رہے تو طالب حق اور منصف جان لیں گے کہ آپ اس دعوت وانذار میں فریب کرتے ہیں اور جھوٹے ہیں۔

میں اخیر میں یہ بھی کہتا ہوں اور آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر میں آپ کی مخالفت میں نیک نیت اور حق پر ہوں اور دین اسلام کی حمایت کر رہا ہوں اور نفسانیت کو اس میں دخل نہیں دیتا تو خدا تعالی میری مدد کرے گا اور آپ کو ہدایت کر کے تابع حق و دین اسلام کرے گا ورنہ سخت عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کرے گا۔ اور اگر میری نیت میں فساد ہے تو خدا مجھے اس کا بدلہ خود دے گا، آپ کا ڈرانا دھمکانا عبث وفضول ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ میں آپ کو کذّاب جانتا ہوں اور اس اعتقاد کو اپنے اسلام کا جزء سمجھتا ہوں۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ ان گیدڑ بھبکیوں سے باز آئیں اور حق کے تابع ہو جائیں۔ آئندہ اختیار ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین

الراقم ابوسعید محمد حسین۔ یکم جنوری ۱۸۹۳ء



مرزا غلام احمد کی طرف سے جواب

آپ کا رجسٹری شدہ خط ۴ جنوری ۱۸۹۳ء کو مجھ کو ملا اگر چہ آپ کا یہ خط جو کذب اور تہمت اور بے جا افتراؤں کا ایک مجموعہ ہے اس لائق نہیں تھا کہ میں اس کا کچھ جواب لکھتا، فقط اعراض کافی تھا۔ لیکن چونکہ آپ نے اپنے خط کے صفحہ ۲ و ۳ میں اس عاجز کی تین پیش گوئیوں کا ذکر کر کے بالآخر اس تیسری پیش گوئی پر حصر کر دیا ہے جو نور افشاں دہم مئی ۱۸۸۶ء اور نیز میرے اشتہار مشتہرہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اور آپ نے اقرار کیا ہے کہ اگر اس الہام کا سچا ہونا ثابت ہو جائے تو میں آپ کو ملہم مان لوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ میں نے آپ کے عقائد و تعلیمات کو مخالف حق اور آپ کو بد اخلاق اور گمراہ سمجھنے میں غلطی کی، اس لئے اس عاجز نے پھر آپ کی حالت پر رحم کر کے آپ کو اس الہامی پیش گوئی کے ثبوت کی طرف توجہ دلانا مناسب سمجھا۔ وہ پیش گوئی، جیسا کہ آپ خود اپنے خط میں بیان کر چکے ہیں، یہی تھی کہ اگر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری اپنی بیٹی اس عاجز کو نہ دیوے اور کسی اور سے نکاح کر دیوے، تو روز نکاح سے تین برس کے عرصہ کے اندر فوت ہو جائے گا۔ اس پیش گوئی کی یہ بنیاد نہیں تھی کہ خواہ مخواہ مرزا احمد بیگ کی بیٹی کی درخواست کی گئی تھی، بلکہ یہ بنیاد تھی کہ یہ فریق مخالف جن میں سے مرزا احمد بیگ بھی ایک تھا، اس عاجز کے قریبی رشتہ دار مگر دین کے سخت مخالف تھے۔ اور ایک ان میں سے عداوت میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کو علانیہ گالیاں دیتا تھا۔ اور اپنا مذہب دہریہ رکھتا تھا۔ اور نشانوں کے طلب کے لئے ایک اشتہار بھی جاری کر چکا تھا اور یہ سب مجھ کو مکار خیال کرتے تھے اور نشان مانگتے تھے اور صوم و صلوۃ اور عقائد اسلام پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ سو خدا تعالی نے چاہا کہ ان پر اپنی حجت پوری کرے۔ سو اس نے نشان دکھلانے میں وہ پہلو اختیار کیا جس کا ان تمام بے دین قرابتیوں پر اثر پڑتا تھا۔ خدا ترس آدمی سمجھ سکتا ہے کہ موت اور حیات انسان کے اختیار میں نہیں، اور ایسی پیش گوئی جس میں ایک شخص کی موت کو اس کی بیٹی کے نکاح کے ساتھ، جو غیر سے ہو، وابستہ کر دیا گیا، اور موت کی حد مقرر کر دی گئی۔ انسان کا کام نہیں ہے۔ چونکہ یہ الہامی پیش گوئی صاف بیان کر رہی تھی کہ مرزا

احمد بیگ کی موت اور حیات اس کی لڑکی کے نکاح سے وابستہ ہے، اس لئے پانچ برس تک، یعنی جب تک اس لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح نہ کیا گیا، مرزا احمد بیگ زندہ رہا اور پھر ۷۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو احمد بیگ نے اس لڑکی کا ایک جگہ نکاح کر دیا اور بموجب پیش گوئی کے تین برس کے اندر یعنی نکاح سے چوتھے مہینے میں جو ۳۰ ستمبر تھی، فوت ہو گیا۔ اور اسی اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگرچہ روز نکاح سے موت کی تاریخ تین برس تک بتلائی گئی ہے مگر دوسرے کشف سے معلوم ہوا کہ بہت کچھ عرصہ نہیں گزرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نکاح اور موت میں صرف چار مہینے بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ۷۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو نکاح ہوا اور ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو میرزا احمد بیگ اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔ اب ذرا خدا تعالی سے ڈر کر کہیں کہ یہ پیش گوئی پوری ہو گئی یا نہیں؟ اور اگر آپ کے دل کو یہ دھڑکا ہو کہ کیونکر یقین ہو کہ یہ الہامی پیش گوئی ہے، کیوں جائز نہیں کہ دوسرے وسائل نجوم و رمل و جفر وغیرہ سے ہے، تو اس کا یہ جواب ہے کہ منجموں کی اس طور کی پیش گوئی نہیں ہوا کرتی، جس میں اپنے ذاتی فائدہ کے لحاظ سے اس طور کی شرطیں ہوں، کہ اگر فلاں شخص ہمیں بیٹی دے تو زندہ رہے گا ورنہ نکاح کے بعد تین برس تک بلکہ بہت جلد مر جائے گا۔ اگر دنیا میں کسی منجم یا رمال کی اس قسم کی پیش گوئی ظہور میں آئی ہے تو اس کے ثبوت کے ساتھ پیش کریں۔ علاوہ اس کے اس پیش گوئی کے ساتھ اشتہار میں ایک دعوی پیش کیا گیا، یعنی یہ کہ میں خدا تعالی کی طرف سے آیا ہوں اور مکالمہ الہیہ سے مشرف ہوں اور مامور من اللہ ہوں اور میری صداقت کی نشانی یہ پیش گوئی ہے۔ اب آپ اگر کچھ بھی اللہ جل شانہ کا خوف رکھتے ہیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی پیش گوئی جو من جانب اللہ ہونے کے لئے بطور ثبوت کے پیش کی گئی ہے، اسی حالت میں سچی ہو سکتی تھی کہ جب درحقیقت یہ عاجز من جانب اللہ ہو کیونکہ خدا تعالی ایک مفتری کی لیش گوئی کو جو ایک جھوٹے دعوے کے لئے بطور شاہد صادق بیان کی گئی، ہرگز سچی نہیں کر سکتا۔ وجہ یہ کہ اس میں خلق اللہ کو دھوکہ لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ خود مدعی صادق کے لئے یہ علامت قرار دے کر فرماتا ہے وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم (اگر وہ سچا ہے تو تم کو وہ عذاب پہنچے گا جس کا وہ ڈرسناتا ہے)۔ اور فرماتا ہے ولا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی

من رسول (خدا اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا بجز رسول کے جس کو وہ پسند کرتا ہے) رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں، پس اس پیش گوئی کے الہامی ہونے کے لئے ایک مسلمان کے لئے یہ دلیل کافی ہے جو من جانب اللہ ہونے کے دعوی کے ساتھ یہ پیش گوئی بیان کی گئی ہے، اور خدا تعالی نے اس کو سچا کر کے دکھلا دیا۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دراصل مفتری ہو اور سراسر دروغ گوئی سے کہے کہ میں خلیفۃ اللہ اور مامور من اللہ اور مجدد وقت اور مسیح موعود ہوں اور میرے صدق کا نشان یہ ہے کہ اگر فلاں شخص مجھے اپنی بیٹی نہیں دے گا اور کسی دوسرے سے نکاح کر دے گا، تو نکاح کے بعد تین برس تک بلکہ اس سے بھی بہت قریب فوت ہو جائے گا۔ اور پھر ایسا ہی واقعہ ہو جائے تو برائے خدا اس کی نظیر پیش کرو ورنہ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد اس انکار اور تکذیب اور تکفیر سے پوچھے جاؤ گے۔ خدا تعالی صاف فرماتا ہے ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب (خدا حد سے بڑھنے والے، جھوٹے کو راہ نہیں دکھاتا) سوچ کر دیکھو کہ اس کے یہی معنی ہیں کہ جو اپنے دعوی میں کاذب ہو، اس کی پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ شیخ صاحب اب وقت ہے۔ سمجھ جاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن شیخی پیش نہیں جائے گی، اور اگر کوئی نجومی یا رمال یا جفری اس عاجز کی طرح دعوی کر کے کوئی پیش گوئی دکھلا سکتا ہے تو اس کی نظیر پیش کرو اور چند اخباروں میں چھپوا دو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہیں کر سکو گے اور ایسا نجومی ہلاک ہو گا۔ خدا تعالی تو اپنے نبی کو فرماتا ہے کہ اگر وہ ایک قول بھی اپنی طرف سے بناتا تو اس کی رگ جان قطع کی جاتی۔ پھر یہ کیونکر ہو کہ بجائے رگ جان قطع کرنے کے اللہ جل شانہ اس عاجز کو جو آپ کی نظر میں کافر، مفتری، دجال، کذاب ہے دشمنوں کے مقابل پر یہ عزت دے کہ تادعوی میں پیش گوئی پوری کرے۔ کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خدا تعالی نے ایسی مدد کی ہو کہ وہ گیارہ برس سے خدا تعالی پر یہ افتراء کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولایت اور وحی محدثیت میرے پر نازل ہوتی ہے، اور خدا تعالی اس کی رگ جان نہ کاٹے، بلکہ اس کی پیش گوئیوں کو پورا کر کے آپ جیسے دشمنوں کو منفعل اور نادم اور لاجواب کرے۔ اور آپکی تکفیر کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ کی تکفیر سے پہلے تو کل ۷۵ آدمی سالانہ جلسہ میں شریک ہوں۔ اور بعد آپ کی تکفیر اور جانکاہی اور لوگوں کے روکنے کے ۳۲۷۔ احباب اور

مخلص جلسہ اشاعت حق میں دوڑے آویں ۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں ۔ میں اس خط کو انشاء اللہ چھاپ کر شائع کر دوں گا اور مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیش گوئی کی آزمائش کے لئے بٹالہ میں کوئی مجلس مقرر کروں ۔ مناسب ہے کہ آپ بھی اشاعۃ السنہ میں میرے اس خط کو شائع کر دیں اور یہ بات بھی ساتھ لکھ دیں کہ آپ کو قبول کرنے میں کیا عذر ہے ۔ خود منصف لوگ دیکھ لیں گے کہ وہ عذر صحیح یا غلط ہے ۔

الراقم غلام احمد ۔

مکرر یہ کہ اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعوی میں صادق ہوں، نہ مفتری ہوں نہ دجال نہ کذاب ۔ اس زمانہ میں کذاب اور دجال اور مفتری پہلے اس سے کچھ تھوڑے نہیں تھے تا خدا تعالی صدی کے سرے پر بھی بجائے ایک مجدد کے، جو اسی کی طرف سے مبعوث ہو، ایک دجال کو قائم کر کے اور بھی فتنہ اور فساد ڈال دیتا۔ مگر جو لوگ سچائی کو نہ سمجھیں اور حقیقت کو دریافت نہ کریں اور تکفیر کی طرف دوڑیں، میں ان کا کیا علاج کروں ۔ میں اس بیمار دار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے، اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گین ہوں ۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال خدا، ای ہادی و رہنما ۔ ان لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان کے دلوں کو سچائی اور راستی کا الہام بخش ۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں خطا نہیں جائیں گی کیونکہ میں اسی کی طرف سے ہوں اور اسی کی طرف بلاتا ہوں یہ سچ ہے کہ اگر میں اسی کی طرف سے نہیں ہوں اور ایک مفتری ہوں تو وہ برے عذاب سے مجھ کو ہلاک کرے گا کیونکہ وہ مفتری کو کبھی وہ عزت نہیں دیتا کہ جو صادق کو دی جاتی ہے ۔ میں نے جو ایک پیش گوئی جس پر آپ نے میرے صادق اور کاذب ہونے کا حصر کر دیا آپ کی خدمت میں پیش کی ہے ۔ یہی میرا صدق اور کذب کی شناخت کے لئے ایک کافی شہادت ہے، کیونکہ ممکن نہیں کہ خدا تعالی کذاب اور مفتری کی مدد کرے، لیکن ساتھ اس کے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس پیش گوئی کے متعلق دو پیش گوئی اور بھی ہیں، جن کو میں اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع کر چکا ہوں، جن کا مضمون یہی ہے کہ خدا تعالی اس عورت کو بیوہ کر کے میری طرف رد کرے گا ۔ اب انصاف سے دیکھیں کہ نہ کوئی انسان اپنے حیات پر اعتماد کر سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی نسبت دعوی

کرسکتا ہے کہ وہ فلاں وقت تک زندہ رہے گا اور یا فلاں وقت تک مرجائے گا، میری اس پیش گوئی میں نہ ایک، بلکہ چھ دعوے ہیں۔

۱۔ اول نکاح کے وقت تک میرا زندہ رہنا

۲۔ پھر نکاح کے قت تک اس لڑکی کے باپ کا یقیناً زندہ رہنا

۳۔ پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی سے مرنا جو تین برس تک نہیں پہنچے گا

۴۔ پھر اس لڑکی کے خاوند کا اڑھائی برس کے عرصہ تک مرجانا

۵۔ پھر اس وقت تک کہ میں اس لڑکی سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا

۶۔ پھر آخر یہ کہ بیوہ ہونے کی تمام رسموں کو توڑ کر، باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا۔

اب آپ ایماناً کہیں کہ کیا یہ باتیں انسان کے اختیار میں ہیں اور ذرہ اپنے دل کو تھام کرسوچ لیں کہ کیا ایسی پیش گوئی اس کی سچی ہوجانے کی حالت میں انسان کا فعل ہوسکتا ہے۔ پھر اگر اس پیش گوئی پر جو لڑکی کے باپ کے متعلق ہے جو ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو پوری ہوگئی، آپ کا دل نہیں ٹھہرتا تو آپ اشاعۃ السنہ میں ایک اشتہار حسب اپنے اقرار کے دیدیں کہ اگر یہ دوسری پیش گوئیاں بھی پوری ہوگئیں، تو میں اپنے ظنون باطلہ سے توبہ کروں گا اور دعوی میں سچا سمجھ لوں گا۔ اور ساتھ اس کے خدا تعالی سے ڈر کر یہ بھی اقرار کردیں کہ ایک تو ان میں سے پوری ہوگئی۔ اور اگر اس پیش گوئی کے پورا ہو جانے کا آپکے دل پر زیادہ اثر نہ ہو، تو اس قدر تو ضرور چاہیے کہ جب تک اخیر ظاہر نہ ہو، کفّ لسان اختیار کریں۔ جب ایک پیش گوئی پوری ہوگئی تو اس کی کچھ تو ہیبت آپ کے دل پر چاہیے۔ آپ تو میری ہلاکت کے منتظر اور میری رسوائی کے دنوں کے انتظار میں ہیں، اور خدا تعالی میرے دعوی کی سچائی پر نشان ظاہر کرتا ہے۔ اگر آپ اب بھی نہ مانیں تو میرا آپ پر کیا زور ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ انسان اپنے اوائل ایام انکار میں بباعث کسی اشتباہ کے معذور ٹھہر سکتا ہے، نشان دیکھنے پر ہرگز معذور نہیں ٹھہر سکتا۔ کیا یہ پیش گوئی جو پوری ہوگئی کوئی ایسا اتفاقی امر ہے جس کی خدا تعالی کو کچھ بھی خبر نہیں۔ کیا بغیر اس کے علم اور ارادہ کے ایک دجال کی تائید میں خود بخود یہ پیش گوئی وقوع میں آگئی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مدعی کاذب کی پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی

توریت کی۔ اگر آپ میں انصاف کا کچھ حصہ ہے اور تقویٰ کا کچھ ذرہ ہے تو اب زبان بند کر لیں ۔ خدا تعالیٰ کا غضب آپ کے غضب سے بہت بڑا ہے۔ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم ۔ و السلام علی من اتبع الھدی۔ **الراقم عاجز غلام احمد**

☆ جناب بٹالوی کی طرف سے اسکا جواب

لاہور ۹ جنوری ۱۸۹۳ء   مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

خدا آپ کو ہدایت کرے اور راہ راست پر لاوے۔ سلام علی من اتبع الھدی

آپ کا دوسرا خط بلا تاریخ میں نے ۷ جنوری ۱۸۹۳ء کو بٹالہ میں لاہور روانگی کے وقت وصول پایا۔ اس لئے میں اس کا جواب بٹالہ میں نہیں دے سکا، اب دیتا ہوں

اس خط کے مطالعہ سے مجھے مسرت حاصل ہوئی اور امید ہوگئی کہ اب آپ کے الہامات کی حقیقت کھلے گی اور آپ کے ملہم ہونے کی کیفیت جو مدت سے عوام پر مخفی و مشتبہ تھی، کس و ناکس پر جو فہم و توفیق دیا گیا ہو، ظاہر ہو جاوے گی ۔

اس خط میں پھر آپ رحم و غم خواری کے مدعی ہوئے اور اس کے مقابلے میں خاکسار پر افتراء پردازی کا دعویٰ قلم میں لائے ہیں آپ واقعی ملہم اور غمخوار ہوتے تو میرے خط کے جواب میں صرف اپنی پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی کا الہامی ہونا ثابت کرتے ۔ ان فضول دعاوی رحم، و غم خواری اور بے جا و ناحق تہمت افترا پردازی سے مشغول نہ ہوتے ۔ یہ چھیڑ چھاڑ بلا سود آپ کے دعویٰ رحم و الہام و ہم دردی کی تکذیب کرتی ہے ۔آپ کے دعویٰ رحم و ہم دردی کا مفصل جواب میں اپنے پہلے خط میں دے چکا ہوں اب آپ کی طرح اس کا اعادہ نہیں کرتا۔

بہتان افتراء پردازی کا جواب یہ ہے کہ آپ میرے خط کی ایک بات کا خلاف واقعہ اور افتراء ہونا ثابت کریں ۔ کسی مجلس میں، جس میں جانبین کے مساوی اشخاص ہوں، اور تین منصف غیر جانبدار، اس کا ثبوت پیش کریں ۔ یہ جرئت نہ ہو سکے (اور ہرگز نہ ہو سکے گی ۔ یہ پیش گوئی بھی اپنی پیش گوئیوں کے حاشیہ پر لکھ رکھیں) تو بذریعہ تحریر اس کا ثبوت دیں جس کو تین منصف مسلم الفریقین غلبہ رائے سے مان لیں ۔ تو میں صرف اسی ایک

امر سے آپ کا حق پر ہونا، اور آپ کے مقابلہ میں اپنا غلطی کرنا مان لونگا اور آئندہ آپ کا مقابلہ چھوڑ دونگا۔

لو ایک ہی بات میں مدت کا جھگڑا طے ہوتا ہے، اور میدان آپ کے ہاتھ آتا ہے یہ نہ ہو سکے تو آئندہ بے جا و ناحق تہمتوں اور دروغ گوئی سے اپنے آپ کو روکیں، جن سے آپ پر سوء ظنی زیادہ بڑھتی ہے اور آپ کے دعوی الہام کی تکذیب ہوتی ہے۔

قادیانی صاحب۔ میں سچ کہتا ہوں اور اس پر خدا تعالی کی قسم، جس مضمون و عنوان کے ساتھ آپ چاہیں، کھانے کو حاضر و مستعد ہوں، کہ مجھے جس قدر آپ سے بدگمانی ہوئی ہے اس کا قوی سبب آپ کی دروغ گوئی و افتراء پردازی و دھوکہ دہی ہے جس سے آپ کی کوئی تحریر خالی نہیں۔ آپ اس بدگمانی کو دور کرانا چاہتے ہیں تو آئندہ اس کذب سے کفّ لسان اختیار کریں، مطلب کی بات کا جواب راستی سے دیا کریں۔

آپ کی پیش گوئی متعلقہ موت خسر فرضی کے الہامی ہونے کی نسبت جو مجھے عذر ہے اس کا اظہار و بیان بحکم اصول مناظرہ و قانون عدالت و دیانت تب ہی مجھ پر واجب ہوتا، جب آپ کی طرف سے اس پیش گوئی کے الہامی ہونے کا بپابندی اصول مناظرہ و قانون عدالت و دیانت، ثبوت گزرتا۔ مگر ہنوز آپ سے یہ امر وقوع میں نہیں آیا تو پھر اس عذر کے پوچھنے کا آپ کو کیا استحقاق ہے۔

آپ نے اس خط میں یہ دعوی کیا ہے کہ میں نے نہ اپنی نفسانی طمع اور نکاح کی ذاتی غرض سے، بلکہ دین اسلام کی حقانیت اس کے منکروں اور مخالفوں پر (جو برادری اور قرابتیوں میں سے تھے اور وہ آسمانی نشان طلب کرتے تھے) ظاہر کرنے کی غرض سے، یہ پیشگوئی کی تھی کہ اگر مرزا (احمد بیگ) ہوشیار پوری اپنی بیٹی اس عاجز کو نہ دے گا، کسی اور سے اس کا نکاح کرے گا تو روز نکاح سے تین برس کے عرصہ میں وہ فوت ہو جائے گا۔ ان تین برس میں گو تاریخ موت نہیں بتائی گئی مگر دوسرے کشف سے معلوم ہوا کہ کچھ بہت عرصہ نہیں گزرے گا۔ اور اڑھائی برس کے عرصہ تک اس کا شوہر فوت ہو جائے گا۔ اور وہ لڑکی بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی۔ اور یہ سب باتیں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں درج ہو کر مشتہر ہو چکی ہیں، اور اس پیش گوئی کے الہامی ہونے کا یہ ثبوت دیا ہے کہ اس پیش گوئی کا ایک جزء تو پورا ہو گیا ہے کہ مرزا مذکور نے ۷۔ اپریل

۱۸۹۲ء کو اس لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا، تو ۴ مہینے سے کم عرصہ میں ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو وہ فوت ہو گیا ہے۔ ایسے ہی باقی دو جزوں (اس لڑکی کے شوہر کے فوت ہونے اور اس لڑکی کے میرے نکاح میں آنے) کی امید ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ پیش گوئی دوسرے وسائل نجوم رمل و جفر سے نہیں ہو سکتی کیونکہ منجموں کی پیش گوئی ایسی نہیں ہوا کرتی جس میں ذاتی فائدہ کے لحاظ سے شرطیں ہوں (جیسا کہ میں نے شرط نکاح لگا دی ہے) اور نہ وہ اس دعوی کے ساتھ ہوتی ہیں کہ میں ملہم اور خدا کی طرف سے مامور اور بھیجا گیا ہوں، اس دعوی کے ساتھ کوئی منجم یا رمال پیش گوئی کرے تو اس کا سچا ہونا ممکن نہیں ہے۔ جس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ اگر منجم جھوٹے مدعی الہام کی پیش گوئی سچی نکلے تو اس میں اور سچے نبی میں فرق نہیں رہتا اور لوگوں کو صدق نبوت میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔

اور نقلی دلائل میں وہ آیت ہے جن میں مومن آل فرعون کے اس قول کی حکایت ہے وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعد کم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب کہ اگر موسی سچا ہے تو تم کو (اے فرعونیو) ضرور وہ عذاب پہنچے گا جس کی وہ پیش گوئی کر چکا ہے۔ خدا جھوٹے، زیادتی کرنے والے کو راہ نہیں دکھاتا۔ یعنی اس کی پیش گوئی کو پورا نہیں کرتا۔

اور وہ آیت جس میں آنحضرت ﷺ کی نسبت فرمایا ہے ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل لا خذنا منہ بالیمین ثم لقطعنامنہ الوتین کہ اگر وہ ایک قول بھی از خود بنا کر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔

اور وہ آیت جس میں ارشاد ہے فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول کہ خدا تعالی اپنے غیب پر بجز رسول کسی مطلع نہیں کرتا۔ رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹے مدعی الہام کی پیش گوئی پوری نہیں ہوتی، اور اس کو غیب پر اطلاع نہیں ہوتی، اور اس کی رگ جان کاٹی جاتی ہے۔ اور چونکہ میں گیارہ برس سے دعوی وحی والہام کرتا ہوں اور اب تک مارا نہیں گیا، بلکہ دن بدن میری عزت وقبولیت لوگوں میں بڑھتی جاتی ہے، میرے پچھلے جلسہ سالانہ میں صرف ۷۵ آدمی شامل ہوئے تھے اور اس سال ۳۲۷ مخلص واحباب آئے ہیں، اور میری پیشگوئیاں

سچی نکلتی ہیں ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میں صاحب وحی والہام ہوں اور میری پیشگوئی مذکورالہامی ہے، رمل ونجوم جفر سے وہ نہیں ہوئی ۔اب آپ اس پیش گوئی کو الہامی مان لیں اور اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں یہ اعتراف چھاپ دیں کہ جزء پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی قادیانی پوری ہوگئی ہے، باقی دو جزء (موت شوہر دختر خسر مذکور ونکاح ثانی آن دختر بہ قادیانی) پوری ہوگئیں تو میں توبہ کروں گا ۔اس اعتراف کو آپ نے اپنے رسالہ میں نہ چھاپا تو پھر آپ کیلئے غضب الٰہی جو آپ کے غضب سے بڑھ کر ہے تیار ہے کیونکہ نشان دیکھنے کے بعد انسان معذور نہیں ٹھہر سکتا ..۔

یہ آپ کے دعوی اور اس کے ثبوت کا جس کو آپ نے پراگندہ طور پر مکرر سہ کرر عبارات میں ادا کیا ہے ضبط وشائستگی کے ساتھ خلاصہ ہے۔اس باضبط وشائستہ پیرایہ میں اس کو اس لئے ادا کیا گیا ہے کہ اس پر ضبط اور آسانی سے یک جا گفتگو ہوسکے۔

میرے نزدیک اور ہر ایک منصف مزاج، حقیقت شناس، سخن رس، ناظر ومناظر کے نزدیک آپ کا یہ ثبوت غیر مکمل وناکافی ہے۔کراس اگزیمینیشن (امتحان جرح) کا محتاج ہے۔لہذا آپ کے دعوی اور اس کے ثبوت مذکور پر چند سوالات جرح کئے جاتے ہیں ۔ان کا جواب آپ نے کافی وشافی اور صافی دیا تو آپ کا ثبوت مکمل سمجھا جائے گا۔اور اس وقت آپ کو اپنے دعوی اور اس کے دلائل کی صحت وتسلیم میں عذر پوچھنے کا استحقاق پیدا ہوگا۔ وہ سوالات یہ ہیں۔

جرح

☆ سوال اول۔ اس پیش گوئی سے جو غرض آپ نے بیان کی ہے اس غرض کا اظہار آپ نے کب کیا تھا ۔ درخواست نکاح کے وقت، یا جب درخواست نامنظور ہوئی، تب یہ غرض بنائی گئی ۔اشتہار متضمن پیش گوئی مذکور اور اشتہار متضمن اظہار غرض مذکور ایک تاریخ کے ہیں یا اشتہار پیش گوئی کی تاریخ آگے اور اشتہار متضمن اظہار غرض کی تاریخ پیچھے ۔ایسا ہے تو غرض وعلت غائی کا جس کا وجود ذہن میں پہلے ہوتا ہے، اظہار پیچھے کیوں ہوا؟

☆ سوال دوم۔ اگر آپ کی کسی تحریر سابق یا لاحق سے یہ ثابت ہو کہ

درخواست نکاح کے وقت آپ نے معجزانہ اور مردانہ مقابلہ نہیں کیا، بلکہ عاجزانہ و بزدلانہ خوش آمد چاپلوسی اور مال کی طمع دہی سے کام لیا ہے۔ اور ۱۸۹۱ء تک (جس میں دوسرے شخص سے اس لڑکی کے نکاح کی تجویز ہوئی تھی) اس طمع دہی کو نہیں چھوڑا، تو پھر آپ اس دعوی کو ودڑا کریں گے، یعنی واپس لیں گے یا اس میں کوئی عذر پیش کریں گے۔ پیش کرنا ہو تو اس کو پہلے سے بیان کر دیں۔

☆ سوال سوم۔ اس اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء کو، جس میں آپ نے یہ تینوں پیش گوئیاں درج کی ہیں، آپ نے پبلک (عام لوگوں) میں شائع کیا تھا؟ اور اس کا کیا ثبوت آپ دے سکتے ہیں۔ یا اس کو چھاپ کر اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ اور پرائیویٹ طور پر خاص خاص لوگوں میں شائع کیا تھا، جیسا کہ آپ کے بعض اشتہارات کی نسبت یہ امر معلوم ہو چکا ہے۔

☆ سوال چہارم۔ جو پیش گوئی کسی شخص کی سچی نکلے وہ بذاتہ و بانفرادہ اس شخص کے ملہم ہونے اور پیش گوئی کے الہام ہونے پر دلیل ہو سکتی ہے۔ یا اس کی صداقت کے علاوہ اس شخص میں اور بھی شرائط ہونی ضرور ہیں، جن سے اس کا ملہم اور اس کی پیش گوئی کا الہام ہونا ثابت ہو؟

☆ سوال پنجم۔ خواص حقیقت شناس لوگوں نے انبیاء علیھم السلام کو جو انبیاء مانا ہے، تو صرف ان کی کسی پیش گوئی کے سچا ہونے سے مانا ہے، یا ان کو نبی ماننے میں ان کے اخلاق دائمی اور مدت العمری راست بازی، رحم دلی، بے غرضی، عفت، عدالت وغیرہ اور ان کی اعتقادات و تعلیمات کا بھی لحاظ کیا ہے۔

☆ سوال ششم۔ نبیوں کی سبھی پیش گوئی کا سچا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ بلکہ بعض کا جھوٹا ہونا بھی ممکن یا واقعہ ہو چکا ہے؟ ظنی اور خیالی تعبیر سے سوال نہیں، اس واقعہ کی نسبت سوال ہے جس کی نبی نے قطعی طور پر خبر دی ہو۔

☆ جواب میں شق نفی اختیار کریں تو ایسی پیش گوئی غیر صادق کی مثال نبی آخر الزمان کی پیش گوئی سے بحوالہ کتب اسلامی دیں، کیونکہ اہل کتاب کی نقل و بیان پر اہل اسلام کو اعتماد نہیں ہے۔

☆ ہفتم۔ جس شخص کی کوئی پیش گوئی سچی نکلے اور کوئی جھوٹی، وہ سچی پیش گوئی

میں ملہم ہوسکتا ہے؟

☆ ہشتم۔ ایسا شخص اگر اکثر جھوٹ بھی بولتا ہو، لوگوں کے مال ناجائز ذریعہ سے مارتا ہو، ناجائز مال اجرت زنا وغیرہ کام میں لاتا ہو، ظلم، ایذارسانی، بے رحمی، بدخلقی و بدگوئی پر مصر ہو، تو پھر بھی اگر اس کوئی پیش گوئی سچی نکل آوے، اس سچی پیش گوئی میں ملہم، ولی، محدث و مجدد اور خدا کا مخاطب ہوسکتا ہے؟

☆ سوال نہم۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور اس سے پیشتر ایسے لوگ عرب میں موجود تھے جو کاہن کہلاتے تھے اور غیب دانی کے مدعی تھے۔ اور وہ بعض پیش گوئیوں میں سچے نکلتے تھے یا نہیں؟

☆ جواب بشق نفی ہو، تو جن احادیث سے ایسے کاہنوں کا وجود ثابت ہوتا ہے، وہ موضوع ہیں یا کچھ اور معنے رکھتے ہیں؟

☆ اور اگر جواب بشق اثبات ہو تو وہ لوگ ان سچی پیش گوئیوں میں ملہم اور خدا کے مخاطب کہلا سکتے ہیں؟

☆ سوال دہم۔ ابن صیاد کاہن نے (جس کو آپ دجال سمجھتے ہیں) آنحضرت ﷺ کے دل میں چھپائی ہوئی بات کسی قدر معلوم کر لی تھی یا نہیں؟

☆ جواب بشق اثبات ہو، تو اس صورت میں وہ ملہم وصاحب وحی متصور ہوگا یا کچھ اور

☆ اور اگر بشق نفی ہو تو ان احادیث کی نسبت جن میں ابن صیاد کا بتایا ہوا لفظ دخ منقول ہے، آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ موضوع ہیں یا اور کچھ معنے رکھتی ہیں؟

☆ سوال یاز دہم۔ اکثر زمانوں اور ملکوں میں نجومی، رمال، جفری، پنڈت، جوتشی واقعات آئندہ موت وحیات بعض اشخاص کی نسبت پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ پنڈت لوگوں کی جنم پتریاں لکھتے ہیں، نجومی زائچے لکھتے ہیں جن میں سال بھر کے واقعات درج کرتے ہیں۔ اور وہ اخباروں میں چھپتے ہیں۔ جن میں سے بعض واقع کے مطابق اور سچے نکلتے ہیں۔ ان میں وہ ملہم اور ان کی سچی پیش گوئیاں الہامی ہوتی ہیں یا کچھ اور؟

☆ سوال دواز دہم۔ اگر وہ اس کے ساتھ جھوٹا دعوی الہام کر لیں یا کوئی اور جھوٹ بولیں یا کسی ذاتی فائدہ کو ملحوظ رکھیں اور اس کی نسبت پیش گوئی کرنی چاہیں، تو پھر ان کی اس قسم کی پیش گوئیاں بند ہو جاویں۔ اور پھر وہ کسی پیش گوئی میں سچے نہ

نکلیں۔ اور اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا وہ اپنے علم نجوم، جفر وغیرہ کو بھول جائیں۔ یا اور سبیل سے رو کے جاویں۔

☆ سوال سیزدہم۔ طبعی، فلاسفر، سائنس دان، جو پیش گوئیاں کرتے ہیں ان میں سے بعضی سچی نکلتی ہیں یا نہیں؟ اور اگر نکلتی ہیں تو کیا وہ لوگ بھی ملہم اور وہ پیش گوئیاں الہامی ہیں؟

☆ سوال چہاردہم۔ روحانیات کی تسخیر و حاضرات سے جو پیش گوئیاں لوگ کرتے ہیں، چنانچہ آج کل کلکتہ کی ایک جماعت تعلیم یافتہ نے آنریبل بابو کرسٹو داس پال کی روح کو بلا کر یہ پیش گوئی کی ہے کہ جیوری سسٹم میں لفٹننٹ گورنر کو ناکامی ہوگی اور حضرت مسیح کی روح سے یہ پیشین گوئی کرائی ہے کہ ملکہ معظّمہ قیصر ہند کی عمر چار برس اور ہوگی اور پرنس آف ویلز ان کے جانشین ہوں گے وغیرہ۔ جو اکثر اخباروں میں شائع اور مشتہر ہوئی ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی پیش گوئی سچی ہوگئی تو کیا وہ جماعت بھی ملہم متصور ہوگی اور پیش گوئیاں الہامی ہوں گی؟

☆ سوال پانزدہم۔ مسمریزم یا عمل الترب کے ذریعہ سے جس تہ پائے میز یا چوکی کو ہلایا جاتا ہے، جس کا آپ نے بھی اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۵ میں اعتراف کیا ہے، وہ بھی لوگوں کی حیات و ممات وغیرہ واقعات آئندہ کی نسبت پیش گوئیاں کرتے ہیں، چنانچہ لاہور میں اس کا مدت تک گھر گھر مشغلہ رہا، ہر گلی کوچہ میں چرچا ہوا لاہور کے ایک معزز رئیس اور میرے دوست سید رجب علی شاہ صاحب میونسپل کمشنر اور پروپرائیٹر امپیریل پریس کے مکان پر اور کئی اور لوگوں کے مکانات پر ایسی میزیں تھیں جن سے میرے دوستوں اور احباب نے اپنی آنکھ سے اس کاروائی کو مدت تک دیکھا۔ یہ پیش گوئیاں اگر سچی نکلیں تو کیا وہ تہ پائے بھی ملہم و محدث و مجدد و صاحب وحی کہلائیں گے۔ اور اس تہ پائے سے مسمریزم کے ذریعہ سے یہ کام لینے والے ہندو، مسلمان، عیسائی، ملہم و محدث کہلائیں گے؟

☆ سوال شانزدہم۔ بعض مسلمان فاسق فاجر زناکار شراب خور اس حالت اور اس وقت میں جب کہ وہ بادہ بسر و آشنا ببر کا مصداق ہوتے ہیں اور بعض کافر بعض اوقات ایسے خواب دیکھتے ہیں جن میں واقعات آئندہ کے حالات ان پر کھل جاتے

ہیں کہ فلاں شخص فوت ہوگا، یا فلاں شخص کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا ہوگی، اور فلاں شخص بیمار ہوگا، فلاں چیز ہاتھ آئے گی۔ اوران پیش گوئیوں میں وہ سچے نکلتے ہیں۔ کیا ان پیش گوئیوں میں وہ لوگ ملہم محدث وغیرہ کہلا سکتے ہیں۔

☆ سوال ہفدہم۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ الہامی کہلاتے ہیں، نہ کاہن نہ نجومی نہ جوتشی نہ طبعی نہ سائنس دان نہ مسمریزر، نہ خواب میں کی روئت بیان کرتے ہیں، بلکہ صرف قرینہ وقیاس وتجربہ اور ظن سے ایک شخص کی نسبت پیدائش یا موت یا صحت یا بیماری کی خبر دیدیتے ہیں اور وہ سچی نکل آتی ہے۔ کیا وہ بھی آپ کے نزدیک الہامی ہیں اوران کی پیش گوئی الہام ہے؟

☆ سوال ہژدہم۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو قیافہ وتجربہ بھی نہیں رکھتے، صرف سادگی سے بے ساختہ ان کے منہ سے ایک آئندہ کی بات نکل جاتی ہے، اور وہ اتفاقاً سچی ہو جاتی ہے، ان میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگ عاجز و ناچیز سمجھتے ہیں اور درحقیقت وہ راست باز ہوتے ہیں۔ خدا تعالی ان کی عاجزی وسچائی کی برکت سے ان کی بات کو پورا، اوران کو سچا کر دیتا ہے، جن کے حق میں آچکا ہے لو اقسم علی اللہ لا برہ کیا وہ لوگ بھی ایسی باتوں میں خدا کے ملہم ومخاطب ہیں؟

☆ سوال نوزدہم۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صفات مذکورہ بالا سے ایک صفت بھی نہیں رکھتے ہیں، بلکہ وہ پرلے درجہ کے جھوٹے، بے حیا اور دلیر ہوتے ہیں، نہ ننگ دنیا رکھتے ہیں اور نہ خوف آخرت۔ اور وہ یوں ہی بغیر کسی یقین وظن کے ایک لاف ماردیتے ہیں کہ تیرے گھر بیٹا ہوگا۔ یا اگر تو ہم کو کچھ نہ دے گا تو تیرا یہ نقصان ہو جائے گا، جیسا کہ بعض ڈاڑھی منڈے بھیک ماننے والے جوگی فقیر کرتے ہیں، اور خدا کے علم وتقدیر میں اس کا وقوع مقدر ہوتا ہے، تو اتفاق سے ان کے کہنے کے موافق ہو جاتا ہے۔ ان کو بھی آپ الہامی اوران کی ایسی پیش گوئی کو الہام کہیں گے؟

☆ سوال بستم۔ سیالکوٹ کے ملک شاہ علم نجوم یا رمل میں کچھ دخل رکھتے ہیں اور آپ کو ان سے صحبت وملاقات واستفادہ (شاگردی) کا کوئی تعلق رہا ہے یا نہیں؟

☆ سوال بست ویکم۔ بٹالہ کے مولوی گل علی شاہ اور انکے بعض متعلقین علم جفر میں دخل رکھتے تھے اور آپ کو ان سے صحبت واستفادہ کا تعلق تھا یا نہیں؟

☆ سوال بست و دوم۔ فیصلہ آسمانی کے صفحہ اخیر میں جو آپ نے ہندسہ اور بعض نقوش لکھے ہیں ان سے کیا مراد ہے اور وہ کس علم کی اصطلاح ہے؟

☆ بست و سوم۔ آپ کو مسمریزم یا عمل الترب میں دخل ہے یا نہیں۔

☆ اور اگر نہیں ہے تو پھر آپ نے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۹ میں یہ کیوں دعوی کیا اور کہا ہے کہ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالی کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔

☆ بست و چہارم۔ اس عاجز کی باون سال کی عمر کو پہنچ کر فوت ہونے کی نسبت آپ نے وہ پیش گوئی جو آپ کے مرید اور آپ کے دوست بیان کرتے ہیں، کی ہے یا نہیں؟ کی ہے تو کس عنوان و بیان سے؟

☆ بست و پنجم۔ جو لڑکا بشیر نام آپ کا فوت ہو گیا ہے، اس کی نسبت آپ نے کسی تحریر یا اشتہار میں لکھا تھا یا نہیں، کہ اس میں پسر موعود اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی علامات پائی جاتی ہیں اور یہ وہی لڑکا معلوم ہوتا ہے۔

☆ بست و ششم۔ کسی تحریر میں اس بیان علامات سے آپ نے انکار کیا ہے یا نہیں؟

☆ بست و ہفتم۔ اس لڑکے کی نسبت آپ کے کسی حامی نے یہ بھی مشتہر کیا تھا کہ وہ لڑکا عمر پانے والا ہے یا نہیں؟

☆ کیا تھا تو آپ نے اس پر سکوت کیا، یا اس کو رد کیا تھا؟

☆ بست و ہشتم۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کی رہائی کی نسبت آپ نے قطعی پیش گوئی کی تھی؟

☆ اور وہ کس عنوان سے تھی؟

☆ اور اس کی تشہیر کی تھی؟ اور وہ کس ذریعہ سے ہوئی تھی؟

☆ بست و نہم۔ دلیپ سنگھ کی ناکامی سے واپسی اور دیانند سرستی کی موت کی نسبت جو آپ نے پیش گوئی کی تھی، وہ کس عنوان سے تھی، اور اس کی اشاعت کیونکر ہوئی؟

(ان چار آخری سوالات میں جن پیش گوئیوں کا ذکر ہے، ان میں کوئی مستقل بحث مقصود نہیں، بلکہ اسی پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی جناب میں بحث کرنے کے وقت ان سے ضرورت متعلق ہوگی)

☆ سوال سی ام۔ جس شخص کو کسی امر کے چند ساعات کے بعد واقع ہو جانے کا علم و یقین ہو، وہ اس کے ظاہر و ثابت کرنے اور دوسرے کو اس مقابلہ سے عاجز کرنے کے لئے اس امر کے چند دنوں کے بعد واقع ہونے، اور اگر چند دنوں کے بعد اس کے وقوع کا علم ہو تو چند مہینوں کے بعد اس کے واقع ہونے، اور اگر چند مہینوں کے بعد اس کے وقوع کا علم ہو تو چند برسوں کے بعد اس کے واقع ہونے کی خبر دے۔ تو اس سے اس کا علم و یقین ثابت ہوتا ہے یا یہ شک یا گمان پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اس کا علم نہ تھا، بلکہ اس نے صرف ظن سے کام لیا اور احتیاط و پیش بندی کر کے ساعات کی جگہ دنوں کو، اور دنوں کی جگہ مہینوں کو، اور مہینوں کی جگہ برسوں کو اختیار کیا۔ اس کو یقین ہوتا تو جس کمتر وقت پر اس امر کا وقوع ہوا ہے، اسی کو بیان کرتا۔

☆ جواب میں اگر شق اول اختیار کی جائے تو اس کی نظیر میں کوئی الہامی پیش گوئی پیش کی جائے جس میں خدا تعالی نے ایک واقعہ قریب الوقوع کی ابعد مدت کے بعد واقع ہونے کی خبر دیکر اس سے مخالفین اور منکرین پر حجت قائم کی ہو۔ قرآن میں ایسے نظائر تو موجود و معلوم ہیں کہ بعید الوقوع واقعہ کے وقوع کی ایسے الفاظ سے خبر دی ہو جن سے اس کا قریب الوقوع ہونا خیال میں آ سکے اور اس سے مومنوں کے دل میں تسکین و امید اور مخالفوں کے دل میں دائمی خوف اور غم پیدا ہو، چنانچہ فتح روم کی جو سات یا نو برس کے بعد ہونے والی تھی، لفظ بضع سے، جس سے ادنی تین برس بھی مفہوم ہوتے ہیں، خبر دینا ہے۔ لہذا اس قسم کی نظیر پیش نہ کریں بلکہ ایسی نظیر پیش کریں جس میں قریب الوقوع واقعہ کی ابعد مدت میں واقع ہونے کی پیش گوئی مقام تعجیز خصم میں کی گئی ہو۔

☆ اور اگر جواب میں شق ثانی اختیار کریں تو یہ بتا دیں کہ آپ کی اس پیش گوئی میں آپ کے ملہم نے یہ احتیاط و پیش بندی کیوں کی کہ جو واقعہ چار مہینے سے کم عرصے میں واقع ہونے والا تھا، اس کا وقوع تین برس کے عرصہ میں بتایا، باوجودیکہ قریب مدت بتانے میں آپ کا غلبہ اور بزعم آپ کے معجزہ ثابت ہوتا تھا۔ اس احتیاط سے آپ کے ملہم پر یہ گمان واعتراض نہیں ہوتا کہ اس کو چار مہینے کے بعد وقوع اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ علم ہوتا تو عین مقابلے اور تحدی اور اعجاز کے مقام میں اسی قریب مدت کے بعد اسکے وقوع کی خبر دیتا، احتیاط اور پیش بندی سے کام لے کر مہینوں کی جگہ تین سال نہ بولتا۔

☆ سوال سی و یکم۔ دوسرے کشف میں جو آپ کو بتایا گیا تھا کہ بہت عرصہ نہیں گذرے گا کہ آپ کا خسر فرضی مر جائے گا، اس امر کو آپ نے کسی تحریر مطبوع یا قلمی کے ذریعہ سے مشتہر کیا تھا یا نہیں؟

☆ مشتہر کیا تو اس کا کیا ثبوت آپ دے سکتے ہیں؟

☆ وہ تھوڑا عرصہ جو اس کشف میں بتایا گیا تھا، مہینوں کا تھا یا برسوں کا؟

اگر برسوں کا بتایا گیا تو کیا پھر وہ اس اعتراض کا محل نہیں ہوسکتا جو شق ثانی جواب سوال نمبر ۳۰ پر وارد ہوا ہے۔ اور اگر وہ مہینوں کا بتایا تھا تو آپ نے اس کو مقام مقابلہ و تعجیز منکرین میں ظاہر کیوں نہ کیا۔ اور اگر کچھ بھی نہیں بتایا تو اس کشف سے کون سا فائدہ جدید حاصل ہوا، جو پہلے الہام سے نہ ہوا تھا۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا تو پھر کیا یہ کشف لغو نہیں ٹھہرتا؟ کیا اس کشف پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آپ نے اس میں ان جوگیوں کا اقتداء کیا جو ایک گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خبر دیتے ہیں اور ہمسایہ کو یہ کہہ جاتے ہیں کہ اس گھر میں لڑکی پیدا ہوگی۔ پھر اگر لڑکا پیدا ہوا تو گھر والوں کو بتائی ہوئی خبر کو پیش کر کے اپنا سچ ثابت کیا اور نذرانہ لیا، اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو کہہ دیا کہ ہم نے ہمسایہ کو کہہ دیا تھا کہ لڑکی ہوگی۔

آپ نے بھی بعینہ یہ کام کیا ہے کہ ایک الہام میں تین برس کی میعاد ٹھہرا دی، دوسرے کشف میں عنقریب کی خبر دی، پھر جلدی کام ہو گیا تو یہ کہہ دیا کہ ہم نے عنقریب وقوع کی خبر دی تھی، دیر ہوگئی تو تین برس کی مدت کو پیش کیا، جس میں کسی نہ کسی اختیاری تدبیر سے یا اتفاقی تقدیر سے ایک شخص کا م تمام کرنا ممکن ہے۔

☆ سوال سی و دوم۔ آپ کی متمسکہ آیات میں سے پہلی آیت میں جو حضرت موسیٰ کی پیش گوئی کا سچا ہونا بیان ہوا ہے، اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کی کوئی پیش گوئی اتفاقی سچ نکلے وہ ملہم ہوتا ہے؟ کیا بعض اوقات جھوٹے کی بات سچ نہیں نکلتی (چنانچہ سوالات سابق میں پوچھا گیا ہے) پھر یہ آیت اس جھوٹے کو کیونکر ملہم بناتی ہے۔ اور جو اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ مسرف کذاب کو راہ نہیں دیتا، اس کے یہ معنی کس دلیل سے متعین ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعی الہام کی پیش گوئی کو پورا نہیں کرتا؟ کیونکر جائز نہیں کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ جو شخص اپنی دیگر باتوں میں

جھوٹ بولے، گو مدعی الہام نہ ہو، اس کو خدا تعالی وحی والہام سے مشرف نہیں کرتا، اور اس کی بعض پیش گوئیاں الہامی نہیں ہوتیں، گو بوجوہ مذکورہ بالا سچی نکلیں ۔ یا یہ معنی ہوں کہ خدا تعالی فرعون کو جو مسرف و کذاب ہے، راستی اور نجات کی راہ نہیں دکھائے گا ۔ چنانچہ بیضاوی نے اس کے ایک یہ معنے بھی کئے ہیں ۔

عرض به فرعون بانه مسرف کذاب لا یهدیه الله سبیل للصواب و طریق النجاۃ (۔ بیضاوی ۔ ج ۲) ۔

☆ سوال سی وسوم ۔ دوسری آیت میں جو افتراء پر ہلاک کرنے کا ڈر سنایا گیا ہے اس کی کوئی حد مقرر ہے کہ جس دن خدا تعالی پر افتراء ہو، اسی دن ہلاکت ہو، یا اس کی ہلاکت کا وقت وسیع ہے؟ قوم نوح نے جو خدا پر شریک کا افتراء کیا تو وہ کتنی مدت کے بعد ہلاک ہوئے ۔ فرعون جو خود معبود بن بیٹھا تھا، وہ اس افتراء کے بعد کتنے دنوں میں ہلاک ہوا؟ آپ (مرزا) سے پہلے جن لوگوں نے جھوٹا دعوی نبوت والہام کیا تھا، جیسے مسیلمہ وغیرہ، وہ کتنے عرصہ کے بعد ہلاک ہوئے؟ جس دن سے آپ نے نبوت اور مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا ہے آپ کی صحت اکثر اوقات کیسی رہتی ہے ۔ کیا آپ اکثر بیمار نہیں رہتے اور آپ کی ایسی حالت نہیں ہو جاتی جس سے موت نظر آنے لگے ۔ کیا ایسے امراض موت اور ہلاکت کے مقدمات نہیں ہیں ۔

☆ اگر مفتری کا جلد ہلاک ہونا ضروری ہے اور آپ مفتری نہیں بلکہ سچے ملہم اور ولی ہیں، تو جو لوگ آپ کو مفتری و کذاب کہتے ہیں اور آپ کو کافر سمجھتے ہیں، اور رات دن آپ پر لعنتوں کا مینہ برسا رہے ہیں، جو آپ کے خیال میں یقیناً خدا پر افتراء کرتے ہیں، وہ کیوں جلد ہلاک نہیں ہوتے؟ باوجودیکہ حدیث قدسی میں خدا تعالی سے منقول ہے من عادی لی ولیاً فقد بارز الله بالمحاربة و فی روایة فقد آذنته بالحرب یعنی خدا تعالی فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ خدا سے لڑنے کو میدان میں نکلا ہے ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ خدا تعالی اس کو جنگ کی اطلاع دیتا ہے ۔ اور وہ لوگ کیوں دن بدن برکات وانعامات الہیہ کے مورد ہوتے ہیں ۔ صحت و عافیت اور قوت میں آپ سے بڑھ کر ہیں ۔ اولاد میں بہ نسبت سابق زمانہ عدم مخالفت، محل برکت و کثرت ہیں ۔ جائز طور پر آمدنی زر میں آپ سے بڑھ کر ہیں؟

ہلاکت کے مقابلے میں دن بدن عزت بڑھنے کا جو آپ نے دعوی کیا ہے اس کا موازنہ و مقابلہ اپنی روز افزوں ذلت اور اپنے مخالفین ومکفّرین کی روز افزوں عزت سے نہیں کیا۔ لہذا اس پر یہ سوالات وارد ہوتے ہیں ۔

☆ ہندوستان و پنجاب کے مسلمانوں میں آپ کو حق پر جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہے یا آپ کے مخالفین ومکفّرین کو حق پر جاننے والوں کی؟

☆ ۱۸۹۱ء کی نسبت ۱۸۹۲ میں آپ کے مکفّرین کی تعداد زیادہ ہوئی ہے یا تابعین کی؟ جس قدر لوگ آپ کے میلہ حال میں آئے ہیں، کیا وہ مخالفین ومکفرین سے تعداد میں بڑھ کر تھے؟

☆ گذشتہ میلہ سالانہ میں جو لوگ آئے تھے ان میں سے بہت سے لوگ اس سال کیوں نہیں آئے؟

☆ نئے لوگ جو آئے ہیں ان کے مخلص واحباب ہونے پر آپ کی کیا دلیل ہے؟ کیا ان میں ایسے لوگ نہ تھے جو صرف تماشا دیکھنے یا نکتہ چینی کرنے کو آئے تھے؟ کیا ان میں بعض لوگ ایسے نہ تھے جو آپ کے اشتہار اور پرائیویٹ خطوں سے دھوکہ کھا کر آئے اور بعض صرف روٹی کھانے کو آئے؟ آپ ان سب کے مخلص واحباب ہونے کے مدعی ہیں تو ان کی فہرست پیش کر کے ان کے مخلص ہونے کا ثبوت دیں ۔ اور پھر دیکھیں کہ ان میں سے کس قدر آپکے مخالف اور غیر معتقد ثابت ہوتے ہیں ۔

☆ جن فقیروں، پیرزادوں کو آپ اپنے رسائل میں بدعتی لکھ چکے ہیں، ان کے سالانہ میلوں اور عرسوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ جمع ہوتے ہیں ۔ کیا وہ لوگ بھی آپ کے اعتقاد میں خدا کے نزدیک عزت رکھتے ہیں؟

☆ دھونگل اور نگاہے کے میلوں میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یا آپکے میلہ میں؟

☆ سوال سی و چہارم ۔ تیسری آیت سے جو آپ نے یہ مطلب نکالا ہے کہ نبی، رسول اور محدث کے سوا کوئی شخص آئندہ کی بات نہیں بتا سکتا، اور جو بتا دے وہ ملہم ہوتا ہے ۔ اس پر یہ سوالات ہیں ۔

☆ غیب کس کو کہتے ہیں ۔ کیا جو بات عادی اسباب علم، حساب، نجوم وغیرہ سے معلوم ہو، اس کو غیب کہا جاتا ہے؟

☆ نجومی اپنے علم نجوم سے جو کچھ بتاتے ہیں اس کی نسبت وہ علم و یقین کا دعوی کرتے ہیں یا صرف ظن کا؟

☆ نبی کے سوا جو کسی کو الہام ہوتا ہے، اس کے دخل شیطان سے اسی پہرہ و چوکی سے حفاظت ہوتی ہے جس سے نبیوں رسولوں کی وحی کی حفاظت ہوتی ہے، چنانچہ اس آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد ہے فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم (بے شک خدا، رسول کے آگے اور پیچھے پہرہ رکھتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ خدا کے فرشتوں نے ٹھیک خدا کے پیغام ان کو پہنچا دیئے ہیں، ان میں شیطان نے کچھ دخل نہیں دیا)

مسلمانوں سے آج تک اس بات کا کون قائل ہوا ہے کہ اس آیت کا یہ لفظ رسول، محدث کو بھی شامل ہے اور محدث بھی ایک رسول ہوتا ہے؟

اس صورت میں نبی اور غیر نبی کے الہام میں کیا فرق ہے؟

☆ سوال سہ و نجم۔ ولی وملہم ہونے کیلئے پابند شریعت ہونا ضروری ہے، یا تارک احکام شرعیہ کا بھی ولی وملہم ہونا جائز ہے؟

☆ سوال سی و ششم۔ آپ اپنی تمام عمر میں دعوی ولایت والہام سے پہلے اور اس کے بعد خصوصاً دعوی مسیحائی کے وقت سے پانچ وقت مسجد الجماعت میں نماز پڑھنے کے ملتزم ہیں، یا اکثر اوقات مسجد چھوڑ کر مکان پر ہی نماز پڑھ لیا کرتے ہیں؟

☆ سوال سی و ہفتم۔ کیا ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ فجر کی نماز آپ نے ٹھیک وقت نہ پڑھی ہو اور اپنے اتباع و ملازمین پر یہ کہکر خفگی ظاہر کی ہو کہ جو لوگ اہل اللہ کے پاس رہتے ہیں وہ ان کو نماز کے لئے جگا دیا کرتے ہیں، تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو صبح کے وقت نہیں جگاتے

☆ سوال سی و ہشتم۔ آپ نے فریضہ حج ادا کیا ہے یا نہیں؟ نہیں کیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟

☆ کیا آپ کے دس ہزار روپیہ جائداد کی آمدنی سے آپ پر حج فرض نہیں ہوا؟

☆ یا دعاؤں کی پیدا والی اور مریدوں کی آمدنی سے ایک وقت میں آپ کے پاس پانچ پانچ سو یا اس سے زیادہ روپیہ نہیں آیا جس سے حج فرض ہو جاتا؟

☆ سوال سی ونہم۔ آپ ہمیشہ سے، خصوصاً دو تین سال سے، ماہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں ؟

☆ کسی رمضان میں آپ ایسے بیمار ہوئے ہیں جس میں دو چار میل پیادہ پا سیر نہ کرتے ہوں؟

☆ سوال چہلم ۔ آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہے یانہیں؟

☆ اور اگر کوئی جھوٹ آپ کی کلام میں ثابت ہو، تو پھر آپ کسی پیش گوئی میں، اگر وہ سچی نکلے، ولی وملہم ہو سکتے ہیں؟

☆ سوال چہل ویکم ۔ دس ہزار روپیہ کے قریب آمدنی چندہ وغیرہ کے مصارف میں جو آپ نے ساٹھ ہزار مہمانوں اور بارہ ہزار رجسٹری شدہ خطوں کا ذکر صفحہ ۴۷ و ۴۸ رسالہ فتح اسلام میں کیا ہے، اس کا آپ کیا ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

☆ کیا مہمانوں کا کوئی رجسٹر ہے جس میں ان کے نام بقید ولدیت و جائے سکونت و غیرہ درج ہوں ۔اور رجسٹریوں کی رسیدات موجود ہیں؟

☆ ماہواری خطوں کی تعداد تین سو سے سات سو تک اور کل کی تعداد نوے ہزار سے زیادہ جو آپ نے رسالہ فتح اسلام کے صفحہ ۴۰ و ۴۱ میں بتائی ہے، اس کا ثبوت آپ کیا دے سکتے ہیں؟ کوئی رجسٹر ہے یا کچھ اور۔

☆ سوال چہل و دوم ۔ آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی نسبت کوئی پیش گوئی ہشت سالہ میعاد کی، کی ہے یانہیں؟

☆ اقبال ہو تو فرمایئے کہ اس کا کیا مضمون وعنوان ہے؟

اور اگر انکار ہو تو اس انکار پر آپ، جس عنوان سے کہا جاوے، قسم کھائیں گے؟

☆ سوال چہل وسوم ۔ جن شرائط مندرجہ اشتہار جنوری ۱۸۸۹ء (جو تکمیل تبلیغ کے عنوان سے چھپا ہے) پر آپ لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، ان شرائط کے خود پابند ہیں؟ خصوصاً شرط دوم وسوم و چہارم وہفتم ونہم کے

☆ اور اگر آپ کا عمل ان کے برخلاف ثابت ہو تو پھر آپ کسی پیش گوئی میں (اگر وہ سچی نکلے)، ولی وملہم ومحدث ہو سکتے ہیں؟

☆ کیا آپ کے خاص مریدان شرائط کے پابند ہیں؟ کیا ان میں ایسے لوگ نہیں جو

علانیہ ان شرائط کا خلاف کرتے ہوں، نماز نہ پڑھتے ہوں، داڑھیاں صفاچٹ یا خشخشی کراتے ہوں، شراب پیتے ہوں، لوگوں کے مال ناجائز طور پر مارتے ہوں، اور ان کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف دیتے ہوں، اور آپ کو ان کی ان باتوں کا علم ہو۔

☆ کیا آپ کے بڑے خاص اور بڑے معاون نے خاص آپ کے مکان پر شراب نہیں پی؟ اور آپ نے اس پر مطلع ہو کر اس عذر سے کہ وہ مہمان ہے اس کی دل آزاری نہیں کی جا سکتی، ترک خفگی و نہی عن المنکر نہیں کی؟

☆ ان حالات کے ثابت ہونے پر آپ کسی سچی پیش گوئی میں ولی و ملہم و محدث ہو سکتے ہیں؟

☆ سوال چہل و چہارم۔ میاں اللہ دیا ساکن انبالہ سے آپ نے اپنے سابق ملازم فتح خان کی معرفت دوسو روپئہ یا کم وبیش منگایا۔ وہ کیسا روپئہ تھا؟

☆ اور وہ کس کام میں آپ نے صرف کیا؟

☆ سوال چہل و پنجم۔ براہین احمدیہ کا چندہ آپ کے ذاتی مصارف میں کچھ صرف ہوا ہے یا نہیں؟

☆ سوال چہل و ششم۔ واپسی قیمت براہین احمدیہ کی بابت جو اشتہار آپ نے رسالہ سرمہ چشم آریہ میں چھاپا تھا، وہ ان سب خریداروں اور معاونوں کے پاس، جن سے چندہ وصول کیا تھا، روانہ کیا تھا؟

☆ اور اس کا کیا ثبوت آپ دے سکتے ہیں؟

☆ سوال چہل و ہفتم۔ جس شخص نے آپ سے براہین احمدیہ کا چندہ واپس طلب کیا، اس کو آپ نے بلا عذر واپس کیا، یا اس میں کچھ حیلہ وحوالہ سے کام لیا؟

☆ سوال چہل و ہشتم۔ آپ کے ذاتی مصارف کا گذارہ اس چندہ سے چلتا ہے جو آپ مریدوں اور خریداران رسائل سے لیتے ہیں یا آپ کی آمدنی زمین سے؟

☆ اور اگر وہ گذارہ آمدنی زمین سے ہے تو اس کی تعداد سالانہ کس قدر ہے؟

☆ سوال چہل و نہم۔ پیش گوئی زیر بحث کے متعلق جو آپ کو بتایا گیا تھا کہ خدا تعالی اس عورت کو بیوہ کر کے تمہاری طرف رد کرے گا (لوٹائے گا) جس کو آپ نے خط میں یقین سے بیان کیا اور اس میں چھ دعاوی کا پایا جانا بتایا، اگر یہ الہام الٰہی تھا

(جو ۱۸۸۸ء میں ہوا تھا) تو پھر آپ نے اس الہام کے برخلاف اس لڑکی کو باکرہ ہونے کی حالت میں اپنے نکاح میں لانے اور دوسرے شخص سے اس کا نکاح نہ ہونے کیلئے مئی ۱۸۹۱ء تک کیوں کوشش کی؟

☆ سوال پنجاہم۔ کیا اس کوشش کو آپ نے اس حد تک نہیں پہنچایا کہ درصورت موقوف اور رد نہ کرنے نکاح شخص مذکور کے، اپنی دوسری بیوی کو طلاق دیدی، اور ایک فرزند کو عاق کر دیا؟

☆ کیا کسی سچے ملہم نے اپنے الہام کو جھوٹا کرنے اور واقع نہ ہونے کے لئے ایسی کوشش کی ہے؟ کی ہو تو اس کی نظیر بتائی جاوے۔

ان جملہ سوالات کے جواب میں آپ اگر اپنی کسی تحریر یا اشتہار مطبوع یا قلمی کا حوالہ دیں تو مطبوع تحریر کو باصلہ اور قلمی تحریر کی اپنی دستخطی نقل اس جواب کے ساتھ پیش کریں۔ اور کوئی اپنی تحریر مطبوع یا قلمی جس کو آپ دست آویز بنانا چاہتے ہیں، باقی نہ چھوڑیں۔ اور یہ تحریر کر دیں کہ میں نے کوئی اپنی دست آویز تحریری باقی نہیں رکھی۔ اگر موقعہ جواب کے بعد کوئی تحریر ہم پیش کریں گے تو وہ لائق توجہ نہ سمجھی جائے گی۔

ان جوابات اور آپ کی دست آویزات کے بعد میں آپ کے ثبوت کو کافی اور صحیح سمجھونگا تو بسر وچشم اس کو قبول کرونگا، اور آپ کی پیش گوئی کو الہام اور آپ کو ملہم مان لوں گا، ورنہ اس میں جو عذر ہوگا اس کو پیش کرونگا۔ انشاء اللہ تعالی

آپ نے میرے سوالات کا تاریخ وصول سے ایک مہینے تک کچھ جواب نہ دیا، یا ان کے جواب کو دوسری طرف بحث لے جا کر ٹلانا چاہا، جیسے کہ آپ کی قدیم عادت ہے اور یہی امر (کچھ جواب نہ دینا یا بحث کو دوسری طرف لے جانا) آپ سے وقوع میں آئے گا (یہ پیش گوئی بھی ہماری آپ اپنی پیش گوئیوں کے حاشیہ میں لکھ لیں) تو ناظرین منصفین و مبصرین میرے سوالات ہی سے سمجھ جائیں گے کہ آپ کی یہ پیش گوئی الہامی نہیں۔ و معہذا خاکسار خود ان سوالات کے صحیح اور واقعی جواب تحریر کر کے ان سے ثابت کرے گا کہ یہ پیش گوئی الہامی نہیں۔

آخر خط میں جو آپ نے لکھا ہے کہ اس پیش گوئی کے ایک جزء کی اپنے رسالہ میں

تصدیق کرو۔ اور باقی دو جزوں کے پورے ہونے پر آپ کو ملہم ماننے اور توبہ کرنے کا وعدہ چھاپ دو، ورنہ غضب الٰہی تیار ہے۔ یہ بڑی شرمناک گیدڑ بھبھکی ہے۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میں ایسی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ اس ڈرنے کو شرک جانتا ہوں اور آپ کو کذاب اور گمراہ سمجھتا ہوں، اور اس اعتقاد کو لوازم اسلام وایمان سے سمجھتا ہوں، بایں ہمہ آپ نے پھر ایک گیدڑ بھبکی سنادی اور کچھ شرم نہ کی۔ شرم وحیا کی بات یہ ہے کہ آپ اس پیش گوئی کا الہامی ہونا ثابت کرتے۔ پھر اس کے مقابلہ میں میری تسلیم یا رد کے منتظر رہتے اور جب یہ بحث ختم ہوتی تب وہ ڈر سنانے....

اب میں آپ کی اس گیدڑ بھبکی کے مقابلہ میں کہتا ہوں کہ اولاً تو مجھے اس خبر کی تصدیق نہیں ہوئی، کہ آپ کا خسر فرضی فوت ہوگیا ہے۔ اور اگر بالفرض وہ فوت ہوگیا ہے اور آئندہ اس کی بے چاری لڑکی کا شوہر بھی فوت ہو جائے، اپنی موت سے مرے یا آپ اس کو زہر دلوادیں (اللہ اس کو آپ کے شر سے بچاوے اور دیر تک عافیت سے زندہ رکھے)، اور پھر وہ بے چاری خود بخود ڈر کر یا آپ کے کسی اور دھوکہ میں آکر آپ کے نکاح میں آجاوے۔ تو پھر بھی میں آپ کی اس پیش گوئی کو الہام نہ مانونگا۔ انشاء اللہ تعالی۔ بلکہ اس کو الہام ماننے والے کو (اگر وہ آپ کے اخلاق، عادات، اعتقادات و حالات جن کی طرف سوالات مذکورہ میں اشارہ ہوا ہے، واقف ہو کر مانے گا) کافر ومشرک وکم سے کم احمق اور دین سے بالکل بے خبر کہوں گا۔

آپ کا اس پیش گوئی کو ایک نشان ظاہر کہنا بھی ایک شرمناک دعوی ہے۔ جس پیش گوئی پر اس قدر سوالات جرح وارد ہوں وہ ظاہر نشان کہلاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

اب میں اس خط کو ایک نصیحت پر ختم کرتا ہوں جس کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ آپ اس لاف زنی اور گیدڑ بھبکی کو چھوڑ دیں۔ کسی پیش گوئی یا الہام یا نشان کا نام نہ لیں۔ اپنی دین دنیا کی خیر چاہتے ہیں، اور نیکی بدی کے قائل ہیں اور مسلمانوں کی نظروں میں عزیز بننے کے طالب ہیں، تو بٹالہ میں خاکسار کے پاس آویں۔ اور میرے غریب خانہ پر حسب عادت قدیم چند روز قیام کریں، آپ کے مصارف سفر و قیام بٹالہ میرے ذمہ ہیں۔ اور پہلے ان اکاذیب سے جو زمانہ تصنیف براہین احمدیہ سے اب تک آپ سے سرزد ہو چکے ہیں، تائب ہوں یا ان کا صدق ہونا ثابت کریں۔

پھر اپنے اعتقادات کفر وضلالت و بدعت کا جو فتوی علماء پنجاب و ہندوستان میں آپ کی طرف منسوب ہوئے ہیں اور آپ کی تصانیف سے ثابت کیۓ گئے ہیں، تائب ہوں یا ان کا موافق اسلام وسنت ہونا ثابت کریں، اسکے بعد الہام یا کشف یا کرامت کا دعوی کریں اور اس کا ثبوت دیں۔

جس شخص کے اخلاق و عادات اور اعتقادات کا یہ حال ہو جو آپ کا ہے، اس کا ولی، ملہم، صاحب کرامت ہونا ممکن ہی نہیں ہے، اگر چہ وہ بظاہر ایسا نظر آوے کہ وہ ہوامیں اڑ جاتا ہے، آگ کھا جاتا ہے، دریا پر سوکھے پاؤں چلتا ہے۔آپ کو زیادہ خبر نہ ہو تو ایک چھوٹا رسالہ ما لا بد منہ ملاحظہ کریں۔آئندہ اختیار۔ و ما علینا الا البلاغ المبین ۔ آپ کا ناصح مشفق ابو سعید محمد حسین عفی عنہ

مولانا بٹالوی بتاتے ہیں کہ یہ جواب ۹ جنوری ۱۸۹۳ء کو لکھا گیا۔ پھر ۱۳ جنوری ۱۸۹۳ء کی مجلس وعظ میں، جس میں ایک حواری قادیانی میاں کرم الہی معلم اطفال لاہور بھی موجود تھا، پڑھا گیا۔اس کے بعد امرتسر میں منشی محمد عمر داروغہ نہر کی مسجد میں ایک جماعت علماء کے سامنے پڑھا گیا اور پسند ہوا۔ پھر یہ سنا گیا کہ مرزا قادیانی نے اپنی تحریر کو چھپوا دیا ہے، لہذا مناسب معلوم ہوا کہ اس تحریر کو بھی چھاپ کر اس کے پاس بھیجا جائے۔مگر اس اثنا میں خاکسار کو محمد احسن امروہی کے تعاقب کے لئے بٹالہ جانا پڑا۔اور وہاں اس کی لیت و لعل وگریز از مباحثہ کے سبب دس دن ٹھہرنا پڑا۔آخر جب محمد احسن امروہی نے بٹالہ میں مجھ سے گفتگو کرنے سے گریز ظاہر کیا، تب لاہور آنا ہوا۔اس وجہ سے اس خط کے طبع ہونے میں توقف ہوا۔(اور عشرہ اول فروری ۱۸۹۳ء میں اس کو طبع کر کے شائع کیا گیا۔بہاء)۔

مرزا صاحب نے اس کے جواب میں اپنی کتاب دافع الوساوس میں چند باتیں رقم فرمائیں جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا انشاء اللہ ۔اس سے پہلے حضرت بٹالوی کے مرزا صاحب کے فرشتوں (مولوی محمد احسن امروہی اور حکیم نور الدین بھیروی) سے ۱۸۹۳ء میں ہونے والی مراسلت اور مباحثوں کا حال سن لیجئے۔

مباحثہ بٹالہ ۱۸۹۳ء
محمد احسن امروہی کا گریز

حضرت بٹالوی لکھتے ہیں (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ کے صفحات ۳۵۳۔۳۸۰ میں) کہ میاں غلام احمد قادیانی کو لودہانہ، دہلی، پٹیالہ اور سیالکوٹ وغیرہ میں مباحثہ سے گریز وشکست کی ذلت پہنچی تو وہ ناچار ہو کر اپنے مسکن قادیان میں خلوت گزین ہوئے۔ اور آئندہ بحث و مباحثہ سے بالہام وحکم الٰہی ممنوع (روکے گئے) ہوکر اس شعر کا مصداق بن بیٹھے

زاہد نہ داشت تاب وصال پری رخان کنجے گرفت وترس خدا را بہانہ ساخت

مگراس کے نادان حامی اور کوتاہ اندیش حواری اس کی پالیسی کو نہ سمجھے اور عافیت و جانبری کو غنیمت نہ سمجھ کر اس ذلت کو تازہ اور دوبارہ ظاہر کرنے سے خواستگار ہوگئے۔ اور اس مقولہ مشہورہ کی کہ .نادان دوست، دانا دشمن سے بدتر ہوتا ہے . مصداق بن گئے۔ ازانجملہ ایک منشی یا مولوی محمد احسن صاحب امروہی ملازم معزول ریاست بھوپال ہیں (آپ ایک مدت تک رسالہ باڈی گارڈ وائسرائے کے منشی تھے اور کام یہ تھا کہ سواروں کو اردو وغیرہ پڑھاتے۔ اس کے بعد آپ بھوپال میں ملازم رہے تو وہاں بھی ایسا ہی منشیانہ شغل رہا۔ زکوۃ کے مستحقین کی حساب و پڑتال میں رہے بھوپال کی ملازمت ختم ہوئی تو مرزا صاحب نے ملازم رکھ لیا۔ ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی جو ۱۹۰۴ء میں ایک سو روپیہ ہوگئی۔ یہ مرزا صاحب کے تنخواہ دار مبلغ، مصنف، مناظر تھے اور حکیم نورالدین کے بعد ان کے نائب دوم تھے)، جو اوائل جنوری ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کے بعض مریدوں اور حواریوں مہر نبی بخش نمبر دار بٹالہ ضلع گورداسپور وغیرہ کی حمایت کی امید اور بھروسہ پر بٹالہ پہنچے اور میر امتیاز علی صاحب منصف کے مکان پر ان کے ہم وطن ہونے کی وجہ سے خیمہ زن ہوئے۔ اور جاہلوں میں بیٹھ کر مرزا صاحب کے کفریات کو دین ثابت کرنے اور اس پر ھل من مبارز (کوئی ہے میدان میں نکلنے والا؟) کا نعرہ بلند کرنے لگے۔ خاکساران دنوں اہتمام

طبع رسالہ کے لئے لاہور میں تھا۔ ۱۴ جنوری (۱۸۹۳ء) کو ایک قومی ضرورت کے لئے امرتسر پہنچا، تو وہاں سے ایک شب کے لئے بٹالہ گیا اور منشی صاحب کا یہ حال سن کر ان کے نام اس مضمون کا رقعہ لکھا کہ آپ بحث کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کریں ورنہ یہاں زبان بند رکھیں۔ یہ رقعہ انہوں نے ۱۶ جنوری ۱۸۹۳ء کو وصول کیا، مگر اس کا جواب شام تک نہ دیا، تو پھر ایک ریمائنڈر (رقعہ یادداشت) بنام مولوی احمد علی صاحب، جو منصف صاحب کے مکان پر تھے، روانہ کیا۔ اس کے جواب میں مولوی احمد علی صاحب نے لکھا کہ آپ کا رقعہ منصف صاحب کے سامنے مولوی محمد احسن کو سنایا گیا، انہوں نے کہا کہ مولوی محمد حسین کو لکھ دو، وہ اپنے کام کا کیوں حرج کرتے ہیں؟ وہ لاہور کو جاویں، جواب بذریعہ ڈاک پہنچ جاوے گا۔

دوسرے دن خاکسار محمد حسین مباحثہ سے مایوس ہوکر عازم لاہور ہوا۔ مگر مزید احتیاط کی نظر سے اس دن بھی تین بجے کی ٹرین کے وقت تک ٹھہرا رہا۔ اور دس بجے صبح کے مولوی امام الدین صاحب حکیم کی زبانی بٹالہ کے سجادہ نشین سلسلہ عالیہ قادریہ فاضلیہ شاہ ظہور الحسین کی طرف اس مضمون کا پیام بھیج دیا کہ آپ منشی محمد احسن سے دریافت کریں کہ وہ مجھ سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ چاہتے ہیں تو میں عزم لاہور کو فسخ کروں ورنہ آج تین بجے کی ٹرین میں چلا جاؤں گا۔ روقت روانگی ٹرین تک کوئی پیام نہ آیا تو میں لاہور کو روانہ ہوا۔ میری روانگی کے بعد ۱۸۔ ۱۹ تاریخ جنوری کو منشی صاحب نے شاہ صاحب موصوف کو میرے خط کا جواب دیا، جس میں ناجائز اور مباحثہ کو ٹلانے والی شرائط لگا کر در پردہ مباحثہ سے انکار اور بظاہر مستعدی کا اظہار تھا۔ اور زبانی یہ کہا کہ آپ مولوی محمد حسین کو لاہور سے بلاویں میں ان سے مباحثہ کروں گا۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ وہ خط مجھے ۲۰ جنوری کو لاہور میں ملا جس کا جواب میں نے ۲۰ جنوری کو روانہ بٹالہ کر دیا اور اس میں منشی صاحب کی ناجائز شرائط میں ترمیم، اور جائز شرائط کو تسلیم کر کے بٹالہ میں مباحثہ کے لئے حاضر ہونا منظور کرلیا۔ وہ خط ۲۱ جنوری (۱۸۹۳ء) کو بذریعہ شاہ صاحب موصوف، منشی محمد احسن امروہی کو مل گیا۔ پھر ۲۲ جنوری ۱۸۹۳ء کو خاکسار اسی ضرورت قومی کیلئے امرتسر پہنچا تو وہاں شاہ صاحب کے فرستادہ، اپنے بھائی شیخ محمد عمر، کو جو صرف میری طلبی کیلئے بٹالہ سے آئے تھے، موجود پایا۔ تو اسی دن امرتسر سے فارغ ہوکر بٹالہ پہنچ گیا۔ خاکسار کے پہنچنے پر محمد احسن امروہی کو دعوی مباحثہ یوں بھول

گیا جیسے کابلی افغان کو دیکھ کر ہندوستانی کو فارسی بھول جاتی ہے، اورانہوں نے دو دن تک میرے خط کا جواب نہ دیا۔ ۲۴ جنوری کو جواب بھیجا تو اس میں اپنی ناجائز شرائط پر اصرار اور ہماری جائز شرائط کی تسلیم سے انکار تھا۔اوراس آڑ میں مباحثہ سے انکار پایا جاتا تھا۔

اس خط کو دیکھ کر خاکسار پھر مباحثہ سے مایوس ہوا۔اور لاہور کو تیار ہوگیا۔مگر ۲۵ جنوری ۱۸۹۳ء کو شاہ صاحب موصوف کی طرف سے چند علماء (مولوی فخر الدین صاحب مدرس سکول۔مولوی احمد علی صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ۔مولوی امام الدین صاحب حکیم ۔مولوی احمد اللہ صاحب صوفی وغیرہ) کا ڈیپوٹیشن یہ پیغام لایا کہ آپ آج لاہور کا قصد نہ کریں، بلکہ جمعہ تک یہاں قیام کریں۔ جمعہ تک مولوی محمد احسن امروہی مباحثہ کے لئے مستعد نہ ہوئے تو میں جمعہ کے مجمع عام میں اعلان کردوں گا وہ مباحثہ سے انکار کرتے ہیں، اور پھر آپ لاہور چلے جائیں۔ نیز شاہ صاحب نے منشی محمد احسن کو بھی مباحثہ کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو مجلس میں کسی قسم کا خوف ہو تو میں چار ہزار روپئہ کی ضمانت تحریر کردیتا ہوں۔مگر منشی محمد احسن نے مجلس میں آنا منظور نہ کیا۔ اورایک طولانی خط اس مضمون کا کہ

. مرزا صاحب کو دعوی نبوت نہیں.

ان کے پاس بھیج دیا اوراس کا تحریری جواب خاکسار محمد حسین سے طلب کیا۔

شاہ صاحب بھی جب امروہی صاحب سے مایوس ہوئے تو انہوں نے جامع مسجد میں تمام مسلمانوں، جمعہ پڑھنے والوں کو جمع کیا (مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے ایک جگہ جمعہ پڑھنے کا اتفاق اس دن سے پہلے بٹالہ میں نہ ہوا تھا)، اور مجمع عام میں یہ کہہ دیا کہ مولوی محمد حسین کا میں ممنون ہوں کہ وہ میری درخواست پر لاہور سے آئے، اورانہوں نے اپنے کاروبار کا حرج کر کے اتنے دن بٹالہ میں قیام کیا،مگر مولوی محمد احسن امروہی مباحثہ کیلئے مجلس میں نہ آئے، باوجودیکہ میں چار ہزار روپئہ کی ضمانت بھی دینے کو حاضر تھا۔اب میری طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کو لاہور جانے کی اجازت ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ ظہورالحسن کھڑے ہوگئے اور مظہر ہوئے کہ میں آج صبح کے وقت منصف صاحب کے مکان پر مولوی محمد احسن سے ملا تھا اوران سے کہا کہ آپ مباحثہ کرنا نہیں چاہتے تو بالمقابلہ ایک مجلس میں وعظ ہی کریں۔ پہلے ایک صاحب (آپ، خواہ مولوی محمد حسین) وعظ کریں، پھر دوسرے صاحب۔ اس سے حاضرین

کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے۔ اور اس امر کو مولوی محمد احسن نے منظور کر لیا ہے، لہذا آپ (محمد حسین) سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ دو روز (شنبہ اور یک شنبہ کا دن) بٹالہ میں مزید رکیں اور ہماری مسجد میں بالمقابلہ وعظ کریں.

اس درخواست کی دیگر معزز لوگوں نے جو حاضر مجلس تھے (جیسے شیخ مہر علی صاحب و شیخ امیر بخش صاحب وغیرہ) نے بھی تائید کی، جن کے ساتھ آخر بڑے شاہ صاحب سجادہ نشین بھی متفق ہو گئے۔ خاکسار نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور بالاتفاق یہ قرار پایا کہ

تقریریں تین ہوں۔

جس شخص کی پہلی تقریر ہو اسی کی آخری ہو۔

اور دو دن میں دو مسئلوں پر بحث ہو۔

اول یہ کہ قادیانی نے نبوت کا دعوی کیا ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ وہ مسیح موعود ہیں یا نہیں؟ جسکے ضمن میں حیاۃ و مماۃ مسیح سے بھی بحث ہو۔

دوسرے دن بہت سے مسلمان، حسب قرارداد روز جمعہ، شاہ صاحب کے مکان پر جمع ہوئے۔ پولیس کے ملازم بھی حفاظت کے لئے آگئے۔ خاکسار کی طرف سے بھائی شیخ محمد عمر حصول اجازت حاضری خاکسار کیلئے پہنچے تو معلوم ہوا کہ محمد احسن امروہی نہیں آتے۔ ان کے تابعین جو اس مجلس میں موجود تھے یہ بولے کہ اگر شاہ صاحب یہ وعدہ کریں کہ ہم اپنے مکان کو مقفل کر کے رکھیں گے تو مولوی محمد احسن آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس امر کو بھی منظور کر لیا اور ان کو یہ وعدہ دیکر مولوی محمد احسن کی طرف روانہ کیا مگر وہ نہ آئے۔ یہاں تک کہ اتوار کا دن بھی گذر گیا تو خاکسار شاہ صاحب سے اجازت سفر لاہور کا خواستگار ہوا۔ شاہ صاحب نے ایک خط اور محمد احسن امروہی کے نام روانہ کیا جسکے جواب میں انہوں نے شاہ صاحب کے نام اس مضمون کا خط لکھ دیا کہ آپ اس معاملے سے علیحدہ ہو جاویں، میں مولوی محمد حسین سے لاہور میں مباحثہ کروں گا۔

یوں ترکی تمام ہوئی اور بحث ختم ہوئی، جس پر شاہ صاحب سجادہ نشین نے خاکسار محمد حسین کو دوبارہ رخصت کیا تو میں ۳۱ جنوری کو لاہور پہنچا اور بٹالہ کے کس و ناکس کو معلوم ہو گیا کہ مولوی محمد احسن امروہی نے مباحثہ سے گریز کیا۔

ذیل میں وہ مراسلت نقل کی جاتی ہے جو خاکسار اور محمد احسن کے مابین ہوئی۔

☆ حضرت بٹالوی کا خط بنام امروہی

بٹالہ ۱۳ جنوری ۱۸۹۳ء مولوی (یا منشی) محمد احسن صاحب امروہی۔ سلام علی من اتبع الھدی۔ میں نے سنا ہے کہ آپ بٹالہ میں بیٹھ کر قادیانی کے مسیح موعود ہونے کا دعوی کر رہے ہیں اور ھل من مبارز کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ آپ کو اس دعوی کے اثبات یا دعوی وفات مسیح کے اثبات کا حوصلہ، یا کسی عقیدہ کفریہ قادیانی کے اثبات کا دعوی ہے، تو ابھی خاکسار کے مکان پر تشریف لاویں یا مجھے جس کے مکان پر آپ چاہیں بلا لیں، اور اپنے دعاوی کو ثابت کریں۔ ورنہ بٹالہ میں ان دعاوی سے اپنے منہ کو بند رکھیں۔ ابو سعید محمد حسین

امروہی صاحب نے اس کا طویل جواب لکھا جو مولانا بٹالوی کو بذریعہ ڈاک ۲۰ جنوری کو لاہور میں ملا۔ یہ جواب مطاعن کا مجموعہ، لغویات کا ذخیرہ، تمسخر کا گلدستہ، بدتہذیبی کا خاکہ تھا لہذا اس سے صرف نظر کر کے اس کا وہ حصہ جو مضمون مباحثہ کے متعلق ہے بلا کم وکاست انہی کے الفاظ میں مولانا بٹالوی نے درج رسالہ کیا ہے، جو یوں ہے

☆ امروہی بنام بٹالوی

اب اگر آپ چاہیں کہ اولاً میں حضرت مرزا صاحب کی مسیحائی ثابت کروں تو آپ پر ضرور ہے کہ جن اصول وقواعد سے آپ نے اس امت مرحومہ میں کسی ولی کو اولیاء گذشتہ سے مجدد تسلیم کر لیا ہو، اور وہ آپ کے نزدیک صحیح الولایت ومسلم التجدید ہو گیا ہو، پس ان اصول کو مفصل بیان فرما دیا جاوے، تاکہ انہیں اصول کی رو سے مع شئے زاید بلکہ مع شئے ازید اس مجدد مختلف فیہ کی تجدید (جس کو میں مسیحا ابن مریم سمجھتا ہوں اور بعض احادیث صحیحین کا پورا مصداق جانتا ہوں) ثابت کروں۔ شرائط مباحثہ حسب ذیل ہیں

☆ شرط اول۔ فریقین میں سے کوئی شخص مجاز نہ ہوگا کہ کوئی کلمہ خلاف تہذیب بول سکے۔ ورنہ حسب تجویز منصف صاحب کے حضرت سجادہ نشین صاحب بحیثیت صدر انجمن اس کے حکم ہو کر سزائے مناسب تجویز فرماویں گے۔

☆ شرط دوم۔ جو مناظر کوئی تقریر شروع کرنا چاہے، بغیر اجازت صدر انجمن صاحب کے مجاز بولنے کا نہ ہوگا۔ اور جب تک وہ اپنی تقریر پڑھ رہا ہو تو دوسرے مناظر کو خاموش

رہنا واجب ہوگا۔ بعد ختم ہونے ایک مسلسل تقریر کے جو تحریر میں ضبط کر کر ہی پڑھی جاویگی دوسرا مناظر حسب اجازت صدر انجمن صاحب کے اپنی تقریر شروع کرے گا سواء ہر دو مباحث کے تیسرے کسی شخص کو کسی جانب سے استحقاق بالمواجہ بولنے کا نہ ہوگا۔

☆ شرط سوم۔ برخواستگی جلسہ بحث برضا مندی ہر دو مباحث فریقین عمل میں آوے گی۔ بلا رضا مندی ہر دو مناظرین، جلسہ بحث برخاست نہ ہوگا۔

☆ شرط چہارم۔ حاضرین فریقین میں سے کوئی صاحب کسی بات میں اشارۃً یا کنایۃً یا استہزاء کوئی دخل نہ دے سکے گا۔ اس کے ذمہ دار بھی صدر انجمن ہوں گے۔

☆ شرط پنجم۔ مراتب ادلہ وہی رہیں گے جو اصول فقہ اور نیز اصول حدیث میں مسلم اور مستحکم طور پر منضبط ہیں، اور تعاریف مصطلحات علوم میں مثل طلبہ علم کے گفتگو نہ ہوگی۔ ایسے مباحث سے مقاصد ختم نہیں ہوتے۔ مثلاً میں سوال کر بیٹھوں کہ نص کی کیا تعریف ہے۔ دوسرا سوال کرے کہ اقتضاء النص کی کیا تعریف ہے۔ یہ بحث جو موجب تسلسل ہے، نہ ہوگی۔ ہاں البتہ اگر کسی بحث کا دار و مدار کسی اصطلاح پر قرار پا جاوے اور مناظرین اس میں مختلف ہوں، تو حسب اقتضاء صراط مستقیم اس کی تحقیق ہوسکتی ہے۔ کتب معتبرہ اصول کی طرف رجوع کر کے اس اختلاف کو دفع کیا جائے گا۔

☆ شرط ششم۔ ہر ایک تقریر، تحریر میں ضبط کی جاوے گی۔ اور ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ کوئی مناظر اپنی تقریر کو اول سے تحریر کر لیوے۔

☆ شرط ہفتم۔ جن اقوال مرزا صاحب کو موجب تکفیر قرار دیا ہے، ان میں بھی بحث نہ ہوگی، کیونکہ میرے نزدیک وہ اقوال عین معارف واسرار ہیں، نہ موجب تکفیر۔ اس کا ثبوت اس عاجز نے رسالہ تحذیر المومنین عن اکفار المسلمین میں بخوبی کر دیا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہ اقوال خطا ہیں تو بھی معفو عنہ ہیں۔ ربنا لا تواخذ نا ان نسینا او اخطا نا میں داخل ہیں۔ جن کو اللہ تعالی نے بحکم حدیث قدسی صحیح کے معاف فرما دیا ہے۔ حضرت منصور نے انا الحق کہا تھا۔ علماء معاصرین نے تکفیر کی۔ دوسرے قرن میں خود مکفرین غدار قرار دیئے گئے

چوں قلم در دست غدارے فتاد　لا جرم منصور بر دارے فتاد

اور ظاہر ہے کہ مجدد کے واسطے یہ امر ضروری ہے کہ کوئی فہم جدید لاوے ورنہ اس کو مجدد

کیوں کہا جاتا؟ محررہ۔ ۱۷ جنوری ۱۸۹۳ء وقت شب۔ محمد احسن امروہی نزیل بٹالہ

☆ حضرت بٹالوی بنام امروہی

۲۰ جنوری ۱۸۹۳ء مولوی (یا منشی) محمد احسن صاحب سلام علی من اتبع الہدی۔ آپ کا خط مورخہ ۱۷ جنوری ۱۸۹۳ء آج مجھے لاہور میں ملا.... مجھے آپ کے دعوی مسیحائیت قادیانی پر بحث کرنا بخوشی منظور ہے لہذا برطبق آپکی درخواست کے کہ

. آپ پر ضروری ہے کہ جن اصول اور قواعد سے آپ نے اس امت مرحومہ میں سے کسی ولی کو اولیاء گذشتہ سے مجدد تسلیم کر لیا ہو اور وہ آپ کے نزدیک صحیح الولایت اور مسلم التجدید ہو گیا ہو۔ پس ان اصول کو مفصل بیان فرمایا جاوے کہ انہیں اصولوں کی رو سے مع شئے زائد بلکہ مع شئے ازید اس مجدد مختلف فیہ (جس کو حسب مسلک بالا میں مسیحا بن مریم سمجھتا ہوں اور بعض احادیث صحیحین کا پورا مصداق جانتا ہوں) ثابت کروں .

میں اصول وعلامات کو بیان کرتا ہوں جن کی رو سے میں نے پہلے ولیوں کو ولی سمجھا ہے۔ آپ ان اصول وعلامات سے قادیانی کا ولی ہونا ثابت کریں اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو مجھ سے ان ہی اصول وعلامات کی شہادت سے اس کے ولی ومجدد نہ ہونے کا ثبوت لیں۔

وہ اصول وعلامات در حقیقت ایک ہی وصف، کمال ایمان واسلام، ہے۔ مگر تفہیم عام کی نظر سے تین اصول وعلامات سے اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

☆ پس واضح ہو کہ سب سے پہلی علامت ولایت اور اس کا اصل اصول یہ ہے کہ مدعی ولایت کا اعتقاد کفر وبدعت سے پاک ہو۔ وہ ایسے امور کا معتقد نہ ہو جن کو اسلام نے کفر وبدعت قرار دیا ہے۔

☆ دوسری علامت یا اصل یہ ہے کہ مدعی ولایت کا عمل مخالفت شریعت سے مبرا ہو۔ وہ اخلاق جمیلہ سے متحلّی اور اخلاق رزیلہ سے متخلی ہو۔ اس کے ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ حکم شریعت کے ایسے تابع ہوں کہ فرائض مقررہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ کے علاوہ نفلی عبادات میں سرگرم ہو کر حدیث لا یزال عبدی یتقرب بی بالنوافل کا مصداق

ہو۔ اور محرمات قطعیہ (کذب ،دھوکہ دہی، بدگوئی، مردم آزاری، مال مردم خوری) کے علاوہ مکروہات ومشبہات سے مجتنب ہوکر حدیث من اتقی الشبہات (جوشخص محرمات کے علاوہ شبہات سے بھی بچتا ہے وہ اپنے دین وآبروکو بچالیتا ہے) کا امتثال کرتا ہو۔

☆ تیسری علامت یا اصل (جو پہلی دو اصلوں کی فرع ونتیجہ لازمہ ہے) یہ ہے کہ مدعی ولایت کی ذات وصفات برکات الہیہ کے مظہر ومصدر ہوں۔ اوراس کے ہاتھ پاؤں کان آنکھ حدیث حتی اکو ن سمعہ الذ ی یسمع بہ و بصرہ الذ ی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا کا مصداق ہوجائے (یہ ایک حدیث کے ٹکڑے ہیں جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا، میرا بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہوجاتا ہے پھر میں اس کے کان آنکھ ہاتھ ہوجاتا ہوں جس کا لازمہ یہ ہے کہ اس کی کان آنکھ ہاتھ وغیرہ حکم خدا کے تابع ہوجاتے ہیں اور وہ وہ کام دیتے ہیں جو خدا کے کام ہیں جب اللہ ان سے کام لینا چاہتا ہے۔ محمد حسین)

یہ علامات واصول ولایت ہیں اور اگر کوئی ولی ہونے کے ساتھ مجدد ہونے کا بھی مدعی ہوتو اس کے لئے یہ شرط یا علامت ہے کہ اس کے ہاتھ سے دین اسلام کے ان امور کا احیا وترویج ہو جن میں سستی واقع ہوچکی ہو، نہ یہ کہ وہ احداث کرے اور دین میں ایسی باتیں نکالے جو بعینہ یا ان کا اصل اصول قرون ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو۔

☆ ۲ ۔ آپ کی جملہ شرائط منظور ہیں ۔مگر شرط دوم اور ششم میں اس قدر ترمیم مناسب ہے کہ پہلے تقریر ہو، پیچھے تحریر۔ اور اگر تحریر پہلے ہوتو اندیشہ ہے کہ آپ قادیانی کی طرح جو چاہیں گے خارج از مبحث لکھتے چلے جاویں گے اور کوئی آپ کو روک نہ سکے گا ، اور اس سے اصل مبحث چھوٹ جائے گا۔

☆ اور شرط سوم میں یہ ترمیم ہو کہ برخاستگی جلسہ، منصف یا میر مجلس کی اجازت سے ہو، نہ فریقین کی اجازت سے ۔آپ کی اجازت کی شرط ہو تو آپ جتنی دیر چاہیں سوال سن کر جواب کے لئے بٹھا رکھیں گے اور بحث کو کبھی ختم نہ ہونے دیں گے، کیونکہ آپ جب سے نوکری بھوپال سے معزول ہوئے ہیں، بے کار و بے شغل ہیں۔ اس صورت میں مباحثہ کے بہانہ سے بٹالہ میں آپ کا سال ہا سال بیٹھے رہنا اور منصف صاحب کے ماحضر کو غنیمت سمجھ کر اس پر گذارہ کرنا بعید نہیں ہے۔

☆ شرط ہفتم شائد بھول یا ذہول سے آپ کے قلم سے نکل گئی ہے۔ لہذا وہ بالکل فسخ کے لائق ہے۔ (اس شرط کو آپ کی درخواست تقریری اصول شناخت ولی ومجدد کے ساتھ ملانے سے ناظرین کو ہمارے دعوی کا صدق ثابت اور یقین ہوگا کہ منشی صاحب اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔ خود ہی تو ولی ومجدد کی شناخت کے لئے اصول مقرر کرنے کی درخواست کرتے ہیں جس میں ولی ومجدد کے اعتقاد اور عمل سے بحث و بیان ضروری ہے اور خود ہی شرط ہشتم میں یہ کہتے ہیں کہ مرزا کے عقائد سے بحث نہ ہو، اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ پھر ان کی ولایت و مجددیت سے کیوں کر بحث ہو۔ افسوس یہ فہم اور یہ دعوی کہ میں مولوی ہوں اور بحث کرنے کو آیا ہوں۔ لا حول و لا قوۃ ۔۔ محمد حسین)

جب آپ نے درخواست مذکورہ بالا میں اصول وقواعد شناخت ولی ومجدد کو مقرر کرانا چاہا ہے اور ان اصول میں مدعی ولایت کا مومن کامل ہونا، کافر ومبتدع نہ ہونا، داخل اور ایک امر لازمی ہے، تو پھر قادیانی کے عقائد کفریہ پر کیوں کر بحث نہ ہو؟

آپ کا یہ کہنا کہ میرے نزدیک وہ اقوال، معارف و اسرار ہیں نہ موجب کفر، بحث کی ضرورت کو نہیں اٹھاتا، بلکہ بحث کو واجب ٹھہراتا ہے۔ آپ قادیانی کے ان اقوال کو معارف جانتے ہیں اور مسلمان ان کو کفر کہتے ہیں۔ لہذا ان میں بحث ہونا ازبس ضروری ہے۔ ابوسعید محمد حسین

اس خط کا جواب بھی محمد احسن صاحب نے طعن وتمسخر ولغویات سے پر، پورے آٹھ صفحے میں دیا جو ۲۲ جنوری ۱۸۹۳ء کو مولانا بٹالوی ملا۔ اس کی لغو اور بے ہودہ اور زائد باتوں کو چھوڑ کر اصل مطلب متعلق بحث کو نقل کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے

☆ امروہی بنام بٹالوی

.آپ نے کسی مجدد خاص کا نام، جو ان علامات اور اوصاف کے ساتھ ممتاز و متصف ہو، ذکر نہیں کیا جو مجھ کو اس نظر کرنے کی گنجائش ملتی کہ علماء معاصرین نے اس کی تکفیر، تضلیل کی ہے یا نہیں۔ لہذا یہ آپ پر ضرور ہے کہ آپ اس مجدد کی تعیین فرماویں اور اس کی مجددیت کے مدعی بنیں (ناظرین انصاف سے کہو کہ مجھ سے کسی ولی یا مجدد کا نام آپ

نے کب پوچھا ہے؟ یہ سوال نہ اس حصہ تحریر میں ہے جو ہم نے نقل کیا ہے نہ باقی تمام تحریر میں۔ محمد احسن صاحب سچے ہیں تو اس سوال کی عبارت نقل کریں۔ پھر کسی مجلس میں اپنے خط میں اس کی نشان دہی کریں۔ منشی صاحب آپ نے صرف اصول شناخت ولی ومجدد مقرر کرانا چاہا تھا، جو مقرر کر دیا گیا۔ اس اصول سے قادیانی کا ولی مجدد ہونا، یا نہ ہونا، ثابت ہو سکتا ہے۔ اس امر کے لئے پچھلے ولیوں مجددوں کے نام بتانے اور قادیانی کا ان سے موازنہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم یہ نہیں چاہتے کہ قادیانی کا ولی مجدد ہونا ان کے برابر یا ان سے بڑھ کر ثابت ہو۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ قادیانی کا کسی قسم کا، ادنی کیوں نہ ہو، ولی مجدد ہونا ثابت کر دیں۔ اس امر کے لئے کچھ ضرورت نہیں کہ پہلے ولیوں مجددوں کی ہم فہرست دیں اور ان کے کمال ایمان واسلام سے بحث کریں اور ان کے منکرین ومخالفین کے اقوال میں نظر ڈالیں۔ آپ اس بحث ونظر سے بات کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں، کیونکہ آپ اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ قادیانی کا مسلمان ہونا ثابت نہیں کر سکتے، چہ جائے ولی ہونا۔

اس سوال جدید کا یہی منشاء ہے تو آپ نے وہ سوال تقرری اصول شناخت ولی کیوں کیا تھا؟ اب تو اس سوال کے شکنجہ میں آپ پھنس گئے ہیں۔ حکیم نور الدین صاحب تو مباحثہ لاہور میں ہمارے ۲۳ سوالات کے بعد ہمارے قابو میں آئے اور بے دست و پا ہو کر جان چکے تھے کہ اب ہم الزام سے بچ نہیں سکتے، اسی وجہ سے کچھ رات رہے لودہانہ کو بھاگے۔ اور خرجت مع البازی علی سواد کے کاربند ہوئے۔ آپ اپنے ہی اور پہلے ہی قول سے خود پکڑے گئے اور مرا خواندی وخود بدام آمدی کے مصداق ہوگئے۔ اب آپ نکلنا چاہتے ہیں۔ تو ہم آپ کو کب نکلنے دیتے ہیں۔ آں قطرہ باریاں رسید۔ محمد حسین) تاکہ اس کی تجدید میں بھی نظر کی جاوے۔ اور پھر اس کے معاصرین علماء کی تضلیل وتکفیر وغیرہ پر بھی نظر ڈالی جاوے، اور اس کا مقابلہ مجدد حال مختلف فیہ سے کیا جاوے۔ اور یہ بھی ضرور تحریر فرمایئے کہ اس مجدد کا کمال ایمان وکمال اسلام آپ کو کیوں کر متیقن ہوا؟ آیا آپ کو اس کی تجدید اور ولایت کی نسبت وحی یا الہام ہوا ہے، یا کسی اور دلیل ظنی یا یقینی سے اس کے کمال ایمان اور اسلام کا تا وفات اس کے تیقن حاصل ہوا ہے؟ یا صرف حسن ظنی کے طور پر اس کی ولایت اور مجددیت کو مان لیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

میری غرض اصول اور قواعد سے یہی تھی۔ آپ تو اس غرض سے بہت ہی دور جا پڑے (ہم دور جا پڑے یا آپ چوکڑی بھول گئے۔ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ اب پچھتائے

کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت ۔ ایک کلام آپ کے منہ سے نکل گیا۔ پہلے سے سوچا ہوتا

مزن بے تامل بگفتار دم   نکو گوئی گر دیر گوئی چہ غم

بنطق آدمی بہتر ست از دواب

محمد حسین) کیونکہ ولی مجدد کی جو علامات خاصہ تحریر فرمائیں ان میں سے علامت اول تو بمنزلہ امور عامہ کے ہے ۔ ادنی ادنی مومن میں پائی جاتی ہے ۔ اندریں صورت مجددوں کی کوئی انتہا ہی نہ رہے گی۔ اور پھر آپ کو جملہ مؤمنین کو مجدد ماننا پڑے گا ۔ اس دائرہ کو آپ نے بہت ہی وسعت دے دی۔ اور اگر اس کو بمنزلہ عرض عام کے کہا جاوے، اور شرط آخیر کو بمنزلہ خاصہ کے، تو پھر یہ گذارش ہے کہ میرا سوال عرض عام سے نہیں ہے، صرف اس علامت خاصہ سے سوال ہے جس سے مجدد، غیر مجدد سے ممتاز ہو جاوے ۔ پھر طوالت کرنے کی کیا ضرورت تھی اب آپ پر واجب ہے کہ جو آخر شرط مجددیت کی آپ نے تحریر فرمائی ہے اسکی تحقیق سے کسی خاص مجدد میں نوٹس دی جاوے

شرط دوم و ششم میں آپ کی ترمیم منظور نہیں (یہ ترمیم آپ کو منظور نہیں تو پھر آپ کو مباحثہ بالمشافہ بھی منظور نہیں، کیونکہ بالمشافہ مباحثہ کی صورت ہی یہی ہے کہ فریقین زبانی سوال و جواب کریں، تحریرات گھر سے لکھ کر لانی ہوں تو پھر حاضری مجلس کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کیوں امروہہ تشریف نہیں لے جاتے ۔ محمد حسین) کیونکہ ان شروط میں جو طرفین کو مفید ہیں، آپ کا کیا ضرر ہے ۔ بالفرض والتسلیم اگر میں خارج از مبحث کچھ کہتا چلا جاؤں گا تو پبلک اور عامہ خود سمجھ لیں گے (بے شک سمجھ لیں گے مگر ہمارے اوقات اور زر کا خون ہو جانے اور مدت کے بعد۔ لودہانہ کے مباحثہ سے یہ نتیجہ نکلا مگر بہت سا وقت لے کر اور طبع مباحثہ میں بہت سا روپیہ خرچ کرکے .. لہذا اب قادیانی یا آپ کے اس دام میں ہم نہیں آتے ۔ لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین مومن ایک ہی بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ محمد حسین) کہ اسکی تحریر خارج از مبحث اور لغو ہے جیسا کہ مباحثہ لودھیانہ وغیرہ میں سمجھا گیا۔ یہ امر تو آپ کو اور مفید ہو جاوے گا نہ مضر۔ آپ کو اس کا اندیشہ کیوں ہوا؟ آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے اور اس شرط کو پورے طور پر تسلیم کر لیجئے ۔

اور شرط سوم میں جو آپ نے ترمیم کی ہے وہ بھی ہرگز منظور نہیں ۔ کیونکہ اختتام یا اجراء بحث کا اختیار جیسا کہ مجھ کو اس شرط سے حاصل ہے، آپ کو بھی حاصل ہے (آپ

یہ بات کہنے میں بھولتے ہیں۔ یا اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔ آپ نے شرط سوم میں ہر ایک فریق کو اختتام بحث کا اختیار نہیں دیا، بلکہ ہر دو فریق کو جس کے معنی ایک اردو خواں بھی، جو لفظ ہر یک اور لفظ ہر دو کے معنی میں فرق سمجھ سکتا ہے، یہی سمجھتا ہے کہ جب تک دونوں فریق کا اختتام بحث پر اتفاق نہ ہو، بحث ختم نہ ہو۔ اور آپ سے امید نہیں کہ کبھی اختتام بحث پر راضی ہوں۔ کیونکہ اس بحث میں الاؤنس ملنے کی امید ہے۔ چنانچہ پہلے ہی ایک حاشیہ میں معروض ہوا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اختتام بحث، منصف یا میر مجلس کے اختیار میں ہو۔ آپ اس امر کو منظور نہیں کرتے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بحث ہی منظور نہیں۔ پھر اپنی ہی اردو عبارت کی نافہمی کے ساتھ دعوی مولویت و مباحثہ۔ لا حول ولا قوۃ۔ محمد حسین) پھر آپ کو طوالت بحث کا خوف کیوں پیدا ہوا ہے۔ آپ کو اختیار ہے کہ جب آپ چاہیں بحث کو ختم کر دیں طوالت میں نہ پڑیں

شرط ہفتم کے رد و انکار میں جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کی تکفیر اور عقائد کفریہ میں بحث کرنا واجب ہوگا اور اس بحث میں اس کا ذکر و تذکار بنا بر تکفیر وغیرہ ضروری ہے۔

اقول۔ مولوی صاحب۔ اولاً اپنے شیخ العرب والعجم کو ہی اس نسبت الحاد سے بچایئے کیونکہ تھوڑی مدت منقضی ہوئی ہے

مرا یاد و ترا فراموش

کہ اکثر علماء عرب وعجم حضرت ممدوح الشان کے الحاد و زندقہ وکفریات و لا مذہبی پر فتوی لگا چکے ہیں۔

(اس وقت حضرت شیخ العرب والعجم کی نسبت اقوال مخالفین سے کیا بحث ہے؟ کیا حضرت شیخ الکل کو آپ نے غلام احمد قادیانی سمجھ لیا؟ یا ہم نے ان کی ولایت یا مجددیت کا دعوی پیش کیا ہے؟ یا آپ کے سامنے قادیانی کے کفر کے ثبوت میں حضرت شیخ الکل کا کوئی قول پیش کیا ہے؟ ابھی تو ہم نے اصول شناخت ولی ومجدد کو بیان کیا ہے۔ جب ہم اس اصول سے فروع نکالیں گے اور اس اصول کی شہادت سے حضرت شیخ الکل کا ولی ومجدد ہونا ثابت کریں گے یا حضرت شیخ الکل کا قول قادیانی کے کافر ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہیں گے، تب آپ اس بات کے پیش کرنے اور اس کی تائید میں تقریظات و شہادات جامع الشواہد و مدار الحق وغیرہ سے استدلال کرنے کے مستحق ہوں گے۔ اور اسی وقت ہم ان کا جواب دیں گے اور ثابت کر دکھائیں گے کہ جس شخص نے حضرت شیخ الکل کی جناب میں کوئی گستاخی کی

ہے اس نے خطا کی۔ ابھی تو آپ کے اس سوال کا کوئی موقع ومحل نہیں۔ منشی صاحب آپ ہوش میں آویں۔ آپ کہاں سے کھانے کو بھاگے پھرتے ہیں، آپ کا یہ سوال صاف بتا رہا ہے کہ یا تو آپ ہوش میں نہیں اور اپنے کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے، یا دیدہ دانستہ بحث کو دوسری طرف لے جانا اور اصل بحث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ اور اس برتے پر یہ دعوی کہ میں مولوی ہوں اور بٹالہ میں بحث کے لئے آیا ہوں۔ شرم شرم شرم۔ محمد حسین)

(مولانا بٹالوی بتاتے ہیں کہ) اس کے بعد آپ (محمد احسن) نے جامع الشواہد کی عبارات اور مدار الحق کی تقریظات کی نقل سے اپنے خط کے تین صفحے اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیئے ہیں۔ ہم نے اس جواب کا ان کو کچھ جواب نہ دیا اور نہ آئندہ دینے کا ارادہ ہے۔ اس خط سے جو منشی صاحب کی بے علمی اور نافہمی اور گریز از مباحثہ ثابت ہے، وہ عیاں ہے اور جو نہ سمجھے وہ ہمارے حواشی متعلقہ جواب مذکور سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ جواب خود اپنا جواب ہے۔ یہ کسی اور جواب کا استحقاق وضرورت نہیں رکھتا۔

شاہ صاحب سجادہ نشین بٹالہ نے منشی صاحب کا یہ جواب پڑھا تو اس کو گریز از مباحثہ سمجھا۔ و بناء علیہ متعدد خطوط اور وسائل سے منشی محمد احسن صاحب کو سمجھایا اور الزام دیا کہ آپ ناجائز شروط پر اصرار کرتے ہیں۔ اور اپنے مقابل کی صحیح ترمیم کو نہیں مانتے اور مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔ مگر منشی صاحب نے منظور نہ کیا۔ اور دو تین خطوں میں اپنی ان ہی ناجائز شرطوں اور خارج از مبحث باتوں پر اصرار کیا۔ ایک اپنے خط اسمی شاہ صاحب مورخہ ۲۵ جنوری ۱۸۹۳ء میں وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ میری مراد اختتام بحث سے یہ تھی کہ انجام کار تمامی بحث فریقین کے اختیار میں رہے گی۔

۲۔ جلسہ میں تحریر نہ ہو، تو پہلے سے غیر وقت میں سوائے وقت جلسہ بحث کے تحریر کر لیا جاوے گا اور اس محرر (لکھے ہوئے) کو جلسہ بحث میں سنا دیا جاوے گا۔

۳۔ نمبروار ایک ایک قول جو موجب کفر قرار دیا گیا ہے معرض بحث میں لانا چاہیے، لہذا میں امتحاناً ایک ایسے قول کا جواب بطور نمونہ کے عرض کرتا ہوں۔ جناب والا مولوی صاحب سے اس کا تصفیہ فرمالیویں (یعنی اس کا جواب ان سے لیں)۔

اس کے بعد تین صفحہ میں یہ مضمون لکھا ہے کہ قادیانی نے نبوت کا دعوی نہیں کیا۔

اوراس خط میں بھی ان ہی شرائط پر اصرار کر کے بحث تحریری کی پٹڑی جمائی گئی ہے کہ ہمارے مضمون در بارہ قادیانی کا تحریری جواب دو،

ایک اور خط مورخہ ۲۷۔ جنوری میں آپ لکھتے ہیں

کہ صاحبزادہ صاحب اس بارہ میں گفتگو کر گئے ہیں آپ ان سے دریافت کرلیں۔

ایسا ہی ایک خط آپ نے ۲۹ جنوری ۱۸۹۳ء کو شاہ صاحب کے نام روانہ کیا۔

ان کے جواب میں شاہ صاحب نے ان کے نام دو خط لکھے جو ذیل میں منقول ہیں۔

☆ پہلا خط یوں ہے

مولوی محمد احسن صاحب السلام علیکم و علی من لدیکم

آپ کا نامہ والہ پہنچا۔ مضمون معلوم ہوا۔ یہ فقیر اولاً ایسی تحریری بحث کو تو فضول سمجھتا ہے کیونکہ یہ تو آگے ہی فریقین کے رسائل میں ہو رہی ہے۔ جس کا اختتام الی ما شاء اللہ ہوگا۔ مگر آپ کے دو دفعہ لکھنے پر مختصراً جواب رقعہ ۲۵ جنوری ۱۸۹۳ء اور رقعہ ۲۷ جنوری ۱۸۹۳ء لکھا جاتا ہے۔

جواب رقعہ اول۔ آپ نے امر اول و دوم میں نہ میری منشاء کو منظور کیا، نہ اپنے فریق مقابل کی ترمیم کو۔ اختتام بحث فریقین کے اختیار میں رکھا جاوے تو بقول آپ کے مقابل کے، جو فریق جب تک چاہے گا بحث کو لٹکائے رکھے گا، لہذا اس کا اختتام صدر انجمن کی رائے سے ہونا ضروری ہے، وہ وقت کافی مقرر کر دے گا۔ جس فریق نے وقت مقررہ تک جواب نہ دیا، اس کو وہ شکست یافتہ سمجھ کر مجلس کو برخاست کرے گا، یا جب کوئی فریق خارج از مبحث باتیں کرنے لگے گا، صدر انجمن اس کو شکست یافتہ سمجھ کر جلسہ برخواست کرے گا۔

۲۔ گھر سے اگر کچھ لکھ کر لانا ہو اور اس تحریر کو پڑھنا ہو تو گفتگو بالمشافہ کیا ہوئی؟ تحریرات فریقین گھر بیٹھے لکھ سکتے ہیں۔

۳۔ گفتگو اقوال مرزا صاحب میں نمبروار ہوگی اور پہلے اس کو پیش کر لیا جاوے گا جس کو آپ نے مدلل لکھا ہے۔ چنانچہ ہم نے آپ کی تحریر (وہ خط جس میں آپ نے قادیانی کے مدعی نبوت نہ ہونے اور اس وجہ سے کافر نہ ہونے کا ثبوت تحریر کر کے اس کا جواب

تحریری طلب کیا) فریق ثانی کو دکھائی، وہ قبول کرتے ہیں کہ پہلے اسی میں بحث کر لی جاوے گی۔ اگرچہ عیسی موعود ہونے کی بحث مقصود بالذات ہے۔

☆ جواب رقعہ دوم۔ مراتب بحث کی بابت تو حسب فہمید مرقوم ہو چکا ہے، جناب صاحبزادہ صاحب کا کہنا فریق ثانی نے بھی بخوشی قبول کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ تین تقریر سے زیادہ کا معمول نہیں۔ جو صاحب پہلے تقریر کرے پیچھے بھی وہی کرے۔ صاحبزادہ صاحب نے ان کی اس بات کو قبول کر کے آپ کی طرف سے آج دس بجے کا وقت اجتماع کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب اس وقت مقررہ پر حاضر ہونے کو تیار ہیں۔ لہذا مکلّف اوقات گرامی ہوں کہ آپ اب جیسا چاہیں تعین مکان بحث اور تعین شخص ذمہ وار بحث اور وقت بحث مولوی محمد حسین صاحب کی طرف براہ راست یا بواسطہ شخص مناسب لکھ بھیجیں۔ و السلام و علیہ الاختتام۔

راقم ظہور الحسین مورخہ ۲۹ جنوری ۱۸۹۳ء۔

☆ دوسرا خط یوں ہے

مولوی محمد احسن صاحب السلام علیکم و علی من لدیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۲۹ جنوری ۱۸۹۳ء پہنچا۔ مظہر مافیھا ہوا۔ مختصراً جواب ارقام ہے کہ آپ جیسی بحث چاہیں ویسی ہو سکتی ہے، مگر اگر آپ کسی جلسہ میں بالمشافہ تشریف نہ لاویں، محض گھر بیٹھے تحریری بحث ہوتی رہے تو ایسی بحث میں ہم لوگوں کو آنا منظور نہیں، کیونکہ یہ رسائل میں پیشتر سے شروع ہے، اور آگے بھی رہے گی۔ اسی لئے مولوی محمد حسین صاحب سے مسئلہ مندرجہ سابقہ (کہ قادیانی مدعی نبوت نہیں ہے) کا جواب طلب نہیں کیا۔ اور فقیر نے تو یہ لکھ دیا تھا کہ پہلے بحث اسی سے شروع ہوگی مگر اگر آپ پہلے اس کا جواب گھر سے لکھ کر لانا چاہتے ہیں تو مولوی محمد حسین سے لکھوا کر بھیج دیا جاوے گا، لاکن آپ پہلے تعین مکان بحث اور وقت اور ذمہ دار و نیز حکم جو فیصلہ کنندہ تحریرات و تقریرات فریقین ہو، کریں۔ کیونکہ آپ نے صدر انجمن کو اس اختیار سے محروم کر رکھا ہے اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ آپ بٹالہ کے لوگوں میں تشریف لانے سے خائف ہیں، تو اس خوف کا ازالہ جس طرح خیال والا میں متصور ہو سکے، آپ ظاہر فرماویں۔ انشاء اللہ ویسا ہی

ہو جاوے گا (شاہ صاحب نے زبانی یہ فرمایا تھا چنانچہ جلسہ مقام جامع مسجد میں اس کا اظہار کیا کہ میں چار ہزار روپیہ تک ضمانت دینے کو بھی حاضر ہوں) تو اگر عام جلسہ میں آنے کا خوف کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا تو جلسہ خاص مقرر کر دیا جاوے۔ اس میں وہ لوگ ہوں جن کی تعداد طرفین سے پوری کی جاوے۔ اگر پھر بھی آپکا خوف زائل نہ ہوا اور ہم لوگوں کی تسلی پر آپ مطمئن نہ ہوں تو مجبوراً آپ کا گریز از مناظرہ عموماً متیقن ہوگا۔ خلاصہ تکلیف دہی یہ ہے کہ مختصر جواب در باب قبول یا عدم قبول مرقومات بالا، بدست حامل ارسال فرماویں۔ تاکہ فردا جلسہ کا ہونا یا نہ ہونا تعین پا جاوے۔

مکرر حکم مذکور موجودین بلدہ ہذا میں سے ہو۔ اور علوم حدیث وفقہ وقواعد عربیہ و اصطلاحات منطقیہ سے مناسب واقفیت رکھتا ہو۔ فقط۔

والسلام تم الکلام۔ راقم ظہور الحسین

اس کے بعد سجادہ نشین صاحب نے ایک اور خط میں آپ کو دعوت مناظرہ کی، اور اس میں یہ بات کہی کہ مجھے ایسی تحریرات کیلئے ڈاک منشی ہونے کی ضرورت نہیں (جس کا مدعا یہ تھا کہ کاغذی گھوڑے آپ بذریعہ ڈاک بھی دوڑا سکتے ہیں بالمشافہ گفتگو کرنی ہو تو مجھے وسیلہ بناویں)

اس کے جواب میں منشی صاحب نے جو آخری خط مورخہ ۳۰ جنوری ۱۸۹۳ء کو شاہ صاحب کے نام لکھا اور اس میں مقام بٹالہ میں بحث کرنے سے گریز کو بخوبی ظاہر کیا ہے۔ اس خط کا اول اور آخر بحذف زوائد نقل کیا جاتا ہے۔

☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم ،نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
مخدوم ومکرم حضرت مولوی سید ظہور حسین صاحب سجادہ نشین بٹالہ شریف دام مجدکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عنائت نامہ بلا تاریخ وبغیر زینت دستخط مبارک ومہر شریف، وقت شب کے صادر ہوا تھا۔ بسبب نہ ہونے دستخط وغیرہ کے جواب لکھنے میں تردد رہا۔ مگر اب زبانی منشی محمد امین وغیرہ کے معلوم ہوا کہ وہ عنایت نامہ حسب منشاء عالی ہی لکھا گیا ہے.... احقر نے تو جناب والہ کو اپنا وسیلہ کیا تھا، تاکہ کوئی مخالفین میں سے کوئی امر غیر تہذیب اس عاجز کے

ساتھ ارتکاب نہ کر سکے، کیونکہ جناب اس شہر کے رئیس ہیں اور یہ عاجز مسافرانہ وارد ہے۔مگر جناب والا نے عنایت نامہ سابق میں ارشاد فرمایا کہ ایسی تحریرات کے ڈاک منشی ہونے کی ضرورت نہیں۔لہذا عرض ہے کہ اب بلاتوسل جناب والا کے براہ راست ہی مولوی صاحب سے سلجھ لیا جاوے گا۔ اب الجھاؤ تو پڑ ہی گیا ہے، دیکھئے یہاں سلجھے یا لاہور میں ...مطالبات علیحدہ کاغذ پر ثبت ہیں یہ مولوی صاحب کی خدمت میں ارسال فرمائے جاویں۔والسلام خیر الختام احقر الزمن محمد احسن ۳۰ جنوری ۱۸۹۳ء

(وہ مطالبات یہ ہیں

مطالبات نیاز نامہ ۱۷ جنوری ۱۸۹۳ء بخدمت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

☆ ۱۔میری تحریرات کا جو بجواب اشاعۃ السنہ لکھی گئی ہیں، جواب کب ملے گا۔

☆ ۲۔ اس امت کے کسی مجدد کی تعیین کی جاوے، یعنی اس کا نام بتایا جاوے۔

☆ ۳۔ خط ۲۰ جنوری ۱۸۹۳ء میں جو لفظ کشیع عنان لکھا گیا ہے اس کی تصحیح کی جائے۔

☆ ۴۔ وجوہ تکفیر قادیانی کا جو جواب میں نے خط ۲۵ جنوری اسمی شاہ صاحب میں تحریر کیا ہے اس کا جواب دیا جاوے۔

☆ ۵۔ جس شخص کی نسبت کفر کا فتوی بہت سے لوگوں نے دیا ہو، اس کا فتوی کسی دوسرے کے کفر کے واسطے مسلم ہوسکتا ہے؟)

شاہ صاحب نے اس پرچہ مطالبات کو اس پر عبارت ذیل لکھ کر واپس کیا۔

چونکہ ابلاغ کاغذ ہذا مخالف تحریر والا ہے، یعنی آپ نے آج کے خط میں لکھ دیا ہے کہ آپ کو تکلیف دینے ابلاغ تحریرات وغیرہ سے بری رکھا جائے گا، بلکہ بلاتوسل آپ کے مولوی صاحب سے سلجھ لیا جاوے گا، تو پھر یہ ابلاغ فقیر کے کیوں کر تفویض ہوا؟

لہذا واپس کیا جاتا ہے۔فقط۔مورخہ ۳۰ جنوری ۱۸۹۳ء سید ظہور حسین سجادہ نشین

مولانا بٹالوی بتاتے ہیں کہ اس کے بعد جب مولوی محمد احسن امروہی، بٹالہ سے ناکامی کے ساتھ لاہور پہنچے اور لوگوں کی طرف سے پھر خاکسار محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے کیلئے مجبور کیے گئے تو آپ نے بقول شخصے عصائے پیر بجائے پیر پھر وہی پرچہ مطالبات شاہ صاحب کا واپس کیا ہوا میاں محمد ابراہیم صاحب سوداگر پشمینہ کے ہاتھ بدرخواست جواب بھیج دیا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ رقعہ میرے نام کا نہیں،

امروہی صاحب میرے نام کا رقعہ تحریر کریں اور اس میں یہ مطالبات درج کریں تو میں ان کا جواب دونگا۔ انشاء اللہ تعالی

پھر امروہی صاحب اس درخواست کو بھول گئے اور حوصلہ نہ پا سکے کہ میرے نام کا رقعہ لکھتے۔ مگر چونکہ وہ اس شہر (لاہور) میں مہمان ہیں لہذا ہم بنظر مہمان نوازی ان مطالبات کا جواب خود بخود لکھتے ہیں۔

☆ جواب مطالبہ اول۔ آپ کے رسائل کے کئی جواب شائع ہو چکے ہیں جو مطبع انصاری دہلی سے بقیمت مل سکتے ہیں۔ اعلاء الحق الصریح بتکذب مثیل المسیح مؤلفہ مولوی محمد اسماعیل صاحب علی گڈھی۔ بیان للناس مؤلفہ مولوی عبدالمجید دہلوی۔ شفاء للناس مئولفہ مولوی عبداللہ صاحب شاہ جہان پوری۔ نمونہ لیاقت علمی مولوی محمد احسن صاحب۔ اشاعۃ السنۃ میں بھی ضمناً جا بجا ان کا ردموجود ہے مستقل طور پر آپ کی خدمت گذاری ہوگی، مگر آپ کے مرشد قادیانی کی خدمت سے فارغ ہوکر۔ آپ ہی فرمائیے کہ آپ کا حق مقدم ہے یا آپ کے مرشد کا؟ ہر چند میں آپ کو مخاطب صحیح نہیں سمجھتا اور نہ ہر کس و ناکس للو وکلو کا جواب مجھ پر واجب ہے، مگر ان لوگوں کی فہمائش کے لئے جو آپ کو مولوی سمجھتے ہیں، ضرور آپ کو مخاطب کر کے آپ کی مولویت ظاہر کروں گا انشاء اللہ تعالی اسی غرض سے باوجود ایسا سمجھنے کے آپ سے تقریری مباحثہ کے لئے حاضر ہوں۔

☆ جواب مطالبہ۲۔ آپ کے خط ۱۷ جنوری میں یہ مطالبہ نہیں۔ مشتے بعد از جنگ یاد آید ...اور نہ قادیانی کو مجدد یا کافر بنانے کے لئے کسی سابق مجدد کی تعیین ضروری ہے۔

☆ جواب مطالبہ۳۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرا خط جو آپ کے پاس پہنچا ہے میری قلم کا لکھا ہوا نہیں ہے مگر آپ کے دونوں خط آپ کے دستخطی میرے پاس موجود ہیں۔ خط اول میں بقلم خود لفظ اصول کو اوصول لکھتے ہیں خط دوم میں لفظ حرج کو جو حاطی سے چاہیے آپ بقلم خود ہائے ہوز سے لکھتے ہیں۔ پس جو وجہ صحت املاء میں دونوں لفظوں کی بتائیں وہی وجہ لفظ کشیح عنان کی سمجھ لیں۔ اس لفظ کا الزام تو کاتب کی قلم پر عائد ہو سکتا ہے کہ اس نے کف کو کشیح کہدیا اور میرے دستخطی حروف کا مشتبہ ہونا آپ کو اور تمام لوگوں کو معلوم ہے جو میرے خطوط دیکھ چکے ہیں۔ آپ کے واضح اور خوش خط حروف و

الفاظ کا الزام کس پر عائد ہوگا۔ آپ کو تو کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

☆ جواب مطالبہ ۴۔ میدان میں نکلیں اور اس کا جواب لیں کیا۔ آپ مقاصد کو مبادی میں طے کرنا چاہتے ہیں یا مباحثہ تقریری کو تحریری بنانا۔

بہر رنگے کہ می آئی شناسم۔

☆ جواب مطالبہ ۔۵، میں نے اس وقت تک آپ کے مقابلے اور مباحثے میں کسی عالم کا قول کفر قادیانی پر دلیل ٹھہرا کر پیش نہیں کیا اور نہ ان کو مباحثہ میں پیش کرنا کافی سمجھا۔ اگر ہم ان اقوال کو کافی اور مباحثہ سے مغنی خیال کرتے تو کیوں صاف یہ نہ کہتے کہ قادیانی باتفاق علماء پنجاب و ہندوستان کافر قرار پاچکا ہے۔ اب ایسے اتفاقی کافر کے کفر میں بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

منشی صاحب انصاف سے اور، اگر اسلام پر کچھ رہا سہا ایمان ہے تو، ایمان سے کہیں کہ اس وقت تک اس مطالبہ کا آپ کو کچھ حق پیدا ہوا ہے؟

اور پہلے چار مطالبوں کو خصوصاً مطالبہ سوم کو اصل بحث سے کوئی تعلق ہے؟ کیا ان مطالبات سے ناظرین اہل علم کو معلوم نہ ہوگا کہ آپ مولوی نہیں ہیں اور اپنے کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔

حضرت بٹالوی فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارے بیان صدر میں اور محمد احسن امروہی صاحب اور شاہ صاحب کے خط میں صاحبزادہ ظہور حسن کی مداخلت و تعلق کا بیان ہوا ہے لہذا بعض واقعات کے متعلق صاحبزادہ صاحب کی شہادت پیش کرنی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے آپ منصف صاحب کے نام رقعہ ذیل تحریر کرتے ہیں جو بڑے شاہ سے ان کو وصول ہوا ہے

☆ محبّ الفقرا جناب منصف صاحب دام عنایتکم
از خاکسار سید محمد ظہور الحسن قادری فاضلی سجادہ نشین

بعد سلام سنت اسلام مبرہن رائے عالی ہو

جناب مولوی محمد حسین صاحب صاحب ہر جگہ، ہر وقت، واسطے بیان کرنے مسائل کے مستعد ہیں (بیان مسائل یعنی وعظ کا لفظ انہوں نے اس لئے لکھا کہ منشی محمد احسن صاحب مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔ صاحب زادہ صاحب نے چاہا کہ اس بہانہ وعظ سے وہ

میدان میں نکلیں ۔محمد حسین) ابھی تک جناب مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے تہیہ نہیں ۔ مجھے زبانی عبدالرحمٰن کے روبرو جناب اخی اعزی سید ظہور الحسین معلوم ہوا کہ وہ بھی مستعد ہیں مگر چونکہ ان کا رقعہ اس مضمون کا نہیں آیا تھا، جناب اخی اعزی نے ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب بہر حال تیار ہیں۔آپ وقت اور ثالث (جو تقاریر مکتوبہ کا تصفیہ کرے) اور مکان (جس جگہ آپ تشریف لانا چاہتے ہیں) تحریر فرماویں کیونکہ جس کے مکان پر ہر دو صاحب تشریف ارزانی فرماویں وہ حفظ عزت وآبرو کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ اخی اعزی نے فرمایا کہ اگر اس فقیر خانہ میں تشریف لاویں تو میں ذمہ دار ہوں۔ چونکہ فقیر واسطے طلب ایک رفیق کے جو ایک ضروری امر کے واسطے مجھے پٹیالہ میں طلب کرتا ہے، جاتا ہے ۔اور جناب اخی اعزی مجھ سے ہر امر میں سابق و لائق و فائق ہیں اور ہم سب برادران کے امور دینیہ میں کنفس واحدۃ ہیں، نظر براں امیدوار ہوں کہ حضرت اخی اعزی کو اس امر میں مثل بلکہ بہتر مجھ سے سمجھ کر مولانا صاحب مولوی محمد حسین جس طرح سے اپنا خط وکتابت براہ راست فرماتے ہیں، مولوی محمد احسن صاحب بھی حضرت اقدس سے خط وکتابت کریں ۔حضور کو معلوم ہے کہ فقیر کسی امر دین یا دنیا میں اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا، بنا براں یہ دعا تامہ بخدمت جناب تحریر کیا ہے۔ اس وقت تک جو کاروائی مولوی محمد احسن صاحب سے ہوئی ہے وہ بھی آپ کو معلوم ۔ ضرور حضور مولوی محمد احسن صاحب کو فہمائش فرما دیجیے کہ واسطے رفع نزاع اہل اسلام ایک تقریر مولوی محمد حسین اور دوسری مولوی محمد احسن کریں اور تیسری پھر مولوی محمد حسین کریں اور اس پر ختم ہو۔ یا چار تقریر ہو جاویں ۔ضرور بہر حال جس طرح مولوی محمد احسن صاحب راضی ہوں ۔مولوی محمد حسین تیار ہیں مگر ثالث و وقت مکان مقرر کر کے جناب اخی اعزی کو اعلام کر دیں ۔فقط، ظہور الحسن

روداد اور شہادت مباحثہ بٹالہ ختم ہوئی ۔اب ناظرین مباحثہ لاہور سے قادیانیوں کے گریز وفرار کی کیفیت سنیں (جو اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ صفحات ۳۸۱ تا ۴۱۲ سے نقل کی جا رہی ہے ۔ بہاء)

مباحثہ لاہور ۱۸۹۳ء

محمد احسن امروہی کا گریز

مولانا بٹالوی (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ میں) لکھتے ہیں کہ اثناء زمانہ مباحثہ بٹالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک چھپے حواری، حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر باری دواب، جو کہ رکھانوالہ علاقہ قصور میں متعین ہیں، لاہور پہنچے اور ایک جماعت کو ساتھ لے کر خاکسار کے پاس تشریف لائے اور خواستگار ہوئے کہ آپ مرزا غلام احمد اور حکیم نورالدین سے ایک دفعہ پھر مباحثہ کریں۔ میں نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں کی زبانی بات کا مجھے اعتبار نہیں، کیونکہ پہلے آپ نے حکیم نورالدین سے میرا مباحثہ کرایا، پھر اس کو ناتمام چھوڑ کر ان کو غائب کر دیا۔ پھر جب مرزا غلام احمد کو بذریعہ تار اور خطوط حکیم نورالدین کے بھاگ جانے کا الزام دیا گیا تو قادیانی اور اس کے حواریوں نے اپنے خطوں اور اخباروں میں یہ ظاہر و مشتہر کیا کہ حکیم صاحب سے تمہارا مباحثہ کب ہوا ہے، کہ ان کے چلے آنے سے بھاگ جانے کا الزام صحیح ہو سکے۔ تمہارا تو اس گفتگو میں قدم ہی نہ تھا، گفتگو حافظ محمد یوسف اور حکیم صاحب کی تھی، حافظ صاحب سائل تھے حکیم صاحب مجیب۔ تم تو صرف وزیٹرز (یعنی تماشائیوں) میں تھے۔ تم یوں ہی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہو (ان کے یہ اقوال اشاعۃ السنہ نمبر ایک جلد ۱۳ بصفحہ ۳۴ و ۴۰ شائع ہو چکے ہیں) اس پر میں نے آپ (محمد یوسف) سے بیان واقع کی شہادت چاہی تو آپ نے اپنی شہادت کو چھپایا اور ایک جھوٹی بات جواب میں کہہ کر مجھے ٹلایا۔ اب پھر آپ مباحثہ کی درخواست کرتے ہیں تو فرمایئے کہ میں آپ کی بات کا کیونکر یقین و اعتبار کروں۔ آپ پھر گفتگو کرانا چاہتے ہیں تو مجھے اس مضمون کی ایک تحریر دیں کہ پہلے ہم نے حکیم نورالدین سے تمہارا مباحثہ کرایا تھا، جو ناتمام رہا، اب ہم پھر اسی مقام سے جہاں سے وہ ناتمام رہا، مباحثہ کرانا چاہتے ہیں جس پر حافظ محمد یوسف نے اسی وقت رقعہ ذیل تحریر کیا۔

☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ از فقیر محمد یوسف ۔ بخدمت با برکت مخدومی مکرمی مولانا مولوی محمد حسین صاحب السلام علیکم ۔ پیشتر جو میں نے اپنے شکوک رفع کرنے کے واسطے آپ کی اور مولوی نور الدین صاحب کی گفتگو کرائی تھی وہ نا تمام رہ گئی تھی، اب چاہتا ہوں کہ وہ گفتگو پھر ہووے ۔ اور میں شکوک رفع کروں ۔ اگر آپ کو یہ منظور ہے تو مطلع فرماویں تا کہ مولوی نور الدین صاحب کو طلب کروں اور یہ جلسہ لاہور میں ہووے ۔ اور گفتگو اسی جگہ سے ہووے جہاں سے نا تمام رہ گئی تھی ۔ فقط ۔

محمد یوسف بقلم خود ۱۷ جنوری ۱۸۹۳ء

مولانا فرماتے ہیں کہ تحریر رقعہ کے روز تاریخ ۱۷ جنوری نہ تھی بلکہ اور تھی، تاہم اس کے جواب میں خاکسار نے حافظ صاحب کو ایک مختصر رقعہ لکھ دیا جس میں یہ وعدہ دیا کہ آپ جس شخص (قادیانی صاحب ہوں یا حکیم نور الدین یا محمد احسن امروہی) سے چاہیں میں ان سے مباحثہ کیلئے حاضر ہوں ۔ اس کے بعد خاکسار بٹالہ کو چلا گیا اور وہاں محمد احسن امروہی صاحب کی خدمت گذاری میں مصروف رہا ۔ ان کی تسلی کر کے پھر لاہور میں آیا ۔ تو حافظ صاحب کے نام ایک اور خط تحریر کیا جس کی نقل یہ ہے

☆ لاہور ۱۳ رجب ۱۳۱۰ھ مطابق یکم فروری ۱۸۹۳ء ۔ محبی حافظ محمد یوسف صاحب بعد سلام مسنون مکلّف ہوں کہ آپ نے حکیم نور دین بھیروی و مرزا غلام احمد قادیانی و منشی (یا مولوی) محمد احسن امروہی سے مباحثہ کی بابت خط و کتابت کی ہے یا نہیں؟ اگر کی ہے تو انہوں نے کیا جواب دیا ہے؟ مجھ سے مباحثہ کرنا منظور کیا ہے یا نہیں؟ کیا ہے تو کس وقت اور کن شرائط سے ۔ آپ مجھے جلد اطلاع دیں اور اگر کسی صاحب نے ان میں سے مباحثہ منظور کیا ہے تو ان کو لاہور میں جلد بلالیں ۔ اور اس مباحثہ کو شروع کرادیں ۔ کیونکہ میں صرف باقی نصف ماہ رجب کے ایام لاہور میں رہونگا ۔ اوائل ماہ شعبان میں حضرت شیخنا و شیخ الکل کے ساتھ پورب جاؤنگا ان شاء اللہ ۔ وہاں سے آخر شعبان کو واپس آنا ہوگا ۔ پھر ماہ صیام درپیش ہوگا اور گفتگو کا موقع نہ ملے گا ۔

(اس سفر پورب پر تین ضرورتیں باعث ہیں ۔ اول حضرت شیخنا و شیخ الکل کی ملازمت و رفاقت سفر ۔ شیخ احمد اللہ صاحب رئیس اعظم رحیم آباد ضلع دربھنگہ عرصہ ایک سال سے حضرت شیخ الکل کی زیارت کے مشتاق ہیں اور خاکسار کے ذریعہ اس اشتیاق کا ایک سال سے اظہار کر رہے ہیں ۔ ان دنوں حضرت شیخ

الکل بصد مشکل رحیم آباد تشریف لے جانے کیلئے مستعد ہوئے ہیں اور دونوں حضرت خاکسار کی رفاقت کے بھی خواہاں ہیں۔ دوم مسلمانوں کی عزت اور فخر مدرسہ احمد یہ آرہ کا ۲۲ شعبان کو سالانہ جلسہ ہے اس میں خاکسار بھی مدعو ہے۔سوم میرا ایک لڑکا عبدالرشید طال اللہ عمرہ و زاد علمہ وطن کی تعلیم مروجہ عام انگریزی وغیرہ کو چھوڑ کر اور اس قدر دور دراز سفر کرکے اس مدرسہ میں عربی علوم پڑھتا ہے۔اس سفر میں اس کی تعلیم کی نگرانی بھی مدنظر ہے۔محمد حسین)

۲۔آپ نے یہ امر تو اپنے سابق خط میں تسلیم کیا ہوا ہے کہ جس طور پر پہلے حکیم نور الدین صاحب سے گفتگو ہوئی ہے، اسی طور پر اب بھی ان سے گفتگو ہوگی ۔اس پر میری طرف سے یہ مستزاد ہے کہ اسی طور پر دوسرے صاحبوں سے گفتگو ہوگی، یعنی کوئی صاحب اپنا بیان پہلے تحریر میں لاکر پھر اس کو تقریراً پیش نہ کرے گا ۔ بلکہ فریقین کے سوالات و جوابات زبانی ہوں گے اور دو کاتب اس کو لکھتے جائیں گے۔ لکھنے کے بعد وہ دوبارہ پڑھے جائیں گے اور ان پر فریقین دستخط کریں گے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جیسا کہ پہلے بھی حکیم نورالدین صاحب کے مباحثہ میں نہیں ہوا) کہ کوئی فریق پہلے تحریری سوال یا جواب لکھ کر لاوے پھر اس کو مجلس میں پڑھا جاوے، کیونکہ اس صورت میں مباحثہ تحریری بنتا ہے جس کے لئے حاضری فریقین کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہ مباحثہ تحریری بھی ہوسکتا ہے بلکہ ہو رہا ہے فریقین کی تحریریں اور ان کے جوابات شائع ہو رہے ہیں۔

۳۔آپ نے زبانی تقریری منصف کے لئے کہا تھا، میں نے بھی اس کو تسلیم کیا تھا بے شک مجلس میں منصف نہ ہوگا تو جو کچھ اور جب تک کوئی فریق چاہے گا کہتا چلا جاوے گا۔منصف مجلس میں ہوگا تو وہ فریقین کو خارج از بحث بات کرنے سے روک دے گا اور جو ایسی بات کوئی کہے گا اس کو لکھنے نہ دے گا۔اور جب وہ کسی فریق کا غالب ہونا مشاہدہ کرے گا، فوراً مباحثہ کو بند کر دے گا اور اس فریق کا غالب ہونا ظاہر کر دے گا اور اگر کسی خاص شخص کی منصفی کو فریق ثانی منظور نہ کرے تو بجائے اس کے یہ تجویز ہو کہ ہر ایک مسئلہ متنازعہ فیہا میں تین یا پانچ یا نہایت سات تقریریں فریقین کی ہوں۔ وازاں جملہ جس کی تقریر پہلے ہو اسی کی آخری ہو۔اس کے بعد اس مسئلہ میں مباحثہ کو بند کر کے غالب و مغلوب کا فیصلہ حاضرین کے غلبہ رائے سے ہو۔

غلبہ رائے حاضرین کو بھی فریق ثانی منظور نہ کرے تو جانبین کی تقریروں کو چھپوا کر شائع

کیا جاوے اور وہ فیصلہ پبلک سے کرایا جاوے۔

۴۔ گفتگو ہر ایک صاحب سے اسی مقام سے شروع ہوگی جس مقام میں انہوں نے سابق گفتگو کو ناتمام چھوڑا ہے۔ حکیم صاحب سے گفتگو کے متعلق تو آپ نے اس امر کو اپنے خط سابق میں مانا ہی ہوا ہے۔ باقی دو صاحبوں سے بھی اس امر کو تسلیم کرالیں۔ قادیانی صاحب سے اس مقام سے گفتگو ہوگی جس مقام میں انہوں نے لدھیانہ میں گفتگو شروع کر کے ناتمام چھوڑی تھی۔ امروہی صاحب سے اس مقام میں گفتگو ہوگی جس مقام میں انہوں نے بٹالہ میں گفتگو شروع کر کے ادھوری چھوڑی ہے پہلی گفتگو کو ناتمام چھوڑ کر دوسری گفتگو شروع نہ ہوگی۔

ان چاروں باتوں کو آپ فریق ثانی سے تسلیم کرالیں۔ ان کو کچھ عذر ہو تو اس کو پیش کر کے اس کا تصفیہ پہلے کریں تاکہ عین موقعہ پر کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

اس خط کا جواب آپ مجھے جلد دیں۔ آپ نے جواب میں دیر کی تو ...آپ کے پہلے خط کو رسالہ میں شائع کر دیا جائے گا، تاکہ پبلک اہل اسلام کو معلوم ہو کہ کون سا فریق مباحثہ کیلئے مستعد و تیار ہے اور کس کو اس سے صاف انکار ہے۔ یا جائز شروط کی تسلیم سے انکار اور ناجائز شروط کی تسلیم کرانے پر اصرار کی آڑ میں اس مباحثہ سے انکار ہے

ابوسعید محمد حسین

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ میرے اس خط کی روانگی سے پہلے حافظ یوسف صاحب، حکیم نورالدین سے خط و کتابت کر چکے تھے اور حکیم صاحب لاہور کا ایک دورہ کر کے وطن کو چلے گئے تھے جس سے عموماً یہ سمجھا گیا تھا کہ حکیم صاحب کو اب مباحثہ منظور نہیں۔ مرزا قادیانی کا ایک چھپا حواری یا یوں کہو کہ حامی، میاں چٹو لاہوری برملا کہتا پھرتا تھا کہ ہم حکیم صاحب کی گفتگو مولوی محمد حسین سے نہیں کرائیں گے۔

بعد وصولی خط مذکور حافظ محمد یوسف صاحب بٹالہ میں محمد احسن امروہی کے پاس اور قادیان میں مرزا قادیانی کے پاس پہنچے۔ وہاں سے ۹ فروری کو میرے خط کا جواب ذیل لکھوا کر لائے اور اپنے ساتھ منشی محمد احسن امروہی کو بھی لاہور لیتے آئے۔

☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد از فقیر محمد یوسف بخدمت بابرکت مخدومی مکرمی معظمی مولوی محمد حسین صاحب

السلام علیکم ۔ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔بجواب خط جناب نمبری ۶۳ مورخہ ۱۳ رجب ۱۳۰۴ھ (۱۳۱۰ھ ہے شائد جلدی اور غلطی سے ۱۳۰۴ھ لکھ دیا ہے) جو پنجم جنوری (فروری) شام کو مجھ کو ملا ۔عرض ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب اور حکیم نورالدین اور مولوی سید محمد احسن صاحب جناب سے بطریق شرعی مسائل مختلفہ کا بطور محققین تصفیہ کرنے کو تیار و مستعد ہیں ۔ان کی طرف سے کوئی عذر اور توقف نہیں (یہ دروغ گوئم برروئے تو کا مصداق ہے ان کے عذرات باردہ خود اسی خط میں موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ ان کو گفتگو سے انکار ہے ۔محمد حسین) ، خطوط منظوری میرے پاس موجود ہیں (موجود ہیں تو پھر آپ نے وہ رقعات پیش کیوں نہ کیئے؟ اب بھی بذریعہ ڈاک ارسال کریں تاکہ آپ کا یوسف صدیق ہونا معلوم ہو ۔محمد حسین) اور ہر سہ صاحبان نے یہ منظور کیا ہے کہ جو تاریخ واسطے جلسہ کے مقرر ہو اس سے ہفتہ عشرہ پیشتر ہم کو اطلاع ہووے ۔لہذا میں جناب سے مستدعی ہوں کہ جو تاریخ جناب چاہیں فوراً مقرر فرما کر ہم کو مطلع فرماویں تاکہ میں ہر سہ صاحبان کو بذریعہ خطوط اطلاع دوں ۔اور مولوی محمد احسن صاحب نے جو شروط مفید طرفین مقرر کی ہیں (انہی کے لئے مفید ہیں کہ ان کو مباحثہ سے بچاتی ہیں ۔محمد حسین) اور میری دانست میں بھی نہائت ضروری ہیں وہ اپنے خط میں حسب ذیل لکھتے ہیں

☆ شرط اول ۔مولوی (محمد حسین) صاحب سے یہ اقرار پختہ لے لیویں کہ تا اختتام بحث مولوی صاحب بہار یا آرہ وغیرہ نہ جاویں ۔

☆ شرط دوم ۔ ہر ایک بلدہ سے سرآمد علمائے مکفرین کو اس جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب طلب کریں (یعنی کل علما مکفرین ۔چنانچہ لفظ کل آئندہ کے فقرات میں موجود ہے ۔ ناظرین انصاف سے کہیں یہ شرط کہ کل پنجاب و ہندوستان کے علماء مکفرین جمع ہوں ، یا ہر ایک شہر کا ایک ایک عالم اس مباحثہ کے لئے آوے ۔عادۃً ممکن الوقوع ہے؟ ہر گز نہیں اور ممکن نہیں کہ وہ ایک مطرود اور مردود خلائق اور اتفاقی کافر و مکفر سے بحث کرنے کے لئے لاہور میں جمع ہوں اور ایک چوہے کے شکار کی تمام دنیا کے شیر حرص کریں ، یا سارے ملک کے توپ خانے جمع کر کے ایک پہاڑ کو اوڑادیں اور اس کے نیچے سے ایک تنکا نکالیں ، اور

کوہ کندن و گیا ہے برآوردن

پر عمل کریں ۔

حافظ صاحب اور جملہ قادیانیو۔علما مکفرین پنجاب و ہندوستان تو اب قادیانی کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ وہ اس کو منہ لگا دیں اور غائبانہ بھی اس کو مخاطب کریں۔ جب وہ اس کو کافر ٹھہرا چکے ہیں تو اب ان کو کون سا شک باقی ہے کہ وہ اس کو دور کرنے کیلئے اس سے بحث کریں اور اس بحث کے لئے جمع ہوں۔ خاکسار بھی صرف اس وجہ سے بحث کے لئے حاضر و مستعد ہو جاتا ہے کہ قادیان کے قریب رہتا ہے اور اس بحث سے صرف قادیانی کے عجز کا اظہار اور کفر کا اشتہار چاہتا ہے،........قادیان سے دور ہوتا تو وہ بھی صفح واعراض عمل میں لاتا، ناظرین بتاؤ اس ناممکن الوقوع شرط سے قادیانیوں کا، مباحثے سے، گریز آفتاب کی مانند عیاں و روشن ہے یا نہیں؟ ۔محمد حسین) اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا ضرور ہے کہ ہر ایک بلدہ کا ایک ایک عالم مکفر جو سرآمد شمار کیا جاتا ہے، وہ مولوی صاحب کی طرف سے ضرور ہی تشریف لاویں۔

☆ شرط سوم ۔ مقلدانہ بحث نہ ہوگی۔ ہاں بعد پیش کرنے ادلہ مستقلہ کے ادلہ غیر مستقلہ پیش ہو سکتے ہیں۔ترتیب ادلہ وہی رہے گی۔

☆ شرط چہارم ۔فریقین کو اختیار ہے کہ اپنی تقریر کو خواہ بر وقت بیان کے تحریر میں ضبط کرلیں یا قبل بیان کے محرر کر لیویں (دیکھو یہ وہی شرط ہے جس پر منشی صاحب کو پہلے دن سے اصرار ہے اور ہم کو اس ناجائز شرط کی تسلیم سے انکار ہے۔ اور اس شرط کے ساتھ بالمواجہ بحث بیکار ہے ۔ پہلے سے گھر سے تحریر کر کے لانی ہو تو پھر مجلس میں اس کو پڑھنا کیا ضرور ہے؟ چھپوا کر شائع کرنے سے مجلس سے بڑھ کر اس کی اشاعت ہو جاتی ہے۔اس شرط فاسد کے ساتھ حافظ یوسف اس رقعہ میں فرماتے ہیں کہ یہ شرطیں مفید طرفین ہیں اور نہایت ضروری ہیں۔اور آپ کی شروط سے موافق ہیں ۔ یہ سفید جھوٹ نہیں تو کیا ہے؟ محمد حسین)

☆ شرط پنجم۔ چار منصف ادھر کے اور چار منصف ادھر کے مقرر ہوں، جن کو قوت فیصلہ از روئے قوت ادلہ کے حاصل ہوگی۔اور ایک سرپنچ بھی مقرر ہوگا۔ یا پانچ منصف ہماری طرف سے اور پانچ ان کی طرف سے۔اور ان کو بھی ایسا ہی اختیار رہے۔

یہ شرطیں مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے ہیں۔فقط۔

میرے خیال میں مولوی محمد احسن صاحب کی شرائط اور آپ کی شرائط متفق ہیں۔ شرائط میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔اور یہ جو مولوی محمد احسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کل مکفرین کو آپ طلب کریں یا ایک ایک مکفر ہر ایک شہر کے سرآمد علماء میں مولوی محمد حسین

صاحب طلب کریں، شائد یہ امر آپ کے اوپر محال ہوگا (یہ اقرار آپ کی مہربانی میں داخل ہے تھینک یو۔ اب اس اقرار کے ساتھ یہ اقرار بھی لازم ہے کہ ان صاحبوں نے اس مباحثہ کو ایک محال شرط سے معلق کر کے مباحثہ سے گریز و انکار کیا ہے۔ اور اس اقرار کے ساتھ آپ کا اپنے خط میں یہ اظہار کہ وہ مباحثہ کے لئے مستعد ہیں اور ان کو کوئی عذر نہیں، جھوٹ نہیں تو اس کا کیا نام رکھا جاوے؟ محمد حسین) اس واسطے جس قدر آپ طاقت رکھتے ہیں طلب فرماویں ورنہ مولانا مولوی سید نذیر حسین صاحب شیخ الکل اور مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی اور علماء نامی سہارن پوری اور دیو بندی کو تو ضرور طلب فرماویں اور مولوی عبدالحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی کو بھی ضرور بلوالیں یہ آپ کے ذمہ ہے (حافظ صاحب کیا ان پانچ شہروں کے حضرات مذکور کو طلب کرنا تو مجھ پر محال نہیں؟ میری آمدنی کا لحاظ کر کے ایمان سے فرمایئے گا۔ اگر آپ کا ایمان اس کو بھی محال قرار دے تو پھر ایمان سے یہ بھی اقرار کریں کہ اس شرط میں انہوں نے تعلیق بالمحال کر کے مباحثہ سے انکار کیا ہے۔ محمد حسین) اور بعض بعض علماء جو باقی ہیں، ان کو میں خود طلب کرلوں گا۔ ان کل علماء کا طلب کرنا اس واسطے ضروری ہے کہ یہ جلسہ اور فیصلہ آخری ہے، پھر بعد اس کے کوئی جلسہ اور مباحثہ کسی شہر ہند میں نہ ہوگا اور ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ انہیں علماء میں سے جس کو مناسب سمجھا جاوے گا، منصف اور سرپنچ بھی مقرر کیا جائے گا تاکہ بعد اس فیصلہ کے کوئی فریق مباحثہ کی درخواست نہ کرے اور یہ فیصلہ قطعی سمجھا جاوے گا، اور آپ نے جو اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ میں پورب کی طرف جانے والا ہوں، اخیر شعبان میں واپس آؤنگا، براہ مہربانی یہ ارادہ اپنا پورب وغیرہ کی طرف جانے کا بالکل ملتوی فرمادیں (حضرت بہت اچھا ملتوی کردوں گا اور حکم کی تعمیل کرونگا، مگر وہ شرط تقدم تحریر کو چھوڑ کر مباحثہ کے لئے مستعد بھی ہوں۔ یا یوں ہی ایک ضروری سفر موقوف کر کے اس مصرع کا مصداق بنوں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے)

کیونکہ تصفیہ اس تفرقہ کا جو آپ نے مسلمانان ہند میں ڈالا ہے، مقدم ہے اور اصلاح بین المسلمین اہم ضروریات سے ہے۔ لہذا اور تمام کاروبار دینی اور دنیاوی جو اس سے کم درجہ پر ہیں، چھوڑ کر سب سے پہلے اس کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ لاہور سے باہر ہرگز نہیں جانا چاہیے اور مکرر یہ کہ حسب الایماء جناب مرزا صاحب قبل از رمضان مبارک

موسم سرما میں تاریخ بحث مقرر کرنی چاہیے کیونکہ گرمی کو ان کی طبیعت برداشت نہیں کر سکتی (اس کے سچے ہونے میں کیا شک ہے؟ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ قادیانی صاحب میں حضرت مسیح کی روح نے اوتار لیا ہے اور حضرت مسیح کے پیرو سرد ملک کے رہنے والے تھے، لہذا ضرور ہے کہ اوتار میں بھی سردی کا تقاضا ہو، مگر مشکل یہ ہے کہ اس پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ قادیان بھی ایک گرم ملک کا گاؤں ہے اور مرزا قادیانی صاحب کے مکانات بھی تنگ و گرم ہیں، اور اس گرمی کے مکافات کو وہاں برف بھی نہیں ملتی۔ برف کجا، پان وغیرہ ضروریات خانگی بھی بٹالہ و امرتسر سے جاتی ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں تو لاہور بلکہ بٹالہ، قادیان سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پچھلے سال بھی تو مرزا صاحب، مسیح کے اوتار تھے، پھر آپ نے تمام سال لودھیانہ، دہلی، پٹیالہ اور سیالکوٹ کے سفر میں کیوں کر تمام کیا، اس وقت آپ کو گرمی کی تکلیف نہ ہوئی؟ حافظ صاحب آپ میں ذرہ انصاف، حق طلبی اور راستی ہوتی تو آپ اس عذر پر ان کو صاف کہتے کہ یہ آپ کا گریز ہے کہ آپ قادیان میں رہنے والے، تمام عمر گرمیوں میں کاٹنے والے، یہ عذر کرتے ہیں۔ اگر ابو سعید محمد حسین، جو ہمیشہ گرمیوں میں شملہ جانے کا عادی ہے،، یہ عذر کرتا تو وہ اس عذر میں سچا سمجھا جاتا۔ آپ کے منہ سے یہ عذر کسی وجہ سے زیبا نہیں۔ حافظ صاحب بجائے اس کہنے کے آپ نے اپنے خط میں یہ لکھ دیا کہ ان کو مباحثہ میں کوئی عذر نہیں۔ پھر آپ کو یوسف صدیق کیونکر تسلیم کیا جائے۔ محمد حسین) اور تاکہ اخیر شعبان تک فیصلہ ہو جاوے۔

خادم العلماء خصوص آپ کا تابعدار، محمد یوسف ضلعدار۔ ۸ فروری ۱۸۹۳ء

حضرت بٹالوی بتاتے ہیں کہ حافظ یوسف، بٹالہ اور قادیان گئے تو خاکسار سے مل کر گئے تھے، اور میرے خط کی شروط کو واجبی اور انصاف پر مبنی مان کر گئے تھے۔ مگر جب وہاں سے آئے تو یہ خط لکھوا کر لائے جس میں ان شروط سے صاف انکار پایا جاتا ہے، جس سے خاکسار کو یقین ہو گیا کہ مرزا قادیانی، حکیم نور الدین اور محمد احسن امروہی نے ان کی درخواست مباحثہ کو قبول نہیں کیا اور صاف صاف جواب دے دیا ہے۔ مگر حافظ صاحب نے صاف طور پر اظہار مناسب نہ سمجھا، بلکہ ناجائز اور ناممکن الوقوع شروط کی آڑ میں اس کا اظہار مناسب خیال کیا۔ خاکسار نے اس خط کا جواب اسی مجلس میں حافظ صاحب کو دے دیا۔ وہ خط اور اس کا جواب اور اس کا جواب الجواب وغیرہ ذیل میں منقول ہیں۔

نقل خطوط (جو بالمشافہ لکھے گئے)

☆ خط من جانب شیخ محمد حسین بٹالوی

مجبی حافظ محمد یوسف صاحب۔ بعد سلام مسنون۔ آپ کے خط ۸ فروری ۱۸۹۳ء کا جواب یہ ہے کہ آپ نے میرے خط نمبری ۶۳ کی شرائط کو منظور نہیں کیا، بلکہ ان کے برخلاف نئی شرائط کو تجویز کیا ہے، لہذا میں مکرر یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کو بحث کرانا منظور ہے، تو خط مذکور کی شرائط کو منظور کریں خصوصاً شرط دوم وشرط چہارم۔ اور شرط سوم کی اس بات کو کہ تقریریں محدود ہوں۔ تین یا پانچ یا سات۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ فریقین کو تقریر کے لئے مساوی وقت دیا جائے گا اور گفتگو صرف چند مسائل میں ہوگی، ان میں اگر احد الفریقین کو شکست ہوئی تو باقی مسائل میں بھی اس کو شکست یافتہ سمجھا جائے گا

ابوسعید محمد حسین

☆ من جانب حافظ محمد یوسف

جناب من السلام علیکم۔ مولوی محمد احسن صاحب آج لاہور میں صرف آپ کے ساتھ مباحثہ کے لئے تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ان سے خط وکتابت کریں۔ مجھ کو درمیان سے علیحدہ کر دیں۔ آپ مباحثہ کے واسطے محمد احسن صاحب کو خط تحریر کریں اور انہیں سے شرائط بحث مقرر کر لیں۔ محمد یوسف

حضرت بٹالوی بتاتے ہیں کہ علیحدگی کی درخواست بتا رہی ہے کہ حافظ صاحب قادیان سے مایوس از مباحثہ ہو کر آئے۔ مگر آپ نے اس انکار کو چھپایا اور رقعہ آئندہ میں انکار کا الزام اٹھا کر مجھ پر لگایا۔ تاہم میں نے جواب لکھا۔

☆ حافظ صاحب السلام علیکم۔ منشی (یا مولوی) محمد احسن صاحب مجھ سے مباحثہ کرنے سے بٹالہ میں انکار کر چکے ہیں، لہذا میں ان کو خود بخود مخاطب نہیں کرتا۔ وہ اب نئے سرے سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں تو میرے اس رقعہ کا جواب دیں جو میں نے ان کے نام لاہور سے لکھا تھا۔ جو جواب انہوں نے بٹالہ میں دیا تھا وہ اس کا جواب نہیں ہے۔

ابوسعید محمد حسین

☆ حافظ محمد یوسف کا جواب

مولوی صاحب السلام علیکم۔ آپ نے میرے خطوط میں اقرار کرلیا ہے کہ میں مولوی نورالدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب اور مرزا صاحب سے گفتگو کرنے کو مستعد ہوں، اب آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی محمد احسن صاحب سے گفتگو نہیں کرتا یہ آپ کا فرار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ محمد یوسف

(حافظ صاحب میں نے تو یہ لفظ نہ کہا تھا اور نہ اس معنی کا کوئی اور لفظ۔ پھر آپ کا یہ کہنا دروغ گوئم برروئے تو کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے۔ محمد حسین)

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی کا جواب

حافظ صاحب سلام۔ میں تو اب بھی حاضر ہوں اگر وہ درخواست کریں یا آپ ان کو کھینچ کر سامنے کر دیں۔ بھاگے ہوئے کے پیچھے بھاگنا میرا کام نہیں۔ برطبق تو مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔ خود بخود مہمان بننا اچھا نہیں۔ابوسعید محمد حسین

☆ حافظ محمد یوسف کا خط

جناب من السلام علیکم۔مولوی محمد احسن صاحب لاہور میں موجود ہیں اور اس وقت کھانا کھانے کا وقت ہے، اگر آپ پلاؤ کھلا دیں تو اسی وقت مولوی محمد احسن صاحب کو آپ کے روبرو حاضر کرتا ہوں۔ محمد یوسف

☆ شیخ محمد حسین بٹالوی نے لکھا

حافظ صاحب سلام۔ میں اس وقت تک ان کی دعوت نہیں کرسکتا جب تک وہ مرزا کے عقائد سے تائب ہوکر اسلامی عقائد قدیم پر نہ ہو جائیں۔آپ جو اس مباحثہ کے بانی مبانی ہیں اپنی گرہ سے پلاؤ پکاویں اور ان کو کھلا دیں۔ میں اجازت دیتا ہوں کہ میرے مکان پر آپ پکوالیں اور ان کو اپنی طرف سے کھلا دیں۔ ابوسعید محمد حسین

☆ حافظ محمد یوسف صاحب نے لکھا

مولوی صاحب السلام علیکم۔ اگر آپ پلاؤ نہیں کھلاتے تو آپ کو مولوی احسن صاحب پلاؤ کھلاویں گے، آپ وہاں تشریف لے چلیں۔ محمد یوسف

☆ شیخ محمد حسین نے لکھا

حافظ صاحب۔ سلام۔ جس حالت میں، میں منشی محمد احسن صاحب کو اسلامی عقائد پر نہیں سمجھتا، تو میں ان کی دعوت کیونکر قبول کرسکتا ہوں۔ دعوت قبول کرنا ویسا ہی ہے جیسا کھلانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے نھی رسول اللہ ﷺ عن اجابة الفاسقین (آنحضرت ﷺ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع کیا ہے) پس چہ جائیکہ ایک شخص کفریہ عقائد رکھے۔ ابوسعید محمد حسین

حضرت بٹالوی بتاتے ہیں کہ میرے آخری خط پر حافظ محمد یوسف صاحب لاجواب ہوکر اٹھنے لگے تو خاکسار نے یہ کہہ دیا کہ لیجئے حافظ صاحب میں اپنی اس بات سے (کہ میں منشی محمد احسن صاحب کے مکان پر نہیں جاتا اور نہ ان کو دعوت کرکے بلاتا ہوں) ہارا۔ چلئے میں ابھی آپ کے ساتھ منشی صاحب کے فرودگاہ پر چلتا ہوں اور ان سے گفتگو کرتا ہوں۔ اس پر حافظ صاحب حیران ہوئے، اور اٹھ کر چلے گئے، پھر چینیانوالی مسجد میں پہنچے اور اس واقعہ کے برخلاف مظہر ہوئے کہ مولوی محمد حسین نے مباحثہ سے انکار کیا اور یہ کہہ دیا ہے کہ میں ہارا، اس کے بعد آپ رائے ونڈ پہنچے تو وہاں بابو محمد الدین صاحب گوڈس کلرک وغیرہ کے سامنے آپ نے بیان کیا کہ مولوی محمد احسن نے مجھے گالیاں دی ہوئی ہیں، اس لئے میں ان سے مباحثہ نہیں کرتا۔ جس پر حافظ صاحب کے نام خط ذیل لکھا گیا۔

☆ لاہور ۱۳ فروری ۱۸۹۳ء حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر باری دواب متعلق رکھانوالہ سلام علی من اتبع الھدی۔

جب آپ نے میرا اور حکیم نورالدین کا لاہور میں مباحثہ کرایا تھا اور قادیانی وغیرہ نے اپنے خطوں اور ضمیمہ اخبار سیالکوٹ گزٹ میں اس مباحثہ کی نسبت یہ ظاہر و مشتہر کیا تھا کہ وہ مباحثہ تمہارے (محمد حسین) اور حکیم نورالدین صاحب کے مابین نہیں ہوا تھا، بلکہ حافظ محمد یوسف سائل تھے اور حکیم صاحب مجیب اور تم وزیٹر یعنی ناظرین میں بیٹھے تھے. تو میں نے آپ سے اس امر میں شہادت چاہی، تب آپ نے اس شہادت کو

چھپایا، اور ایک جھوٹی بات جواب میں لکھ کر مجھے ٹلایا۔ اس وقت سے میں آپ کی طرف سے بدظن ہوگیا اور آپ کو جھوٹا سمجھنے لگا تھا۔ مگر اس وقت سے پہلے میں آپ کو متبرک اور با اخلاص اور حضرت عبداللہ صاحب (غزنوی) کا صحبتی اور فیض یافتہ سمجھتا تھا۔ اس کتمان شہادت اور خلاف ورزی کے وقت سے بھی میں آپ کو پورا عیسائی مرزائی نہیں سمجھتا تھا، صرف یہ خیال کرتا تھا کہ آپ غلطی سے قادیانی کو الہامی جانتے ہیں، مگر اس کے بے مرشد ہونے کی وجہ سے اس کو الہام کے معنے سمجھنے میں غلطی کرنے والہ خیال کرتے ہیں (یہ امر آپ نے خود مجھے زبانی کہا تھا) اور اسی خیال سے آپ قادیانی کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے عقائد وخیالات کے مصدق نہیں ہیں۔

ان دنوں جو آپ نے ایک شرمناک کاروائی کی ہے اس سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ پورے عیسائی مرزائی ہیں اور قادیانی کے خیالات کے مصدق ومؤید اور ان کی اشاعت وترویج کے دل سے خواہاں۔ اسی واسطے میں نے اس خط میں اس سلام سے جو اہل اسلام کو لکھا جاتا ہے، آپ سے خطاب نہیں کیا۔

میں نے متعدد وسائل سے سنا ہے کہ آپ نے ۹ فروری (۱۸۹۳ء) کو میری مجلس سے اٹھ کر اور چینیا نوالی مسجد میں پہنچ کر بڑے زور شور کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مولوی محمد حسین، مولوی محمد احسن کے ساتھ مباحثہ سے انکاری ہوئے اور یہ کہہ چکے ہیں کہ میں ہارا۔ اس کے بعد آپ گیارہ فروری کو رائے ونڈ سٹیشن پہنچے تو بابو محمد الدین صاحب گوڈس کلرک وغیرہ صاحبوں کے پاس آپ نے یہ بیان کیا کہ میں رخصت لے کر لاہور وقادیان پہنچا اور مرزا غلام احمد اور حکیم نورالدین ومولوی محمد احسن کو مولوی محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے کیلئے مستعد کیا، بلکہ مولوی محمد احسن کو اپنے ساتھ لاہور بھی لے گیا اور مولوی محمد حسین کو ان سے مباحثہ کے لئے کہا، تو انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا اور یہ عذر کیا کہ مولوی محمد احسن نے مجھے گالیاں دی ہوئی ہیں، اس واسطے میں ان سے گفتگو نہیں کرتا۔ لہذا میں مایوس ہوکر لاہور سے چلا آیا ہوں اور پندرہ روز کے لئے مولوی محمد احسن کو لاہور چھوڑ آیا ہوں۔ اگر آئندہ مولوی محمد حسین مباحثہ چاہیں گے تو مولوی محمد احسن ان سے مباحثہ کریں گے۔

حافظ صاحب یہ دعوی تقدس اور ایسی متبرک ومعتبر صحت اور بابرکت تو ند اور سفید

ریش اور اتنا بڑا سفید جھوٹ؟ میں نے تو آپ کو بعد تکرار ورد و بدل شرط دعوت و پلاؤ خوری یا پلاؤ خورانی کے، جو آپ کی طرف سے پیش ہوئی تھی، صاف کہہ دیا تھا کہ میں بغیر شرط پلاؤ کھانے یا کھلانے کے ابھی آپ کے ساتھ مولوی محمد احسن کے پاس چلتا ہوں ۔آپ میری ان سے گفتگو کرا دیں ۔جس کے حاضرین مجلس مولوی رحیم بخش صاحب ومیاں عمر الدین صاحب حکیم ومیاں مولا بخش صاحب طالب العلم انجمن حمایت اسلام ومیاں عبداللہ حجام وغیرہ شاہد ہیں اور وہ گواہی دینے کو، جس مجلس میں آپ چاہیں، حاضر ہیں ۔ پھر آپ نے روز روشن میں ایسا جھوٹ باندھنے کی جرئت کیوں کر کی؟ اور وعید شدید لعنة الله على الكاذبين کی کچھ پرواہ نہ کی۔

حافظ صاحب یہ افتراء پردازی اور دروغ گوئی، کذاب قادیانی کی صحبت واعتقاد کا نتیجہ ہے ۔آپ کیا تھے اور اب کیا ہو گئے؟ یوسف صدیق کہلاتے تھے اب یوسف کذاب بن گئے اور بئس للظالمين بدلاً کا مصداق ہو گئے۔

حافظ صاحب آپ اپنی خیر و آبرو اور نیک نامی چاہتے ہیں تو اس سفید جھوٹ سے توبہ کر کے توبہ نامہ، جس میں یہ صاف اقرار ہو کہ یہ بیان جو میری زبان سے نکل گیا ہے یہ محض خلاف واقعہ ہے، آئندہ میں ایسی جرئت نہ کرونگا۔ میرے پاس فوراً بھیج دیں اور اس کے بعد جب عنقریب رخصت ملے، لاہور کی مسجد چینیا نوالی میں آ کر اس توبہ کا اظہار کریں ورنہ میں اس خط کو اپنے رسالہ میں چھاپ دوں گا انشاء اللہ تعالی .....

(اس پیرا گراف میں چند فقرات ایسے تھے جن سے حافظ صاحب کو دنیاوی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ ہم نے بمراعاۃ دوستی قدیم وہ الفاظ کاٹ کر اس خط کو چھاپا ہے ۔محمد حسین)

۲۔ جو چٹھیات میری اور اپنی آپ مجھ سے اس وعدہ پر لے گئے ہیں کہ بعد نقل واپس کروں گا، وہ فوراً واپس کریں ۔ ورنہ میں دوسری کاروائی کرونگا۔اس کو آپ نوٹس سمجھ لیں ۔ ان چٹھیات کو آپ مرزائی عیسائیوں کو دکھاتے پھرتے ہیں ۔ان سے آپ کوئی عمدہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ۔ میں ان چٹھیوں کو خود چھاپونگا۔اور ان کے اصلی نتائج سے بھی جملہ لوگوں کو آگاہ کروں گا۔اس خط کے جواب کا تین روز تک انتظار کر کے اس کو چھاپ دیا جائے گا۔انشاء اللہ تعالی۔

ابوسعید محمد حسین

حضرت بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس خط کے وصول ہونے پر حافظ یوسف صاحب

گھبرائے اور فوراً لاہور پہنچ گئے اور مسجد چینیانوالی میں رونق افروز ہو کر مولوی رحیم بخش سے خواستگار شہادت واقع ہوئے۔ مولوی رحیم بخش نے واقع کے مطابق شہادت دی اور یہ بات بخوبی کہہ دی، بلکہ لکھ دی کہ مولوی محمد حسین نے مباحثہ سے انکار نہیں کیا۔ جس پر حافظ صاحب نے دوبارہ گفتگو کی درخواست کی اور یہ بات مولوی رحیم بخش کے ذمہ ڈال دی کہ آپ گفتگو کرا دیں اور اس باب میں ان دونوں کی آپس میں کچھ تحریر بھی ہوئی جو ڈپٹی فتح علی شاہ کے پاس رکھوائی گئی۔

اس قرارداد کے دوسرے دن ۱۵ فروری ۱۸۹۳ء کو مولوی رحیم بخش، خاکسار محمد حسین کے پاس آئے اور رقعہ ذیل مجھے تحریر کر کے دیا۔

☆ مکرمی مولانا مولوی محمد حسین صاحب السلام علیکم۔ آج کی رات میرے اور حافظ محمد یوسف کے درمیان یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اگر مولوی محمد حسین صاحب، مولوی محمد احسن صاحب امروہی سے تقریری بحث نہ کریں تو میں مولوی صاحب کی طرف چھوڑ دونگا۔ اور بحث تقریری میں یہ شرط قرار پائی کہ فریقین مباحث پہلے تقریر کو لکھ کر نہ لاویں۔ بلکہ عین مجلس بحث میں اپنی تقریر بحث کو ساتھ ساتھ لکھاتے جائیں۔ اور حافظ محمد یوسف صاحب نے بھی اقرار کیا کہ اگر شرط مذکور پر مولوی محمد احسن صاحب مولوی محمد حسین صاحب سے تقریری بحث نہ کریں تو میں ان کی طرف چھوڑ دونگا۔ اور ہماری باہمی رائے سے تین علما منصف قرار پائے۔ مولوی خلیفہ حمید الدین صاحب لاہوری۔ مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری۔ اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی۔ اور میرے اور حافظ یوسف صاحب کے اس عہد نامہ پر دستخط ہو گئے ہیں اور مجھ کو انہوں نے اجازت دی ہے کہ آپ سے بحث کی تاریخ دریافت کروں کہ آپ کس تاریخ میں بحث شروع کریں گے۔ تاکہ بحث میں کسی ضروری کاروبار کی وجہ سے انقطاع واقعہ نہ ہو۔ لہذا ملتمس ہوں کہ آپ ازراہ مہربانی تعین وقت بحث سے مطلع فرمائیں۔ اور دیگر امر یہ ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے میرے سے واقعہ ۹ فروری کی شہادت طلب کی۔ میں نے شہادت بیان کی کہ مولوی محمد حسین صاحب نے تقریری بحث سے انکار نہیں کیا، بلکہ وہ شرط مذکورہ پر بحث کرنے کو تیار تھے۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے

میری اس شہادت کو قبول کیا۔ فقط والسلام ۔

خاکسار رحیم بخش امام و مدرس مسجد چینیا نوالی ۔ ۱۵ فروری ۱۸۹۳ء

حضرت بٹالوی نے اسی وقت اس کا یہ جواب لکھ کر مولوی رحیم بخش کو دے دیا

☆ لاہور ۱۵ فروری ۱۸۹۳ء ۔ محبی مولوی رحیم بخش صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ آپ کا خط میں نے مسرت سے پڑھا اور یہ شعر میری زبان سے نکلا

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر می خاست آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

میں پہلے دن سے یہی چاہتا تھا کہ گفتگو بالمشافہ ہو تو تقریری ہو، نہ تحریری (یعنی وہ جس میں تحریر پہلے لکھ کر پیچھے پڑھی جاوے)۔ آپ نے کرامت دکھائی کہ ان سے یہ بات تسلیم کرا دی کہ تقریر کرنے والا تقریر کرے اور کوئی شخص اس کو ساتھ ساتھ لکھتا جائے ۔ مجھے اس شرط سے بحث بدل منظور ہے ۔ اور یہ بات حافظ صاحب خود پہلے سے مان چکے ہیں اور لکھ کر دے چکے ہیں کہ بحث اس مقام سے شروع ہوگی جس مقام میں ناتمام رہی ہو۔ اب کوئی شرط باقی نہیں رہی ۔ تقرری منصفوں میں اگر میرا کچھ حق ہے تو میں اتنی ترمیم کرنا چاہتا ہوں کہ مولوی احمد اللہ صاحب اور خلیفہ حمید الدین صاحب میں سے ایک شخص کو موقوف کر کے اس کی جگہ مولوی عبداللہ صاحب مدرس یونیورسٹی کالج کو مقرر کیا جاوے ۔ اور اگر میرا کوئی حق نہیں ہے تو میں اس تقرری سابق کو منظور کرتا ہوں تقرری تاریخ کا حافظ صاحب کو اور آپ کو اختیار ہے، جو تاریخ مقرر کریں مجھے منظور ہے۔ اس میں صرف اتنی عرض ہے کہ پانچ شعبان سے پہلے اور ۲۵ شعبان سے پیچھے کی کوئی تاریخ ہو، کیونکہ ۷ شعبان کو میں پورب جانے والا ہوں، چنانچہ اس امر کو خط مورخہ ۱۳ رجب ۱۳۱۰ھ میں لکھ چکا ہوں، یہ عذر کوئی نیا عذر نہیں ہے ۔ ابو سعید محمد حسین

اس تحریر کو مولوی رحیم بخش خود لے کر منشی محمد احسن امروہی کے پاس گئے، جہاں جملہ حوارین قادیانی جمع تھے ۔ اسے پڑھ کر منشی محمد احسن حیران و پریشان ہو گئے ۔ اور قرارداد حافظ صاحب و مولوی رحیم بخش صاحب سے پھر گئے اور تقریری مباحثہ سے انکاری ہوئے ۔ جس کی تصدیق مولوی رحیم بخش کے خط سے ہو سکتی ہے ۔ چونکہ اس خط کا ماحصل منشی محمد

احسن امروہی کے خط آئندہ میں موجود ہے، لہذا ہم اس خط کو پورا نقل نہیں کرتے ۔صرف اسکے آخری فقرات نقل کرتے ہیں جنکا محمد احسن نے اپنے خط میں خلاف کیا اور جھوٹ لکھا۔

مولوی رحیم بخش صاحب، منشی محمد احسن صاحب کے گریز و انکار از منظوری قرارداد حافظ صاحب کا حال بیان کر کے لکھتے ہیں

. جب میں رخصت ہونے لگا تو منشی عبدالحق صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب نے شائد آپ سے کوئی بات کرنی ہو۔حافظ (یوسف) صاحب نے فرمایا۔ میں اب کیا بات کروں؟ آپ لوگ میری بات نہیں مانتے ۔ اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور جو کچھ میرے سامنے ہوا تحریراً اطلاع دی گئی ہے ۔

رحیم بخش امام و مدرس مسجد چینیا نوالی لاہور

اس انکار و گریز محمد احسن امروہی کے بعد حافظ یوسف صاحب دوبارہ مباحثہ سے مایوس ہوکر اپنے سٹیشن کو سدھارے، مگر جاتے ہوئے ایک شخص کو میرے خط کا ایک ایسا جواب دے گئے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو انکار از مباحثہ میں نے آپ (محمد حسین) کی نسبت مسجد چینیا نوالی میں اور رائے ونڈ سٹیشن پر بیان کیا ہے، وہ آپ کے ان رقعات میں، جو بالمشافہ آپ نے لکھے تھے اور اس کی نقل مجھے نہیں دی گئی تھی، موجود ہے۔آپ ان رقعات کو بھیج دیں ۔ان رقعات میں انکار نہ نکلا تو میں توبہ کروں گا۔اس جواب کے اخیر میں مرزا قادیانی کی طرح ایک گیدڑ بھبکی بھی لکھ گئے، جس کے الفاظ یہ ہیں .مجھ کو آپ سے بھی بہت خوف ہے اللہ آپ کے اوپر رحم کرے۔ میں آپکے معاملہ میں بہت دوستوں کو اطلاع کر چکا ہوں ۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب فوراً تحریر کر کے حافظ یوسف کی طرف روانہ کیا۔مگر چونکہ حافظ صاحب اپنا خط قاصد کو دے کر روانہ ہو چکے تھے لہذا وہ خط مع نقول خطوط مطلوبہ ان کے پاس بذریعہ ڈاک معرف منشی محمد الدین گوڈس کلرک رائیونڈ بھیجا گیا جس کی نقل یہ ہے۔

☆ لاہور۔۱۵ فروی ۱۸۹۳ء حافظ محمد یوسف صاحب

سلام علی من اتبع الھدی ۔ آپ جس وقت اور جس مکان میں کسی مسلمان کے (جو مرزائی نہ ہو) چاہیں وہ خطوط لے کر میں خود حاضر ہوتا ہوں ۔ بہتر یہ ہے کہ

مسجد چینیا نوالی میں آپ آجائیں اور مجھے بلالیں۔ وہی خطوط منصف رہے۔ اور اگر میرے سامنے ہونے سے آپ کو انکار ہو تو مولوی رحیم بخش صاحب کو میرے پاس بھیج دیں۔ میں ان کو خط دیدونگا۔ انشاء اللہ تعالی۔

۲۔ آخر خط میں جو آپ نے ایک گیڈر بھبکی سنائی ہے، یہ قادیانی کی شاگردی کا اثر ہے آپ اگر اس گیڈر بھبکی میں سچے ہیں تو اس کی تفصیل بیان کریں تاکہ اس سے آپ کا کذاب ہونا ہر کس و ناکس پر روشن ہو جائے (قادیانی کی گیڈر بھبکی کا جو انجام ہوا اس کو آپ رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ا و ۲ جلد ۱۵ میں ملاحظہ کریں)۔

۳۔ مولوی رحیم بخش صاحب آج مجھے تحریر کر کے دے گئے ہیں کہ انہوں نے آپ کے سامنے میرے بیان کی تصدیق کی اور یہ کہا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب نے مباحثہ سے انکار نہیں کیا اور آپ نے اس کو اس وقت تسلیم کیا۔ اب آپ مولوی رحیم بخش صاحب کو اپنے بیان کا مصدق بتاتے ہیں۔ یہ دوسرے جھوٹ کا آپ نے ارتکاب کیا اور اپنے دعوی صدیق ہونے کو آپ نے جھٹلایا۔

یہ خط فوراً ہمدست میاں عمرالدین صاحب حکیم آپ کے فرودگاہوں پر بھیجا گیا، تو معلوم ہوا کہ آپ کوچ کر گئے ہیں۔ اب فرمایئے وہ خطوط کس کو دکھلائے جائیں، اور توبہ کون کرے؟ توبہ نہ ہوئی تو وہ خط جو آپ کے پاس منشی محمد الدین صاحب کی معرفت بھیجا گیا تھا، ضرور چھاپا جائے گا انشاء اللہ تعالی

خطوط مطلوبہ کی نقلیں مرسل ہیں۔ اگر نقول میں کچھ شک ہو تو جب چاہیں تصدیق کر سکتے۔ فرق نکلا تو آپ کو توبہ سے بری کیا جاوے گا۔ اب آپ کو مناسب ہے کہ نقول دیکھ کر جلد توبہ نامہ ارسال کریں۔ ورنہ خط سابقہ کے چھاپنے پر آشفتہ نہ ہوں اور افسوس نہ کریں۔ ابوسعید محمد حسین

(دم تحریر روئداد ہذا، توبہ نامہ نہیں آیا تھا لہذا خط چھاپا گیا۔ محمد حسین)

مولانا بٹالوی لکھتے ہیں کہ حافظ محمد یوسف صاحب کے ناراض و مایوس ہو کر چلے جانے سے منشی محمد احسن صاحب پشیمان ہوئے اور اپنے گروہ میں فراری تصور کئے گئے۔ تب اپنی پشیمانی کو دور کرنے اور اپنے گروہ کے آنسو پونچھنے کی غرض سے ایک طولانی خط ۶

صفحہ کا خاکسار کے نام لکھا اور حکیم فضل الٰہی صاحب کے ہاتھ ۱۶ فروری کو میرے پاس بھیج دیا۔اس خط کا جواب دیا گیا جو ذیل میں منقول ہے اور اسی میں اس خط کا ماحصل موجود ہے۔

☆ لاہور ۱۷ فروری ۱۸۹۳ء منشی (یا مولوی) محمد احسن صاحب۔ سلام علی من اتبع الہدی۔آپ کا خط معرفت حکیم فضل الٰہی صاحب وصول ہوا۔ اس خط کا اکثر حصہ وہی طعن و تمسخر و ہزلیات اور خارج از مبحث خیالات ہیں۔ ازانجملہ مطلب کی باتیں جو لائق جواب و نوٹس لینے کے ہیں صرف آٹھ ہیں، جو ذیل میں منقول ہیں۔

۱۔ میری جانب سے وہ شرط ہے جو کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں (یعنی پہلے تحریر ہو پیچھے تقریر)

۲۔ آپ تحریری مباحثہ سے کیوں گریز فرماتے ہیں۔

۳۔ جو تحریرات بالمشافہ مابین حافظ محمد یوسف صاحب اور جناب کے واقع ہوئی ہیں، ان سے آپ کا انکار از مباحثہ ثابت ہے، اسی واسطے آپ ان کی نقل نہیں دیتے۔

۴، مولوی رحیم بخش نے تجویز مباحثہ میں آپ کی رعایت کی ہے اور حافظ محمد یوسف کو دھوکہ دیا ہے۔تینوں منصف آپ کے ہم خیال ہیں، ہمارا کوئی نہیں۔

۵۔آپ پورب کا سفر موقوف کریں۔

۶۔ایک ماہ کے قریب آپ نے مجھے بٹالہ میں روکا۔

۷۔ میں پنجاب میں مہمان ہوا ہوں، مجھے ناشتہ تو دلوایئے۔اور مطالبات خمسہ کا جواب بھی دیجئے جو ہم لف ہیں۔

۸۔آپ نے بٹالہ میں درخواست مباحثہ داخل کی۔ جب ادھر سے جواباً تحریک ہوئی تو آپ لاہور چلے گئے۔جس پر بٹالہ کے منصف میر امتیاز علی صاحب نے یہ بات کہی کہ ہم کو تو اب منہ دکھلانے کی بھی جگہ نہ رہی کیونکہ مولوی صاحب مباحثہ شروع کر کے بلا اجازت لاہور چلے گئے۔

(مولانا بٹالوی جواباً کہتے ہیں) آپکے خط کے حصہ طعن و تمسخر کے متعلق صرف اس قدر گذارش نوٹس ایبل ہے کہ اگر یہ طعن و تمسخر آپ کی جبلی صفت اور اضطراری حرکت ہے، تو مصداق مقتضائے طبیعتش این ست ، میں اسکا نوٹس نہیں لیتا، اور نہ اس سے آپکو منع کر سکتا ہوں کیونکہ

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست   نرود جز بوقت مرگ از دست

ایک نچی تلی بات ہے۔

اور اگر یہ اختیاری حرکت ہے، اور اس غرض سے ہے کہ آپ کا متعاقب گالیوں سے ڈر کر آپ کا تعاقب چھوڑ دے گا تو اس خیال کو آپ دماغ سے نکال کر اس طعن و تمسخر سے باز آویں۔ اس سے وہ غرض ہرگز حاصل نہ ہوگی کیونکہ خاکسار اپنے فرض منصبی اور شعار مذہبی، نصرت حق اور دمغ باطل ورد کفریات قادیانی وکشف مکاید آن بہتانی ہرگز نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ پہلے بھی نمبر ۴ جلد ۱۳، اشاعۃ السنۃ میں عرض کر چکا ہوں آپ کی تعریضات یک طرف رہی، تصریحات پر بھی اپنی آنکھ اور کان کو بند کرے گا، اور جواب دے گا تو صرف اسی بات کا جس کو رد کفر قادیانی سے تعلق ہوگا۔ اور اس میں اس شاعر کی موافقت کرے گا جو اپنی معشوقہ کی دھن میں کہہ گیا ہے

اصم اذا نودیت باسمی واننی　اذا قیل لی یا عبدھا لسمیع

(جب مجھے میرے نام سے پکاریں گے، میں بہرا ہو جاؤں گا۔ اور جب کہیں گے اے فلاں معشوقہ کے غلام، تو سن لوں گا)

اور اپنی خدادا د راحت اور ناچیز عزت وآبرو کو آنحضرت ﷺ اور آپ کے دین پر قربان کر دے گا اور اس میں حضرت حسان کا پیرو ہوگا جنہوں نے آنخضرت ﷺ کی توہین کرنے والے کے جواب میں یہ اشعار جواہر آبدار نظم فرمائے ہیں

ہجوت محمداً فاجبت عنه　وعند الله فی ذاك الجزاء

ہجوت محمداً براً تقیاً　رسول الله شیمته الوفاء

فان ابی ووالدتی وعرضی　لعرض محمد منکم وقاء

(تو نے محمد کی ہجو کی ہے۔ میں اس کا جواب دیتا ہوں، جس کی جزا خدا کے پاس ہے۔ تو نے محمد کی، جو نیکوکار پرہیزگار ہے، ہجو کی ہے، جو خدا کا رسول ہے جس کی صفت وفاداری ہے۔ سو میرے ماں باپ اور آبرو آنحضرت ﷺ کی آبرو کے لئے تمہاری بدگوئی سے سپر ہیں)

آپ کے مرشد قادیانی کھلے الفاظ سے آنحضرت ﷺ اور ان کے دین کی توہین کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت عیسوی مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد کو آنحضرت سے مٹاتے اور اپنے اوپر لگاتے ہیں (ازالہ اوہام قادیانی صفحہ ۶۷۳۔ اور اشاعۃ السنہ نمبر ۶ جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۴ ملاحظہ ہو)، آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت کو توڑ کر اپنے آپ کو

خاتم بناتے ہیں (ازالہ اوہام۔ ص ۶۷۳، توضیح المرام۔ ص ۱۹۔ اشاعۃ السنہ ص ۱۶ نمبر ۴ جلد ۱۳)، آنحضرت ﷺ کی فتح سیفی کو ناچیز کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور ان کے خلفاء وغیرہ کو فتح وغلبہ دین وغیرہ معارف قرآن کے معنے سے بے خبر بتاتے ہیں (ازالہ اوہام۔ص ۶۷۸۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۲ جلد ۱۴ ص ۴۵)۔ آنحضرت ﷺ کو ابن مریم اور دجال وغیرہ کی پوری حقیقت منکشف ہونے سے محروم بتاتے ہیں (ازالہ اوہام۔ص ۶۹۱ میں آنحضرت ﷺ کے حق میں یہ گستاخانہ الفاظ مرقوم ہیں . ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے ...منکشف نہ ہوئی ہو ۔اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصلی کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی ہوئی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں) وعلی ہذا القیاس۔ اور آپ ان سب کفریات وتوہین کو معارف وحقائق قرار دیتے ہیں۔ اس پر اگر یہ خاکسار نصرت دین اور ذب (مدافعت توہین) سید المرسلین ﷺ کیلئے کھڑا ہوا اور اس کے مقابلہ میں آپ مجھ پر تعریض سے طعن کریں، یا تصریح کے ساتھ ماں بہن جورو بیٹی کی گالیاں دیں، تو اس سے بڑھ کر میرے لئے خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک کوئی عزت کا مقام نہیں۔ پہلے تو آپ کے مرشد نے یہ ڈیوٹی اختیار کی تھی اور فیصلہ آسمانی وغیرہ تحریرات میں خوب دل کھول کر گالیاں سنائیں۔ اب اس کی خلافت آپ کو دی ہے، آپ شوق سے جو چاہیں سو کہیں، اور اس ناچیز کو (جو اپنی حیثیت وعزت قطرہ آب ومشت خاک سے زیادہ نہیں سمجھتا) اعزاز بخشیں اور عزت بڑھائیں۔

(آپ کی) اصل مطلب کی باتوں کا جواب۔

☆ ۱۔ مرحبا جزاك الله ۔اس شرط پر اصرار کا اظہار فرما کر آپ نے ہمارے بیان کو پورا تصدیق کیا اور کس وناکس کو یقین دلایا کہ آپ کو بالمشافہ تقریری مباحثہ سے صاف اور کھلم کھلا انکار ہے۔

☆ ۲ ۔ تحریری مباحثہ سے گریز کرنے والے پر ہزار لعنت اور جھوٹے پر آپ جس قدر تجویز کریں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

منشی صاحب میں نے اپنے خط میں ضبط تحریر کو صاف الفاظ میں منظور کیا ہے، صرف اس قدر بڑھا دیا ہے کہ تقریر پہلے ہو اور تحریر پیچھے۔ اور پھر دوسرے خط میں مولوی رحیم بخش

صاحب اور حافظ صاحب کی تجویز کے مطابق یہ بھی مان لیا ہے کہ تحریر، تقریر کے ساتھ ساتھ ہوتی جائے۔ پھر تحریر سے گریز و انکار کے کیا معنی؟ ہاں اگر آپ صرف تحریری مباحثہ بلا مشافہ و مواجہ چاہتے ہیں اور سامنے ہونے سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں، چنانچہ آپ کا بٹالہ اور لاہور میں اپنے مطالبات کا جواب غائبانہ تحریری طلب کرنا، مشعر ہے، تو اس امر کیلئے بھی بندہ حاضر و مستعد ہے۔ مگر اس صورت میں فریقین کو کسی خاص جگہ کی پابندی ضروری نہیں۔ یہ کام ہر جگہ بیٹھ کر ہوسکتا ہے۔ آپ امروہہ یا بھوپال تشریف لے جاویں، بندہ کو پورب جانے کی اجازت دیں، پھر طرفین سے کاغذی گھوڑے دوڑتے رہیں گے۔

اس میں پہلے بھی اتنی عرض کی گئی ہے، اور پھر کی جاتی ہے کہ اس تحریری مباحثہ میں الاقرب فالاقرب (یعنی جو قریب ہے وہ استحقاق جواب وخطاب میں قریب ہے) اور کبر الکبرا (بڑے کا لحاظ کرو۔ یعنی بات میں اس کو مقدم کرو۔ یہ حدیث صحیح مسلم ص ۵۵ ج ۲ کے الفاظ ہیں اس پر منشی صاحب معترض ہوئے ہیں کہ یہ کس زبان کا محاورہ ہے اور اس کے معنے کیا ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا) کا لحاظ رہے گا۔ پہلے آپ کے مرشد کا حق ادا ہوگا پھر آپ کا۔

☆ ۳۔ ان تحریرات کی نقل کل آپ کے وکیل اور اپنے دوست حکیم فضل الٰہی صاحب سے مطابق باصل کرا کر حافظ محمد یوسف صاحب کے پاس روانہ کی گئی ہے۔ ان تحریرات سے انکار از مباحثہ ثابت ہوا تو میں اپنی شکست مان لونگا۔ ورنہ آپ کو اپنی شکست ماننی پڑے گی۔ اور اس پر بحث ختم ہوگی۔

☆ ۴۔ مولوی رحیم بخش صاحب میرے عزیز دوست ہیں مگر وہ آپ کے معاملے میں نہ میرے مشیر ہوئے نہ وکیل۔ اور انتخاب دو منصفوں (خلیفہ حمید الدین صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب) کا تو حافظ (یوسف) صاحب کی تجویز سے ہوا ہے۔ تیسرے منصف کا انتخاب مولوی (رحیم بخش) صاحب کی تجویز سے۔ پس اس میں غلبہ حافظ صاحب کو ہوا۔ لہذا اگر رعایت کا الزام دیتے ہیں تو حافظ صاحب کو دیں۔ چنانچہ آپ نے خود اس مجلس میں، جس میں آپ کو میرا خط ملا تھا، حافظ صاحب کو دو دفعہ رعایت کا الزام دیا تھا (ملاحظہ ہو تحریر مولوی رحیم بخش سابق میں) اب وہ الزام مولوی رحیم بخش پر (جو کم گو اور

سیدھے آدمی ہیں) لگایا جاتا ہے ۔ یہ قادیانی کی سنت کذب کی پیروی ہے۔ اس میں آپ سچے ہیں تو حاضرین مجلس مذکور سے اس پر حلفی شہادت دلوا دیں کہ اس مجلس میں کس شخص پر یہ الزام قائم ہوا تھا۔

گذشتہ راصلوۃ آئندہ آپ اپنا منصف خود منتخب کرلیں مگر آپ پہلے مباحثہ تقریری کو تو منظور کرلیں ۔ مباحثہ منظور نہیں، تو منصف کیا کریں گے؟

☆ ۵ ۔ بہت اچھا میں سفر موقوف کردونگا ۔ اگر آپ مباحثہ تقریری منظور کریں ۔ اور جلد میدان میں نکلیں۔ وہ نہ ہو کہ میں تیاری سامان سفر کروں اور ریل کا ٹکٹ لے لوں، تب آپ پیام مباحثہ بھیجیں ۔ میں ایک ہفتہ کی آپ کو اور مہلت دیتا ہوں ۔ جس دن آپ میدان میں آئیں گے، اسی دن ایک گھنٹہ میں آپ کا کام تمام کروں گا۔ انشاء اللہ

☆ ۶ ۔ جھوٹ بولنا اور نجاست کھانا یکساں ہے ۔ ۱۶ جنوری ۱۸۹۳ء کو میں نے مباحثہ کی درخواست کی ۔ اور ۳۰ جنوری کو آپ نے مباحثہ لاہور کے وعدہ پر ٹلا کر مجھے رخصت کیا اور ۳۱ جنوری کو میں لاہور آ پہنچا۔ پھر ایک ماہ کے قریب میں نے آپ کو کیوں کر بٹالہ میں روکا؟ یہ کہیے کہ بٹالہ کی روٹیوں اور دعوتوں نے (آپ کو) روکا۔

☆ ۷ ۔ میں قبل از سوال آپ کے، آپ کو مہمان سمجھ کر، آپ کی مہمان نوازی کر چکا ہوں اور آپ کے مطالبات کا جواب لکھ چکا ہوں ۔ اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۲ جلد ۱۴ ص ۳۷۷ لغائت ۳۷۹ ملاحظہ ہو۔ اب اس مہمان نوازی کا اعتراف چاہیے، من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ ۔

☆ ۸ ۔ یہ تو آپ نے سفید اور ڈبل بلکہ ٹرپل جھوٹ بولا ہے ۔ ایک جھوٹا افتراء کیا کہ بلا اجازت لاہور چلے گئے ۔

کیا آپ نے مولوی احمد علی صاحب سے منصف صاحب کے روبرو (اپنے آخری خط میں منشی صاحب نے اس قدر اعتراف کرلیا ہے کہ میرے سامنے وہ رقعہ لکھا گیا ۔ اس وقت منصف صاحب کے موجود ہونے سے بھی انکار نہیں کیا۔ محمد حسین) اس مضمون کا رقعہ میرے نام نہیں لکھوایا کہ وہ (محمد حسین) اپنا کیوں حرج کرتے ہیں؟ لاہور کو چلے جاویں ۔ جواب بذریعہ ڈاک پہنچ جاوے گا ۔ آپ کو اس سے انکار ہے تو اس رقعہ کی تصدیق کے لئے بٹالہ چلیں۔ سفر خرچ مجھ سے لیں ۔ چلو اسی ایک بات میں سچ جھوٹ کا فیصلہ ہوتا

ہے اور کسی مباحثہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرا جھوٹ منصف صاحب پر کہ انہوں نے وہ کلمہ فرمایا، جو ان کی شان اور منصب منصفی سے بعید ہے۔ منصف کے سامنے جب آپ نے رقعہ اجازت سفر لکھوایا، تو منصف صاحب کا وہ کہنا کب ممکن تھا۔ آپ سچے ہیں تو بٹالہ چلیں اور ایک مجلس رؤساء میں منصف صاحب سے وہ کلمہ کہلا دیں۔

تیسرا جھوٹ مجھ پر کہ اس طرف سے جواباً تحریک مباحثہ ہونے اور مباحثہ شروع کرنے کے بعد آپ لاہور چلے گئے۔ آپ نے جواب کب دیا اور مباحثہ کب شروع ہوا؟ میں نے ۱۶ جنوری ۱۸۹۳ء کو سوال مباحثہ کیا تو آپ نے میرے ریمائنڈر بھیجنے کے باوجود میرے سوال کا جواب نہ دیا۔ اور اس مضمون کا رقعہ لکھوا دیا کہ لاہور جاویں جواب بذریعہ ڈاک پہنچے گا۔

پھر ۱۷ تاریخ کی شب کو میرے روانہ ہونے کے بعد جواب لکھا اور ۱۸ یا ۱۹ جنوری کو شاہ صاحب کو دیا۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ بعد جواب و شروع مباحثہ چلے گئے، سفید جھوٹ نہیں تو جھوٹ کی کیا تعریف ہے؟ اور عقد مباحثہ صرف میرے سوال سے کیونکر ہو گیا تھا؟ عقد ایجاب و قبول دونوں سے ہوتا ہے، یا صرف ایجاب سے استحقاق استمتاع حاصل ہو سکتا ہے؟

یہ میری آخری تحریر ہے۔ اس کا جواب ہو، تو یہ ہو کہ آپ میدان میں نکلیں۔ اس کے سوا کوئی اور جواب دیں گے تو میں اس کا جواب نہ دونگا۔ پبلک خود انصاف کرے گی کہ کون ہارا اور کون مرد میدان نکلا۔

اب میں ایک جنرل رول بتاتا ہوں جس سے آپ صاحبوں کے مدت کے خیالی اور لفظی اور کاغذی مباحثوں کا اختتام ہو۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔ اور نتیجہ آسانی سے نکل آوے۔ وہ یہ ہے

کہ آپ اور آپ کے بڑے بھائی حکیم نور الدین صاحب اور دونوں کے روحانی باپ قادیانی صاحب اگر تقریری مباحثہ نہیں چاہتے اور صرف تحریری مباحثہ پر جرئت کر سکتے ہیں تو اس امر کے لئے آئندہ تحریر کی تکلیف نہ اٹھاویں۔ بلکہ جو تحریریں پہلے خوب سوچ ساچ، گھوٹ گھاٹ کر ضبط کی ہوئی ہیں۔ اور بعض چھپی ہوئی ہیں، ان کو اور

اس کے مقابلے میں خاکسار کی مطبوعہ تحریرات کو ایک مجلس میں، جس میں تین منصف حسب انتخاب فریقین موجود ہوں، پیش کر دیں۔

اس امر کیلئے بھی مجلس میں نہ آسکیں تو وہ تحریرات غائبانہ منصفوں کے پاس بھیجی جائیں، پھر جو فریق ان تحریرات کی رو سے منصفوں کے اتفاق سے غالب اور حق پر ثابت ہو اسی کو باقی مسائل اور عقائد میں غالب اور حق پر سمجھا جاوے۔

دیکھو کس آسانی سے مباحثہ ختم ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور تجویز تصفیہ کوئی کیا نکال سکتا ہے۔ اس کو بھی آپ تسلیم نہ کریں تو آپ کے حق میں بجز دعاء کیا ہو سکتا ہے۔

ابو سعید محمد حسین

حضرت بٹالوی فرماتے ہیں کہ اس خط کا جو جواب امروہی صاحب نے دیا ہے اس میں تقریری مباحثہ (جس میں تقریر پہلے ہو اور تحریر پیچھے یا تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر ہو) سے صاف انکار کیا ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ تحریر پہلے ہو اور تقریر پیچھے، اور آخری جنرل رول کو قبول کر کے اس مباحثہ کی تحریرات یا قادیانی و حکیم نورالدین کے سابق مباحثہ کی تحریرات کو مجلس میں پیش کرنا بھی منظور نہیں کیا، اور اس کی جگہ یہ چاہا ہے کہ ان کے اعلام حصہ دوم کو مجلس میں پیش کر کے اسی وقت اس کا جواب لیا جائے گا، لہذا خاکسار نے حسب قرارداد اپنے خط کے انکے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا، اور نہ آئندہ ان کے کسی خط یا پیام کا جواب دونگا۔ ہاں تقریری مباحثہ کیلئے وہ جب چاہیں، حاضر ہوں جس سے اپنا مقصود ظاہر کر چکا ہوں۔

حضرت بٹالوی آخر میں فرماتے ہیں کہ اس خط کے متعلق اپنے ناظرین اور حافظ محمد یوسف صاحب اور ان کی پارٹی منشی عبدالحق اکوئنٹنٹ پنشنر (جن کے مکان پر منشی محمد احسن صاحب فروکش تھے) اور منشی الٰہی بخش صاحب اکوئنٹنٹ وغیرہ کو جو اس مباحثہ کے بانی یا اس کے معاون و شریک تھے، چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں

☆ امر اول۔ محمد احسن امروہی نے اس خط میں ایسی فحش گوئی کی ہے کہ اس میں عام فاسقوں کو، جو بازاروں میں پھکڑ بازی کرتے ہیں، پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ایک ایسا تلازم باندھا ہے جس میں اپنے زانی یا لوطی ہونے کی خواہش ظاہر کی ہے،.... جو لوگ درحقیقت زنا یا لواطت کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ بھی (اگر کچھ پڑھے لکھے ہوں) اس امر کی تمنا و اظہار تحریروں میں نہیں کرتے۔ آپ اس مراد کو نہیں پہنچے، مگر فرط حیا اور دلیری سے اس ارتکاب کی

تمنا تحریروں میں ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس میں خوف آخرت ننگ دنیا مواخذہ قانون عدالت کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ مرزا قادیانی نے اعلام حصہ دوم میں منشی صاحب کی اس قسم کی فحش گوئی دیکھ کر ان کو اس کام کیلئے نوکر رکھا ہے کہ وہ اشاعۃ السنۃ کو گالیاں دے کر مقابلہ قادیانی سے روکیں۔ آپ صاحبان تو الہامی صوفی مشہور ہیں۔ آپ بھی قادیانی کے اس مدعا ومراد کے معاون ہوں گے؟ اور اس فحش گوئی پر بھی ان لوگوں سے علیحدہ نہ ہوں گے؟

☆ امر دوم۔ اس خط میں محمد احسن امروہی نے اقرار کیا ہے کہ مولوی احمد علی صاحب نے وہ خط (جس کا ذکر پہلے ہوا) میرے سامنے لکھا ہے۔ اس سے حافظ صاحب اور ان کی پارٹی منشی محمد احسن کے ایک اس بیان میں جھوٹے ہونے کا یقین کریں کہ تم (محمد حسین) پہلی دفعہ بلا اجازت لاہور گئے ہو۔ کیونکہ وہ رقعہ جس میں اجازت صاف مرقوم ہے آپ کے سامنے لکھا گیا۔ اور آپ نے کم سے کم اس کو مسلم رکھا اور اس سے منع نہ کیا۔ تو پھر اجازت میں کیا کسر رہ گئی اور بلا اجازت جانا کیونکر صحیح ہوا۔ دوسرا اس قول میں محمد احسن صاحب کے جھوٹے ہونے کا یقین کریں جو منصف صاحب کا انہوں نے نقل کیا۔ اس خط کے آپ کے سامنے لکھے جانے کے وقت منصف صاحب موجود تھے تو پھر وہ بات کیونکر کہہ سکتے تھے۔

☆ امر سوم۔ منشی محمد احسن صاحب نے اپنی عادت لفظی نکتہ چینی کے مطابق ہمارے لفظ کبر الکبرا پر یہ سوال کیا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں اور یہ کس زبان کا محاورہ ہے؟ ذرہ بیان تو فرمایا جاوے تاکہ اس ہیچ مدان کی سمجھ میں آجائے۔

اس سے حافظ صاحب اور ان کی پارٹی یہ نتیجہ نکالیں کہ محمد احسن امروہی عالم نہیں، محض جاہل ہیں اور بلحاظ علم بھی وہ خطاب علماء کے لائق نہیں۔ یہ لفظ سید العرب آنحضرت ﷺ کی حدیث کے الفاظ ہیں جو صحیح مسلم کے (جو ادنی اہل علم کے مطالعہ میں رہتی ہے) صفحہ ۵۵ جلد ۲ میں موجود ہیں۔ امروہی صاحب ایسی مشہور کتاب حدیث کے الفاظ کو خلاف محاورہ سمجھ کر ان پر معترض ہوئے ہیں، پھر دعوی علم و مباحثہ علماء سے شرم نہیں کرتے۔

مباحثہ ۱۸۹۳ء

مابین

حضرت بٹالوی وحکیم نورالدین

مولانا محمد حسین بٹالوی اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ میں (بصفحات ۴۱۳ تا ۴۱۶) لکھتے ہیں کہ میں یکم مارچ ۱۸۹۳ء کو بارادہ سفر پورب، ریلوے سٹیشن لاہور پہنچا اور (ٹرین کے) ایک کمرہ میں اپنا سامان سفر رکھ کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ ناگاہ حکیم نورالدین جمونی بھیروی تشریف لائے اور بحکم قضا و قدر اسی کمرہ میں بیٹھ گئے۔ میں اس خوف سے کہ مبادا حکیم صاحب مجھے دیکھ کر اس کمرہ سے منتقل ہو جائیں، پلیٹ فارم ہی پر ٹہلتا رہا۔ جب روانگی کا وقت قریب پہنچا تو میں ٹرین کے کمرہ میں داخل ہوا اور جاتے ہی حکیم صاحب کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ حکیم صاحب آپ کا مزاج اچھا ہے؟ (ایسا ہی غیر مسلم آشناؤں سے ملنے کا میرا دستور ہے) اس کے بعد میں نے اپنا ایک خواب یا بیداری کا ایک خیال بیان کیا جو اسی شب یا اس سے پہلے روز وقوع میں آیا تھا کہ میں نے چاہا تھا کہ حکیم صاحب کے مسکن بھیرہ جاؤں اور ان کو تبلیغ احکام اسلام و دعوت عقائد اسلامیہ کروں۔ مگر مجھے اس سے یہ خوف مانع ہو گیا کہ مبادا ان کے مکان پر میرے لئے کوئی فتنہ پیش آجائے۔ اس وقت جو آپ کو اس کمرہ میں رونق افروز ہو کر میرے پاس بیٹھے ہیں، تو یہ واقعہ میرے اس خواب یا خیال کی تعبیر ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ کمال افسوس کا مقام ہے کہ آپ سے ہمارا کئی وجہ سے اتحاد و تعلق تھا۔ اسلام، وحدت مذہب محدثانہ، دوستی، ہم وطنی وغیرہ، مگر مرزائی عقائد کے اختلاف سے وہ اتحاد و تعلق قطع ہو گیا اور تقطعت بھم الاسباب کا مضمون صادق آیا۔ اس کو حکیم صاحب نے بھی تسلیم کیا اور اس پر افسوس ظاہر فرمایا۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ حکیم صاحب مدت سے میں اس امر کا خواہاں تھا کہ ہماری آپ کی بالمشافہ گفتگو ہو، اور مباحثہ جو ۱۴ اپریل ۱۸۹۱ء کو بمقام لاہور شروع ہو کر ناتمام رہ گیا ہے، پورا ہو۔ مگر ناجائز شروط نے، جو آپ کی طرف سے ہوتی رہی ہیں، یہ موقع نہ آنے دیا۔ اب جو حسب اتفاق ہمارا اور آپ کا ایک جگہ جمع ہونا میسر ہے، آپ اجازت دیں تو میں اس گفتگو کو پورا کرلوں۔

☆ حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہاں شروع کیجئے۔

☆ اس پر خاکسار محمد حسین نے کہا کہ اس مباحثہ (لاہور۔ ۱۸۹۱ء) میں میرے سوال نمبر ۲۳ کے جواب میں آپ نے اس امر کو تسلیم کیا ہوا ہے کہ

احادیث میں جہاں لفظ ابن مریم آیا ہے اس کی نسبت مجھے یہ علم نہیں کہ صحابہ اس لفظ سے عیسی نبی اللہ کو مراد سمجھتے تھے یا کسی مثیل ابن مریم کو،

اور میرے آٹھویں سوال کے جواب میں آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ الفاظ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی مراد لینا واجب ہے، جب تک ان ظاہری معنے سے کوئی مانع قطعی نہ ہو

اور یہ بات بھی مسلّم کل ہے کہ لفظ ابن مریم کے ظاہری معنی عیسی ابن مریم کے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن میں اس لفظ سے صحابہ کا اسی معنی کو سمجھنا آپ نے سوال نمبر ۲۳ کے جواب میں تسلیم کرلیا ہے۔

اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حدیث کے لفظ ابن مریم کے بھی عیسی نبی اللہ کے معنے مراد ٹھہرانا واجب ہے، اور یہی معنے صحابہ نے سمجھے ہیں۔ پھر آپ اس لفظ حدیث سے مثیل ابن مریم کیوں مراد سمجھتے ہیں؟ اس کے حقیقی و ظاہری معنے سے آپ کی نظر میں کون سا مانع قطعی ہے؟

مولانا فرماتے ہیں کہ میری باتیں سن کر حکیم صاحب پر یوں سکوت طاری تھا کہ کانّ علی رأسه الطیر کا معاملہ نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولے تو میں نے کہا شائد آپ حدیث کے اس لفظ کے ظاہری و حقیقی معنے مراد لینے سے اس امر کو مانع قطعی سمجھتے ہوں گے کہ آپ کے نزدیک قرآن سے حضرت مسیح کی قطعی وفات ثابت ہے اور یہ خیال کرتے ہوں گے کہ جب وہ مر چکے ہیں تو پھر اس حدیث سے (جس میں مسیح بن مریم کے آنے کی خبر ہے) بجز مثیل مسیح کے کیا مراد ہوسکتا ہے۔

اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہاں میری یہی ایک دلیل ہے جو اس لفظ سے حقیقی اور ظاہری معنے مراد ہونے سے قطعی مانع ہے۔

مولانا بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا کہ آپ کے پاس حضرت مسیح کے فوت ہو جانے پر کون سی قطعی دلیل ہے۔

حکیم صاحب نے جواب میں آیت

یا عیسی انّی متوفیک و رافعک الیّ (یعنی اے عیسی میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ پھر اپنی طرف اٹھانے والہ ہوں)۔

پڑھی اور کہا کہ حضرت عیسی کے رفع کو تو آپ بھی مانتے ہیں، پس چاہیے کہ ان کی وفات کو بھی مان لیں۔ کیونکہ آیت میں توفّی کا ذکر پہلے ہوا ہے اور رفع کا ذکر پیچھے ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توفّی پہلے ہوئی اور رفع پیچھے۔ اس کی نظیر وہ آیت قرآن ہے جس میں افعال حج کے بیان میں خدا تعالی نے صفا پہاڑ کے طواف کا ذکر پہلے کیا اور مروہ کے طواف کا پیچھے۔ تو اس سے آنحضرت ﷺ نے سمجھ لیا کہ شروع طواف صفا سے چاہیے۔ اور آپ ﷺ نے صاف فرما دیا ابدوا بما بدء اللہ یعنی تم اسی پہاڑ سے طواف شروع کرو جس کا ذکر خدا نے پہلے کیا۔

حضرت بٹالوی بتاتے ہیں کہ اس خاکسار نے اپنا بیگ کھول کر اس میں سے اشاعۃ السنہ نمبر ایک لغایت ۴ جلد ۱۴ نکال کر حکیم صاحب کو بتایا کہ

اولاً تو اس آیت میں کسی دلیل سے توفّی کے معنی وفات کے متعین و متیقن نہیں ہیں اور نہ لغت عربی میں توفّی معنے وفات کے لئے مخصوص ہے۔ لہذا جائز و ممکن ہے کہ اس آیت میں توفّی سے حضرت مسیح کا زندہ اٹھایا جانا مراد ہو اور وہی مراد لفظ رفع سے ہو۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں

ان التوفی ھو القبض یقال وفانی فلان دراھمی ... فتوفیتھا منہ کما قال سلم فلان دراھمی الی وتسلمتھا منہ و قد یکون ایضاً توفی منہ استوفی و علی کلا الاحتمالین لان اخراجہ من الارض و اصعادہ الی السماء توفیا لہ فان قیل فعلی ھذا الوجہ کان التوفی عین الرفع الیہ فیصر قولہ رافعک الی تکرارا ... قلنا قولہ انی متوفیک یدل علی

حصو ل المتوفی و ہو جنس تحته انوا ع بعضها با لا صعاد الی السماء فلما قا ل بعد و را فعک الی کا ن ہذا تعیینا للنوع و لم یکن تکرا راً ۔

(تفسیر کبیر ج ۲)

کہ توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔عرب کے یہ محاورات ہیں

و فا نی فلا ن دراہمی ۔ و او فا نی و تو فیتها منه یعنی فلاں شخص نے میرے دراہم میرے قبضے میں دیدیئے اور میں نے اس سے قبض کر لئے ۔

جیسے یہ محاورات ہیں سلم فلا ن درا ہمی الی و سلمتها منه یعنی فلاں شخص نے میرے دراہم میرے سپرد کئے اور میں نے اس سے لے لئے ۔

اور کبھی توفّی بمعنی استو فی آ تا ہے یعنی پورا لینے کے معنی میں ۔

ان دونوں معنے (قبض کرنے اور پورا لینے) سے حضرت مسیح کو زمین سے نکال کر آسمان پر چڑھا لے جانا ان کی توفّی ہے۔اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان معنی کی نظر سے توفی بعینہ رفع جسم ہوا۔خدا کا متوفّیک فرمانے کے بعد را فعک کہنا تکرار بلافائدہ بنتا ہے (جس سے خدا کی شا ن پا ک ہے) اس کا جوا ب یہ ہے کہ متوفّیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا۔جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے نیچے کئی انواع واقسام پائے جاتے ہیں۔پھر جب متوفّیک فرمانے کے بعد رافعک فرما دیا تو اس سے اس جنس کے ایک نوع کا تقرر ہو گیا اور تکرار لازم نہ آیا

ایسے ہی قا موس ،صحاح ،صراح ، مجمع البحار کتب لغات اور بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں لفظ توفّی کے معنی بیان کئے ہیں۔اور

ثانیاْ ، فرض کیا اور بطور تنزّ ل مان لیا کہ یہاں توفّی سے موت کے معنی مراد ہیں تو بھی حرف واؤ کے ساتھ توفّی کا رفع سے پہلے مذکور ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ اس کا وقوع پہلے ہوا ہے۔کیونکہ حرف واؤ قرآ ن اور عام عرب کے محاورہ میں مطلق و معیت کیلئے ہے جس سے سابق (پہلے) لاحق (پچھلے)اور مقارن (ساتھ والے) کا عطف ہوتا ہے۔یہ ضرور نہیں کہ اس میں ترتیب کا لحاظ ہو۔چنانچہ قا موس میں ہے

قا لوا و المفردة اقسا م۔ الاولی العا طفه فتعطف الشی علی مصا حبه فانجیناہ و اصحا ب السفینة و ہی سا بقه ۔ و لقد ارسلنا نو حا و ابرا ہیم

و علی لا حقة و کذا لک یو حی الیک و الی الذ ین من قبلک

کہ واوٴ مفرد کئی قسم کا ہے، ایک عاطفہ جس کے ذریعہ سے کبھی ایک چیز کا دوسرے کے ساتھ ہونا بیان کیا جاتا ہے، جیسے قرآن میں نوح کے ساتھ کشتی والوں کا نجات پانا بیان ہوا ہے۔ کبھی پہلی چیز کا پہلے ہونا اور پچھلی کا پیچھے ہونا۔ جیسے نوح اور ابراہیم کے رسول ہونے کا بیان۔ کبھی پچھلی چیز کے پہلے اور پہلی چیز کے پیچھے ہونے کا بیان، جیسے خدا تعالی کا فرمانا کہ ہم نے تیری طرف وحی کی اور تجھ سے پہلوں کی طرف بھی۔ یہاں پہلوں کا ذکر پیچھے ہوا اور آنحضرت ﷺ کا، جو پیچھے ہوئے، پہلے ذکر ہوا۔

ایسے ہی شرح ملا اور مختصر معانی میں واوٴ کے معنی بیان کئے ہیں۔ لہذا اس واوٴ سے ہرگز یقیناً سمجھ میں نہیں آتا کہ توفّی پہلے ہوئی ہے اور رفع پیچھے۔

آنحضرت ﷺ نے جو صفا سے طواف شروع کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ نے قرآن میں صفا کے پہلے اور مروہ کے پیچھے مذکور ہونے سے حکم طواف میں صفا کا مقدم ہونا نکال لیا ہے۔ اس وجہ پر کوئی شہادت آپ کے کلام میں نہیں پائی جاتی، بلکہ آپ ﷺ نے حکم الہی اور وحی خفی سے یہ حکم دیا ہے کہ جس پہاڑ کا خدا نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے طواف شروع کرنا چاہیے۔

اور یہ حکم بھی خاص اسی موقع کے لئے دیا ہے۔ یہ عام حکم نہیں دیا کہ جو پہلے مذکور ہو اس کو حکم میں مقدم سمجھا کرو۔ بلکہ اس کے برخلاف جو چیز قرآن میں پیچھے مذکور ہے اس کو مقدم کیا ہے۔ دیکھو آیت میراث میں قرض کا ذکر وصیت سے پیچھے ہوا ہے، مگر وہ حکم ادائی میں وصیت سے مقدم ہے اور بہت سے واقعات قرآن کا ذکر پیچھے ہوا ہے مگر وجود میں وہ مقدم ہیں (صفحہ ۹۱ لغایت ۹۴۔ اشاعۃ السنۃ نمبر ۳ جلد ۱۴ ملاحظہ ہو)

مولانا بٹالوی بتاتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر حکیم صاحب نے فرمایا۔ اگر توفی کا وقوع رفع سے پیچھے ہوا تھا تو خدا تعالی نے اس آیت میں توفی کو پہلے ذکر کیوں کیا۔ خدا تعالی کا کلام عبث اور خالی از حکمت تو نہیں ہے۔

اس کے جواب میں خاکسار محمد حسین نے کہا کہ ممکن و محتمل ہے کہ حضرت عیسی کو مخالفین کی پکڑ اور قتل اور ایذاء کا خوف واندیشہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالی نے ان کی تسلی کے لئے یہ لفظ پہلے فرما دیا، جس سے (اس فرضی صورت میں توفی سے وفات مراد ہو) یہ جتایا کہ اے عیسے

تجھے لوگ نہیں ماریں گے، ہم تجھے تیری اپنی موت سے ماریں گے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے بھی ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۴۲ میں متوفیک کے یہ معنی کئے۔ پھر اس قتل اور ایذاء کی فکر سے مطمئن کر کے فرمایا کہ ہم تجھے آسمان پر اٹھالیں گے۔

اس پر حکیم صاحب نے پوچھا کہ پکڑ اور قتل وایذاء کے خوف کا کہاں ذکر ہے؟

خاکسار محمد حسین نے بتایا کہ یہ ذکر انجیل میں صاف وارد ہے جس کی تصدیق قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ ابن جریر نے کعب احبار سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ جب حضرت عیسی نے اپنے پیروان کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت کی خدا کے پاس شکایت کی، تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں تجھ کو وفات دونگا اپنی طرف اٹھا لونگا، میں تجھے عنقریب قتل دجال کیلئے بھیجوں گا۔ پھر تو اس کے بعد چوبیس برس زندہ رہے گا۔ پھر تجھے اور دیگر زندوں کو ماروں گا۔ کعب نے کہا اس کی تصدیق رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ہے کہ وہ امت کیونکر ہلاک ہو جس کے اول میں ہوں اور آخر میں حضرت عیسی۔

واخرج ابن جرير بسند صحيح عن كعب قال لما راى عيسى قلة من اتبعه وكثرة من كذب، شكى ذالك الى الله فاوحى الله اليه انى متوفيك ورافعك الى وانى سابعثك على الاعور الدجال فتقتله ثم تعيش بعد ذالك اربعاً وعشرين سنة ثم اميتك مية الحى؟. قال كعب ذالك تصديق حديث رسول الله ﷺ حيث قال كيف تهلك امة انا فى اولها وعيسى فى آخرها۔ (در منثور)

اور قرآن کی آیات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں جن میں ذکر ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کی تدبیر کی، خدا نے بچانے کی تدبیر کی، مثلاً

ومكروا ومكر الله۔ والله خير الماكرين۔ (آل عمران۔ ع ۵)

وما قتلوه وما صلبوه ولاكن شبّه لهم۔ (النساء۔ ع ۲۲)

کہ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ بلکہ ان کو شبہ پڑ گیا،

یہ سن کر حکیم نورالدین صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال کرنا آپ کی شان نہیں ہے۔ کیا یہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے؟ یہ تو کعب احبار کا قول ہے۔

جواباً خاکسار محمد حسین نے عرض کیا کہ میں مستدل نہیں ہوں، کہ اس خوف کے

ثبوت میں آنحضرت ﷺ کی مرفوع اور اتفاقی صحیح حدیث کا پیش کرنا میرا فرض ہو۔ میں تو آپ کے دعوی کا مانع ہوں اور منع کی سند میں خوف قتل کو اور اس کی تقویت کے لئے حدیث کعب احبار کو لا یا ہوں۔

آپ اس کو نہیں مانتے تو آپ کا فرض ہے کہ اس احتمال کو بدلیل اٹھاویں۔ میرا یہ فرض نہیں کہ میں اس احتمال کو بدلیل ثابت کروں۔ بلکہ میرے لئے یہ احتمال پیدا کرنا کافی ہے کہ حضرت عیسے کو قتل کا خوف ہوگا جیسا کہ ظاہر قرآن اور اس قول کعب سے مفہوم ہوتا ہے ،تب ہی خدا نے ان کو تسلی دینے کے لئے متوفیک کا لفظ پہلے فرمادیا۔آپ مستدل ہیں اور اس آیت سے عیسے کا فوت ہونا نکالتے ہیں اور لفظ متوفیک کے پہلے ذکر ہونے سے رفع سے پہلے توفی ہونے کے مدعی ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر توفی، رفع سے پہلے نہ ہوتی تو اس آیت میں توفی کا ذکر پہلے اور رفع کا ذکر پیچھے ہونا عبث اور خالی از فائدہ ہے۔

اور یہ احتمال کہ آپ کو خوف قتل اعداء تھا۔ اس لئے آپ کو تسلی دینے کے لئے لفظ توفی کو پہلے ذکر کیا فلاں دلیل سے مدفوع ہے اور لائق قبول نہیں ہے، لہذا آپ ہی کا فرض ہے کہ آپ پہلے لفظ توفی کا معنی موت کے لئے مخصوص ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت کریں، پھر رفع سے پہلے توفی کا وقوع کسی قطعی دلیل سے ثابت کریں۔اس کی دلیل جو آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اگر توفی کا وقوع رفع کے بعد ہوتو آیت میں توفی کا ذکر رفع سے پہلے عبث اور خالی از فائدہ ہے، اس کے مقابلہ میں ہمارے اس احتمال کو کہ جائز ہے کہ خوف قتل سے مسیح کو تسلی دینے کے لئے توفی کو مقدم کیا ہو، دلیل سے اٹھاویں، نہ یہ کہ ہم سے اس احتمال کی مؤید قطعی دلیل اور آنحضرت ﷺ کی حدیث پوچھیں۔

☆ حکیم صاحب یہ سن کر فرمایا مجھے اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔آپ اس بحث کو جانے دیں۔

☆ حضرت بٹالوی فرماتے ہیں کہ دیکھو حکیم نورالدین صاحب کس عذر پر اڑے اور پھر اتمام حجت کے بعد کیونکر بحث سے ساکت وعاجز ہوئے۔کیا حضرت مسیح کا یہودیوں سے قتل وایذاء کا خائف ہونا ناظرین انجیل وقرآن وحدیث وتفسیر پر مخفی ہے؟

اور کیا اس امر میں حکیم صاحب کو کچھ شک ہے؟ ہرگز نہیں۔ان کو یہ شک کیونکر ہو سکتا ہے جس حالت میں مرزا قادیانی کا ازالہ اوہام اس خوف کو بیان کررہا ہے۔اس نے تو

اس خوف کو اس حد تک پہنچا دیا کہ مسیح کا صلیب پر چڑھایا جانا مان لیا، اور آیہ انی متوفیک کا اشارہ اس طرف بتایا کہ حضرت مسیح نے سمجھ لیا کہ اب میں صلیب پر مرا۔ اور یہ کہہ دیا کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ تب خدا نے ان کو وعدہ دیا کہ تو ان کے ہاتھ سے نہیں مرے گا اور یہ قول فرمایا (ان کے ازالہ اوہام کا صفحہ ۳۴۲ و ۳۹۴ ملاحظہ ہو)۔ مگر حکیم صاحب نے اس وقت ہٹ دھرمی سے کام لیا اور اپنے اعتقاد و کانشنس کا خلاف کر کے ایسی بات کہی جو ان کے اعتقاد کے مخالف تھی اور یہ بات جو بے سوچے ان کے منہ سے نکل گئی تو اس کی پچ کرتے چلے گئے اور آخر دندان شکن جواب پا کر مباحثہ سے عاجز ہوئے۔

☆ مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ اسی گفتگو کے اثنا میں نماز کا وقت آ گیا تو حکیم صاحب نے فرمایا نماز مل کر پڑھیں۔ آپ تو میری اقتداء نہیں کریں گے، میں آپ کا مقتدی بنتا ہوں آپ نماز پڑھاویں۔ خاکسار نے نماز پڑھی اور گفتگو سابق کے قطع ہو جانے کے بعد خاکسار نے حکیم صاحب سے کہا کہ مسائل کی بحث آپ نہیں کرتے تو اتنا تو بتا دیں کہ مرزا قادیانی صاف اور صریح جھوٹ کیوں بولتا ہے؟

☆ ایک بات اپنی کتاب میں لکھتا ہے اور پھر اس سے صاف منکر ہو جاتا ہے۔

☆ ایک جگہ ایک بات لکھتا ہے دوسری جگہ اس کا خلاف بیان کرتا ہے، اور یہ اقرار نہیں کرتا کہ پہلے جو میں نے اس کے خلاف کیا ہے اس سے اب میں نے رجوع کیا ہے۔ اور اس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

☆ اس کی مثال ایک یہ ہے کہ فتح اسلام میں اس نے لیلۃ القدر سے رات مراد ہونے سے صاف انکار کیا ہے اور پھر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۳۰ میں اس انکار سے انکار کر دیا ہے

☆ دوسری مثال توضیح المرام کے صفحہ ۱۹ میں اس نے آنے والے مسیح کے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۲۳ میں اپنے آپ کو مسیح قرار دے کر نبی بھی کہا ہے۔

☆ تیسری مثال توضیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا دعوی کیا ہے اور بعض اشتہارات و تقریرات میں دعوی نبوت سے انکار کیا ہے۔

☆ چوتھی مثال ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۷۴ میں آیۃ و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کو اپنے حق میں بشارت قرار دیا ہے اور آنخضرت ﷺ کے حق میں اس کی بشارت ہونے سے انکار کیا ہے۔ اپنے دافع الوساوس میں اس آیت کو آنخضرت ﷺ کے حق میں

بشارت قرار دیا ہے (اوراس ہرایک متعارض بات کو اصل کتابوں سے نکال کر اسی وقت دکھا دیا)۔

اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں نے ان باتوں کو مرزا صاحب کی تصانیف میں نہیں دیکھا، اب ان باتوں کو ان سے پوچھونگا اوراس تعارض کی وجہ دریافت کرونگا۔ اور فرمایا کہ میں مرزا صاحب کی تصانیف نہیں دیکھا کرتا، میں تو صرف ان کا چہرہ دیکھا کرتا ہوں اوراسی سے سبق حاصل کرتا ہوں۔

خاکسار محمد حسین نے کہا کہ آپ کی یہ بات درست نہیں، مرزا صاحب کی تصانیف کو آپ کا نہ دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ وہ تو جو کچھ لکھتا ہے آپ کا بتایا ہوا ہے۔ مضمون آپ کا ہے، عبارت اس کی۔ آپ جو قادیانی کے چہرہ سے سبق حاصل کرنے کے مظہر ہیں، یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ آپ مرزا قادیانی کے مرید نہیں، پیر ہیں۔ اور آپ نے یہ مکر کیا ہوا ہے کہ ان کو پیر اور اپنے آپ کو مرید مشہور کر رکھا ہے۔ دراصل پیر و مرشد آپ ہیں اور وہ آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ آپ قدیم سے نیچری خیالات رکھتے اوراس قسم کے خیالات پسند کرتے ہیں اور سرسید کی تصانیف کے شائق و عاشق و ناظر تھے۔ آپ نے قادیانی کی تصانیف براہین احمدیہ و سرمہ چشم آریہ میں اس قسم کی تاویلات کو دیکھا اور ساتھ ہی اس کا دعوی الہامات و کرامات دیکھا، تو آپ نے یہ سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے مذہب نیچری خوب پھیلے گا پس آپ قادیان پہنچے اوراس سے یہ طے کرلیا کہ تم پیر بنو، میں مرید بنتا ہوں، مسائل اور کتابوں کی عبارات وحوالہ جات میں بتایا کرونگا، ان کی عبارت آرائی آپ کریں اور مذہب نیچری کو پھیلاویں۔ مرزا قادیانی پہلے سے لا مذہب اور نیچری تھا۔ اس نے اس امر کو غنیمت سمجھا اور یہ طریق اختیار کیا۔ آپ اس کو القاء والہام کرتے ہیں وہ آپ کو کچھ الہام نہیں کرتا۔ آج بھی اس کو کوئی نہ کوئی الہام کرنے کے لئے آپ قادیان جارہے ہیں۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ میں اس کے چہرہ سے سبق لیتا ہوں کذب نہیں تو کیا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ میری بات سن کر حکیم صاحب نے کہا یہ بات غلط ہے۔ اس پر خاکسار نے کہا کہ آپ غلط کہیں، مجھ کو تو یہی خیال ہے جس پر دلیل، ظاہر حال ہے ۔اس پر حکیم صاحب ساکت ہوگئے۔ اتنے میں امرتسر کا سٹیشن آگیا تو حکیم صاحب گاڑی سے اتر کر دوسری گاڑی میں سوار ہو کر قادیان کو گئے اور خاکسار اسی گاڑی میں پورب گیا۔

مراسلت

اپریل ۱۸۹۳ء

۱۸۹۳ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بذریعہ رجسٹرڈ خطوط واشتہارات حضرت بٹالوی سے درج ذیل درخواستیں کیں۔

☆ اول۔ درخواست مباہلہ

☆ دوم۔ درخواست اجازت اشاعت الہام منذر

☆ سوم۔ بالمقابل عربی عبارت میں کسی سورت قرآن کی تفسیر

مولانا بٹالوی نے پہلے تو ایک خط میں ان تینوں درخواستوں کا ایک مجمل جواب مرزا قادیانی کو دیا (یہ تفصیلات اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ کے صفحات ۱۶۱ تا ۱۹۹ سے نقل کی جارہی ہیں بہاء) جس کی نقل حسب ذیل ہے۔

☆ لاہورر ۱۸، اپریل ۱۸۹۳ء۔ غلام احمد قادیانی

۱۔ تمہارے چند اوراق (یعنی اشتہار ۳۰ مارچ ۱۸۹۳ء) کتاب وساوس کے ہمدست عزیزم مرزا خدا بخش اور دو رجسٹرڈ خط وصول ہوئے۔ میں تمہاری اس کتاب کا جواب لکھنے میں مصروف تھا اس لئے تمہارے خطوط کے جواب میں توقف ہوا۔ اب اس سے فارغ ہوا ہوں تو جواب لکھتا ہوں۔

۲۔ میں تمہاری ہر ایک بات کی اجابت کے لئے مستعد ہوں

☆۔ مباہلہ کے لئے تیار ہوں

☆ ۔ بالمقابلہ عربی عبارت میں تفسیر قرآن لکھنے کو بھی حاضر ہوں

☆ میری نسبت جو تم کو منذر الہام ہوا ہے، اس کی اشاعت کی اجازت دینے کو بھی مستعد ہوں۔

مگر ہر بات کا جواب واجابت رسالہ میں چھاپ کر مشتہر کرنا چاہتا ہوں جوانہیں باقی ماندہ ایام اپریل (۱۸۹۳ء) میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳۔ تمہارا سابق تحریرات میں یہ قید لگانا کہ دو ہفتہ میں جواب آوے۔ اور آخری خط میں یہ لکھنا کہ ۲۰۔ اپریل تک جواب نہ دیا تو گریز مشتہر کیا جائے گا۔ کمال درجہ کی خفت و وقاحت ہے۔ اگر بعد اشتہار انکار، ادھر سے اجابت کا اشتہار ہوا تو پھر کون شرمندہ ہوگا۔

۴۔ ہماری طرف سے جو جواب مورخہ ۹ جنوری ۱۸۹۳ء کیلئے ایک ماہ کی میعاد مقرر ہوئی تھی، اس کا لحاظ تم نے یہ کیا کہ تیسرے مہینے کے اخیر میں جواب دیا۔ پھر اپنی طرف سے یہ حکومت کہ جواب دو ہفتہ (اشتہار ۳۰ مارچ میں یکم اپریل سے دو ہفتہ کے اندر جواب کا مرزا صاحب نے مطالبہ کیا تھا۔ پھر کسی خط میں ۲۰۔ اپریل کی تاریخ لکھی۔ بہاء) میں آوے، کیوں موجب شرم نہ ہوئی، تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا ہے اور اس حکومت کی کیا وجہ ہے؟ جن پر تم حکومت کرتے ہو وہ تم کو دجال، کذاب، کافر وزندیق سمجھتے ہیں۔ پھر وہ ایسی حکومتوں کو کیونکر تسلیم کریں۔ کیا تم نے سب کو اپنا مرید ہی سمجھ رکھا ہے۔ ذرا عقل سے کام لو، کچھ تو شرم کرو۔ دین سے تعلق نہیں رہا تو کیا دنیا سے بھی بے تعلق ہو۔ اس خط کی رسید ڈاکخانہ سے لی گئی ہے وصولی سے انکار کرو گے تو وہ رسید تمہاری مکذب ہوگی۔ ابوسعید محمد حسین اڈیٹر اشاعۃ السنہ

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ ہمارے اس خط کے متعلق مرزا قادیانی نے جو مکر و فریب کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا وہ ملاحظہ کے لائق ہے۔ اس نے ۱۹۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو ایک تحریر کے ذریعہ سے یہ مشتہر کر دیا کہ اس خط کی دفعہ ۲ میں میری ہر ایک بات اور ہر ایک شرط اشتہار ۳۰ مارچ کو، جن کی تعداد دس سے کم نہیں، منظور کیا گیا ہے۔ حالانکہ جن تین باتوں کو ہم نے منظور کیا، اور ان کی اجازت کیلئے مستعد ہونے کا اظہار کیا تھا ان کی تفصیل خود

اس خط کی دفعہ نمبر۲ میں ان پر نمبر لگا (۱و۲و۳) لگا کر کر دی تھی۔اس تفصیل نمبر وار کو دیکھ کر کسی صاحب فہم وحیا کو اس امر سے گنجائش نہیں ہے کہ وہ ہر ایک بات کے لفظ سے بجز ان تین باتوں کے جن پر نمبر لگائے ہیں، اور وہ نمبر خود قادیانی کے چھاپے ہوئے خط خاکسار میں بھی موجود ہیں، اشتہار ۳۰ مارچ، قادیانی کی دس باتیں یا کوئی اور بات مراد ٹھہرا لے۔

مرزا قادیانی نے اس غرض سے یہ مکر کیا اور جھوٹ بولا ہے کہ اس کی شرائط اشتہار ۳۰ مارچ ۱۸۹۳ء میں اگر کسی شرط پر جانب ثانی سے اعتراض ہو تو اس پر یہ الزام دیا جاوے گا کہ پہلے تو تم نے ان سب شرائط کو مان لیا تھا۔اب اس تسلیم کے برخلاف اعتراض کیوں کرتے ہو؟

مولانا فرماتے ہیں ناظرین اس خط کے فقرہ نمبر۲ کے لفظ ہر ایک بات اور اس کی تفصیل نمبر ۱و۲و۳ کو ملاحظہ فرمائیں گے اور پھر مرزا قادیانی کے اس مکر و فریب کو توجہ سے دیکھیں گے تو ہمارے اس دعوی کی،

کہ قادیانی کی کوئی تحریر کوئی تقریر جھوٹ اور فریب سے خالی نہیں ہوتی،

تصدیق کریں گے اور مرزا قادیانی کے دجال کذاب ہونے پر یقین و ایمان لاویں گے۔ انشاء اللہ تعالی

یہ ہمارے مجمل جواب کے جواب کا، جو قادیانی نے دیا ہے، جواب ہے۔اب اس کی درخواستوں کا مفصل جواب سنو۔جس میں پہلے اس کی درخواست کی تفصیل ہو گی پھر اس کا جواب دیا جائے گا۔

درخواست مباہلہ

اور اس کا جواب

مولانا بٹالوی (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ میں) فرماتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے کہا ہے کہ

ان تمام مولویوں اور مفتیوں کی خدمت میں جو اس عاجز کو جزئی اختلاف کی وجہ سے کافر ٹھہراتے ہیں (قادیانی کا اپنے اختلافات کو جزئی کہنا، ناواقفوں کو دھوکہ دینا ہے۔ وہ کل اصول اسلام میں مسلمانوں کا مخالف ہے۔فتوی تکفیر مرزا اور، جواب فیصلہ آسمانی ص ۳۱ وغیرہ ملاحظہ ہو۔محمد حسین)، عرض کیا جاتا ہے کہ اب میں خدا سے مامور ہو گیا ہوں کہ تا میں اب لوگوں سے مباہلہ کرنے کی درخواست کروں۔

اس طرح پر کہ اول آپ کو مجلس مباہلہ میں اپنے عقائد کے دلائل از روئے قرآن وحدیث کے سناؤں۔اگر پھر بھی آپ لوگ تکفیر سے باز نہ آویں تو اسی مجلس میں مباہلہ کروں۔سو میرے پہلے مخاطب میاں نذیر حسین دہلوی ہیں اور اگر وہ انکار کریں تو پھر شیخ محمد حسین بٹالوی ہیں۔اور اگر وہ انکار کریں تو پھر اس کے بعد وہ تمام مولوی جو مجھے کافر ٹھہراتے ہیں اور میں ان تمام مولویوں کو آج کی تاریخ سے جو دہم دسمبر ۱۸۹۲ء ہے چار ماہ تک مہلت دیتا ہوں۔(دافع الوساوس۔صفحہ ۱۶۱)

اور دافع الوساوس کے صفحہ ۲۶۳ میں مرزا قادیانی نے کہا ہے کہ

مباہلہ کی اجازت کے بارہ میں جو کلام الٰہی میرے پر نازل ہوا ہے وہ یہ ہے نظر الله اليک معطرا و قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها قال انی اعلم ما لا تعلمون قالوا کتاب ممتلئی من الکفر و الکذب قل تعالوا ندع ابنائنا و ابناءکم ۔ الی آخر الآیہ

پھر دافع الوساوس کے صفحہ ۲۶۵ میں مرزا صاحب نے اس کا ترجمہ کیا اور کہا ہے

یعنی خدا تعالی نے ایک معطر نظر سے تجھ کو دیکھا اور بعض لوگوں نے اپنے دلوں میں کہا کہ اے خدا تو زمین پر ایک ایسے شخص کو قائم کریگا کہ جو دنیا میں فساد پھیلاوے۔تو

خدا تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور ان لوگوں نے کہا کہ اس کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جو کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہے، سو ان کو کہہ دے کہ آؤ ہم اور تم معہ اپنی عورتوں اور بیٹوں اور عزیزوں کے مباہلہ کریں۔ پھر ان پر لعنت کریں جو کاذب ہیں۔۔

مولانا محمد حسین بٹالوی اس کے جواب میں کہتے ہیں

منظور منظور منظور۔ آپ جس وقت چاہیں اور جس مکان میں چاہیں (بجز قادیان کے جو آپ کا مسکن اور محل اندیشہ ہے)، لاہور میں، خواہ بٹالہ میں مجلس مباہلہ منعقد کریں اور مجھے بلا لیں۔ آپ ہی مجھ سے مباہلہ کرنے کے مدعی بنے ہیں لہذا آپ ہی کے ذمہ اہتمام انعقاد مجلس ہے۔ اس مجلس میں آپ اپنے عقائد کے دلائل سنائیں۔ ان دلائل کو میں آپ کے حیل اور مغالطات سمجھونگا، جیسا کہ اس وقت تک آپ کے دلائل ہیں، تو اسی مجلس میں آپ کی کتابوں کی نسبت یہ دعوی کرونگا کتاب ممتلئی من الکفر و الکذب یعنی آپ کی تصانیف جن پر پہلے نکتہ چینی کی ہے، کفر اور کذب سے پر ہیں۔ پھر جھوٹے پر ایک نہیں ہزار لعنت کہوں گا۔ مگر یہ لعنت ان ہی لفظوں پر ہوگی جو ہم نے بیان کئے ہیں اور وہ آپ ہی کے الہام کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کو بدل کر آپ اور الفاظ پر لعنت کہلانا چاہیں گے تو ہرگز منظور نہ ہوگا اور اس تبدل وتغیر سے آپکا دعوی الہام بے اعتبار ہوگا۔ یا آپ کا ملہم (جو واقع میں معلم الملکوت ہے) ناعاقبت اندیش ٹھہرے گا کہ اس نے پہلے کمی بیشی کو نہ سوچا۔ اب اس الہام میں کمی بیشی کرنا چاہتا ہے اور اس کمی و زیادتی سے آپ کا اور آپ کے ملہم کا گریز ثابت ہوگا۔ لہذا انعقاد مجلس مباہلہ سے پہلے آپ اس بات کا اقرار شائع و مشتہر کردیں کہ ان ہی الفاظ پر ہم جانب ثانی سے مباہلہ کرائیں گے اور جھوٹے پر لعنت کہلائیں گے، ان میں اگر ایک لفظ کمی یا زیادتی کریں گے تو دعوی الہام مذکور میں جھوٹے اور مباہلہ میں شکست یافتہ سمجھے جائیں گے۔

یہ تو اس مضمون کی نسبت آپ کے الہام کے مطابق فیصلہ ہوا جس پر ہم مسلمان قسم کھانا اور جھوٹے کو لعنت بھیجنا منظور کرتے ہیں۔ مگر اس الہام اور دعوی مباہلہ میں آپ نے ان الفاظ کو درج نہ کیا جن پر آپ قسم کھائیں گے اور جھوٹے کو لعنت سنائیں گے۔ یہ آپ کا دھوکہ اور لعنت سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ آپ غالباً ایسے الفاظ پر قسم

کھائیں گے جن کے سبب باوجود جھوٹے ہونے کے آپ لعنت کا مورد ہونے سے بچ سکیں گے۔ لہذا ضروری ہے کہ آپ بھی ان الفاظ کو پہلے مقرر کر دیں تا کہ ہم مسلمان ان الفاظ میں نظر کریں، کہ وہ آپکے جھوٹے ہونے کی حالت میں آپ پر لعنت کے موجب ہو سکتے ہیں یا حیلہ وحوالہ سے وہ لعنت کو ٹلانے والے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ الفاظ جن پر آپ قسم کھائیں اور جھوٹے کو لعنت سنائیں یہ ہونے چاہیں۔

☆ میں غلام احمد قادیانی خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ جو عقائد میں نے آج ظاہر کئے ہیں کہ قرآن اور حدیث کی شہادت قطعی سے حضرت مسیح فوت ہو گئے ہیں اور

آنے والے مسیح سے خدا اوراس کے رسول کی مراد میں ہی ہوں

اور جبریل امین بذات خود انبیاء کے پاس کبھی نہیں آیا بلکہ وہ آسمان سے اور سورج سے کبھی جدانہیں ہوسکتا۔

ایسے ہی ملک الموت وغیرہ فرشتے بھی بذات خود آسمان سے جدانہیں ہوتے۔

اور مطلق نبوت کا خاتمہ نہیں ہوا، وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے عقائد جو رسالہ اشاعۃ السنہ میں آپ کی تصانیف سے نکال کر بیان ہوئے ہیں، خدا اور رسول کے نزدیک اسلامی عقائد ہیں،

خدا ورسول کی کلام میں ان عقائد کے متعلق جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کے یہی معانی خدا و رسول کی مراد ہیں جو قادیانی نے مراد ٹھہرائے ہیں۔

اور یہی معنی ان الفاظ ونصوص کے آنحضرت ﷺ کے اصحاب وتابعین وغیرہ آئمہ دین نے جو قرون ثلاثہ کے اندر گذر چکے ہیں، خدا ورسول کی مراد سمجھے ہیں۔

اس بیان میں اگر میں (قادیانی) جھوٹا ہوں، تو مجھ (قادیانی) پر خدا کی وہ لعنت نازل ہو جو آج تک کسی ملعون پر نازل نہیں ہوئی۔

ان الفاظ پر قسم کھانے میں آپکو تامل ہو تو آپ اس تامل کی وجہ بیان کر کے اور الفاظ تجویز کریں۔ ان الفاظ کے قیود میں جو کید وحیل آپ مخفی رکھیں گے، ہم ان کو ظاہر کر کے آپ کے منہ سے ایسے الفاظ کہلا لیں گے جو آپ کے جھوٹا ہونے کی حالت میں آپ پر لعنت کے موجب و جالب ہوں۔ الحاصل جب تک آپ وہ الفاظ انعقاد مجلس سے پہلے بیان نہ کریں اور مسلمانوں سے ان الفاظ کو تسلیم نہ کرا لیں، تب تک آپ کا یہ

دعوی مباہلہ آپ کی ایک چال ہےاورصرف اپنے دام افتادہ حمقاء کے لئے جال ہے۔

مولانا فرماتے ہیں یہ نفس درخواست مباہلہ کا جواب ہے۔ اب اس کی میعاد کے متعلق ایک اور کید قادیانی کا اظہار و بیان ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے اس مباہلہ کی میعاد دہم دسمبر۱۸۹۲ء سے چار مہینے مقرر کی۔مگر یہ کتاب جس میں یہ مباہلہ درج ہے، پانچویں مہینے (وسط اپریل۱۸۹۳ء) میں شائع کی۔اور طرفہ یہ کہ وہ کتاب اب تک اپنے اخص مخاطبین مباہلہ حضرت شیخ الکل اور خاکسار کے پاس نہیں بھجوائی۔پوری کتاب بھیجنے سے قادیانی کو بخل مانع تھا تو اشتہار مباہلہ کے اوراق کتاب یا پروف متعلق مباہلہ کو ہی بھیج دیتا۔مرزا ہمیشہ لاف زنی کرتا ہے کہ میں اپنے مخالفوں کوکئی ہزار رجسٹری شدہ اشتہارات بھیج چکا ہوں۔کیااب وہ یہ دعوی کرسکتا ہے کہ میں نے اس مباہلہ کا اشتہار شیخ الکل یا خاکسار کے نام رجسٹری کرا کر بھیجا ہے؟ نہیں تو پھراس میعاد مقرر کرنے سے اسکی غرض بجز اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ میعاد مقررہ مباہلہ تک فریق ثانی کواس دعوی پر اطلاع نہ ہو، اوراس عرصہ میں اس طرف سے مباہلہ کی اجابت وقوع میں نہ آوے، تو مشتہر کیا جاوے کہ فریق ثانی نے مباہلہ سے گریز کیا ہے۔

یہ عادت مرزا قادیانی کی ۱۸۹۱ء سے مستمر چلی آتی ہے کہ جو رسالہ، جو پرچہ، جو اشتہار ہمارے مقابلہ میں چھپاتا (طبع کراتا) ہے اس کو ہمارے پاس نہیں بھیجتا۔ان دنوں صرف چنداوراق وساوس جس میں ۳۰ مارچ کا اشتہار ہے ہمدست مرزا خدا بخش اورایک تحریر مورخہ ۱۹۔اپریل بذریعہ ڈاک اس نے ہمارے پاس ارسال کی ہے، باقی تحریرات و اشتہارات اس کے ہم نے دیگر وسائل سے مشکل کے ساتھ حاصل کیئے ہیں۔اپنے ازالہ اوہام کی بابت اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب وہ چھپ کر نکلے گا، سب سے پہلے آپ کے پاس بھیجا جائے گا۔ پھر جب چھپ کر شائع ہوا اور ہمارے پاس نہ پہنچا تو ہم نے خود قیمتاً طلب کیا۔پھربھی ہمارے پاس اس نے وہ رسالہ نہ بھیجا۔ تب سے ہم نے بھی اشاعۃ السنہ کا اس کے پاس بھیجنا موقوف اور بند کردیا۔باوجودیکہ اس سے پہلے سال ہاسال سے اسکے پاس بلاقیمت یہ رسالہ جاتا رہا۔اس بندش پربھی جومضمون جواب طلب اس کے رد میں چھاپا جاتا ہے، اسکے پاس بھیجا جاتا ہے۔

اجازت اشاعت

الہام منذر

مولانا بٹالوی (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۱ ۔ ۱۸۴ میں) فرماتے ہیں کہ یہ درخواست مرزا قادیانی کی اس خط میں منقول ہے جو ہم قبل ازیں نقل کر چکے ہیں اور اس کا دندان شکن جواب ہم اپنے خط میں دے چکے ہیں جو پہلے نقل ہو چکا ہے ۔ قادیانی ہمارا جواب سن کر ساکت ہوا، مگر اپنے حمقاء اتباع کو یہ کہتا اور سمجھاتا رہا کہ ہمارا مخاطب (محمد حسین) ہمارے الہام منذر سے ڈر گیا ہے ۔ تب ہی وہ عام اجازت اشاعت نہیں دیتا، بلکہ قانون عدالت کے لحاظ و پابندی سے اشاعت کی اجازت دیتا ہے ۔ اس خوف کا خیال ان حمقاء کے دماغ میں جاگزیں و مستحکم ہو گیا تو اپریل ۱۸۹۳ء (مطابق رمضان) میں وہ ایک رجسٹری شدہ خط کے ذریعہ سے پھر اشاعت الہام مذکور کی اجازت کا خواستگار ہوا ۔ اور ہمارے سابق جواب کی اس بات کا کہ

> جو الہام کسی کے ڈرانے کے لئے ہوتا ہے، اس الہام کی اشاعت اس الہام کا عین مدعا ہوتا ہے اور اگر آپکے الہامات نظر ثانی و حکم ثانی کے سوا لائق اشاعت نہیں ہوتے تو آپ اپنے ملہم سے اجازت کیوں نہیں لیتے، یہ اجازت مجھ سے کیوں چاہتے ہیں؟

اس نے خط میں یہ جواب دیا ہے کہ مشورہ لینے کا حکم آیت وشاورھم فی الامر میں آ چکا ہے۔

اور کتاب دافع الوساوس کے حاشیہ صفحہ ۱۱۶ میں ہماری بات کا یہ جواب دیا ہے کہ الہام تین قسم کے ہوتے ہیں ۔ از انجملہ ایک وہ قسم ہے کہ جس کے اظہار و عدم اظہار کا ملہم

کو اختیار دیا جاتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے اس دوبارہ درخواست کرنے سے اور اس کے اتباع کے اس درخواست کو پسند کرنے اور اس سے اس کو سچا اور ولی وملہم سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی تو شرم وحیا وخداترسی وعاقبت اندیشی (جو انسانیت کے لوازم سے ہے) معرا تھا، اب اس کے اتباع نے بھی اس کا شیوہ اختیار کیا ہے، اور انہوں نے علاوہ براں بحکم آیت ذالک بانھم آمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون فہم وفقاہت کو بھی استعفا دیدیا ہے۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ

جو شخص کسی کے الہام سے ڈرتا ہے وہ اس کو ملہم ماننے اور اس کی پیروی کرنے میں کب توقف کرتا ہے؟ اور جو اس کو کافر و زندیق ومرتد وملحد سمجھتا ہے وہ اس کے الہام کو بجز القاء شیطانی اور کیا خیال کرتا ہے؟

اور وہ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ خدا کے منذر الہام کی تبلیغ کی اشاعت کی اجازت دوسرے سے چاہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور مشورہ کا حکم بشہادت آیت مذکورہ ان امور میں ہے جن میں خدا کی طرف سے کوئی حکم والہام نہ ہو۔ اور ایسے ہی امور میں آپ ﷺ نے اپنے مخلص احباب سے مشورہ چاہا تھا، کبھی کسی منصوص حکم کی تعمیل وتبلیغ میں کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اور نہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر قادیانی کے ملہم (معلم الملکوت) کے الہامات ایسے ہی ہوتے ہیں جو دوسرے کے مشورہ اور صلاح کے بغیر تبلیغ واشاعت کے لائق نہیں ہوتے، تو پھر انکی اشاعت وعدم اشاعت کے متعلق اپنے مخلص احباب سے مشورہ کرنا تھا، نہ کہ اپنے خصم اور دشمن سے، جسکی نسبت اسکو الہام ہوا ہے، اور وہ اس الہام کو شیطانی سمجھتا ہے۔

اس مشورہ کی نظیر کسی سابق ملہم کے الہامات ومشاورات میں پائی نہیں گئی۔ پھر ہم اجازت چاہنے کو مشورہ کیوں مان رہے ہیں اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر یہ الہام اس قسم کا ہے جس میں مرزا قادیانی کو اظہار وعدم اظہار کا اختیار دیا گیا ہے تو پھر وہ اپنے اختیار سے کیوں کام نہیں لیتا اور اس اختیار کو اپنے دشمن کے اختیار میں کیوں سپرد کرتا ہے؟ اس کے ان حیلوں اور عذروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس الہام کے دعوی میں جھوٹا اور فریبی ہے۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ ان گذارشات کے بعد اب اس درخواست قادیانی کا تفصیلی جواب دیا جاتا ہے۔

درخواست کا تفصیلی جواب

مرزا قادیانی صاحب ۔ اشاعت الہام مذکور کی آپ کو اجازت ہے، اجازت ہے، اجازت ہے۔ اور اس پر یہ تحریری شہادت ہے ۔ مگر اس اشاعت کی صرف یہی ایک صورت مناسب نظر آئی ہے کہ وہ منذر الہام پہلے اشاعۃ السنہ میں آپ چھپوائیں اور اس کے ذریعہ سے اس کی اشاعت کریں ۔ پھر جس اخبار میں چاہیں اس کو درج کرائیں ۔ لہذا مناسب ہے کہ آپ اس الہام کی ایک قلمی نقل مصفے میرے پاس بھیج دیں اور اس کی اشاعت کی درخواست کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی تحریر کریں کہ اس الہام کے الفاظ میں من بعد نہ ایک لفظ کی کمی ہوگی نہ ایک حرف کی زیادتی ۔ ومعہذا اس الہام کے معنی بھی اپنے ملہم سے پوچھ کر تحریر کر دیں ۔ اگر اس کے ظاہری اور لفظی معنے مراد ہوں جن کو ہر شخص عارف لغت واہل زبان سمجھ سکتا ہے تو یہ لکھ دیں کہ ملہم نے بتا دیا ہے کہ اس کے ظاہری اور لفظی معنی مراد ہیں ۔ اور اگر کوئی تاویلی معنی مراد ہوں تو ان معنی کی تاویل و تشریح کر دیں ۔ پھر اگر میں اس الہام کے الفاظ اور معنے کو واضح و بلا اشتباہ پاؤنگا تو فوراً اس کو رسالہ میں چھاپ کر اس کی ایک کاپی آپ کے پاس بھیج دونگا ۔ انشاء اللہ اور اگر اس کے الفاظ و قیود میں کیود (مکر) وحیلہ سازیاں اور دھوکہ بازیاں پاؤنگا یا اس کے معانی کو ذوی الوجوہ دیکھونگا تو پہلے چند سوالات کے ذریعہ آپ کے قلم وزبان سے اس کی تشریح وتوضیح کراؤنگا ۔ پھر اس کو چھاپ دونگا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

فرمایئے اب تو اجازت ہوئی ۔ بلکہ خود اشاعت کی ذمہ داری بھی لی گئی ہے ۔ یا اب بھی کوئی کسر رہ گئی ہے ۔ رہ گئی ہے تو فرمایئے وہ کسر نکال دی جائے ۔

اس کے بعد حضرت بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس باب میں آپ (مرزا قادیانی) سے تو اتنا ہی خطاب ہے ۔ ذیل میں اپنے ناظرین اور آپکے اتباع میں سے حق کے طالبین کی خدمت میں کچھ عرض کیا جاتا ہے ۔

حضرات ۔ آپ لوگ جو کہ مرزا قادیانی کے کید اور مکر وفریب سے واقف نہیں، شائد یہ خیال کریں کہ یہ اجازت اشاعت تو ہے، مگر محدود ہے ۔ اور کیوں اجازت غیر محدود نہیں دی گئی کہ وہ جس اخبار میں چاہے اس الہام کو چھپوا دے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس

کے الہام کو بلا معائنہ و ملاحظہ اسی کے ذریعہ واختیار و اہتمام سے اگر اس کو چھاپنے کی غیر محدود اجازت دی جائے گی تو وہ اس الہام میں ایسی قیدیں لگا دے گا اور ایسے الفاظ ذوالوجوہ اور محتمل المعانی اس میں بھر دے گا، جن سے وہ باوجود سو بار جھوٹا ہو جانے کے، جھوٹا ہونے میں نہ آئے گا۔ کیا آپ صاحبوں نے اس کے سابق اشتہارات متضمن الہامات و بشارات نہیں دیکھے، جن میں وہ بارہا جھوٹا ہو چکا ہے لیکن جھوٹا ہونے میں نہیں آتا۔ اور پھر بھی ان الہامات کے صدق کا مدعی ہے اور انہی کی دستاویز سے خم ٹھونک کر الہامی بنا ہوا ہے۔

اس کے گذشتہ الہامات و بشارات میں سے ایک الہام تولد فرزند عنموائیل و بشیر کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے، جس میں وہ بارہا جھوٹا ہو چکا ہے پھر بھی سچے کا سچا بنا ہوا ہے۔

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو آپ (مرزا) نے ایک اشتہار دیا جس میں یہ درج ہے

کہ میرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو خوبصورت، صاحب شوکت و دولت ہوگا، علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا، تین کو چار کرنے والہ ہوگا، فرزند دل بند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء

(یعنی خدا کا جو اول وآخر ہے، مظہر ہوگا، حق اور بلندی کا محل ظہور، گویا کہ خود خدا تعالی آسمان سے نازل ہوگا۔ ناظرین مرزا کا بیٹا خدا ہوا تو قادیانی خدا کا باپ ٹھہرا، آج تک ابن اللہ تو بہت لوگوں کو کہا گیا ہے مگر خدا کا باپ مرزا قادیانی سے پہلے کوئی نہیں سنا تھا۔ اس کے ایسے دعاوی سن کر جو لوگ اس کو مسلمان اور ولی مان رہے ہیں وہ اگر دیوانے نہیں، نافہم نہیں، تو پھر کون ہیں؟ محمد حسین)۔

وہ جلد جلد بڑھے گا، اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا، اور زمین کے کناروں تک شہرت پاوے گا۔

اس اشتہار میں چونکہ مرزا قادیانی کا ملہم (جو یقیناً معلم الملکوت ہے) تاریخ وماہ و سال تولد فرزند بھول گیا تھا، لہذا آپ کو اس کا فکر پیدا ہوا تو ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار اس کی میعاد کی بابت جاری کیا اور اس میں یہ لکھا کہ ایسا لڑکا حسب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔

اس پر اسلام کے مخالفوں، ہندوؤں وغیرہ نے قادیانی کو اسلام کا وکیل و حامی سمجھ کر اس میعاد پر خوب ہنسی اڑائی، اور یہ بات چھاپ کر مشتہر کی کہ نو برس کی میعاد لمبی ہے، اس میں کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ جس پر مرزا قادیانی نے اپنے ملہم (معلم الملکوت)

کے حضور میں حاضر ہو کر اس امر (تعیین میعاد) کیلئے عرض کی تو ادھر سے یہ الہام ہوا جس کو آپ نے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں درج کر کے مشتہر کیا کہ

ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والہ ہے، جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

پھر مرزا قادیانی کو اس الہام کی تفسیر میں ایک مخفی الہام ہوا۔ جس کو وہ اشتہار ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں مخفی الہام اور الہامی تفسیر اور فیض روح القدس کا نتیجہ قرار دے چکا ہے۔ وہ الہام یہ ہے (جو الہام منقولہ بالا کے متصل ہی اس اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں بیان کیا گیا ہے)

. اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والہ ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا کہ جو اب پیدا ہو گا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہو گا۔

پھر اس کے بعد یہ بھی الہام ہوا کہ

انہوں نے کہا آنے والہ یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں؟ چونکہ یہ عاجز ایک بندہ ضعیف مولی جل شانہ کا ہے، اس لئے اس قدر ظاہر کرتا ہے جو من جانب اللہ ظاہر کیا جاتا ہے.

یہ بعینہ مرزا صاحب کے الفاظ ہیں۔ اس کے آخری الفاظ کے مقابلہ میں خاکسار محمد حسین کہتا ہے کہ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ خدا کے بندہ نہیں، بلکہ معلم الملکوت کے بندہ ہیں اور اسی نے آخری فقرہ انجیل متی باب ۱۱ آیت ۳ سے چرا کر آپ کو الہام کیا ہے۔ جس سے اس کا اور آپ کا مقصود یہ ہے کہ جو لڑکا موجودہ حمل سے پیدا ہو گا اگر وہ کھینچ تان کر الہام ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا مصداق اور اس کا نتیجہ بن سکا تو اس الہام کے پہلے حصہ، کہ آنے والہ یہی ہے، کے اشارہ سے اس کو الہامی بنایا جائے گا۔ اور اگر وہ کسی طرح اس کا مصداق نہ بن سکا تو اس الہام کے دوسرے حصہ کو ، یا ہم دوسرے کی راہ تکیں، کی دستاویز سے یہ کہا جائے گا کہ اس حصہ میں صاف اشارہ تھا کہ یہ کوئی اور ہے۔

مرزا صاحب کے اس الہام کی نظیر اس وقت کے بدمعاش جوگیوں کی وہ پیش گوئی ہے جس میں وہ ایک شخص کے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خبر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہمسایہ کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ لڑکی پیدا ہو گی۔ پھر اگر لڑکا ہوتا ہے تو وہ گھر والوں کو بتائی ہوئی خبر کی دستاویز سے اپنی صداقت ظاہر کر کے نقدی وصول کرتے ہیں، اور اگر لڑکی پیدا ہوتی

ہے تو وہ ہمسایہ والی خبر پیش کر کے کچھ نہ کچھ جھاڑ لیتے ہیں۔

مرزا صاحب کا ملہم عیار (معلم الملکوت) ان بدمعاشوں سے بھی بڑھ کر نکلا۔ اس نے ایک ہی الہام و پیش گوئی سے دونوں کام لے لئے۔ پہلے حصہ سے لڑکے کے الہامی ہونے کا ثبوت، دوسرے حصہ سے اس لڑکے کے الہامی موعود نہ ہونے کی شہادت۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ ان دنوں مرزا صاحب کی بیوی کو حمل تھا، جس کے وضع ہونے کی مدت قریب تھی۔ اسی حمل کی نظر سے آپ یہ الہام بازی کر رہے تھے، اور اس حمل سے آپ کو لڑکا پیدا ہونے کا کامل یقین تھا۔ شک تھا تو صرف اس بات میں تھا کہ اس حمل سے پیدا ہونے والہ لڑکا وہی موعود لڑکا ہے یا موعود کوئی اور ہے، اور یہ لڑکا اور ہے۔ اس حمل سے لڑکا ہونے کا یقین اور اس کے موعود ہونے میں شک دونوں آپ کی الہامی تفسیر کے اس فقرہ سے کہ

جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے، یا وہ کسی اور وقت میں ہوگا۔

اور دوسرے الہام کے اس جملہ سے کہ

، آنے والہ یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں۔

صاف ظاہر ہو رہے ہیں اور ہر کس و ناکس کو جو مذکر الفاظ، ہو گا، اور لڑکا، اور آنے والہ۔ اور مونث الفاظ، ہو گی، لڑکی، اور آنے والی، میں تمیز کر سکتا ہے، یہ الفاظ یقین دلاتے ہیں کہ مرزا قادیانی اس حمل سے لڑکا پیدا ہونے کا یقین رکھتا تھا۔ مگر خدا تعالی نے جو اخیر میں جھوٹے کا منہ کالا کرتا ہے (گو تھوڑے دن اس کو مہلت بھی دیتا ہے)، اس دعوی اور یقین میں مرزا قادیانی کو جھوٹا کیا۔ اس حمل سے لڑکے کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی (جو بچپن میں مر گئی)۔ جس سے تمام ہندوستان میں قادیانی کی رسوائی ہوئی، اور اس وجہ سے تمام مسلمانوں کو آریوں وغیرہ مخالفین کے سامنے ندامت اٹھانا پڑی۔ مگر قادیانی ایسا شیر بہادر ہے اور عقل و حیا دونوں سے اکیلا جنگ آور اور مبارز ہے کہ اس نے اس رسوائی اور ندامت کی کچھ بھی پرواہ نہ کی، بلکہ الٹا آریوں کی خبر لی۔ ان کے جواب میں دو ورقہ اشتہار چھاپ کر مشتہر کر دیا اور اس میں یہ عذر بدتر از گناہ کیا کہ میں نے یہ کب اور کہاں لکھا تھا کہ اس حمل سے لڑکا ہوگا؟ میرے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں اس حمل کا لفظ کہاں ہے۔ اور اسکے ساتھ آریوں کو لعنتیں اور گالیاں سنا کر اپنے مریدوں کی نظر میں اپنا سچا ہونا ثابت کر دیا۔

مرزا صاحب یا اس کے اتباع میں سے کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ اس اشتہار میں اس حمل کا لفظ نہیں تو کیا ہوا؟ اس میں یہ الفاظ جو لڑکا اب پیدا ہوگا، آنے والہ یہی ہے، تو صریح اور صاف موجود ہیں۔ اور ہیں بھی یہ الفاظ الہامی، نہ فہم اور رائے پر مبنی، پھر ہمارا وہ الہام ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء جس کے الفاظ مذکور سے لڑکا پیدا ہونے کا یقین تھا، جھوٹا نہیں تو اور کیا ہے؟ لہذا مناسب ہے کہ ہم اس الہام کو شیطانی جان لیں اور آئندہ اس دعوی سے دست بردار ہو جائیں، اور جو ذلت ہو چکی ہے اسی پر اکتفا کریں۔ آئندہ مخالفین سے اسلام اور مسلمانوں کی مزید ہنسی نہ کرائیں۔ مگر وہ حضرات حیا اور سچ سے کچھ تعلق رکھتے تو اپنا جھوٹا ہونا مانتے۔

پھر ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء کو ایک منحوس و نا مبارک لڑکا (بشیر) مرزا قادیانی کے گھر پیدا ہوا تو وہ آسمان کو چڑھ گیا اور اس نے بڑا شور و غل مچایا۔ پنجاب و ہندوستان کے دوستوں کو اس لڑکے کے عقیقہ پر بلا کر یہ جتایا کہ وہ الہامی موعود لڑکا ہے اور اس کا دھوم دھام سے عقیقہ کیا، جس میں دف اور ڈھول بجائے گئے۔ کسی نے اعتراض کیا تو جواباً فرمایا

فرشتے آسمان پر باجے بجا رہے ہیں، پھر ہم کیوں ان کی پیروی نہ کریں۔

اور اس لڑکے کی پیدائش کے متعلق یہ اشتہار جاری کیا جو مطبع چشمہ فیض بٹالہ اور وکٹوریہ پریس لاہور وغیرہ مطابع میں طبع ہوا۔

اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیش گوئی کی تھی اور خدا تعالی سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا، تو دوسرے حمل میں، جو اس کے قریب ہے، ضرور پیدا ہو جائے گا، آج ۱۰ ذی قعد ۱۳۰۴ھ مطابق ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء میں ۱۲ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیش گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ یہ لوگ بات بات میں یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم وہ پیش گوئی منظور کریں گے، جس کا وقت بتایا جائے۔ سو اب یہ پیش گوئی انہیں منظور کرنی پڑی کیونکہ اس پیش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ حمل دوم بالکل خالی نہیں جائے گا۔ ضرور لڑکا پیدا ہوگا اور وہ حمل بھی کچھ دور نہیں بلکہ

قریب ہے ۔ یہ مطلب اگر چہ اصل الہام میں مجمل تھا لیکن میں نے اسی اشتہار میں لڑکا پیدا ہونے سے ایک برس چار مہینے پہلے روح القدس سے قوت پاکر مفصل طور پر مضمون مذکورہ بالا لکھ دیا یعنی یہ کہ اگر لڑکا اس حمل میں نہ ہوا تو دوسرے حمل میں ضرور ہوگا ۔آریوں نے حجت کی تھی کہ یہ فقرہ الہامی کہ جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کرے گا ،حمل موجودہ سے خاص تھا جس سے لڑکی ہوئی ۔ میں نے ہر ایک مجلس اور ہر ایک تحریر و تقریر میں انہیں جواب دیا کہ یہ حجت تمہاری فضول ہے ، کیونکہ کسی الہام کے معنے وہ ٹھیک ہوتے ہیں کہ ملہم آپ بیان کرے ،اور ملہم کے بیان کردہ معنوں پر کسی اور کی تشریح اور تفسیر ہرگز فوقیت نہیں رکھتی ، کیونکہ ملہم اپنے الہام سے اندرونی واقفیت رکھتا ہے اور خدا تعالی سے خاص طاقت پا کر اس کے معنے کرتا ہے ۔جس حالت میں لڑکی پیدا ہونے سے کئی دن پہلے عام طور پر کئی سو اشتہار چھپوا کر میں نے شائع کر دیئے اور بڑے بڑے آریوں کی خدمت میں بھیج دیئے ، تو الہامی عبارت کے وہ معنی قبول نہ کرنا جو خود ایک مخفی الہام نے میرے پر ظاہر کئے اور پیش از ظہور جملہ مخالفین تک پہونچا دیئے گئے، کیا ہٹ دھرمی ہے یا نہیں ۔کیا ملہم کا اپنے الہام کے معانی بیان کرنا یا مصنف کا اپنی تصنیف کے کسی عقدہ کو ظاہر کرنا تمام دوسرے لوگوں کے بیانات سے عندالعقل زیادہ معتبر نہیں ہے۔ بلکہ خود سوچ لینا چاہیے کہ ملہم جو کچھ پیش از وقوع کوئی امر غیب بیان کرتا ہے اور صاف طور پر ایک بات کی نسبت دعوی کر لیتا ہے، تو وہ اپنے اس الہام اور تشریح کا آپ ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کی باتوں میں دخل بیجا دینا ایسا ہے جیسے کوئی مصنف کو کہے کہ تیری تصنیف کے یہ معنی نہیں ، بلکہ یہ ہیں جو میں نے سوچے ہیں ۔اب ہم اصل اشتہار ۸ ۔اپریل ۱۸۸۶ء ناظرین کے ملاحظہ کے لئے ذیل میں لکھتے ہیں (یہ اشتہار ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ،اس لئے اس مقام میں نقل نہیں ہوا۔ محمد حسین) تا ان کو اطلاع ہو کہ ہم نے پیش از وقوع اپنی پیش گوئی کی نسبت کیا دعوی کیا تھا اور وہ کیسا اپنے وقت پر پورا ہوا۔

المشتھر خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

اس اشتہار میں مرزا صاحب نے گو صرف یہی لکھا ہے کہ یہ ۸ ۔اپریل ۱۸۸۶ء کے الہام والہ لڑکا ہے مگر زبانی کس و ناکس کو یہی کہا کہ یہ وہی لڑکا موعود مسعود ہے جس کا

اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں وعدہ ہوا تھا اور خود اس باب میں ایک مضمون لکھا اور پونہ کے رہنے والے ایک اردو خوان سپاہی کے نام سے شحنہ ہند میرٹھ ۱۶ ستمبر ۱۸۸۷ء میں چھپوایا ہے، جس کی نقل یہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگوئی

مندرجہ اشتہار ۲۰ فروری ، ۲۲ مارچ ، ۸ اپریل ۱۸۸۶ء

پر ایک منصفانہ نظر

ہمارے ایک عنایت فرمانے تین اشتہار ۲۰ فروری، ۲۲ مارچ و ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء از جانب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان ضلع گورداسپور پنجاب ہمارے پاس بھیجے ہیں جن میں ایک پیش گوئی اور نیز اس کے وقوع کا ثبوت بہت مدلل اور معقول طور پر درج ہے۔ ہم (اڈیٹر شحنہ ہند) حسب درخواست صاحب مرسل ان اشتہاروں کو اردو سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہیں لیکن قبل تحریر ترجمہ اشتہارات ایک ریویو ان اشتہاروں کا اردو انگریزی دونوں میں لکھنا صفائی بیان اور ناظرین کی توسیع واقفیت کی غرض سے مناسب سمجھتے ہیں۔

واضح ہو کہ وہ پیش گوئی جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ عنوان میں درج ہے، ایک عظیم الشان پیش گوئی ہے جو ایک بابرکت اور مؤید الٰہی فرزند کے بارہ میں ظاہر کی گئی ہے جس کی نسبت مرزا صاحب کا یہ دعوی ہے کہ وہ فرزند نہایت مقدس اور موجب فیض وہدایت عامہ خلائق ہوگا اور زمین کے کناروں پر شہرت پائے گا چنانچہ اسی مطلب کے بارہ میں مرزا صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو اشتہار عام طور پر شائع کیا تھا اور صدہا کاپیاں رجسٹری کرا کر اور نیز بغیر رجسٹری بخدمت معزز عیسائی و ہندو صاحبان اور ان کے نامی گرامی پنڈتوں اور پادریوں کی خدمت میں ارسال فرمائی تھیں۔ مگر چونکہ اس اشتہار میں دربارہ تولد اس مبارک فرزند کے کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی تھی، اس لئے

بعض نکتہ چینوں کے اصرار سے دوبارہ مرزا صاحب نے اپنے الہام سے ظاہر فرمایا کہ وہ بابرکت فرزند ۹ برس کے عرصہ تک کسی وقت میں پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس بارہ میں دوسرا اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کا مرزا صاحب کی طرف سے شائع ہوا تھا اور عام طور پر نامی مخالفوں کے نام بھیجا گیا تھا، بلکہ ان کے بعض اخبارات میں چھپ بھی گیا تھا پھر جبکہ مخالفوں نے اس مدت بیان کردہ کو بھی بہت دور دراز سمجھا تو جیسا کہ اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں درج ہے، مرزا صاحب ممدوح نے اتمام حجت کی غرض سے ایک نہایت قریب وقت دریافت کرنے کے لئے بحضرت باری عزّ اسمہ توجہ کی۔ اس آخری دفعہ کی توجہ میں مرزا صاحب پر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی نزدیک پیدا ہونے والہ ہے، جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا، جس کے معنے ان پر یہ منکشف ہوئے کہ غالباً موجودہ حمل میں وہ لڑکا پیدا ہو، اور اگر اس میں پیدا نہ ہوا تو بالضرور دوسرے حمل میں جو اس کے بعد اور بہت قریب ہے، پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس مدت مقررہ کے شائع اور ظاہر کرنے کیلئے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء مرزا صاحب کی طرف سے شائع ہوا جس کے مضمون کے موافق ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء مرزا صاحب کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس وقت یہ اشتہار صداقت آثار ہمارے سامنے رکھا ہے، جس کے دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیش گوئی کسقدر عالی شان، واضح اور کھلی کھلی ہے، اشتہار موصوف کے دو فقرے یہ ہیں

پہلا فقرہ۔ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والہ ہے یا بالضرور اس کے قریب کے حمل میں۔

دوسرا فقرہ الہامیہ۔ نازل من السماء و نزل من السماء جو نزول یا قریب نزول پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ لڑکا اس حمل میں یا دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے، پیدا ہوگا۔

یہ دونوں فقرے بآواز بلند شہادت دے رہے ہیں کہ لڑکا جس کی نسبت اشتہار مذکور میں پیش گوئی کی گئی ہے بالضرور دوسرے حمل تک جو قریب ہے، پیدا ہو رہے گا۔ اب اس پیش گوئی میں جس قدر صفائی پائی جاتی ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ یہ بات ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ کسی امر فوق الاختیار کے ظہور کیلئے پیش از وقوع کوئی وقت خاص اور مدت معین قرار دینا اور بتمام ترقطع و یقین اس حد میں اور وقت مقررہ

پر حصر کر دینا، اور پھر اس کا ٹھیک ٹھیک اسی وقت اور حد معین میں ظہور پذ یر ہو جانا، کاروبار انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے۔ خاص کر تولد پسر کے بارہ میں کوئی انسان دعوی کر کے اس قدر دم بھی نہیں مار سکتا کہ میری عمر کے کسی حصہ میں کوئی لڑکا میرا ضرور پیدا ہوگا، کیونکہ نہ تو عمر کا اعتبار اور نہ لڑکا پیدا کرنے پر کوئی اپنا اختیار، اور نہ پھر اس لڑکے کے جیتے رہنے کے یقینی آثار۔ چہ جائیکہ بغیر کسی ظاہری قرینے اور علامت کے لڑکا پیدا ہونے کے لئے بہت ہی قریب حد بتائی جائے اور پھر کروڑ ہا مخلوق کے مقابلہ پر میدان میں کھڑے ہو کر دعوی کیا جائے کہ تولد پسر اس حد معین سے تجاوز نہیں کرے گا، اور لڑکا صاحب عمر ہوگا (یہ لفظ ناظرین توجہ سے پڑھیں اور اس لفظ کی نسبت یہ بھی دعوی کیا گیا ہے کہ یہ انسانی دعوی نہیں، الہامی ہے۔ پھر مرزا قادیانی کے اس قول کو کہ اس لڑکے کو عمر پانے والہ نہیں کہا گیا، جس کو وہ سبز اشتہار مطبوعہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں کہہ چکا ہے، ملاحظہ فرما کر داد انصاف دیں کہ یہ شخص کذاب و دروغ نہیں ہے تو کیا ہے؟ محمد حسین)، بیداہیت ظاہر ہے کہ ایسا دعوی کوئی انسان نہیں کر سکتا اور نہ کسی ابن آدم کو ایسی جرئت ہے کہ اس قسم کا دعوی زبان پر لاوے۔ بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نے بدعوی ماموروملہم من اللہ ہونے کے اس پیش گوئی کو ایک جہان کے سامنے اپنی عزت یا ذلت کا معیار بنایا، اور لاکھوں مخالفوں کے سامنے یقینی طور پر دعوی کیا ہے کہ دوسرے حمل تک جو بہت ہی قریب ہے، بالضرور لڑکا پیدا ہوگا۔ پھر خدا تعالی نے اس دعوی کو سچا کر کے دکھلا دیا اور منکروں کو نادم اور رسوا کیا تو اور بھی زیادہ تر بزرگی اس پیشگوئی کی اور سچائی اس شخص کی ہم پر کھلتی ہے، کیونکہ خدائے عادل وانصاف پسند کی طرف سے ایک دروغگو کو ایسی کھلی کھلی تائید ہونا غیر ممکن وخلاف صفات کاملہ مقدسہ حضرت باری ہے...

. اور ایک اور نشانی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں مولود موعود کے لئے ایک یہ علامت لکھی تھی کہ وہ تین کو چار کرنے والہ ہوگا سو یہ علامت بھی پوری ہوئی، کیونکہ اس فرزند مبارک سے پہلے مرزا صاحب کی اولاد صرف تین ہیں۔ دو پسر اور ایک دختر۔ بجز ان کے اور کوئی ایسی اولاد بھی نہیں کہ کسی وقت پیدا ہو کر فوت ہو گئی ہو۔ سو یہ لڑکا برتبہ چہارم ہونے کی وجہ سے تین کو چار کرنے والہ ہے۔ راقم ایک محقق متکلم از پونہ

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی عبارت کو ناظرین غور سے پڑھیں گے تو اس کے الفاظ اور طرز تحریر سے پہچان لیں گے کہ یہ مرزا قادیانی کا اپنا لکھا ہوا مضمون ہے، جس کو اس نے برخلاف واقعہ دوسرے کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ مضمون اول سے آخر تک بتا رہا ہے کہ راقم مضمون نے اس لڑکے کو وہی لڑکا سمجھا ہے، جس کا اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ذکر ہے۔ اس مضمون کے پہلے اور دوسرے فقرات کے مصدق مرزا قادیانی کے دستخطی خطوط (جو اصل منشی احسن امروہی کے پاس ہیں اور نقل ان کی دستخطی اور مولوی محمد بشیر صاحب کے مصدقہ) میرے پاس موجود ہیں۔ ان میں بھی قادیانی نے ظاہر کیا ہے کہ تین کو چار کرنے والا یہی لڑکا ہے۔ اور وہی مصداق عربی فقرات الہام ہے۔

وہ لڑکا (بشیر) جب تک زندہ رہا، نتیجہ الہام ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء سمجھا گیا، مگر خدا نے اس ظالم و مفتری و کذاب کو دوبارہ ذلیل کرنا چاہا تو ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو اس منحوس و نامبارک و باعث ضلالت لڑکے کو دنیا سے اٹھا لیا۔ جس پر دنیا میں شور و غل مچ گیا اور اس پر بھی مرزا جھوٹا ہونے میں نہ آیا اور یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو چوبیس صفحہ کا سبز اوراق کا رسالہ اس مضمون کا چھاپ دیا کہ میں نے کب کہا تھا کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کا ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں ذکر تھا اور یہ عمر پانے والا ہے۔ اور کہا کہ میں نے تو اشتہار ے۔ اگست ۱۸۸۶ء میں صرف یہ لکھا تھا کہ یہ وہ لڑکا ہے جس کا ۸۔ اپریل کے اشتہار میں ذکر ہے۔ اور عقل و حیا کو پیش نظر رکھ کر اتنا نہ سوچا کہ

☆ جس لڑکے کا ذکر ۸۔ اپریل کے اشتہار میں تھا وہ کونسا لڑکا تھا؟

☆ ۸۔ اپریل کو کس لڑکے کی میعاد کی بابت ملہم سے آپ نے دوبارہ انکشاف کا سوال کیا تھا؟

☆ اور کس کی بابت جواب ملا؟

ان سوالوں کا جواب یہی ہوگا کہ وہی ۲۰ فروری کے اشتہار والا لڑکا تھا، اسی کی مدت تولیت سے سوال تھا، اور اسی سوال کے جواب میں اس لڑکے کا مژدہ سنایا گیا تھا۔

اور یہ تو نہیں ہوسکتا کہ برطبق سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ سوال تو ۲۰ فروری کے الہامی لڑکی کی مدت سے ہو، اور جواب میں کسی اور کی مدت بتائی گئی ہو۔

اور مرزا صاحب نے نہ یہ سوچا کہ اس جواب کو گول مال بنانے کے لئے جو میں

نے دوسرا الہام گھڑ لیا تھا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں۔

اس کا دوسرا حصہ گو اس جواب کو گول مال بتاتا ہے، مگر اس کا پہلا حصہ صاف اشارہ کرتا ہے کہ یہ لڑکا وہی موعود لڑکا ہے۔ لہذا یہ الہام بھی ہمارے حق میں مفید اور اس امر کا متعین کرنے والا نہیں ہے کہ یہ لڑکا وہ نہیں اور ہے۔

قطع نظر اس سے ہم (یعنی مرزا) خود محقق متکلم پونہ بن کر اخبار شحنہ ہند میں اور پرائیویٹ خطوں میں اور مجلسوں میں بیان کر چکے ہیں کہ تین کو چار کرنے والا یہی ہے اور یہی لڑکا موعود معلوم ہوتا ہے، اس لئے اب ہم کچھ عقل اور حیا سے کام لیں، اور کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ ہم نے جو اس لڑکے کو موعود سمجھا تھا، یہ ہمارا فہم و اجتہاد تھا۔ اس میں ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ مگر یہ امر مرزا قادیانی اور اس کے اتباع سے کیونکر ہو سکتا تھا۔ اپنے جھوٹ اور گناہ کا اقبال کرنا اور حق کو قبول کرنا تو موت سے زیادہ ان پر سخت و ناگوار ہے، لہذا انہوں نے الٹا اپنے معترضین کو الزام دیا اور چوبیس صفحہ کے رسالہ (اشتہار) مذکور کو اسی بیان کی تائید میں اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیا کہ ہم نے کب اور کہاں کہا تھا کہ یہ لڑکا ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا اشتہاری لڑکا ہے، اور یہ عمر پانے والا ہے۔

الغرض اس لڑکے کے مر جانے سے خدا تعالی نے مرزا صاحب کو جھوٹا کیا۔ تمام دنیا نے انہیں مفتری کہا مگر وہ جھوٹا ہونے میں نہیں آئے۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ اس لڑکے کے بعد دوسرا لڑکا مرزا صاحب کے گھر میں پیدا ہوا، تو اس کو بھی الہامی موعود سمجھا گیا تھا۔ روئیداد اشتہار مطبوعہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء جس کا عنوان ہے تکمیل تبلیغ، ملاحظہ ہو۔ اس اشتہار میں یوں لکھا ہے

> ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو اس عاجز کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے،،،، ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا کہ یہی مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے،،، لیکن میں جانتا ہوں کہ.... اگر ابھی اس موعود لڑکے کے پیدا ہونے کا وقت نہیں آیا تو دوسرے وقت میں وہ ظہور پذیر ہوگا۔ اور اگر مدت مقررہ سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدا تعالی اس دن کو ختم نہیں کرے گا جب تک وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کرے،،، تعجب نہیں کہ یہی لڑکا موعود ہوگا۔ ورنہ وہ دوسرے وقت آئے گا۔

(مجموعہ اشتہارات۔ جلد اول۔ ص ۱۶۱۔۱۶۲)

اور ۲۰، اپریل ۱۸۹۳ء کو تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔ اس کو بھی مولود موعود سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں لڑکوں کی نسبت بھی مرزا قادیانی اور اس کے غالی پیرو اور اندھے مقلد پرائیویٹ طور پر دو رخی باتیں کرتے رہے ہیں، جس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی لڑکا جیتا رہا، تو اسی کو موعود بنایا جائے گا (گو واقع میں ان میں سے ایک بھی موعود نہیں ہوسکتا۔ نہ یہ دونوں حمل اول سے قریب حمل سے پیدا ہوئے اور نہ یہ تین کو چار کرنے والے ہوسکتے ہیں۔ تین کو چار کرنے والہ تو وہی تھا جس کے پہلے دو بڑے لڑکے اور ایک لڑکی عصمت ہو چکے تھی۔ یہ تو چار کو پانچ یا چھ کو سات کرنے والے ہیں، کیونکہ بیچ میں ایک اور لڑکی پیدا ہو مرگئی ہے۔ اور بقیہ اوصاف اشتہار ۲۰ فروری سے بھی ان میں کوئی صفت پائی نہیں جاتی۔ محمد حسین) اور اگر یہ دونوں مر گئے تو یہ کہا جائے گا کہ ہم نے صاف طور پر ان کو موعود اشتہار ۲۰ فروری نہیں کہا تھا۔

اس تیسرے لڑکے کی نسبت ایک بات بھی قابل اظہار ہے، جو قادیانی کی دھوکہ بازیوں کی تازہ مثال ہے، کہ تحریر (بنام خاکسار محمد حسین) ۱۹، اپریل ۱۸۹۳ء کی پشت پر اس لڑکے کی نسبت قادیانی نے یہ عبارت درج کی ہے

۲۰۔ اپریل ۱۸۹۳ء سے چار مہینے پہلے صفحہ ۲۶۶ آئینہ کمالات اسلام میں بقید تاریخ شائع ہو چکا ہے کہ خدا تعالی نے ایک اور بیٹے کا اس عاجز سے وعدہ کیا ہے جو عنقریب پیدا ہوگا۔ اس پیش گوئی کے الفاظ یہ ہیں

سیو لد لک الولد زید نی منک الفضل ان نوری قریب ۔ یعنی عنقریب تیرے لڑکا پیدا ہوگا اور فضل تیرے نزدیک کیا جائے بے شک میرا نور قریب ہے۔

سو آج ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو وہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو خود اپنی زندگی کا اعتبار نہیں، چہ جائے کہ یقینی اور قطعی طور پر اشتہار دیوے کہ ضرور عنقریب اس کے گھر میں بیٹا ہوگا۔ خاص کر ایسا شخص جو اس پیش گوئی کو اپنے صدق کی علامت ٹھہراتا ہے اور تحدی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اب چاہیے کہ شیخ محمد حسین اس بات کا بھی جواب دیں کہ یہ پیشگوئی کیوں پوری ہوئی۔ کیا یہ استدراج ہے، یا نجوم ہے، یا اٹکل ہے؟ اور کیا سبب ہے کہ خدا تعالی بقول آپ کے ایک دجال کی ایسی پیش گوئیاں پوری کرتا ہے جن سے اس کی سچائی کی تصدیق ہوتی ہے۔

الراقم غلام احمد از قادیان

مولانا فرماتے ہیں کہ یہاں بھی مرزا قادیانی نے جھوٹ بولا اور

چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

کا مصداق بن کر دکھایا ہے۔ اس عبارت میں اس نے دو دعوی کئے ہیں۔

☆ ایک یہ کہ کتاب دافع الوساوس کے صفحہ ۲۶۶ میں وہ شائع کر چکا تھا کہ خدا تعالی نے اس کو ایک اور بیٹے کا وعدہ دیا ہے۔

☆ دوسرا یہ کہ اسی صفحہ میں اس کی مدت بقید تاریخ بتائی گئی تھی۔

اور یہ دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔ نہ مرزا صاحب نے دافع الوساوس کے صفحہ مذکور میں بیٹا پیدا ہونے کا وعدہ درج کیا ہے، نہ اس کی کوئی مدت بتائی۔ وہاں آپ نے یہ الہام نقل کیا ہے۔ سیو لد لک الولد جس کا ٹھیک ترجمہ صرف یہ ہے کہ تیرے یہاں بچہ ہوگا۔ جو عرب اور ہند کے محاورہ میں عام لفظ ہے اور بیٹا اور بیٹی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس ظالم ومفتری نے اس الہام کا ترجمہ بھی دافع الوساوس میں نہیں کیا، جو اس اشتہار میں کیا ہے۔ کرتا تو اس کا کچھ داؤ چل جاتا۔ اور میعاد یا تاریخ کا تو اس صفحہ یا کسی اور صفحہ میں نام و نشان نہیں، صفحہ ۲۶۳ دافع الوساوس میں جس تاریخ اور میعاد کا ذکر ہے اس کو تولد فرزند سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو مباہلہ قبول کرنے یا نہ کرنے کو مولویوں کے لئے میعاد بتائی گئی ہے

یہ دونوں جھوٹ برطبق دروغ گوئم برروئے تو بول کر مرزا قادیانی اس بچہ کو اپنے الہام کا نتیجہ اور اپنی صداقت کی دلیل بنا بیٹھا ہے۔ اور خاکسار محمد حسین سے یہ سوال کرتا ہے کہ اگر میں ولی اور سچا پیش گو نہیں، تو میری یہ پیش گوئی کیوں پوری ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ تم نے بیٹا پیدا ہونے کی پیش گوئی کی اور نہ خدا نے اس کی تصدیق کی۔ تم نے اپنی بیوی کا پانچ ماہ کا حمل دیکھا تو اس سے سمجھ لیا کہ تمہارے گھر میں کچھ (لڑکی یا لڑکا) پیدا ہوگا، پھر یہ الہام گھڑ لیا۔ تمام دنیا کے لوگ مسلمان، ہندو، اپنے گھروں میں حمل دیکھ کر ایسا ہی کہہ دیا کرتے ہیں اور امید رکھ لیتے ہیں کہ ہمارے گھر میں بچہ پیدا ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ اور لوگ تو صرف اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں، تم نے اس خیال کو عربی میں ادا کر کے خدا پر افتراء کیا۔ پھر یہ پیش گوئی ہوئی یا دروغ گوئی؟

اس لڑکے کی نسبت ہر شخص یہی کہے گا کہ وہ لڑکا معمولی طور پر پیدا ہوا، مگر تم نے اس کو جھوٹ بول کر الہامی بنا لیا۔ اور اس میں دو سفید جھوٹ کا ارتکاب کیا، مگر پھر بھی ممکن

نہیں کہ تم اپنے اس جھوٹ کو مانو۔ یا تمہارے غالی اتباع تمہارا جھوٹا ہونا تسلیم کریں۔

اب ہم اس مثال کو چھوڑ کر اصل الہام ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان الہاموں کے دعوی میں دو دفعہ تو مرزا قادیانی علی رؤس الاشہاد جھوٹا ہو چکا ہے۔

☆ ایک مرتبہ، لڑکی (عصمت) پیدا ہونے سے،

☆ دوسری دفعہ، بشیر کے مر جانے سے۔

☆ اور دو دفعہ پرائیوٹلی جھوٹا ہو چکا ہے، یعنی دوسری اور تیسری لڑکی کے شرائط اشتہار کے مطابق پیدا نہ ہونے سے۔

ومعہذا وہ اپنے حمقاء اتباع میں سچے کا سچا بنا بیٹھا ہے۔ اور اب نو برس کی میعاد بھی گذرنے والی ہے جس میں اس وقت صرف ایک سال اور نو مہینے باقی ہیں اور خدا برحق سے، جو ہمیشہ حق کا مؤید ہوتا ہے اور آخر باطل کو مضمحل اور باطل والوں کو ذلیل کرنے والا ہے، ہر مسلمان کو کامل امید ہے کہ اس عرصہ ایک سال نو ماہ میں وہ اس کذاب کو سچا نہ کرے گا اور اس کا جھوٹ ایسا ظاہر اور مبرہن کرے گا کہ اس سے اس کے اکثر دام افتادہ حمقاء بھی اس کے دام سے رہا ہو جائیں گے۔ اس بات پر ہر مسلمان کو ایسا یقین ہے جیسا کہ اسلام کے برحق ہونے پر یقین ہے (اور مولانا بٹالوی کی یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ اس پونے دو سال کے دوران مرزا صاحب کے ہاں کوئی موعود یا غیر موعود لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ اور مرزا صاحب کی ۱۸۸۶ء والی وہ پیش گوئی کہ نو سال کی مدت میں ان کے ہاں موعود لڑکا پیدا ہوگا کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔ بہا)

بایں ہمہ یہ ایسا شیر بہادر ہے کہ پھر بھی جھوٹا ہونے میں نہ آئے گا اور اپنے الہامات مذکورہ کے ایسے معانی اور تاویلات کرے گا جس سے وہ اپنے آپ کو بعض جاہلوں کی نظروں میں سچا بنائے رکھے۔ مثلاً

☆ میعاد نو سال کی نسبت یہ کہہ دے گا کہ اس سے قمری سال مراد ہیں نہ شمسی۔ بلکہ آسمانی اور روحانی سال مراد ہیں۔ جس کے معنے ہنوز ملہم نے مجھے نہیں بتائے، بلکہ ان الفاظ میں اس نے ابھی معنے نہیں ڈالے، وہ ان کے معنے سوچ رہا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ اس سے ایسی مدت مراد ہو جس کی میعاد ہنوز باقی ہو۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو،

☆ یا انہیں لڑکوں میں سے اگر وہ سب مر گئے، کسی کی نسبت یہ کہدے گا کہ صفات

اشتہار ۲۰ فروری اس معنی سے اس میں پائی جاتی تھیں کہ اس میں ان صفات کی استعداد اور قابلیت تھی۔ چنانچہ منحوس متوفی لڑکے کی نسبت اس نے سبز اوراق رسالہ مطبوعہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کے صفحہ ۷ میں کہدیا ہے کہ ہاں خدا تعالی نے بعض الہامات میں یہ ہم پر ظاہر کیا تھا کہ یہ لڑکا جو فوت ہو گیا ہے، ذاتی استعدادوں میں اعلی درجہ کا ہے اور دنیوی جذبات بکلی اس کی فطرت سے مسلوب اور دین کی چمک اس میں بھری ہوئی ہے اور روشن فطرت اور عالی گوہر اور صدیقی روح اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کا نام باران رحمت اور مبشر اور بشیر اور ید اللہ بجلال و جمال وغیرہ اسماء بھی ہیں۔ سو جو کچھ خدا تعالی نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اس کی صفات ظاہر کی یہ سب اس کی صفائی استعداد کے متعلق ہیں، جن کے لئے ظہور فی الخارج کوئی ضروری امر نہیں.

(اس تاویل کے علاوہ اس سبز رسالہ کے صفحہ ۱۷ و ۲۱ وغیرہ میں اس منحوس لڑکے کو الہامی بنانے کے لئے قادیانی نے ایسی تاویلیں کی ہیں کہ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ قادیانی روز روشن کی طرح جھوٹا ہو کر بھی کبھی جھوٹا نہ بنے گا۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ پیش گوئی ۲۰ فروی ۱۸۸۶ء میں اس لڑکے کی نسبت لفظ مہمان اور پاک کہکر یہ جتایا گیا ہے کہ وہ لڑکا لڑکپن میں فوت ہو جائے گا،

☆ لہذا اس کے فوت ہونے سے وہ پیش گوئی پوری ہوئی نہ کہ جھوٹ۔

☆ اور وہ لڑکا روحانی طور پر موجب نزول رحمت ہوا۔

اس تاویل پر جو بنظر ظاہری الفاظ پیش گوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ اس لڑکے کو پیش گوئی مذکور میں صاحب شوکت و دولت و برکت وغیرہ کہا گیا ہے، پھر اس لفظ مہمان اور پاک کہکر فوت ہو جانا جتانا کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا ہے کہ

اس پیش گوئی کے دو حصوں میں دو لڑکوں کی خبر دی گئی ہے۔ پہلے حصہ میں جس میں الفاظ مہمان اور پاک وغیرہ ہیں، فوت ہونے والے لڑکے کی خبر ہے۔

دوسرے حصہ میں جو لفظ مبارک سے شروع ہوتا ہے دوسرے لڑکے کی بشارت ہے جو صفات مذکورہ سے موصوف ہو گا

اور کہا کہ یہ امر (تفصیل اور تقسیم مذکور) الہام کے ذریعہ سے کھل گیا ہے۔ ناظرین غور کرو اور انصاف کو کام میں لاؤ کہ الہام ۱۸۸۶ء کی تفصیل کی بابت الہام مرزا قادیانی کو تب ہوا جب ۱۸۸۸ء میں وہ لڑکا فوت ہو گیا، اور اس الہام کا کذب ظاہر ہو کر مرزا قادیانی کی ذلت وخواری اور رسوائی کا موجب ظاہر ہوا، جس سے

یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ وہ الہام خدا تعالی کی طرف سے نہیں ۔ اس کا ملہم شیطان ہے جو خبیث اور ناپاک فہم مرزا قادیانی کو ذلیل کر رہا ہے۔

☆ ۱۸۸۶ء میں ایک بات کہکر اور اسکے ظاہری مضمون کا یقین دلا کر اور مدعی بنا کر اسکو ذلیل کیا۔

☆ پھر ۱۸۸۸ء میں اس کے دوسرے معنی بتا کر دوبارہ دشمنوں سے اس کو ذلیل کرایا۔

چونکہ مرزا قادیانی کی حس ماری گئی ہے، حیا اور شرم اس سے بالکل مسلوب ہوگئی ہے، لہذا وہ اس بات کو نہیں سمجھتا۔ جو کچھ شیطان اس کو سکھاتا ہے وہ فوراً اس کا اشتہار کر دیتا ہے۔

اس سبز رسالہ اور دیگر اشتہارات متعلقہ پیشگوئی مذکور میں اور بھی عجائبات ہیں مگر ان کے بیان واظہار کے لئے نہ وقت ہے نہ یہاں اس کی گنجائش۔ محمد حسین)

☆ یا یہ کہدیگا کہ ان صفات میں سے بعض صفات ، جیسے صاحب شوکت و دولت ہونا، کا ظہور قیامت کو ہوگا اور اسیروں کی رہائی پانے سے یہ مراد ہے کہ وہ مر گئے اور ان کی خادم عورتوں کی خدمت سے چھٹی ہوئی ۔ اسی قسم کی وہ اور تاویلیں سنائے گا اور کبھی جھوٹا ہونے میں نہ آئے گا۔

اس الہام ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی ایک اور تازہ نظیر اور آپ کی دھوکہ بازی اور افترا پردازی کی تیسری مثال مرزا کا وہ الہام ہے جو اس عاجز (محمد حسین) کے عذاب میعادی چالیس روز کی نسبت قادیانی کو ۲۹ شعبان کو ہوا تھا جس کو وساوس کے صفحہ ۶۰۴ میں بالفاظ و عبارت ذیل قادیانی نے بیان کیا ہے

> . چند ماہ کا عرصہ ہوا جس کی تاریخ مجھے یاد نہیں کہ ایک مضمون میں نے میاں محمد حسین کا دیکھا جس میں میری نسبت لکھا ہوا تھا کہ یہ شخص کذاب اور دجال اور بے ایمان اور بایں ہمہ سخت نادان اور جاہل اور علوم دینیہ سے بے خبر ہے ،تب میں جناب الہی میں رویا کہ میری مدد کر۔ تو اس دعا کے بعد الہام ہوا کہ ادعونی استجب لکم یعنی دعا کر میں قبول کروں گا۔مگر میں بالطبع نافر تھا کہ کسی کے عذاب کیلئے دعا کروں ۔ آج جو ۲۹ شعبان ۱۳۱۰ھ ہے۔اس مضمون لکھنے کے وقت خدا تعالی نے دعا کے لئے دل کھول دیا سو میں نے اس وقت اسی طرح رقت دل سے اس مقابلہ میں فتح پانے کے لئے دعا کی اور میرا دل کھل گیا اور میں جانتا ہوں کہ قبول ہوگئی۔اور میں جانتا ہوں کہ وہ الہام جو مجھ کو میاں بٹالوی کی نسبت ہوا تھا کہ انی مھین من اراد اہانتک وہ اسی

موقع کیلیئے ہوا تھا یعنی اس مقابلہ کے لئے چالیس دن کا عرصہ ٹھہرا کر دعا کی ہے اور وہی عرصہ میری زبان پر جاری ہوا۔

مولانا بٹالوی لکھتے ہیں

ناظرین آج ۱۳ شوال مطابق ۳۰۔ اپریل ۱۸۹۳ء ہے جس میں میعاد مقررہ قادیانی سے تین دن بڑھ گئے ہیں۔ مگر میں اس وقت تحریر تک خدا کے فضل و انعام کا مورد ہوں۔ میری صحت اچھی ہے، قوی سالم ہیں، اولاد میں مرزا قادیانی سے بڑھ کر ہوں، جائز آمدنی مرزا قادیانی کی نسبت زیادہ رکھتا ہوں، گو ناجائز آمدنی اس کی زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی نظروں اور ان غیر اقوام کے اعیان کی نظروں میں، جن کو مرزا قادیانی سے تعلق نہیں میری خداداد عزت کو ترقی ہے۔ باقیات صالحات کے لئے توفیق رفیق ہے، اگر خدا ان کو قبول کرے تو میری نجات کے لئے کافی ہیں۔ آج کل میں اکثر چھ بجے صبح سے پانچ یا چھ بجے شام تک نصرت دین سید المرسلین اور رد کفریات کے لئے ایسی توفیق دیا جاتا ہوں کہ اس سے پہلے کبھی ایسی توفیق عطا ہونی یاد نہیں۔ الغرض ان چالیس دنوں میں مجھے کسی قسم کی مصیبت نہیں پہنچی۔ ہر طرح کی فرحت، صحت، عافیت و توفیق شامل رہی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے صاف ثابت ہے کہ مرزا قادیانی کا وہ الہام سراسر کذب و بہتان و فریب ہے، مگر پھر بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کو جھوٹ مانے اور اپنا جھوٹا ہونا تسلیم کرے۔ وہ اپنے مریدوں کو یہ کہے گا اور غالباً کہتا ہوگا کہ اس عذاب واہانت سے یہ مراد ہے کہ محمد حسین نے اب تک میرے سوال کا جواب چھاپ کر نہیں بھیجا، یا یہ کہہ دے گا کہ اس عذاب سے روحانی عذاب مراد ہے جس کا ظہور قیامت کو ہوگا، یا کسی سے یہ سن کر کہ اس کی اولاد میں سے کسی کو بخار ہو گیا تھا، کسی کو زکام، یا یہ سن کر کہ ماہ رمضان میں اس کو بھوک اور پیاس بہت لگتی تھی، یہ کہدے گا کہ یہی عذاب ہے جس کا اس الہام میں وعدہ دیا گیا تھا۔

الغرض اس الہام میں مرزا قادیانی جھوٹا ہو چکا ہے۔ ایک گروہ دنیا کا جو خاکسار کے حالات سے واقف ہے، اس کو جھوٹا کہے گا۔ مگر وہ اپنا جھوٹا ہونا قبول نہ کرے گا۔ اور نہ اس کے حمقاء اتباع اس الہام میں اس کو جھوٹا سمجھیں گے۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے جھوٹ اور فریب کے بھرے ہوئے اور معہذا اسے سچا بنانے والے الہامات قادیانی اور بہت ہیں جن سب کا بالاستیعاب ذکر کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے، اور بہت سا وقت۔ انہیں الہامات کو دیکھ کر اے حضرات ناظرین اور حق کے طالبین، خاکسار نے اشاعت الہام منذر مذکور کو اشاعۃ السنہ میں محدود کیا اور قبل از اشاعت اس کے الفاظ و قیود کو دیکھ لینا اور اس کے معنے کی شرح اسی سے کرا لینا ضروری سمجھا ہے۔ اور اگر قبل از ملاحظہ و تحقیق الفاظ و تعین مراد اس کو اس الہام کے چھاپنے کی غیر محدود اجازت دی جائے تو اس سے عام مسلمانوں میں وہی فتنہ پھیلے گا جو پہلے الہامات سے پھیل رہا ہے۔ انہی عوام اہل اسلام کے بہک جانے کا مجھے اس الہام کی عام اجازت اشاعت دینے سے خوف واندیشہ ہے۔ اپنی ذات کیلئے تو مجھے اس کا اتنا بھی خوف واندیشہ نہیں ہے جتنا شیر کو مچھر کے کاٹنے کا خوف ہوسکتا ہو۔ مرزا غلام احمد قادیانی جو عدم اجازت عام سے میرا اپنی ذات کیلئے خوف نکالتا اور اپنے دام افتادہ حمقاء کو اس کا یقین دلاتا ہے تو اس کی وقاحت اور اس کے اتباع کی حماقت ہے۔ میں اپنی ذات کے لئے اس سے کچھ خوف رکھتا تو پھر اس کا پیرو کیوں نہ ہو جاتا؟ اور اس کو کافر و زندیق سمجھ کر رات دن اس کے تعاقب میں کیوں مصروف رہتا؟



عربی تفسیر

مولانا بٹالوی (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵صفحات ۱۸۹ تا ۱۹۲ میں) بتاتے ہیں کہ بالمقابل تفسیر لکھنے کی درخواست دافع الوساوس کے صفحہ ۶۰۲ میں مرزا قادیانی نے کی ہے۔اس کو ہم اسی کے الفاظ وعبارت سے نقل کرتے ہیں ۔ اپنی طرف سے صرف اس کی شروط و قیود پر نمبرلگاتے ہیں۔قادیانی صاحب کہتے ہیں

اس فیصلہ کے لئے احسن انتظام یوں ہوسکتا ہے کہ ایک مختصر جلسہ ہوکر

۱۔منصفان تجویز کردہ اس جلسہ کے لئے چند سورتیں قرآن کریم کی

۲۔ جن کی عبات ۸۰ آیت سے کم نہ ہو،تفسیر کے لئے منتخب کر کے پیش کریں۔ اور

۳۔ پھر بذریعہ قرعہ اندازی ایک سورت ان میں سے نکال کراسی کی تفسیر معیار امتحان ٹھہرائی جاوے ۔ اور

۴۔اس تفسیر کے لئے یہ امر لازمی ٹھہرایا جائے کہ بلیغ فصیح زبان عربی اور مقفی عبارت میں قلم بند ہو ۔ اور

۵۔ وہ دس جزء سے کم نہ ہو ۔اور

۶۔جس قدراس میں حقائق ومعارف لکھے جائیں وہ نقل عبارت کی طرح نہ ہوں بلکہ معارف جدیدہ اور لطائف غریبہ ہوں جوکسی دوسری کتاب میں پائے نہ جائیں ۔ اور

۷۔ وہ بایں ہمہ اصل تعلیم قرآنی سے مخالف نہ ہوں ۔ بلکہ ان کی قوت اورشوکت ظاہر کرنے والے ہوں ۔اور

۸۔کتاب کے اخیر میں سوشعر لطیف بلیغ اور فصیح عربی میں نعت اور مدح آنخضرت ﷺ میں بطور قصیدہ درج ہوں ۔اور

۹۔ جس بحر میں وہ شعر ہوں وہ بحر بھی بطور قرعہ اندازی کے اسی جلسہ میں تجویز کیا

جائے۔اور

۱۰۔ فریقین کواس کام کے لئے چالیس دن کی مہلت دی جائے°

(یہ دس شرطیں ہیں نہ کہ تین، جیسا کہ قادیانی نے ۱۹۔اپریل ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں کہا ہے)۔

اوراس مقابلے کا طریق مرزا صاحب نے بایں الفاظ بیان کیا۔

اور چالیس دن کے بعد جلسہ عام میں فریقین اپنی اپنی تفسیر اور اپنے اپنے اشعار جو عربی میں ہوں گے، سناویں۔ پھر اگر یہ عاجز شیخ محمد حسین بٹالوی سے حقائق اور معارف کے بیان کرنے اور عبارت عربی فصیح و بلیغ اور اشعار آبدار مدحیہ کے لکھنے میں قاصر اور کم درجہ پر رہا تو اسی وقت یہ عاجز اپنی خطا کا اقرار کرے گا اور اپنی کتابیں جلا دے گا۔اور شیخ محمد حسین کا حق ہوگا کہ اس وقت اس عاجز کے گلے میں رسہ ڈال کر یہ کہے کہ اے کذاب، اے دجال، اے مفتری آج تیری رسوائی ظاہر ہوئی۔اب کہاں ہے جس کو تو کہتا تھا کہ میرا مددگار ہے۔اب تیرا الہام کہاں ہے اور تیرے خوارق کہاں چھپ گئے۔لیکن اگر یہ عاجز غالب ہوا تو پھر چاہیے کہ میاں محمد حسین اسی مجلس میں کھڑے ہوکر ان الفاظ سے توبہ کرے کہ اے حاضرین آج میری روسیاہی ایسی کھل گئی کہ جیسا آفتاب کے نکلنے سے دن کھل جاتا ہے اور اب ثابت ہوا کہ یہ شخص حق پر ہے اور میں ہی دجال تھا، اور میں ہی کذاب تھا، اور میں ہی کافر تھا، اور میں ہی بے دین تھا اور اب میں توبہ کرتا ہوں سب گواہ رہیں۔ بعد اس کے اسی مجلس میں اپنی کتابیں جلا دے اور ادنی خادموں کی طرح پیچھے ہولے۔ شیخ بٹالوی کو اختیار ہوگا کہ میاں شیخ الکل اور دوسرے تمام متکبر ملاؤں کو ساتھ ملالے۔

المشتہر۔مرزا غلام احمد قادیانی ۳۰ مارچ ۱۸۹۳ء (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۳۸۱۔۳۸۲)

جواب درخواست

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں کہ یہ درخواست کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مرزا صاحب پہلے بھی اپنے آسمانی فیصلہ کے صفحہ ۱۲ میں یہ درخواست کر چکے ہیں اور اس کا دندان شکن جواب ہم نے فیصلہ آسمانی میں بصفحہ ۲۷ وغیرہ نمبر ا جلد ۱۴ اشاعۃ السنۃ میں دے دیا تھا۔اور

چونکہ مرزا قادیانی کو ایسے معتقد اور اس کی تصانیف کے ایسے ناظر مل گئے ہیں جو علم وفہم سے محض کورے ہیں، وہ اس کے نئے رنگوں (جو گرگٹ کی طرح وہ بدلتا ہے) کو پہچان نہیں سکتے اور یہ نہیں جانتے کہ یہ تو وہی پرانا ڈھکوسلہ ہے جو وہ آسمانی فیصلہ کے صفحہ ۱۲ میں دکھا چکا ہے اور اس کا جواب بھی اس کو کافی وشافی مل چکا ہے، لہذا اس نئے پیرایہ اور نئے رنگ کا جواب اسی کے رنگ اور پیرایہ میں دیا جاتا ہے ۔ اور وہ یہ ہے۔

قادیانی صاحب میں آپ کے مقابلہ میں عربی میں تفسیر قرآن لکھنے کو حاضر ہوں ، حاضر ہوں، حاضر ہوں ۔ جب چاہیں اور جس مقام میں (بجز قادیان، جس کی وجہ بیان ہو چکی ہے) لاہور میں خواہ بٹالہ میں چاہیں مجھے بلالیں ۔ میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور چونکہ آپ ہی اس مقابلہ کے مدعی بنے ہیں، لہذا آپ ہی پر اس مجلس کا اہتمام و انتظام واجب ہے، آپ شوق سے انعقاد مجلس کا اہتمام کریں اور مجھے جلد بلاویں اور اگر آپ نے پسند کیا یا اکثر ارکان مجلس نے پسند کرلیا تو اسی مجلس میں پہلے آپ کی سابق تحریرات عربی، خصوصاً خطبہ دافع الوساوس کو جس پر آپ کو اور آپ کے تمام احباب کو بڑا ناز ہے، پیش کیا جائے گا ۔ اور ایسا ہی آپ کے سابق بیان کردہ اسرار و معارف وحقائق قرآن کو جو آپ نے رسالہ فتح اسلام، توضیح مرام اور دافع الوساوس میں بیان کئے ہیں، اسی مجلس علماء میں پیش کیا جاوے گا ۔ ان عبارات کی کریہہ عربی کو سن کر اگر حاضرین بامذاق کو متلی شروع ہوگئی اور میرے بیان سے اور بھی ان عبارات میں آپ کی غلطیاں صرفی ونحوی وادبی ثابت ہوگئیں اور آپ کے سابق اسرار وحقائق کا کفر والحاد ہونا ثابت ہو گیا، تو پھر آپ کو دوبارہ امتحان دینے کے لئے عبارت آرائی اور حقائق فرمائی کی تکلیف اٹھانے اور چالیس روز تک اس تکلیف کے لئے کسی جگہ مقید رہنے کی حاجت نہ رہے گی، اور آپ کی حقیقت کس وناکس کو معلوم ہو جاوے گی ۔ اور اگر اس مجلس میں آپ کی سابق عربی واقعی اور صحیح بن گئی اور آپ کے اسرار وحقائق کی حقانیت ثابت ہوگئی تو پھر میں آپ کے مقابلہ میں عربی تفسیر لکھونگا یا (اگر آپ کی سابق عربی دانی اور اسرار بیانی کی ہیبت دل پر پڑ گئی تو) میں آپ کے مقابلہ سے عاجز ہوکر آپ کو اسی مجلس میں بڑا عالم عربیت، ادیب اور نکتہ رس، حقیقت شناس مان لوں گا اور آپ کو جاہل سمجھنے میں غلطی کا اقرار کرونگا۔

اب آپ اس مجلس کے انتظام واہتمام میں توقف نہ کریں اور نہ اب کوئی عذر و چوں چرا انعقاد مجلس میں عمل میں لاویں۔ اور اگر میری گذارش مذکور میں آپ کو کچھ عذر ہوتو اس عذر کو اسی مجلس میں پیش کریں، اور اسی مجلس کے تصفیہ پر راضی ہو جائیں۔ جیسا کہ خاکسار اس گذارش کی منظوری و عدم منظوری کی بابت اسی مجلس کے غلبہ رائے پر راضی ہو گیا ہے۔ مجلس سے پہلے اس عذر کو بذریعہ تحریر پیش کر کے ایک اور نئی تحریری بحث شروع نہ کر دیں۔ جس سے مطلب اور مقصود دور پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آپ کی کسی شرط میں بالفعل گفتگو نہیں کی، حالانکہ بہت سی شروط ان میں محل کلام ہیں۔ اس کلام نہ کرنے سے مجھے یہی خوف مانع ہوا ہے کہ مبادا شروط میں بحث شروع ہو کر دور جا پڑے اور اصل مطلب ہاتھ سے جاتا رہے۔ اسی مجلس میں جو شرط محل کلام ہوگی اس کو پیش کر کے اس کا حاضرین سے فیصلہ کرایا جاوے گا۔

ایک یہ گذارش بھی نامناسب نہیں ہے اور امید ہے کہ ہر ایک صاحب انصاف و بصیرت اس کو پسند کرے گا کہ اس مجلس کے ارکان خصوصاً حضرات منصفین عربی علوم سے ماہر ہوں اور دین کے پابند اور علوم دین سے باخبر۔ صرف نیچری یا صرف مغربی علوم انگریزی وغیرہ کے مولوی ارکان مجلس اور منصف نہ ہوں۔ ایسے لوگ ارکان و منصف ہوں گے تو وہ انصاف وموازنہ نہ کیا کریں گے۔ ایسے لوگ تو حق کو ناحق کریں گے اور راست رو کو جھوٹا کریں گے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

اذا کان الغراب دلیل قوم سیہدیھم طریق الہالکینا

اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے خطاب میں اس درخواست کے متعلق صرف اسی قدر گذارش کرنا تھا۔ ذیل میں اپنے ناظرین اور مرزا صاحب کے اتباع میں بعض حق کے طالبین کی خدمت میں کچھ گذارش کیا جاتا ہے۔

حضرات آپ جانتے ہیں یہ درخواست مرزا قادیانی کی کیسی ہے؟ اور کیوں مجھ سے یہ درخواست کی گئی ہے؟ آپ پر روشن ہے کہ یہ درخواست ہمارے ان سوالات کے جواب میں پیش ہوئی ہے جو ہم نے پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی کے متعلق اپنی مراسلت مورخہ ۹ جنوری ۱۸۹۳ء میں مرزا قادیانی پر کیئے تھے۔ ان سوالات کا جواب بن نہ پڑا تو ان کے مقابلہ میں یہ دعوی کیا کہ آؤ ہم سے عربی میں اور شاعری میں مقابلہ کرلو۔

اس کے جواب میں ادب سے عرض ہے کہ اس مقابلہ کے لئے بھی حاضر ہیں۔ مگر آپ پہلے میرے ان سوالات کا جواب تو دیں۔ مثلاً

☆ اگر آپ نجوم رمل جفر مسمریزم نہیں جانتے اور ان لوگوں سے، جن کا ان سوالات میں ذکر ہوا ہے، آپ کچھ نہیں سیکھے، تو صاف انکار کریں۔ اور پھر ان اعتراضات کا جواب دیں جو اس کار پر وارد ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ اور اگر جانتے ہیں تو صاف اقبال کر کے یہ مان لیں کہ اس حالت میں آپ کی اس پیش گوئی کا الہامی ہونا متعین و متیقن نہیں رہتا۔

اسی طرح جملہ سوالات کے جواب دے کر ان نتائج و اعتراضات کو جو ان جوابات سے پیدا ہوتے ہیں، قبول کریں، یا ان کا جواب دیں۔ اور اگر آپ ان سوالات کے جواب سے عاجز ہیں اور اس پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی کا الہامی ہونا ثابت نہیں کر سکتے تو اس امر کا صاف اقرار کریں اور اس پیش گوئی کو واپس لیں۔ اس کے بعد بالمقابلہ عربی میں تفسیر لکھنے کو اپنے ملہم و مئوید ہونے کی دلیل بنا دیں۔ یا کوئی اور دلیل اپنے الہامی اور مئوید من اللہ ہونے کی پیش کریں۔

اس کے کیا معنی اور کیا وجہ کہ جس پیشگوئی کے الہامی ہونے میں پہلے بحث درپیش ہے اور اس پر ہم نے جو سوالات کئے ہیں، ان کو بلا جواب چھوڑ کر آپ بحث کو دوسری طرف لے جاتے ہیں؟

مولانا فرماتے ہیں کہ مرزا صاح کی اس درخواست کی وجہ اور حقیقت ناظرین کو معلوم ہوئی تو اب ان کو معلوم ہو کہ منجملہ ہمارے ۸۵ سوالات جرح درباره پیش گوئی محمدی بیگم و موت مرزا احمد بیگ، صرف ایک سوال کا قطعی جواب مرزا صاحب نے دیا ہے اور چار سوالات کے جواب میں صرف روباہ بازی سے کام لیا ہے۔ مرزا صاحب کے جوابات مع ہمارے تبصرہ کے، ذیل میں نذر قارئین کئے جاتے ہیں۔



جواب جرح

مولانا بٹالوی (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ صفحات ۱۹۳ تا ۱۹۹ میں) بتاتے ہیں کہ محمدی بیگم والی پیش گوئی پر ہمارے سوالات جرح میں سے مرزا صاحب نے صرف ایک سوال (نمبر ۲۴) کا قطعی جواب دیا ہے جو دافع الوساوس کے صفحہ ۶۰۱ میں درج ہے کہ

. میں (مرزا) نے آپ کی نسبت باون سال کی عمر کو پہونچ کر فوت ہونے کی پیش گوئی ہرگز نہیں کی .

اس جواب کے ساتھ مرزا صاحب نے ہمیں دو گالیاں بھی سنا دی ہیں۔ گالیوں سے قطع نظر کر کے ہم مرزا صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ لاہور میں ایک مجلس میں آنا منظور کریں۔ اس میں آپ کے ان چھپے حواریوں کے، جو یہ پیش گوئی آپ کی طرف سے ظاہر کر چکے ہیں، اظہار و بیان پر ثقات کی شہادت کو پیش کیا جائے گا۔ وہ شہادت سچی اور شرعاً معتبر ثابت ہوئی تو آپ پر جھوٹ کا الزام قائم ہو جائے گا یا آپکے ان حواریوں پر۔ بہر حال ہمارا جھوٹا کہیں نہ جائے گا۔ آپ بنیں یا آپ کا کوئی حواری۔

بشق دوم آپ کا ان حواریوں سے بے زار ہونا آپ کے دعوی ولایت و مسیحائیت و مجددیت کو بٹہ لگائے گا۔

اس کے بعد مولانا بٹالوی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جن چار سوالات کا غیر صریح جواب دیا ہے ان میں سوال نمبر ۶ اور ۷ شامل ہیں۔

☆ نمبر ۶ کے جواب میں دافع الوساوس کے صفحہ ۶۰۰ میں مرزا صاحب نے کہا ہے کہ اس سوال سے معترض نادان کی یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ گویا اس عاجز کی کوئی پیشگوئی

خلاف واقعہ نکلی ہے۔ پس واضح ہو کہ یہ فیصلہ تو آسان ہے، معترض پر واجب ہے کہ ایک جلسہ مقرر کر کے وہ الہام اس عاجز کا پیش کرے جو بقول اسکے نفس الہام میں غلطی ہو۔

☆ سوال نمبر ۷ کے جواب میں مرزا قادیانی نے کہا ہے کہ

اے محجوب نادان (محمد حسین) اس عاجز کی کوئی پیشگوئی آج تک جھوٹی نہیں نکلی بلکہ تین ہزار کے قریب اب تک سچی نکلی ہیں۔

مولا بٹالوی مرزا صاحب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

ازیں چہ بہتر؟ آپ جلسہ میں تشریف لانا منظور کریں تو روز کا جھگڑا طے نہ ہو جائے۔ مرزا صاحب، جلسہ میں آنا تو آپ کے لئے موت سے بدتر ہے، کیونکہ اس میں آپ کی قلعی کھلتی ہے۔ جب ادھر سے جلسہ کے لئے بلایا جائے گا تو آپ ایسی شروط پیش کریں گے جن سے انعقاد جلسہ دشوار بلکہ محال ہو جائے۔ یہ بات سچ نہیں تو آپ منظوری حاضری جلسہ سے اطلاع دیں۔ پھر مقام و تاریخ مقرر کر کے آپ کو بلایا جائے گا اور اس جلسہ میں ثابت کیا جائے گا کہ تین ہزار کجا، تین بلکہ ایک بھی پیش گوئی آپ کی الہامی اور سچی نہیں۔ جو پیش گوئی آپ نے اس وقت تک کی ہے اس میں کذب اور فریب اور دھوکہ بازی سے کام لیا ہے۔ اس امر کی تصدیق ہمارے ناظرین کو ہمارے اس کلام سے ہو جاوے گی جو آپ کی چند پیش گوئیوں کی نسبت ہم کر چکے ہیں۔

اس چیلنج کے بعد مولانا بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ہماری جرح کے سوال نمبر ۸ کا جواب بھی دیا ہے جس کا تعلق سوال نمبر ۴۴ سے ہے، اور صفحہ ۶۰۰ دافع الوساوس میں کہا ہے

آپ جیسے نابکار مفتریوں نے انبیاء پر بھی الزام لگائے تھے۔ حضرت ابراہیم پر جھوٹ کی تہمت اور حضرت موسے و حضرت عیسے پر مال حرام کی۔

اور اس سے پہلے صفحہ ۵۹۷ دافع الوساوس میں اس کی تشریح یوں کی ہے۔

یاد رہے کہ اکثر ایسے اسرار دقیقہ بصورت اقوال یا افعال انبیاء ظہور میں آتے رہے ہیں کہ جو نادانوں کی نظر میں سخت بے ہودہ اور شرم ناک کام تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کا مصریوں کے برتن اور پارچات مانگ کر لے جانا اور پھر اپنے مصرف میں لانا۔ اور

حضرت مسیح کا کسی فاحشہ کے گھر میں چلے جانا اور اس کا عطر پیش کردہ، جو حلال وجہ سے نہیں تھا، استعمال کرنا اور اس کے لگانے سے روک نہ دینا ۔ اور حضرت ابراہیم کا تین مرتبہ ایسے طور پر کلام کرنا جو بظاہر دروغ گوئی میں داخل تھا ۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس تشریح سے مرزا قادیانی نے یہ جتایا ہے کہ اللہ دیا نامی تائب طوائف کا مال اس نے لیا تھا تو وہ بھی اسی قسم سے تھا جو بظاہر نادانوں کی نظر میں ناجائز اور برا تھا مگر درحقیقت اس میں دقیق سرّ (بھید) تھا جیسے حضرت عیسے کے عطر مذکور کو استعمال کرنے میں سرّ (بھید) تھا۔ پھر اس سرّ (بھید) کی تشریح میں اپنے دافع الوساوس کے صفحہ ۱۰۶ میں آپ نے ایک اصول بیان کیا اور کہا

. دراصل حقیقت یہ ہے کہ تمام حقوق پر خدا تعالی کا حق غالب ہے اور ہر ایک جسم اور روح اور مال اسی کی ملک ہے ۔ پھر جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے تو اس کی ملک اصل مالک کی طرف عود کرتی ہے ۔ پھر اس مالک حقیقی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا توسط رسل نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض عدم میں پہنچا دے ۔ اور یا کسی رسول کے واسطہ سے یہ قہری تجلی نازل فرماوے، بات ایک ہی ہے اسی طرح خضر کے کاموں کے مانند (خضر کا ایک نابالغ لڑکے کو مادینا، یا ایک کشتی کی تختی اکھاڑ دینا۔محمد حسین) ہزاروں امور ہوتے ہیں جو انبیاء اور محدثین پر ان کی خوبی ظاہر کی جاتی ہے اور وہ ان کاموں کے لئے مامور کئے جاتے ہیں ۔ اور ان کے کاموں میں جو لوگ عجلت سے مخالفانہ دخل دیتے ہیں، وہی ہیں جو ہلاک ہوتے ہیں ۔

مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم وحضرت موسی علیہما السلام کے قول و فعل سے تو مرزا قادیانی کے فعل استعمال مال حرام کو کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں ۔ قادیانی کے استعمال مال حرام کے جواز کی کوئی وجہ نہیں بنتی ۔ اور حضرت ابراہیم وحضرت موسی کے قول وفعل کے راست و درست ہونے کے وجوہات ظاہر ہیں ۔

حضرت ابراہیم نے جو تین باتیں کہی تھیں ان کے حقائق ومحامل صحیحہ موجود ہیں لہذا وہ حق اور درست ہیں، گو ناواقف کی نظر میں بحسب ظاہر جھوٹ معلوم ہوتے ہیں ۔

(حضرت ابراہیم نے فرمایا تھا کہ

ا ۔ ان بتوں کو ان کے بڑے نے توڑا ہے ۔یعنی وہی اس کا سبب ہوا۔اس نے مجھے غصہ میں ڈالا تو میں نے

اس سبب سے اس کو توڑا ۔ یا یہ کہ تمہارے خیال میں یہ کچھ کر سکتا ہے تو اس نے توڑا ہے ۔ یا یہ کہ اگر یہ بولتے ہیں تو اس نے توڑا ہے۔ وعلی ہذا القیاس،

۲۔ ، میں بیمار ہو جاؤں گا ، یعنی تمارے میلے میں جانے سے گناہ کی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

۳۔ سارہ میری بہن ہے ۔یعنی دین اور ایمان میں بہن ہے ۔محمد حسین)

اور حضرت موسیٰ کا مصریوں کے برتن مستعار لے کر کام میں لانا، اس وجہ سے تھا کہ مصری، حضرت موسیٰ کے حربی تھے اور حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو سخت تکلیف پہنچاتے تھے ۔ بناءً علیہ ایسے حربیوں اور موذیوں کا مال حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کیلئے مباح تھا، جس جائز ذریعہ سے وہ چاہتے، لے سکتے تھے۔

لہذا ان دونوں حضرات کے ان اقوال و افعال کی دست آویز سے آپ (مرزا) کا اپنے فعل کو جائز کرنا اور اس کو اپنی نظیر قرار دینا مسلمانوں کو ایک صاف دھوکہ دینا ہے ۔ ہاں حضرت مسیح کے فعل کی وہ صورت جو آپ نے بیان کی ہے وہ صورت آپ کے فعل سے ملتی اور مشابہت رکھتی ہے مگر اس صورت کے بیان میں بھی آپ نے کذب سے کام لیا ہے۔ پھر اس سے استدلال کر کے اپنے فعل کو صحیح کرنے سے ان کو سخت دھوکہ دیا ہے اور درحقیقت نہ وہ صورت، واقعی صورت ہے اور نہ وہ آپ کے فعل کے جواز پر شرعی دلیل ہو سکتی ہے جس کی تفصیل وجوہات ذیل سے کی جاتی ہے۔

اول ۔ اناجیل اربعہ میں جو قصہ عطر بیان ہوا ہے اس میں یہ تصریح یا اشارہ کہیں پایا نہیں جاتا کہ جس عورت نے وہ عطر حضرت مسیح کو لگایا تھا، وہ فاحشہ یعنی رنڈی یا کنچنی تھی، اور اس کی ساری کمائی حرام کی تھی۔ یا خاص کر وہ عطر مال حرام سے تھا، جیسا کہ مرزا قادیانی نے دعوی کیا اور اس میں افتراء سے کام لیا ہے۔

انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ جس وقت یسوع ،شمعون کوڑھی کے گھر میں تھا ایک عورت سنگ مرمر کے عطردان میں قیمتی عطر اسکے پاس لائی جب وہ کھانے بیٹھا اس پر ڈالا

ایسا ہی انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں ہے ۔ اس کو صرف ایک عورت کہا گیا ہے اس کو فاحشہ اور اس کے مال کو حرام نہیں کہا گیا۔

انجیل لوقا کے باب ۷ آیت ۳۶ میں اس کو گناہ گار کہا گیا ہے ۔جس کے اطلاق

سے انجیل کی رو سے کوئی بشر خالی نہیں، زنا کار یا حرام کی کمائی والی اس میں بھی نہیں کہا گیا۔

انجیل یوحنا میں اس عورت کا نام مریم بتایا گیا ہے جو حضرت مسیح کی ایک شاگرد کا نام ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاحشہ نہ تھی (کیونکہ حضرت مسیح کی شاگرد عورت کا فاحشہ ہونا عادۃً ناممکن ہے۔محمد حسین) جس کا پیشہ حرام کاری اور اسکا مال زنا کی کمائی ہو۔

مرزا قادیانی نے اس عورت کو فاحشہ اور اس کے عطر کو حرام کی کمائی لکھنے میں افتراء سے کام نہیں لیا تو پہلے اس بیان کی سند بتاوے پھر اس صورت کو اپنے فعل کی نظیر بنائے

وجہ دوم۔ یہ کہ فرض کیا اور مان لیا کہ کسی انجیل میں (جو شائد قادیان میں نازل ہوئی ہو جیسا کہ قادیان میں قرآن نازل ہوا جس کے حق میں انا انزلناہ قریباً من القادیان وارد ہے) اس عورت کو فاحشہ اور اس کی تمام کمائی یا خاص کر اس عطر کو مال حرام کہا ہو، تو پھر بھی اس انجیل کا ایسا بیان جس کی تصدیق قرآن اور حدیث میں نہ ہوئی ہو، کیونکر لائق اعتماد اور صحیح متصور ہوسکتا ہے۔ممکن ہے کہ وہ قصہ تحریف کا نتیجہ ہو، جس پر اس قصہ کے بیان میں اناجیل اربعہ کا اختلاف شاہد ہے۔ اور مرزا قادیانی خود اناجیل کو محرف اور کایا پلٹ قرار دے چکا ہے

اس باب میں جو اہل اسلام کا خیال و مقال ہے اس کی تفصیل تو اشاعۃ السنہ نمبر ۳ جلد ۱۱ میں بخوبی ہو چکی ہے۔اس مقام میں مرزا قادیانی کا اعتقاد و قول براہین احمدیہ جلد ۴ صفحہ ۳۳۲۔۳۳۰ (حاشیہ) سے نقل کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں

> . اس بات پر عیسائیوں کو بھی نہایت توجہ سے غور کرنی چاہیے کہ خدائے بے مثل و مانند اور کامل کی کلام میں کن کن نشانیوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کی انجیل بوجہ محرف اور مبدل ہو جانے کے ان نشانیوں سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہے، بلکہ الہی نشان تو یک طرف رہے معمولی راستی اور صداقت بھی کہ جو ایک منصف اور دانش مند متکلم کے کلام میں ہونے چاہیں، انجیل کو نصیب نہیں۔کم بخت مخلوق پرستوں نے خدا کے کلام کو، خدا کی ہدایت کو، خدا کے نور کو، اپنے ظلماتی خیالات سے ایسا ملا دیا کہ اب وہ کتاب بجائے رہبری کے رہزنی کا ایک پکا ذریعہ ہے۔ایک عالم کو کس نے توحید سے برگشتہ کیا؟ اسی مصنوعی انجیل نے۔ ایک دنیا کا کس نے خون کیا؟ انہیں تالیفات اربعہ نے۔ جن اعتقادوں کی طرف مخلوق پرست کا نفس امارہ جھکتا گیا اسی

طرف ترجمہ کرنے کے وقت ان کے الفاظ بھی جھکتے گئے، کیونکہ انسان کے الفاظ ہمیشہ اس کے خیالات کے تابع ہوتے ہیں ۔غرض انجیل کی ہمیشہ کا یا پلٹ کرتے رہنے سے اب وہ کچھ اور ہی چیز ہے، اور خدا بھی اس کی تعلیم موجودہ کی رو سے وہ اصلی خدا نہیں کہ جو ہمیشہ حدوث اور تولد اور تجسم اور موت سے پاک تھا، بلکہ انجیل کی تعلیم کی رو سے عیسائیوں کا خدا ایک نیا خدا ہے، یا وہی خدا ہے کہ جس پر بدقسمتی سے بہت سی مصیبتیں آئیں، اور آخری حال اس کا پہلے حال سے کہ جو ازلی اور قدیم تھا، بالکل بدل گیا اور ہمیشہ قیوم اور غیر متبدل رہ کر آخرکار تمام قیومی اس کی خاک میں مل گئی، ماسوائے اس کے عیسائیوں کے محققین کو خود اقرار ہے کہ ساری انجیل الہامی طور پر نہیں لکھی گئی، بلکہ متی وغیرہ نے بہت سی باتیں اس کی لوگوں سے سن سنا کر لکھی ہیں اور لوکا کی انجیل میں تو خود لوکا اقرار کرتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کو دیکھا تھا، ان سے دریافت کر کے میں نے لکھا ہے ۔ پس اس تقریر میں لوکا اقراری ہے کہ اس کی انجیل الہامی نہیں، کیونکہ الہام کے بعد لوگوں سے پوچھنے کی کیا حاجت تھی؟ اسی طرح مرقس کا مسیح کے شاگردوں میں سے ہونا ثابت نہیں، پھر وہ نبی کیونکر ہوا؟ بہرحال چاروں انجیلیں نہ اپنی صحت پر قائم ہیں اور نہ اپنے سب بیان کی رو سے الہامی ہیں اور اسی وجہ سے انجیلوں کے واقعات میں طرح طرح کی غلطیاں پڑ گئیں اور کچھ کا کچھ لکھا گیا ۔ غرض اس بات پر عیسائیوں کے کامل محققین کا اتفاق ہو چکا ہے کہ انجیل خالص خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ پتے داری گاؤں کی طرح کچھ خدا کا، کچھ انسان کا ہے .

اس قول و اعتقاد کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی اس صورت قصہ کو اگر وہ انجیل میں پائی بھی جائے، کیونکر دست آویز بنا سکتا ہے اور اپنے فعل کو اسکی نظیر بنا کر اس کو کیونکر جائز کر سکتا ہے؟

وجہ سوم ۔ یہ بھی فرض کیا اور بطور محال مان لیا کہ اس صورت واقعہ عطر کے بیان میں اناجیل اربعہ متفق ہیں اور ان کا یہ بیان تحریف و تصرف سے خالی ہے، تو پھر بھی یہ صورت احکام اسلام کے مقابلہ میں لائق دست آویز و تمسک نہیں ہے ۔ اسلام میں صاف آ چکا ہے کہ حرام سے بچو اور حلال کھاؤ اور قرآن میں ارشاد ہے ایمان والو طیبات و حلال کھاؤ

یا ایھا الذین آ منوا کلوا من طیبا ت ما رز قنا کم ۔

کلوا مما فی الا رض حلا لاً طیباً

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا

الحلال بین و الحرا م بین و بینھما مشتبہا ت لا یعلمہن کثیر من الناس فمن اتقی الشبہا ت استبرء لد ینہ (۔ متفق علیہ) کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر اور ان کے بیچ میں ایسی مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے ، جو ان سے بچ گیا اس نے اپنے دین کو بچا لیا۔

قا ل رسو ل اللہ ثمن الکلب خبیث مہر البغی خبیث ۔ رواہ مسلم۔ (مشکوۃ) آپ ﷺ نے فرمایا کتے کا دام پلید ہے ۔ زانیہ کی اجرت خبیث ہے ۔

نھی رسو ل اللہ عن کسب الا مۃ حتی یعلم من این ہو (۔ ابو دائود) کہ آپ ﷺ نے کسبی کی کمائی (کام میں لا نے) سے منع کیا ہے جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں سے آئی ، یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اسکو جائز ذریعہ سے ملی ہے۔

اس حکم اسلام کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کا اپنے فعل کو جائز بنانے کیلئے اس صورت سے (اگر وہ انجیل میں آ چکی ہو اور صحیح و ثابت بھی ہو) دست آویز کرنا اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک کب جائز ہے؟

مرزا قادیانی کو قرآن اور حدیث اور دین اسلام سے اپنے فعل کے جواز کی دلیل نہ ملی تو اس نے حکم اسلام کے مقابلہ میں ایسی کتابوں (جن کو وہ محرف وغیر محفوظ سمجھتا ہے) کی ایک بات اس میں جھوٹ ملا کر اپنی دلیل بنالی ۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہیں ہے ۔ نہ اسلام کا، نہ عیسائی مذہب کا اور نہ وہ کسی کتاب آسمانی کی قید میں ہے، نہ قرآن وحدیث کی قید میں اور نہ انجیل کی ۔ اور جس سے کام نکلے، نکال لیتا ہے اور جو داؤ چلے چلا لیتا ہے ۔ اپنے اس فعل شنیع کی تصحیح اور اس کے سرّ (بھید) عقلی کی تشریح کے لئے جو اس نے اصول بیان کیا ہے کہ

نافرمان انسان کا مال اور اس کی جان اس کے ملکیت سے خارج ہو کر خدا کے ملک میں ہو جاتے ہیں ۔ پھر خدا جس کو (رسولوں کو خواہ کسی اور کو) چاہتا ہے ان کی جان و مال کا مالک بنا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ سے اس کو تلف کرا دیتا ہے

؎

یہ اصول ریلیجئس (مذہبی) نظر کے علاوہ پولیٹکل نگاہ سے بھی غور و توجہ ناظرین کے لائق ہے۔ اس اصول کا ماحصل یہ ہے کہ نافرمان بردار انسان کا مال اور اس کی جان صرف نافرمانی کے سبب غیر معصوم و غیر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شخص کے لئے اس کی جان کو مار دینا اور اس کے مال کو تلف کر دینا جائز و مباح ہو جاتا ہے۔ یہ اصول اسلام کے دیگر اصولوں اور دلائل قرآن حدیث سے بالکل مخالف ہے۔ اسلام نے صرف کفر یا فسق کو کفار یا فساق کے جان و مال کے غیر معصوم اور مباح ہونے کا موجب نہیں ٹھہرایا۔ یہ ہوتا تو عہدی اور ذمی کافروں کا مال اور خون مباح ہو جاتا۔ حالانکہ نصوص قرآن و حدیث کے حکم سے ان کے جان اور مال ویسے ہی مسلمانوں پر حرام ہیں جیسے مسلمانوں کے مال و جان۔ اس مسئلہ کے تفصیلی دلائل ہمارے رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد میں ہو چکے ہیں۔

اور کفر سے اتر کر نافرمانی، جو فسق کہلاتی ہے اور وہ اکثر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے، تو کسی وجہ سے بھی فاسقوں کے مال اور جان کو مباح نہیں کرتی۔ یہ اباحت کفر سے (جو نافرمان برداری کا اعلیٰ درجہ ہے) نہ ہوئی تو فسق (جو کفر سے کم تر ہے) سے کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور فاسقوں کے مال اور جان صرف اس وجہ سے کہ وہ نافرمان ہیں کیونکر مسلمانوں پر مباح ہو سکتے ہیں؟ معلوم نہیں مرزا قادیانی نے یہ طرفہ اصول کس مذہب سے اخذ کیا ہے۔ اسلام میں تو اس کا کہیں اثر و نشان نہیں پایا جاتا۔



بٹالوی مکتوب

۱۹۰۳ء

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ انہیں ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء کو الہام ہوا کہ

میں ظالم کو ذلیل ورسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ (ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے ناجائز تحریر کا کام کیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے)۔ (تذکرہ۔ ص ۲۷۰۔۲۷۱)

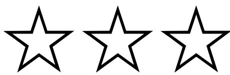
مرزائی کہتے ہیں کہ یہ الہام حضرت بٹالوی کے بارے میں تھا۔ اور اس الہام کے بعد انہوں نے مرزا صاحب کی مخالفت ترک کردی تھی، ذلیل ورسوا ہوکر خاموشی اختیار کرلی تھی اور تحریک ختم نبوت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ آپ مرزا صاحب کے عقیدت مند، بلکہ مرزائی ہو گئے تھے۔ یہ پروپیگنڈہ ان کی زندگی میں بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے۔ اس لئے سطور ذیل میں مولانا بٹالوی کی دو تحریریں نقل کی جاتی ہیں جو ۱۸۹۸ء کے بعد کی ہیں، جن سے ہمارے قارئین پر واضح ہو گا کہ مرزائیوں کا یہ پروپیگنڈہ بے بنیاد تھا، اور مولانا بٹالوی نے تحریک ختم نبوت سے نہ کبھی علیحدگی اختیار کی اور نہ ہی مرزا کے خلاف قلمی جہاد کا سلسلہ بند کیا تھا۔

پہلی تحریر حضرت بٹالوی کا ایک مکتوب گرامی ہے جو انہوں نے ایک ایسے شخص کو لکھا جو شاہجہان پور میں مرزائیوں کے اس قسم کے پروپیگنڈے سے پریشان تھا۔ یہ خط شحنہ ہند میرٹھ کے ۱۹۰۳ء کے ایک شمارے شائع ہوا، جہاں سے ہم نقل کر رہے ہیں۔

مجی سید صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۱۱ مئی (۱۹۰۳ء) کا محبت نامہ وصول ہوا۔ ۱۹۰۲ء سے میں مرزا کی ایسی ہی خبر لے رہا ہوں جیسی آگے خبر لیتا تھا۔ اور اس کو ایسا ہی گمراہ خارج از اسلام سمجھتا ہوں جیسا آگے سمجھتا تھا۔ جلد ۱۹ رسالہ اشاعۃ السنۃ کے کئی نمبروں میں اس کے رد میں کئی مضامین شائع کر چکا ہوں جو ۱۹۰۲۔۱۹۰۳ء میں شائع ہوئے ہیں۔ اس جلد کی قیمت تین روپیہ ہے، منگا کر ملاحظہ کریں۔ اگر قیمت نہ دے سکیں تو محصول ڈاک ۲۔ آنے، خرچ رجسٹری ۲۔ آنے، کل چار آنے کے ٹکٹ ارسال کریں۔ بعد مطالعہ و کاربراری جلد مذکور اسی طور پر واپس کر دیں۔ میرا یہ خط جس کو چاہیں دکھائیں۔ مجھے کوئی لحاظ کسی مرزائی کا نہیں ہے۔ ابوسعید محمد حسین بٹالوی مہتمم اشاعۃ السنۃ

(شحنہ ہند میرٹھ۔ ضمیمہ ۲۴ جولائی۔ یکم اگست ۱۹۰۳ء۔ ص ۶۔ ۷)



مکتوب مفتوح

بنام مرزا قادیانی

۱۹۰۷ء

دوسری تحریر حضرت بٹالوی کا ایک مکتوب مفتوح ہے جو آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مخاطب کر کے مئی ۱۹۰۷ء میں رقم فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے مرزا صاحب کی پیش گوئی متعلقہ طاعون پر بحث کی ہے ، اور اس کی کتاب حقیقۃ الوحی اور اس کے آخری فیصلہ بحق مولانا ثناء اللہ و ڈاکٹر عبدالحکیم خان پٹیالوی پر ریویو کیا ہے۔ نیز استفسار مشتہرہ الحکم مورخہ ۳۰۔اپریل ۱۹۰۷ء و اعلان مندرجہ الحکم قادیان ۱۰ جون ۱۹۰۷ء متعلقہ طاعون کا جواب دیا ہے۔ (یہ مکتوب اشاعۃ السنہ جلد۲۱ صفحات ۳۵۷ تا ۳۸۴ سے نقل کیا جا رہا ہے)

اس مکتوب کا پس منظر یہ ہے کہ مرزا صاحب کا ایک استفسار الحکم ۳۰۔اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا تو اس کے جواب میں حضرت بٹالوی نے ایک خط ۱۷مئی ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب کو بذریعہ ڈاک ارسال کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ نے جو ۳۰۔اپریل کے الحکم میں ایک یہ اصول بیان کیا ہے کہ

. جیسے بادشاہوں کی رسم ہے کہ جب ان کا غصہ کسی شہر پر نازل ہوتا اور اس میں قتل عام کا حکم دیا جاتا ہے تو جس شخص کو سلطنت سے کوئی خاص تعلق ہوتا ہے اس کی جان وعیال واطفال کی نسبت شاہی فرمان جاری ہوتا ہے کہ ان پر کوئی سپاہی حملہ نہ کرے۔ ویسے ہی خدا تعالی کی عادت ہے کہ جب زمین پر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے تو

جس شخص کو خدا تعالی سے خاص تعلق ہوتا ہے اس کی نسبت ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ اس گھر کے محافظ رہیں (یہ غلط ہے۔ جب کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو خدا کے مقبولوں اور صالحین کو بھی وہ عذاب دنیاوی شامل ہوتا ہے۔ پھر آخرت میں صالحین کا حشر ان کی نیت کے مطابق صالحین کے ساتھ ہوتا ہے۔ دیکھو مشکوۃ میں متفق علیہ حدیث، اور جن کو اس عذاب دنیاوی سے خدا تعالی کو بچانا منظور ہوتا ہے ان کو خدا تعالی اس قوم اور ان کی بستیوں سے نکل جانے کا حکم دیتا ہے جیسے حضرت لوط کو حکم ہوا تھا۔ دیکھو سورہ حجر۔ ع ۵۔ محمد حسین)۔

پھر اس کے بعد یہ کہا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ جب طاعون دنیا پر نازل ہوئی تو اس کے ابتدائی زمانہ میں مجھے (قادیانی کو) الہام ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار یعنی میں ہر ایک شخص کو، جو اس گھر کی چاردیواری میں ہے، طاعون سے بچاؤں گا۔ چنانچہ قریباً گیارہ برس کا عرصہ ہوا ہے جب یہ الہام ہوا تھا اور اس مدت تک لاکھوں انسان اس دنیا سے شکار طاعون ہو کر مر گئے۔ لیکن ہمارے اس گھر میں اگر ایک کتا بھی داخل ہوا تو طاعون سے محفوظ رہا۔

پھر اس کے بعد (مرزا نے) استفسار کیا ہے کہ

یہ کس قدر عظیم الشان معجزہ ہے۔ چاہیے کہ ہمارے مخالف مسلمان اور آریہ اور عیسائی اس بات کا جواب دیں.

(مولانا لکھتے ہیں کہ) اس کے جواب میں چونکہ آپ (مرزا) نے اپنے مخالف مسلمانوں کو بھی مخاطب کیا ہے اور اس خاکسار (محمد حسین) کو اپنے مخالفین کا سرگروہ کہا ہوا ہے، لہذا میں اس استفسار کا یہ جواب دیتا ہوں کہ اس میں جو کچھ آپ نے کہا ہے محض خلاف واقعہ اور بالکل غلط ہے۔ اس میں آپ نے یہ جتایا ہے کہ آپکا کوئی پیرو جو آپ کی چاردیواری میں تھا، طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ اور چاردیواری کی تشریح اپنی کشتی نوح صفحہ ۱۰ سطر ۶ وغیرہ میں روحانی چاردیواری سے کی اور یہ بات کہی ہوئی ہے

. اس جگہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہی لوگ میرے گھر اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ بھی لوگ بھی ہیں جو میری پوری پیروی کرتے ہیں اور میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔

اس تشریح کے مطابق اور نیز اس تعیم اور فضل و رحم عمیم کے رو سے (جو ایک رہگذر کتے، آپ کے گھر میں داخل ہونے والے کو بھی شامل ہے) اس پیش گوئی کا راست ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کے پیروان (مریدوں) سے ادنی سے ادنی کتے کا درجہ رکھنے والا بھی شکار طاعون نہ ہوتا۔ حالانکہ آپ کے بڑے بڑے مشنری (آپ کی رسالت کی تبلیغ کرنے والے اور آپ کے مذہب کو دنیا میں پھیلانے والے) اور دارالامان قادیان کے مہاجر (اپنے وطن کو چھوڑ کر وہاں ڈیرے جمانے والے) شکار طاعون ہو چکے ہیں۔ جن کی تعداد بہت ہے۔ مگر ہم سر دست تین شخصوں کے، جو سینکڑوں مرزائی اشخاص کے لیڈر تھے، نام پیش کرتے ہیں۔ اول مولوی برہان الدین جہلمی جو مرزائیان علاقہ جہلم اور اس کے اطراف کا پیشوا تھا۔ دوم مولوی جمال الدین باشندہ ساکن سید والہ ضلع منٹگمری (حال ساہیوال، پنجاب، پاکستان) جو اس علاقہ کے مرزائیوں کا پیشوا تھا۔ سوم محمد افضل سابق اڈیٹر البدر جو آپ کے مذہب کی خدمت اور اخبار کے ذریعہ دنیا میں اس کی اشاعت کرنے میں آپ کے ان اصحاب کبار اور نائبان ذوی الاقتدار سے تھا جن کے ذریعہ آپ کے مذہب کو دنیا میں رواج ہوا ہے اور وہ خاص دارالامان قادیان کی چاردیواری ظاہری و خاکی میں ڈیرہ جمانے کا شرف بھی حاصل کر چکا تھا (ان کے علاوہ لاہور میں حکیم فضل الہی، مرزا غلام احمد کا گویا ایجنٹ تھا اور اس کا گھر مرزائیوں کا ہیڈکوارٹر یا ہوٹل تھا۔ وہ بھی طاعون سے ہلاک ہوا۔ اور بڑی سختی و عذاب سے مرا۔ خاکسار لاہور سے تحقیق کر چکا ہے۔ محمد حسین)۔ ان کی نسبت میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ لوگ آپ کی پیروی میں اس رہگذر کتے (جو اتفاقاً آپ کے گھر داخل ہو جائے) کے برابر بھی نہ تھے کہ وہ طاعون کا شکار ہو گئے اور خدا تعالی کے فرشتے ان کو طاعون سے بچا کر اس حکم الہی کے کہ . اس گھر کے محافظ رہو . کاربند نہ ہوئے۔

اس سوال کے جواب میں اگر آپ یہ کہیں گے کہ وہ لوگ طاعون سے ہلاک نہیں ہوئے تو اگرچہ اس جواب کو وہ لوگ جو آپ کی کورانہ تقلید اور اندھا دھند مریدی میں پھنسے ہوئے ہیں اور اپنا دین و ایمان و عقل سب کچھ فروخت کر کے

اگر یابم خریدارے فروشم دین و ایماں را

کا مصداق ہو گئے۔ یا وہ لوگ جو دل سے تو آپ کے معتقد نہیں مگر روٹیوں کی خاطر

آپ کی ہاں میں ہاں ملا کر مصداق ایں شکل برائے اکل ہو رہے ہیں اور وہ غریب آدمی ہونے کے بعد صدہا روپیہ کے مالک بن گئے ہیں، مان جائیں گے۔ و لیکن جن لوگوں کو آپ سے اس قسم کے تعلقات نہیں وہ اصل واقعات وفات ان تینوں حواریوں سے بخوبی واقف ہیں، یا نیوٹرل (غیر طرفدار) مقامی اشخاص کی شہادت سے واقف ہو سکتے ہیں، وہ اس جواب کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے۔ بلکہ دام افتادہ مریدوں میں سے بھی جو صرف دھوکہ میں آکر آپ کی مریدی میں پھنسے ہوئے ہیں اور وہ خاص دار الامان قادیان میں رہتے ہیں اور محمد افضل کی طاعونی موت سے واقف ہیں اور برہان جہلمی اور جمال سید والوی کی کیفیت موت طاعون، جہلم و سید والہ پہنچ کر معلوم کر سکتے ہیں، بھی اس جواب کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر کچھ فہم و حس رکھتے ہوں گے تو آپ کی تقلید و مریدی کے پھندے سے نکل جائیں گے۔

اور اگر آپ اس سوال کا یہ جواب دیں گے کہ جو لوگ میرے مریدوں میں سے مبتلاء طاعون ہوئے ہیں وہ میرے پورے پیرو نہ تھے اور انہیں میں سے یہ تینوں یا ایک محمد افضل حواری بھی تھا، خدا تعالی نے مجھے ان کے پورے پیرو ہونے اور کامل الایمان ہونے سے مطلع نہیں کیا (چنانچہ یہ بات ایک آرگن میں آپ نے اپنی طرف سے چھپوا دی ہے) اور ان کی نسبت آپ یہ کہدیں گے کہ وہ لوگ اگرچہ میری خاکی چاردیواری میں کتے کی طرح کبھی کبھی داخل ہوتے تھے مگر وہ میری روحانی چاردیواری میں داخل نہ ہوئے تھے، تو اس جواب کو کوئی اہل بصیرت، صاحب فہم و انصاف تسلیم نہ کرے گا اور اس پر تعجب سے ایک یہ سوال کرے گا کہ ایک رہ گذر کتا (جو اتفاق سے آپ کے گھر میں داخل ہو جائے) صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کے دارالامان کی خاکی چاردیواری میں داخل ہو گیا تھا اس طاعون سے بچ جاوے اور ایک مہاجر دارالامان اڈیٹر البدر اور دو آپ کے مشنری و واعظ (برہان و جمال) باوجودیکہ وہ اپنی عمر کا ایک حصہ آپ کے مشن میں صرف کر چکے تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ ہنوز پورے پیرو نہ تھے، کچھ کچے رہے تھے، طاعون کا شکار ہو گئے۔ یہ بوالعجبی نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرا یہ سوال کہ جب تک آپ پورے پیرو ہونے کا کوئی معیار مقرر نہ کریں گے جس سے سچے اور جھوٹے اور مخلص و منافق کی تمیز ہو سکے اس پیش گوئی کو اپنی صداقت کا نشان اور اپنے دعوی کی برہان کیوں کر بنا سکتے ہیں؟
ایسا کوئی معیار مقرر نہ ہوگا تو آپ ہر شخص کی نسبت، گو وہ آپ کے گرم جوش مریدوں اور جاں نثاروں سے ہوگا، جب وہ طاعون سے مرے گا، یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ میرا پورا پیرو نہ تھا اور خدا تعالی نے مجھے اس کے اخلاص و ایمان سے مطلع نہ کیا تھا۔ مثلاً اگر حکیم امت مرزائیہ نور دین خلیفہ اول، یا آپ کے مدینہ علم لدنی کے دروازہ اور آپ کے وکیل بالخصومة مولوی محمد احسن خلیفہ دوم یا آپ کے حامی جانثار اور اپنی خاندانی ریاست کو آپ پر قربان کرنے والے محمد علی خان خلیفہ سوم، یا آپ کے خلیفہ چہارم عبدالکریم متوفی (جو طاعون سے بڑھ کر کاربنکل کے زخموں سے ہلاک ہوئے) کے دو قائم مقام اڈیٹران الحکم والبدر طاعون سے ہلاک ہو جائیں گے تو آپ ان کی نسبت بھی بڑی دلیری سے یہ کہہ دیں گے کہ یہ سب کے سب منافق تھے، دل سے میرے پورے پیرو نہ تھے۔ اور اس عذر و حیلہ سے آپ کسی مخلص و صادق مرید کے طاعون سے فوت ہو جانے سے بھی اس پیش گوئی کو جھوٹی نہ ہونے دیں گے۔ خاکسار نے ان باتوں کے آپ کی طرف سے پیش ہونے کی پیش گوئی اشاعۃ السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۱۸ و صفحہ ۳۸ میں کر دی ہوئی ہے۔ لہذا اب مناسب نہیں کہ آپ میرے دوسرے سوال کے جواب میں یہ بات کہیں۔ بلکہ مناسب ہے کہ پوری پیروی کا معیار ایسا مقرر کر دیں جس پر یہ سوال وارد نہ ہو۔ اس خط کا جواب ایک ہفتہ تک نہ آیا تو اس خط کو شائع کیا جائے گا۔

اس خط کا جواب ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن کے ذریعہ (حضرت بٹالوی کو) موصول ہوا جس کا خلاصہ اسی کے الفاظ سے نقل کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں

☆ مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالی

بعد دعوات مخلصانہ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا، آپ جیسے اہل علم و فراست سے اگرچہ ایسا اعتراض بعید ہے، مگر پھر بھی سوچتا ہوں کہ یہ مقتضائے بشریت ہے اور میں اپنی نسبت بھی تجربہ رکھتا ہوں کہ جب تک ایک امر پر میرا علم محیط نہ ہو جائے اور جیسا کہ شرط ہے

وسعت معلومات نہ ہو جائے تب تک ممکن ہے کہ ایک رائے ظاہر کرنے میں غلطی کروں بجز اس حالت کے کہ خدا تعالی اپنے الہام خاص سے مجھے غلطی سے بچالے۔
عزیز من۔ خدا تعالی نے جو مجھے میرے خاص رفیقوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہنے کی خبر دی ہے وہ یہ الفاظ ہیں

ان الذین آ منوا و لم یلبسوا ایما نھم بظلم اولئک لھم ا لامن و ھم مہتدو ن (آپ کے الہام میں ان کا لفظ رہوگا۔قرآن مجید میں یہ الہام نازل ہوا ہے تو اس میں الذ ین ہے۔مرزا صاحب نے یہ الہام قرآن سے چرایا تو سہی مگر لفظ قرآن کو بدل دیا۔ سچ ہے عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔محمد حسین) ۔
پس جو لوگ خدا کے علم میں ایسے ہیں بے شک وہ ان کو بچائے گا ،غرض یہ پیش گوئی مشروط بشرط ہے اور اس بحث میں پڑ نا گو یا متشا بہات میں دخل دینا ہے ۔ رہی یہ پیشگوئی کہ انی احا فظ کل من فی الدار اس میں کوئی شرط نہیں اور گیارہ سال سے اس کی صداقت ثابت ہو رہی ہے ۔اگر کوئی شخص اس کی تکذیب کرے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ، انسان کا افتراء ہے اور یہ کہے کہ میں بھی دعوی کرتا ہوں کہ میں آئندہ سال معہ جمیع من فی الدار کے طاعون سے محفوظ رہوں گا تو وہ ہرگز محفوظ نہ رہے گا ۔اب معاف فرماویں آپ کے خط کا جواب اتنا لکھنا پڑا۔ خاکسار غلام احمد

اور اس خط کے ساتھ ایک کتاب حقیقۃ الوحی بھی (مرزا صاحب نے) بھیجی جس کا قادیانی اخباروں میں بڑا ذکر و چرچا ہو رہا ہے ۔اس خط کے جواب میں خاکسار محمد حسین نے یہ کھلی چٹھی لکھی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

☆ بٹالہ ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء مائی اولڈ فرینڈ کرشن آف قادیان
دعائے صحت ظاہری و باطنی و اعتقادی کے بعد نہایت اخلاص و کمال نصح سے چند فقرات لکھے جاتے ہیں۔توجہ و حسن ظنی سے مطالعہ فرماویں۔
۱۔ آپ کا خط ۲۲ مئی کو ایک ڈیپوٹیشن (وفد) کے ذریعہ جس کے پریسیڈنٹ مولوی محمد احسن امروہی تھے، اور وہی کتاب حقیقۃ الوحی لے کر آئے تھے، پہنچا جس کا

خلاصہ اوپر منقول ہو چکا ہے ۔اس خط کو میں نے دیکھا اور کتاب حقیقۃ الوحی کو بھی میں نے دو دن لگا کر اپنے رسالہ کا کام چھوڑ کر غور سے پڑھا۔اس سے پہلے آپ کا آخری فیصلہ بحق مولوی ثناء اللہ، الحکم ۱۷۔اپریل ۱۹۰۷ء بھی پڑھا۔اوراس کے بعد وہ فیصلہ، اور فیصلہ بحق ڈاکٹر عبدالحکیم خان ، ایک مستقل تحریر میں جو آپ کی بنگلوری پارٹی کی طرف سے شائع ہوئی ہے دیکھا، اوراس سے پہلے فیصلہ بحق ڈاکٹر ریویو ماہ اگست ۱۹۰۶ء میں دیکھا تھا۔مگر افسوس سے کہا جاتا ہے کہ میرے خط ۱۷ مئی کا جواب نہ آپ کے اس خط (۲۲مئی) میں ہے، نہ کتاب حقیقۃ الوحی میں، نہ ان فیصلہ جات میں بلکہ آپ کے اس خط نے میرے اعتراض کواور پختہ کر دیا ہے ۔

پہلی پیش گوئی کے الفاظ اوراس کی شرح سے آپ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ مجھے علم نہیں کہ وہ لوگ جو میرے خاص رفیقوں سے طاعون سے فوت ہوگئے ہیں یا آئندہ فوت ہو جائیں گے، وہ طاعون سے کیوں فوت ہوئے ہیں؟ اور مجھے علم نہیں کہ کون شخص میرے مریدوں سے اس پیش گوئی کی شرط . عدم ظلم . کے مطابق اس طاعون سے بچے گا؟ کیونکہ اس پیش گوئی کی اس شرط کو کہ

. جولوگ اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملاویں گے وہی اس طاعون سے بچیں گے .

خدا تعالی ہی جانتا ہے کہ یہ شرط کس شخص میں میرے خاص رفیقوں میں سے پائی جاتی ہے، جو ایسا ہوگا وہی بچے گا۔میں نہیں جانتا کہ کون ایسا ہو اور کون بچے گا؟ اور وہ لوگ جو مبتلاء طاعون ہوگئے کیوں نہ بچے ؟.

اور یہی جواب بعینہ میرے اعتراض کا محل تھا کہ پوری پیروی کا کوئی معیار مقرر نہ ہوگا تو آپ اپنے خلفاء اربعہ کے طاعون سے فوت ہو جانے پر بھی عذر کر کے اس پیش گوئی کو جھوٹی نہ ہونے دیں ، عبارت خط اول خاکسار اور اشاعۃ السنہ جلد ۲۰ کا صفحہ ۱۸ و ۳۸ وغیرہ ملاحظہ ہو۔

اس اعتراض کے علاوہ اس سے بھی بڑھ کر اس تشریح وعذر پر دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ باوجود اظہار اعتراف اس امر کے کہ پہلی پیش گوئی متشابہات سے ہے، اس کو اپنے منکروں ومخالفوں کے مقابلہ میں اپنی تائید وتصدیق کے لئے کیوں پیش کیا؟ کیا کبھی کسی سچے ملہم یا نبی نے آیات متشابہات کو اپنے منکروں اور مخالفوں کے سامنے

اپنی تائید وتصدیق کے لئے پیش کیا ہے؟ اور آپ کم سے کم کوئی ایک ہی مثال اس کی پیش کر سکتے ہیں؟

اس باب میں قرآن مجید کا تو یہ فیصلہ ہے کہ آیات متشابہات تو صرف مومنوں کے ایمان وتسلیم کی نظر سے نازل کی گئی ہیں جو متشابہات کو سن کر کہتے ہیں آمنا به کل من عند ربنا (شروع سورہ آل عمران ملاحظہ ہو)۔ لہذا آپ کا اس پیش گوئی کو متشابہات سے قرار دینا اور پھر اس کو اپنے منکروں ومخالفوں کے مقابلہ میں اپنے دعوی الہام کے ثبوت کے لئے پیش کرنا کیونکر جائز ومناسب ہوسکتا ہے۔ اور یہ کیوں افسوس کا محل نہ ہو۔ آپ تو بزعم خود وبحسب اعتراف خویش درسی علم نہیں رکھتے، صرف لدنی علم کے مدعی ہیں۔ زیادہ تر افسوس مولوی محمد احسن وحکیم نورالدین پر ہے کہ وہ کسی قدر ظاہری و درسی علم بھی رکھتے ہیں اور پھر آپ کی بے سروپا باتوں کو مان کر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ پچھلا لکھا پڑھا سب بھول گئے اور

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے سو وہ ایک دم میں بھلا دیا

کے مصداق بن گئے ہیں۔ یہ خط میرے پاس مولوی محمد احسن صاحب خود لائے اور پھر وہ آپ کو نہ کہہ سکے کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ پہلے آپ کے اشتہار متعلق طاعون فروری ۱۸۹۸ء (جو اشاعۃ السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۱۹ میں منقول ہے) میں اس پیش گوئی میں یہ شرط عدم ظلم مذکور نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف آوی القریۃ کہہ کر تمام گاؤں کو جو چوہڑے، چمار، ہندو، آریہ وغیرہ ظالمین ساکنین گاؤں کو بھی شامل ہے، بچانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔

اور دوسرے اشتہار ۲۲۔ اپریل ۱۸۹۸ء (جو اشاعۃ السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۲۳ میں منقول ہے) اور تیسرے اشتہار ۱۷ مارچ ۱۹۰۶ء میں بھی اس شرط کا نام ونشان نہیں۔ بلکہ تیسرے اشتہار میں دس لاکھ کی آبادی والے شہر کو بچانے کا وعدہ کیا ہے جو یقیناً ہندوؤں وغیرہ ظالموں کو شامل ہے، مرزائی پارٹی کے مخلصوں سے مخصوص نہیں کیونکہ ان کی تعداد ہنوز دس لاکھ کو نہیں پہنچی۔

اور چوتھے اشتہار میں جو صفحہ ۴۳ جلد ۲۰ اشاعۃ السنہ میں شائع ہوا ہے، نیز اس شرط کا ذکر نہیں ہے

اور پانچویں اشتہار (رسالہ دافع البلاء) میں (جو صفحہ ۴۸ جلد ۲۰ اشاعۃ السنہ میں منقول ہے) تو آپ نے اس کے برخلاف ایسی توسیع کردی کہ تمام موضع قادیان کو صرف اپنے وجود کا تخت گاہ ہونے کے سبب طاعون سے ایسا پاک ومحفوظ قرار دیا ہے کہ باہر سے طاعون زدہ آنے والے اشخاص کو بھی اس قادیان نے طاعون سے بچا لیا ہے۔

کیونکہ وہ قادیان خدا کے رسول (مرزا) کا تخت گاہ تھا۔

الغرض چار برس تک یہ پیش گوئی بغیر قید شرط مذکور شائع ہوتی رہی۔ پھر جب خاص قادیان میں طاعون واقع ہونے سے یہ پیش گوئی جھوٹی ہونے لگی۔ تب پانچویں سال ۱۹۰۲ء پہلے تو آپ نے رسالہ دافع البلاء میں اس جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے یہ بات بنائی اور اس پیش گوئی میں یہ قید لگائی کہ قادیان میں طاعون آئے گا تو وہ جارف یعنی جھاڑو دینے والا اور کتوں کی طرح مارنے اور بربادی و بالکل تباہی والا نہ ہوگا۔

پھر اس بات کی نسبت آپ کو یہ سوجھی کہ چار برس سے اصل پیش گوئی کے بعد پانچویں سال ایسی قید لگانا صریح بناوٹ اور ہنسی کا محل ہوگا تو پھر اس سے چھٹے مہینے آپ کی چھٹی تحریر (کشتی نوح) شائع ہوئی۔ تو اس میں آپ نے اس پیش گوئی میں کامل پیروی اور تقوی... کی قید لگادی۔ اور اس پیش گوئی کی یہ تفسیر کی کہ

تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہوگا وہ مکمل پیروی اور اطاعت اور سچے تقوی سے تجھ میں محو ہو جائے گا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے۔

اس وقت آپ کو یہ عربی الہام نہ سوجھا اور نہ کشتی نوح میں درج ہوا۔ پھر ۱۹۰۳ء میں آپ کی ساتویں تحریر رسالہ مواہب الرحمٰن شائع ہوا تو اس وقت بھی آپ کے ملہم کو یہ الہام عربی یاد نہ آیا اور نہ وہ اس رسالہ میں درج ہوا۔ اور جب دس برس تک اس الہام کا آپ کی تحریرات متعلقہ پیش گوئی طاعون میں نام ونشان نہ پایا گیا، بلکہ برخلاف اس کے، اس پیش گوئی میں چار برس تک اطلاق عموم چلا آیا۔ پانچویں برس قیدیں لگانا شروع ہوا۔

دوسری پیش گوئی کو تو آپ کھلے الفاظ میں غیر مشروط بشرط بتا چکے ہیں جس کی وجہ

سے ایک کتا آپ کے گھر میں داخل ہونے والا طاعون سے بچ سکتا ہے۔اس تعمیم نے بھی میرے اعتراض کو اور پختہ کر دیا ہے کہ کتا تو صرف آپ کے گھر میں اتفاقاً داخل ہونے سے بچ گیا، برہان جہلمی اور جمال سید والی جو اس مقدس گھر میں بار ہا داخل ہو کر اس بیت کے مصداق بن چکے تھے

سگ درگاہ مرزا شو چو خواہی قرب یزدانی

کہ برشیراں شرف دارد سگ ایں درگاہ خاقانی

اور خاص اڈیٹر البدر جو اس گھر کا حضوری کتا تھا اور بحکم مثل مشہور

سگ حضوری بہ از برادر دوری ، ہزاروں بلکہ لاکھوں آفاقی (بیرون جات کے) مرزائیوں سے افضل، گویا اسم با مسمی تھا۔ و بہ تسلیم و اعتراف خلیفہ ثانی مولوی محمد احسن پریذیڈنٹ ڈیپوٹیشن حامل کتاب آسمانی (حقیقۃ الوحی) اسی طاعون سے وہ ہلاک ہوا ہے، اس طاعون سے نہ بچ سکا۔ یہ بوالعجبی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا آپ کے بلاغرض وطمع دنیاوی معتقد اس پر یہ شعر نہ پڑھیں گے

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

میرے اعتراض خط اول کو تو آپ نے اپنے جواب سے ان وجوہات کی شہادتوں سے پختہ کیا۔اس خط کے اخیر میں جو آپ نے کہا ہے (گویا میرے اعتراض کا دوسرا جواب دیا ہے) کہ جو شخص ان پیش گوئیوں کو جھوٹا کہے اور انسانی افتراء قرار دے، وہ بھی ایسی پیشگوئی کرے کہ میں آئندہ سال مع جمیع من فی الدار طاعون سے محفوظ رہونگا۔ اس چیلنج میں آپ نے مجھے شامل کرلیا ہے، گو اخیر میں اس پر معافی چاہی اور اس پر عذر بھی کر دیا۔ یہ آپ کا پرانا ہتھیار اور وہ ہتھ کنڈا ہے جس سے آپ نے ہزاروں سادہ لوح اور حمقاء مخلوق خدا کو دام میں پھنسا رکھا ہے ۔اس ہتھکنڈے کا جواب آپ کو اشاعۃ السنہ میں بار ہا دیا گیا ہے مگر آپ بڑے صاحب حوصلہ ہیں، ایک بات کا جواب بار ہا سن کر اس کا اعادہ کر دیتے ہیں۔ لیجئے آپ کی خاطر اور آپ کے دام سے لوگوں کو چھڑانے کی غرض سے پھر کہا جاتا ہے۔

یہ بات آپ ان لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جو آپ کے مقابلہ میں الہام کے مدعی ہوں اور وہ بالمقابلہ آپ کے حق میں پیش گوئیاں کر چکے ہوں ۔ جو لوگ بجز انبیاء

علیھم السلام کسی کے الہام کو نہیں مانتے اور اس کو حجت شرعی نہیں جانتے اور خود الہام کے مدعی نہیں ہیں ان کے مقابلہ میں یہ بات کہنا دھوکہ دہی اور ابلہ فریبی ہے۔ اور یہ کام راست باز اور صادق ملہموں کا نہیں ہے۔ ملہم کجا، کسی ادنی عقل مند صاحب حیا و شرم کا یہ کام نہیں کہ جس امر کا کوئی منکر ہو اسی امر میں اس سے معارضہ بالمثل کا مطالبہ کرے۔ مثلاً ایک شخص کیمیا گری کا منکر ہے اس کو کوئی عقل مند صاحب حیا کیمیا گر اپنی کیمیا گری کے ثبوت کے لئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر تم میرے کیمیا گر ہونے کو نہیں مانتے تو تم کیمیا بنا کر دکھا دو۔

ایسا ہی وہ شخص جو خود الہام کا مدعی نہ ہو، اور دوسرے کے دعوی الہام یا پیش گوئی کو دروغ جانتا ہو، اس کو مدعی الہام یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے الہام کو تم نہیں مانتے تو تم بھی اپنا الہام سناؤ، اور الہامی پیش گوئی کر کے دکھاؤ۔ اس کے جواب میں اس کے الہام کا منکر یہی کہے گا کہ میں الہام و پیش گوئی کا مدعی ہی نہیں تو میں بالمقابلہ پیش گوئی کیوں کروں؟ کیا میں بھی تمہاری طرح جھوٹا اور مفتری علی اللہ بنوں؟ یا اپنی دلی اور خیالی باتوں اور حدیث النفس کو الہام الہی قرار دوں؟ اگر کسی ناعاقبت اندیش نے آپ کے مقابلہ میں ایسا کیا ہے اور کسی مسخرے زٹلی نے بطور تمسخر آپ کے مقابلہ میں کوئی الہام گھڑ کر شائع کیا ہے، یا کسی علوم دین قرآن و حدیث و اصول و کلام سے محض ناواقف نے اپنی حدیث النفس (خیالی بات) کو الہام سمجھ کر آپ کے مقابلہ میں پیش کیا ہے اور وہ اپنے خیالی الہام یا تمسخر میں صادق نہیں نکلا اور ناکام رہا، تو اس پر آپ دوسرے اشخاص کو جو علوم دین سے واقف ہیں اور خداداد عقل و فراست رکھتے ہیں، قیاس نہ کریں اور یہ طمع نہ رکھیں کہ وہ بھی اپنی حدیث النفس (خیالی بات) کو الہام سمجھ کر یا دیدہ دانستہ خدا تعالی پر افتراء کر کے آپ جیسی پیش گوئی کر کے آپ کے پھندے میں پھنس جائیں گے۔ اور اس ہتھکنڈے کی زد میں آ جائیں گے۔

اس ابلہ فریب جواب میں جو آپ نے خاکسار کو بھی شامل کیا ہے، یہ محل شکایت و افسوس کا ہے، مگر چونکہ آپ نے عذر کر کے معافی بھی مانگ لی ہے لہذا میں آپکو معاف کرتا ہوں بشرطیکہ آئندہ مجھ سے یہ چال اختیار نہ کریں بلکہ یہ چال ابلہ فریب بالکل چھوڑ دیں اور کسی سے بھی جو آپکی مانند مدعی الہام نہ ہو معارضہ بالمثل کا مطالبہ نہ کریں

مدعی الہام سے آپ کی اس چال کو اس لئے جائز تسلیم کیا گیا ہے کہ مکے والے مشرک لوگ قرآن کو افتراء کہتے اور خود اس کی مثل بنانے کے مدعی بنتے اور یہ کہتے لو نشاء لقلنا مثل ہذا ۔ تو ان کے جواب میں ان کے مدعی ہونے کی وجہ سے کہا گیا قل فأتوا بعشر سور مثله مفتريات یعنی تم مدعی ہو اور ہمارے رسول کو مفتری کہتے ہو تم بھی دس ہی سورتیں ایسی ہی بناوٹی لا کر دکھاؤ۔ اس سے وہ عاجز آ گئے تو کہا فأتوا بسورة من مثله ایسی ایک ہی سورت بنالاؤ،

یہ معارضہ بالمثل کے مطالبہ کا جواب ہے۔ اب اس دھمکی کا جواب دیا جاتا ہے جو بالمقابلہ پیش گوئی کرنے والے کو آپ نے دی ہے اور یہ کہا ہے کہ جو ایسی پیش گوئی کرے گا وہ ایک سال میں مبتلاء طاعون ہو جائے گا۔

وہ جواب یہ ہے کہ اس دھمکی سے کوئی احمق ڈر جائے تو ڈرے اور جہنم میں پڑے۔ خس کم جہاں پاک۔ عقل مند تو ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے اور وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھمکی صرف گیدڑ بھبکی ہے۔ آپ کی ایسی پیش گوئی و دھمکی آگے کون سی سچی ہوگئی ہے؟ کیا عبداللہ آتھم، لیکھرام، مرزا احمد بیگ، داماد احمد بیگ، صوفی عبدالحق غزنوی وغیرہ آپ کی دھمکی اور پیش گوئی کے مطابق مرے ہیں؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ پہلے تین گو مر چکے ہیں مگر وہ مضمون پیش گوئی کو جھوٹا کر کے مرے ہیں۔ اور آخری دو اب تک زندہ ہیں۔ میرے اس جواب سے آپ کو اور آپ کے مریدوں مقلدوں کو جوش تو آئے گا، مگر وہ جوش تب لائق لحاظ ہوگا جب کہ آپ لوگ ہمارے ان مضامین اشاعۃ السنہ کا جن میں ان اشخاص کا آپ کی پیش گوئی کو جھوٹا کرنیکا بیان ہے، جواب دیں گے۔

یہ آپ کے اس خط کا جواب ہے اور میرے خط کے جواب میں اس کے ناکافی ہونے کا ثبوت ہے۔ اسی میں فیصلہ آخری مولوی ثناء اللہ صاحب اور فیصلہ بحق ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب پر ریویو بھی ہوگیا کہ وہ فیصلے محض مغالطے ہیں اور انہی فیصلوں کے ہم رنگ وہم سنگ ہیں جو پہلے مخاطبوں عبداللہ آتھم وغیرہ کے حق میں آپ کر چکے ہیں اور ان فیصلوں میں وہی اہمال واجمال ہے جو پہلے فیصلوں میں تھا۔ مولوی ثناء اللہ

صاحب کے حق میں یہ الفاظ کہ اے خدا میری زندگی میں اس کو طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے نابود کر، نہایت مہمل ہے۔ نہ اس میں کوئی متعین میعاد ہے نہ سبب خاص مرض الموت بیان ہوا، اور ایک کی زندگی میں دوسرے کا فوت ہو جانا قطعاً اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ کاذب تھا اور زندہ صادق ہے۔ بہت سے صادقین گذر چکے ہیں (جیسے آنحضرت ﷺ اور بہت سے انبیاء بنی اسرائیل) جو کاذبوں کی زندگی میں بلکہ بعض صادق، کاذبوں کے ہاتھ سے فوت ہوئے۔ پھر کیا کوئی مسلمان، ان انبیاء کو صادق جاننے والہ، یہ سمجھ سکتا ہے کہ فوت ہو جانے والے کاذب تھے اور زندہ رہنے والے صادق تھے۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ بھی اس بات کو جانتے تھے اور اشاعۃ السنہ کے صفحہ ۱۱۳ تا ۱۲۲ تک ان نظائر کو دیکھ چکے تھے پھر آپ نے موت مخالف کو نشان صداقت خود ٹھہرایا ہے، تو صرف اس خیال سے کہ اشاعۃ السنۃ کو میرے مرید کب دیکھتے ہیں کہ میرے اس دعوی نشان نمائی پر مجھے جھوٹا کریں گے اور اس دعوی کے بعد اگر میں ان مخالفوں کی زندگی میں مرگیا تو میری ٹانگ کو کس نے پکڑنا ہے اور میری لاش کو کس نے ہلا کر کہنا ہے کہ تو کیوں مرگیا؟ اور اگر بحسب اتفاق و بحکم قضا و قدر میرا مخالف ہی کسی مہلک بیماری سے، جو ایک عام و معمولی امر ہے، نہ غیر معمولی و خارق عادت و معجزہ ،تو میری پانچوں گھی میں ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کے متعلق تو آپ کی پیش گوئی نہایت ہی مہمل و مجمل ہے اور اس میں ان کی موت کا کچھ بھی ذکر نہیں۔ اس کے الفاظ صرف یہ ہیں

. خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں اور ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ تو نے وقت نہ پہچانا، نہ دیکھا نہ جانا .

جس کا مطلب دربطن قائل ہے۔ اس واسطے اس پر آپ نے حاشیے چڑھا کر مطلب بتایا ہے جو ریویو آف ریلی جنز ماہ اگست ۱۹۰۶ء اور اشتہار بنگلور میں بیان ہوا ہے۔ مگر پھر بھی مطلب صاف ظاہر نہ ہوا۔ ان میں ان کی موت اور اس کے سبب کی نسبت اتنا بھی ایماء نہیں ہے جیسا کہ موت مولوی ثناء اللہ صاحب کی بابت ہے۔ ان کے فیصلہ کے متعلق جو اشتہار مطبوعہ بنگلور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ

ان کے اعتقاد میں اعتقاد اسلام اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لانا شرط نجات نہیں، اسلام کا منکر اور آنحضرت ﷺ کا دشمن بھی اگر توحید پر قائم ہے، نجات پا سکتا ہے۔

اس کو ڈاکٹر صاحب نے محض دروغ قرار دیا ہے۔ اور اخبار وطن میں مشتہر کر دیا ہے کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا۔ اصل عبارت ڈاکٹر صاحب کی اخبار وطن ۷ امئی ۱۹۰۷ء میں یہ ہے

. میرا یہ خیال ہرگز نہیں۔ میرے وہ الفاظ بتا دیں جن میں ایسا ظاہر کیا ہے۔ بلکہ میں نے تو یہ لکھا تھا کہ جو لوگ عمداً آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں وہ بے شک شقی و جہنمی ہیں۔ مگر جن پر آپ کی تبلیغ نہیں ہوئی ان میں جو خدا پرست اور باعمل ہوں، نجات پا سکتے ہیں۔ جس پر مجھے مرتد کہا گیا۔ اب آپ ہی مرزا صاحب اور مرزائیوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بے خبر کو خدا عذاب نہیں کرتا خواہ وہ مشرک و ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ گویا کہ خدا کا ماننا اور عمل صالحہ تو ارتداد میں شامل ہوئے اور ظلم و شرک نجات میں

(وطن نمبر ۹ جلد ۷ مطبوعہ ۷ امئی ۱۹۰۷ء)۔

اور جو ان (ڈاکٹر صاحب) کی نسبت اسی فیصلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ پیش گوئی کر دی ہے کہ مرزا تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائے گا۔ اگر واقعی انہوں نے یہ بات کہی ہے جو ان سے نقل کی گئی ہے تو اس کی نسبت ہمارا ریویو ہو چکا ہے کہ یہ ان کی اصول اسلام اور حکم الہام سے ناواقفی ہے۔ وہ اپنی خیالی بات اور حدیث النفس کو وحی الٰہی سمجھنے سے غلطی کھا گئے ہیں۔ ایسا ہی اس کہنے میں کہ

. کاذب صادق کے سامنے ہلاک ہوگا.

ان کو دھوکہ لگا ہے۔ مناسب کہ وہ اس دعوی سے رجوع کا اشتہار دیں۔ اور اس قسم کی پیش گوئی کسی کے حق میں نہ کریں۔

ہمارے اس بیان میں جواب خط بھی ادا ہوا اور آپ کے فیصلوں کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اب آپ کی کتاب حقیقۃ الوحی کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ اور اس پر رائے زنی عمل میں آتی ہے۔

حقیقۃ الوحی پر ریویو

(مولانا بٹالوی اپنے مکتوب مفتوح کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں) یہ کتاب (حقیقت الوحی) جس وقت میرے سامنے پیش ہوئی، میں نے اسی وقت قبل از مطالعہ اس کی نسبت خداداد فراست سے (جس کے آپ بھی اپنے خط میں معترف ہوئے ہیں) اور آپ کی مدت العمری حالت پر قیاس کرنے سے یہ رائے ظاہر کر دی تھی (جس کے اظہار سے آپ کے ڈیپوٹیشن کے ایک ممبر اور آپ کے خیالات والہامات کے آرگن الحکم کے اڈیٹر مجھے رو کتے بھی رہے) کہ اس کتاب میں وہی پرانی باتیں ہوں گی جو براہین احمدیہ، ازالہ اوہام. دافع الوساوس، انجام آتھم وغیرہ تصانیف میں پائی جاتی ہیں ۔ اس بات کو دبی زبان سے پریسیڈنٹ ڈیپوٹیشن مولوی محمد احسن نے مان لیا اور یہ کہا تھا کہ . ہاں وہی باتیں . ۔ پھر جب میں نے اس کو پڑھا تو میرا وہ ریویو جو فراست وقیاس سے کیا تھا، صحیح نکلا اور معلوم ہوا کہ اس کتاب کو نئی صورت میں نئے نام سے شائع کرنا صرف ناواقف لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور اس کتاب میں

☆ اکثر وہی اکاذیب، وہی مغالطات، وہی دعاوی فارغہ، وہی دلائل واہیہ ہیں، اور وہی نشانات بعینھا و بالفاظھا مذکور ہیں جو پہلے کتب ورسائل مرزا میں پائے جاتے ہیں

☆ اور کمتر (وہ ہیں) جو دوسری صورت اور دوسرے الفاظ و پیرائے میں وارد کئے ہیں وہ بھی باصلہ و بنظیرہ ان کتابوں میں موجود ہیں اور ان کا جواب بھی اشاعۃ السنہ میں جلد ۱۳ سے ۲۰ تک ادا ہو چکا ہے۔

اس کی مثالیں آپ کے یہ دعوے و بیانات و نشانات ہیں کہ میری دعا یا مباہلہ یا

پیش گوئی یا مخالفت کے اثر سے الٰہی بخش مصنف عصائے موسیٰ ،منشی سعد اللہ لدھیانوی، مولوی عبد المجید دہلوی، مولوی رسل بابا امرتسری، مولوی غلام دستگیر قصوری ،مولوی ابو الحسن سیالکوٹی، مولوی زین العابدین مدرس عربی مدرسہ حمایت اسلام ۔امریکن الیگزینڈر ڈوئی وغیرہ وغیرہ فوت ہوگئے ہیں، اور میں (مرزا) اب تک اپنے دعوی الہام کے ساتھ زندہ ہوں، اور میرے مال دولت اور جماعت میں ترقی ہے ۔میں اس دعوی میں جھوٹا اور مخالف انکار میں سچے ہوتے تو میں ان کے سامنے مرجاتا، وہ میرے سامنے نہ مرتے ۔ان کا جواب اشاعۃ السنہ سنین گذشتہ میں ادا ہو چکا ہے کہ موت وحیات محق و مبطل ہونے کی دلیل نہیں، اور نہ مال و دولت وقلت وکثرت و دنیاوی ترقی وتنزل، بیماری وصحت ،دلیل حقانیت و بطلان ہے ۔اور آپ کی دعا بد یا مخالفت میں کچھ اثر ہے تو بہت سے آپ کے مخالف جو پانی پی پی کر آپ کو کوستے ہیں، اب تک کیوں زندہ اور ہٹے کٹے دندناتے ہیں؟ اور آپ کی دعا خیر میں کچھ اثر ہے تو جن لوگوں سے آپ پانچ سو روپیہ فیس لے کر دعا کر چکے ہیں وہ اس اثر سے اب تک کیوں محروم ہیں؟ اور آپ کے مباہلہ میں کچھ اثر ہے تو صوفی عبدالحق کیوں اب تک زندہ ہیں اور اپنے حال میں خوش و خرم ہیں؟ جن نئے لوگوں کے اس کتاب میں آپ نے نام گن سنائے ہیں ان میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں ہوا جس نے آپ سے مباہلہ کیا ہو۔آپ اور آپکے آرگن ریویو آف ریلی جنز ، الحکم اور البدر، خدا تعالی کا اور مواخذہ واعتراض دنیا کا خوف اٹھا کر، برخلاف واقعہ ان لوگوں کی موت کو آپکے مباہلہ کا اثر ٹھہراتے ہیں۔

اس جواب کی تفصیل اشاعۃ السنہ کی مذکورہ جلدوں میں موجود ہے۔جس کو سبھی جلدیں میسر نہ ہوں وہ صرف جلد ۱۹ کو صفحہ ۱۱۶ سے ۱۳۲ تک اور جلد ۲۰ کو ص ۱۱۲ سے ۱۴۰ تک ملاحظہ کرے ۔جلد ۱۹ کے صفحہ ۱۱۷ میں مرزا صاحب کی اس نیرنگی کو فروخ تیلی سے (جو ایک ہی تیل کو ایک مشکیزہ سے، اس کو مختلف ٹوٹیاں ، لگا کر، نکال دیا کرتا تھا) تشبیہ دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو باتیں اس نے ۱۹۰۰ء میں کہی تھیں، وہی باتیں ۱۸۹۱ء میں کہی تھیں، جن کا جواب اس کو مل چکا ہے ۔اب وہی باتیں ۱۹۰۷ء میں کہی ہیں۔

اس مقام میں ایک تازہ اور گرما گرم نیا جواب بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ ان لوگوں کی موت آپ کی دعاء یا مباہلہ کا اثر ہے، تو اس

سے آپ کے دعوی کے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ مثیل مسیح ہونے کے دعوی میں صادق نہیں، بلکہ آپ جیسا خونی وسفاک تو کسی نبی مصلح (ریفارمر) کا نظیر ومثیل نہیں ہوسکتا۔ نبی تو خیر خواہ دشمناں ہوتے ہیں، دشمن ان کو مارتے تو وہ ان کے لئے دعا کرتے۔ایک نبی کو قوم نے ایسا مارا کہ وہ خون آلودہ ہو گئے ۔آپ چہرہ سے خون پونچھتے اور یہ دعا مانگتے اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون ۔

ہمارے مولی وسید خاتم الرسل مکہ والوں سے مایوس ہو کر طائف پہنچے ۔ جب طائف گئے کفار فجار اور وہاں کے سفہاء بدکردار نے آپ کو ہنسی میں اوڑا کر دیوار میں دھکیل کر طائف سے نکال دیا تو آپ کو اس غم والم سے مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر غم سے ہوش وافاقہ ہوا تو آپ کی تسلی ودل جوئی کیلئے خدا نے حضرت اسرافیل کے ساتھ ایک فرشتہ ملک الجبال کو بھیجا، انہوں نے خدا تعالی کا سلام فرخندہ انجام ،فرحت وعزت التیام پہنچا کر عرض کیا کہ آپ کی تنگی دل، وغم والم کو دیکھ کر خدا تعالی نے ملک الجبال کو بھیجا ہے،آپ حکم دیں تو یہ جبل بوقبیس اور اس کے ساتھ والہ پہاڑ زمین سے اکھاڑ کر ان کے سروں پر رکھ کر ان کو کچل ڈالے۔اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا یا رب ۔ اے خدا میں ایسا نہیں چاہتا۔ان لوگوں میں کوئی تو ایسا بھی نکلے گا جو لا اله الا الله کہے گا اور تیری عبادت کرے گا۔

اور حضرت مسیح تو ایسے رحم مجسم تھے کہ وہ فوت ہو جانے کے بعد روز قیامت بھی اپنے مخالفوں کے لئے، جنہوں نے ان کی دعوت ونصیحت کے مخالف ہو کر ان کی پرستش کی ہے، دعا مغفرت ہی کریں گے۔اور یہ کہیں گے

ان تعذ بھم فانھم عباد ك و ان تغفر لھم فا نک انت العزیز الحکیم

یعنی اے خدا تعالی اگر تو میری نصیحت کی مخالفت کرنے والوں کو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف ہی کر دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافروں، نافرمانبرداروں کے لئے دعاء مغفرت کی تھی ۔ رب انھم اضللن کثیراً من ... فمن تبعنی فا نه منی و من عصانی فا نک غفور رحیم ۔

حضرت موسی اور حضرت نوح نے اپنے سرکش مخالفین کے لئے بد دعا کی تھی تو وہ

ایک مدت دراز کے بعد، جب ان کو ان کی ہدایت سے ناامیدی ہوگئی تھی اور خدا تعالی کی طرف سے وحی ہو چکی تھی کہ اب وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

واوحی الی نوح انہ لن یؤمن من قومک الا من قد آمن ۔(ہود۔ع ۴)

پہلے تو وہ حضرات بھی قوم کو مدتوں وعظ کرتے رہے اور ان کی سختیاں سہارتے رہے اور گالیاں بدگوئیاں سنتے رہے۔ آپ (مرزا) نے تو نبوت کا چارج (عہدہ) لیتے ہی، پہلے ہی صحیفہ آسمانی کے نازل ہوتے ہی، اپنی قوم، جن کی ہدایت کے واسطے آپ مبعوث ہوئے تھے، کو کوسنا اور مارنا شروع کر دیا تھا۔ پھر آپ مثیل مسیح کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ یا کسی نبی اور مصلح کے مماثل کیونکر بن سکتے ہیں؟ اگر صرف نام کے مسیح ہونے کا دعوی ہے تو اس نام کے مسیح کے ساتھ لفظ خونی بڑھا دینا اور خونی مسیح کہلانا مناسب ہے کیونکہ جو کوئی آپ کا مخالف ہو اس کے مارنے کو اپنی تبلیغ رسالت اور اس کے اظہار مخالفت سے پہلے ہی اس کو مارنے کے ہتھیار، بددعائیں اور منذر الہام خدا کی طرف سے، آپ ساتھ لائے ہیں۔ پھر جو شخص سینکڑوں مخالفوں سے مرجاتا ہے، اس کو اپنے ہی الہام، دعا کا اثر اور اپنی کرامت، آسمانی نشان قرار دیتے ہیں اور جو مخالفوں سے ہنوز زندہ ہیں ان کو منذر الہامات اور انذاری پیش گوئیوں کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ لہذا لقب مسیح بلا اضافہ لفظ خونی آپ کی قہاری شان کے شایان نہیں۔

او مائی اولڈ فرینڈ۔ آپ کے اس قسم کے الہامات اہل عقل کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ ان سے کس کو ڈراتے ہیں۔ آپ کی ان خونریزیوں اور خون ریزی کی دھمکیوں کے متعلق ایک اور یہ بات بھی آپ کی توجہ و انصاف کے (آپ نہ کریں تو دیگر اہل عقل و اہل انصاف کی توجہ کے) لائق ہے کہ آپ کے دعوی الہام و مسیحائیت وغیرہ کے منکر و مخالف سارے جہان میں سبھی لوگ تو ایسے نہیں جو دیدہ دانستہ، جحوداً و عناداً انکار کرتے ہوں۔ بلکہ ان میں بہت ایسے بھی ہوں گے جو آپ کے دعاوی و الہامات کو صحیح نہ سمجھنے اور ان پر احاطہ علمی نہ کرنے کی وجہ سے ان سے منکر ہوں گے۔ انہیں لوگوں سے آپ نے اس خاکسار کو شمار کیا، چنانچہ اس خط ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں مجھ پر اسی نیک گمانی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور میں حلفاً کہتا ہوں اور جس قسم کی حلف اور جس وقت جس دن جس مقام میں آپ چاہیں، میں اٹھانے کو تیار ہوں، کہ میں نے ابتداء

سے آج تک آپ کا مقابلہ ومعارضہ جحوداً و عناداً نہیں کیا، بلکہ آپ کے دعاوی جدیدہ اوران کے دلائل مزخرفہ کو، جس کا شروع رسالہ فتح اسلام سے ہوا ہے، اصول و عقائد اسلام کے مخالف سمجھ کران سے انکار کیا ہے۔

پھرایسے لوگوں کے جواب میں، جب وہ آپ سے آپ کے دعاوی کی دلیل اور آپ کے الہامات کا ثبوت طلب کریں، آپ کا یہ کہنا کہ تم میرے الہامات کونہیں مانتے ، افتراء سمجھتے ہوتو تم قسم کھاؤ اور مباہلہ کرو، پھرتم ایک سال تک ہلاک کئے جاؤ گے، مدعی مماثلت حضرت مسیح یا کسی سچے ملہم اور ہادی کے لئے کب جائز ومناسب ہے؟ وہ ہلاک ہوگئے تو آپ سے ہدایت کون پائیں گے اور آپ کی بعثت اور نبوت کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ ایسے لوگوں غیر معاندوں اور طالبان حق کوتو بحث و دلائل سے اپنے دعاوی سمجھانے مناسب ہیں اور اگر آپ میں روحانی اور برقی طاقت ہے تو ان کی ہدایت روحانی برقی طاقت کی دعائے سحری سے مناسب ہے، نہ خون ریزی اورخون ریزی کی دھمکیوں سے۔

آپ کو مناسب تھا کہ ہماری باتوں اور سوالات کا جواب دیتے، نہ یہ کہ بلاجواب پرانی باتوں پر اکتفا کرتے۔ گزشتہ راصلوۃ، آپ آئندہ ہی مردمیدان بنیں اور جن پیش گوئیوں ونشانات کی تعداد آپ کبھی تین ہزار، کبھی تین لاکھ بتاتے ہیں، ان میں سے صرف تین جو بہت مشہور ہیں

۱۔تولید الہامی فرزند۔

۲۔نکاح زوجہ آسمانی۔

۳۔موت آتھم یالیکھرام یا شوہر ثانی زوجہ آسمانی۔

یا ان میں سے صرف ایک جس پر زیادہ یقین واعتماد ہو، پرتحریری یا تقریری بحث کر کے ان کا صادق ہونا ثابت کردیں۔

اگر آپ نے اس ایک یا تین کا من جانب اللہ ہونا اور کلام الٰہی سے اپنا مخاطب اور خدا تعالی کا متکلم ہونا ثابت نہ کیا تو اس پر باقی تین ہزار یا تین لاکھ کا قیاس کر کے ان کا کان لم یکن ہونا آپ کوتسلیم کرنا پڑے گا۔ اوراگر ان تینوں کا من جانب اللہ ہونا آپ نے ثابت کردیا تو پھر باقی تین ہزار یا تین لاکھ میں ایک ایک کر

کے بحث ومباحثہ کرنا پڑے گا۔ یہاں تک کہ جملہ پیش گوئیوں اور نشانات کا من جانب اللہ ہونا آپ ثابت کردیں۔ کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک مسلّم ومقرر ہے کہ کسی سچے نبی یا ملہم کی، جو ہزاروں لاکھوں پیش گوئیوں کے من جانب اللہ ہونے کا دعوی کرے، کوئی ایک پیش گوئی جھوٹی نکلے تو وہ دعوی نبوت میں جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کی نبوت کا بالکل اعتبار نہ رہے گا۔

مگر مشکل اور سخت مصیبت تو یہ ہے کہ زمانہ تالیف کتاب دافع الوساوس سے یہ الہام اس میں درج کر کے یا علی دعهم و زرا عتهم و انصارهم یعنی اے علی (اپنی ذات اقدس کو مراد بتاتے ہیں) ان کی کھیتی اور مددگاروں کو (یعنی مولویوں اور ان کے مباحث کو) چھوڑ دے، مباحثہ کا دروازہ بند کر دیا ہے (گو یہ بند کرنا صرف زبانی اور تقریری بحث میں ہے۔تحریری بحث تو آپ کو بند نہیں ہوئی۔ اپنی اس کتاب حقیقۃ الوحی کو دیکھیں، تحریری بحث ہی پر مشتمل ہے) اور زمانہ قدیم سے اپنے دعاوی کے ثبوت کے لئے آپ نے اسی ایک دلیل کو پناہ یا ہتھیار بنا رکھا ہے کہ

. میرے نشانات کی نسبت قسم یا مباہلہ سے کہو کہ خدا کا کلام نہیں، محض افتراء ہے تو پھر ایک سال کے اندر ہلاک ہو .

اس صورت میں فرمایئے آپ کے دعاوی کی صداقت آپ کے ان مخالفوں و منکروں پر جو معاند نہیں، کیوں کر ثابت و متحقق ہو۔

حسبۃً للہ و نصحاً لخلق اللہ آپ اس سوال کا جواب ضرور دیں۔ آپ نہ دے سکیں تو اپنی امت کے حکیم مولوی نور الدین صاحب، یا اپنے وکیل بالخصومۃ و مناظر مولوی محمد احسن صاحب سے جواب دلوائیں۔

ایک واجب العرض گذارش یہ ہے کہ آپ کے غیر معاند خصوم سے آپ کے اس سوال کا کہ

میرے الہامات کو خدا کی طرف سے نہیں مانتے تو اس کے افتراء علی اللہ ہونے پر قسم کھاؤ اور موت کی سزا پاؤ .

بے محل ونامناسب ہونا تو بیان ہو ہی چکا ہے۔ رہے وہ منکر ومخالف جو جحوداً و عناداً آپ کے دعاوی کو حق جان کر اور آپ کے الہامات کو من جانب اللہ مان کر

ان سے انکار کرتے ہیں اور وہ ان فرعونی لوگوں کی مانند ہیں جن کے حق میں قرآن میں فرمایا ہے کہ

و جحدوا بها و استیقنتها انفسهم ظلماً و علواً۔ انہوں نے روشن نشانی لاٹھی کا سانپ بن جانے کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کر کے عناداً و جحوداً اس سے انکار کیا تھا۔ ان کی نسبت بھی اگر آپ مسیح علیہ السلام کی مثیل ہیں، قسم کھا کر ہلاک ہو جانے کو نشان نہ بنائیں بلکہ ان کے لئے بھی وہی دعا کریں کہ خدا ان کا عناد و جحود دور کرے اور ان کو آپ کا مطیع کر دے۔

ان دونوں فریق کی نسبت یہ گذارش بھی بطور سفارش واجب العرض ہے کہ جو شخص آپ کے الہامات کو من جانب اللہ نہ مانے، محقق ہو معاند، اس کو یہ لازم نہیں کہ وہ آپ کو مفتری علی اللہ ہی قرار دے۔ کیا یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آپ کے مقالات والہامات کی نسبت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ آپ کے دل و دماغ کے خیالات ہیں اور از قسم حدیث النفس۔ مگر چونکہ آپ ظاہراً درسی علوم سے امی ہیں اور فقراء اہل اللہ کی صحبت و ارشاد سے بھی محروم رہے ہیں۔ اور ان کے حالات متعلقات کشف والہام سن سنا کر یا کتب میں دیکھ کر اس قسم کے بلکہ اس سے بڑھ کر آپ کے دل میں اور آپ کے دماغ میں پیدا ہوئے ہیں، ان کو آپ الہامات سمجھ لیتے ہیں۔ پس جس شخص کا آپ کی نسبت یہ خیال ہو، وہ آپ کے مقالات والہامات کو خدا کی طرف سے نہ مانے تو پھر اس کو عمداً افتراء علی اللہ بھی کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ لہذا اس سوال کو آپ حل کریں۔

یہ آپ کی کتاب حقیقۃ الوحی پر خاکسار کا مختصر ریویو ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ آپ کے قدیمہ مغالطات کا مجموعہ ہے گو **فروخ تیلی** کی طرح آپ نے اس کو بصورت دیگر پیش کیا ہے۔

الراقم۔ **محمد حسین**

کھوٹہ سکہ

تحریک ختم نبوت کے ایک کارکن شاہ محمد ہادی عطا سلونی رائے بریلوی لکھتے ہیں

مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد کے ہیرو سید احمد شہید کی سیرت شائع ہوئی تو جون ۱۹۴۰ء کے ریویو آف ریلیجز قادیان کے اڈیٹر نے لکھا

آپ (سید احمد بریلوی) آنحضرت ﷺ کے اس ظل کامل کے ارہاص تھے جس کو مسیح اور مہدی کا نام پا کر چودھویں صدی میں اسلام کو از سر نو زندہ کرنا تھا۔ جس طرح حضرت یحیٰ، حضرت مسیح کا راستہ صاف کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، سید احمد رائے بریلی نے احمد قادیانی کا راستہ صاف کیا ......(سید احمد نے) اس حیات مستعار کے ۴۵ سالوں میں صدیوں کا کام کیا۔ شائد اس لئے کہ اللہ تعالی مستقبل قریب ہی میں ایک عظیم الشان کے ذریعہ ایک نئے نظام عالم کے قیام کا ارادہ فرما چکا تھا۔ آپ کی تحریک کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن اس مصلح اعظم کے راستہ کو صاف کرنے کا کام باحسن وجوہ آپ سرانجام دے گئے۔

ان الفاظ کے پڑھنے کے بعد مجھے یہ راز معلوم ہوا کہ کیوں اس رسالہ (ریویو قادیان) میں اس کتاب پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ساون کے اندھے کو ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ ہمارے مخاطب کو ہر جگہ مرزا صاحب کی میسیحیت کا کرشمہ دکھائی دیتا ہے اور ان کا جلوہ نظر آتا ہے۔.....(لیکن) جن لوگوں نے سید صاحب کی سیرت پڑھی ہے اور جو ان کے حالات سے ذرا بھی واقف ہیں، وہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کس قدر صریح کذب اور بہتان ہے اللہ اکبر، سید صاحب کی ذات گرامی اور وہ مرزا صاحب کی مقدمۃ الجیش ؟

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ایک شخص کو دوسرے شخص کا مقدمۃ الجیش کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلا شخص دوسرے کے مطالب و مقاصد کا خاکہ پیش کرتا ہے اور اس کی آمد کی اطلاع دے کر اس کا

راستہ ہموار کرتا ہے۔

حضرت ذکریا کو خطاب کر کے حضرت یحی کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ

ان اللہ یبشرك بیحی مصدقاً بکلمۃ من اللہ ۔(آل عمران) ۔ بے شک اللہ تجھے یحی کی بشارت دیتا ہے جو تصدیق کرنے والہ ہے اللہ کے کلمہ (مسیح) کی۔

اسی طرح حضرت عیسی نے فرمایا

انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ و مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد۔(صف۔ع۱) بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں تورات کی اور خوش خبری دیتا ہوں اپنے بعد ایک رسول کے آنے کی جس کا نام احمد ہوگا۔

ان آیتوں کے نقل کرنے سے میرا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ بزرگ ہستی جسکے پہلے کوئی ہستی اس کے مقدمۃ الجیش کی صورت میں ہوتی ہے تو وہ ضرور اس کے متعلق پیشگوئی کرتی ہے اور اس عظیم الشان ہستی کے آنیکی خبر مخلوق کو دیتی ہے جو اس کے بعد آنیوالی ہے۔ لیکن پوری سیرت سید احمد پڑھ ڈالئے کہیں پر آپکو یہ نہ ملے گا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کچھ بھی جناب مرزا قادیانی کے متعلق فرمایا ہو۔ سید صاحب کے ایک دو نہیں، لاکھوں مرید تھے، کیا کسی نے ان سے کبھی مرزا صاحب کے بارے میں کوئی بات نقل کی؟

.....سید صاحب کی تحریک نے مذہبی علمی اخلاقی سیاسی اور معاشرتی، غرض ہر قسم کا فائدہ پہنچایا ہے مگر مرزا صاحب کی تحریک پر نظر ڈالئے تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اس عقیدہ کے جو مرزا صاحب سے مخصوص ہے (یعنی ختم نبوت کا مسئلہ) دوسرے تمام عقائد میں بڑا فرق ہے۔ ختم نبوت کا مسئلہ ایک مستقل بحث ہے اس کو چھوڑ کر ضمنی اور سرسری طور پر دیکھئے کہ سید صاحب اور مرزا صاحب میں کیا نسبت ہے؟ سید صاحب کی زندگی کا مقصد، ان کی ہستی کا خلاصہ اور ان کے وجود کی غرض و غائت جہاد تھی۔ یہاں (مرزا کے ہاں) جہاد سرے سے مفقود بلکہ منسوخ ہے۔ سید صاحب نے جہاد کرتے کرتے اپنی جان تک قربان کی، یہاں عمر بھر عیش میں گذری اور جہاد ایک بغاوت متصور ہوتا رہا۔ جو جد و جہد سید صاحب نے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے کی اس کا عشر عشیر بھی اس . ظل کامل . نے انجام دیا؟ جس کا ارہاص سید احمد صاحب کو کہا گیا ہے

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

سید صاحب نے مسلمانوں کو ۔ احساس زیاں ۔ دلا کران کا لہو گرما دیا اور فقر کی سان چڑھا کرانہیں تلوار کر دیا۔ بھلا ان کو اس ذات سے کیا نسبت ہوسکتی ہے جسکی امامت ملت بیضا کے لئے فتنہ ہو اور مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرنے کی کوشش کرے۔

اس بعد المشرقین کے ہوتے ہوئے اڈیٹر ریویو کو کچھ زیب نہیں دیتا کہ وہ یہ الفاظ لکھیں کہ سید احمد بریلوی نے احمد قادیانی کا راستہ صاف کیا۔

سید صاحب سے مرزا صاحب کو کوئی نسبت ہی نہیں، اگر ہے تو نسبت تبائن ہے، ان کا ہر خادم اسلام کا سپاہی اور مذہب کی عزت کا حامل تھا۔ ان کے ہر مرید نے مسلمانوں کی اصلاح میں بہت بڑا کام کیا ہے، جہاں جہاں بھی ان کے مریدوں کے قدم پہنچے وہاں دین داری تقوی اور پرہیزگاری پھیل گئی۔ انہیں بزرگوں کا فیض ہے کہ آج سو برس کے بعد بھی خدا کی عنائت سے مسلمانوں میں اتنا احساس اور اتنی دین داری موجود ہے کہ قادیانیت اپنی پوری طاقت صرف کر دینے کے باوجود بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوسکی اور غالباً جب تک جہاں جہاں بھی سید صاحب اور دوسرے بزرگان دین کے فیض کا چشمہ جاری رہے گا، مرزائیت اور بے دینی کی وبا آسانی سے نہ پھیل سکے گی۔

(مولانا ثناء اللہ صاحب نے اس پر نوٹ لکھا ہے کہ مدیر اہل حدیث مع عملہ دفتر سید احمد صاحب مرحوم کے خادموں میں سے ایک خادم ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرزا صاحب کو شکست فاش ہوئی تھی جس کا سارا ملک گواہ ہے)۔ (اہل حدیث ۲۔ اگست ۱۹۴۰ء ص ۶ تا ۸ ملخصاً)

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس شخص کو مرزا صاحب کا ارہاص قرار دیا گیا، اس کی تحریک کو ناکام بنانے والوں میں مرزا صاحب کے آباء بھی شامل تھے۔ سید احمد ہزارہ میں سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور مرزا کے آباء سکھوں کی فوج میں شامل ہو کر مجاہدین سے لڑتے رہے۔ جیسا کہ عبدالقادر قادیانی نے لکھا ہے۔

. مرزا عطا محمد آخر کار اپنی تمام جاگیر کھو کر سردار فتح سنگھ اہلو والیہ کی پناہ میں چلا گیا اور بارہ سال تک امن وامان کی زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے .... غلام مرتضی کو قادیان واپس بلالیا اور اس کی جدی جاگیر کا بڑا حصہ اسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضی اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں شامل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور

دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔ نونہال سنگھ، شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضی ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں..... الحاق کے موقع پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہوگئی۔ مگر سات سو روپئہ کی ایک پنشن غلام مرتضی اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے ۱۸۵۷ء کے دوران بہت اچھی خدمات کیں غلام مرتضی نے بہت سے آدمی بھرتی کیئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر موصوف نے تریموگھاٹ پر نمبر ۴۶ نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے، تہہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان، ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔ (حیاۃ طیبہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۷)

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد بریلوی، مرزا غلام احمد کے ارہاص نہیں تھے بلکہ مرزا صاحب کے ارہاص خود انہی کے اجداد تھے جنہوں نے سکھوں کے زیر کمان فوج میں شامل ہوکر ۱۸۳۱ء میں سید احمد بریلوی کو شہید کر کے داخل جنت کر دیا کہ جب تک یہ کھرا سید موجود ہے ہمارے کھوٹے سکے کو کون ہاتھ لگائے گا

(مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب (یعنی مرزا غلام مرتضی) نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ اور میں اس وقت آپ ﷺ کی پیشوائی کے لئے دوڑا۔ جب قریب پہنچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیے۔ یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف ایک روپئہ تھا۔ اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پر آب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی۔

(کتاب البریہ۔ ص ۱۹۱ حاشیہ)

ذوالقرنین

مرزا صاحب اپنے آپ کو ذوالقرنین بھی سمجھتے تھے ۔ فرماتے ہیں

. مجھ سے ایک صاحب حکیم مرزا محمود ایرانی (بہائی مذہب کے مشنری) نے آج ۲ ستمبر ۱۹۰۲ء کو بذریعہ ایک خط کے دریافت کیا ہے کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں

فوجدها تغرب فی عین حمئۃ

پس واضح ہو کہ یہ آیت قرآنی بہت سے اسرار اپنے اندر رکھتی ہے جس کا احاطہ نہیں ہوسکتا اور جس کے ظاہر کے نیچے ایک باطن بھی ہے ۔لیکن وہ معنی جو خدا نے مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ آیت مع اپنے سابق اور لاحق کے مسیح موعود کے لئے ایک پیش گوئی ہے اور اس کے وقت ظہور کو مشخص کرتی ہے ۔اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسیح موعود بھی ذوالقرنین ہے کیونکہ عربی زبان میں صدی کو قرن کہتے ہیں ۔ اور آیت قرآنی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وعدہ کا مسیح جو کسی وقت ظاہر ہوگا اس کی پیدائش اور اس کا ظاہر ہونا دو صدیوں پر مشتمل ہوگا چنانچہ میرا وجود اسی طرح پر ہے ۔میرے وجود نے مشہور و معروف صدیوں میں خواہ ہجری ہو خواہ مسیحی خواہ بکرماجیتی اس طور پر اپنا ظہور کیا ہے کہ ہر جگہ دو صدیوں پر مشتمل ہے صرف کسی ایک صدی تک میری پیدائش اور ظہور ختم نہیں ہوئے ۔غرض جہاں تک مجھے علم ہے میری پیدائش اور میرا ظہور ہر ایک مذہب کی صدی میں صرف ایک صدی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دو صدیوں میں اپنا قدم رکھتا ہے ۔پس ان معنوں سے میں ذوالقرنین ہوں ۔ چنانچہ بعض احادیث میں بھی مسیح موعود کا نام ذوالقرنین آیا ہے ۔ان حدیثوں میں بھی ذو القرنین کے یہی معنی ہیں جو میں نے بیان کئے ۔ اب باقی آیت کے معنی پیش گوئی کے لحاظ سے یہ ہیں کہ دنیا کی دو قومیں بڑی ہیں جن کو مسیح موعود کی بشارت دی گئی ہے ۔اور مسیحی دعوت کے لئے پہلے انہیں حق ٹھہرایا گیا ہے ۔سو خدا تعالی ایک استعارے کے رنگ میں اس جگہ

فرماتا ہے کہ مسیح موعود، جو ذوالقرنین ہے، اپنی سیر میں دوقوموں کو پائے گا۔ ایک قوم کو دیکھے گا کہ وہ تاریکی میں ایک ایسے بدبودار چشمے پر بیٹھی ہے کہ جس کا پانی پینے کے لائق نہیں اوراس میں سخت بدبودار کیچڑ ہے اوراس قدر ہے کہ اب اس کو پانی نہیں کہہ سکتے۔ یہ عیسائی قوم ہے جوتاریکی میں ہے جنہوں نے مسیحی چشمہ کواپنی غلطیوں سے بدبودار کیچڑ میں ملا دیا ہے۔ دوسری سیر میں مسیح موعود نے، جوذوالقرنین ہے، ان لوگوں کودیکھا جوآفتاب کی جلتی دھوپ میں بیٹھے ہیں اورآفتاب کی دھوپ اوران میں کوئی اوٹ نہیں۔ اورآفتاب سے انہوں نے کوئی روشنی تو حاصل نہیں کی اورصرف یہ حصہ ملا ہے کہ ان سے بدن ان کے جل رہے ہیں اوراوپر کی جلد سیاہ ہوگئی ہے۔ اس قوم سے مراد مسلمان ہیں جوآفتاب کے سامنے توہیں گوبجز جلنے کے اور کچھ ان کو فائدہ نہیں ہوا۔ یعنی ان کوتوحید کا آفتاب دیا گیا مگر بجز جلنے کے انہوں نے کوئی حقیقی روشنی حاصل نہیں کی۔ یعنی دین داری کی سچی خوبصورتی اور سچے اخلاق وہ کھو بیٹھے اورتعصب اورکینہ اوراشتعال طبع اور درندگی کے چلن ان کے حصہ میں آگئے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالی اس پیرایہ میں فرماتا ہے کہ ایسے وقت میں مسیح موعود، جوذوالقرنین ہے، آئے گا جب کہ عیسائی تاریکی میں ہوں گے اوران کے حصہ میں صرف ایک بدبودار کیچڑ ہوگا جس کوعربی میں حمأ کہتے ہیں۔ اورمسلمانوں کے ہاتھ صرف خشک توحید ہوگی جو تعصب اور درندگی کی دھوپ سے جلے ہوں گے۔ اورکوئی روحانیت صاف نہیں ہوگی اور پھر مسیح، جوذوالقرنین ہے، ایک تیسری قوم کو پائیں گے جو یاجوج ماجوج کے ہاتھ سے بہت تنگ ہوگی اور وہ لوگ بہت دین دار ہوں گے اوران کی طبیعتیں سعادت مند ہو ں گی (یہ کہاں سے ثابت ہے کہ مرزائی انگریزوں یعنی یاجوج ماجوج کی سلطنت سے تنگ تھے؟ یا ان لوگوں کوانگریز تنگ کررہے تھے؟ کہ انہیں مرزا نے آکر بچالیا۔ مولوی محمد احسن وغیرہ تو انگریزوں کے ملازم تھے اورمزے میں تھے۔ بہاء) اور وہ ذوالقرنین سے، جومسیح موعود ہے، مدد طلب کریں گے تا یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچ جائیں۔ اوروہ ان کے لئے سد روشن بنادے گا۔ یعنی ایسے پختہ دلائل اسلام کی تائید میں ان کوتعلیم دے گا۔ یاجوج ماجوج کے حملوں کوقطعی طور پرروک دے گا (عیسائیوں کا کام تو اب بھی جاری ہے۔ قطعی کا کیا مطلب؟ بہاء) اوران کے آنسو پونچھے گا۔ اور ہر ایک طور سے ان کی مدد کرے گا اوران کے ساتھ

ہوگا (یعنی جماعت پہلے سے موجود تھی، مرزا صاحب بعد میں آئے۔ یہ گھوڑے کے آگے گاڑی کو باندھا گیا ہے۔ بہا) یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو مجھے قبول کرتے ہیں۔ یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے اور اس میں صریح طور پر میرے ظہور اور میرے وقت اور میری جماعت کی خبر دی گئی ہے۔ پس مبارک وہ جوان پیش گوئیوں کو غور سے پڑھے... راقم میرزا غلام قادیانی .(لیکچر لاہور۔خزائن ج ۲۰ ص ۱۹۹۔۲۰۰ حاشیہ۔لیکچر کا صفحہ ۵۳۔۵۴)

مرزا صاحب کے ذوالقرنین ہونے کا ذکر حکیم نوردین قادیانی نے اپنے رسالہ نورالدین میں بھی کیا ہے اور لکھا ہے

.ذوالقرنین کے معنی ہیں دوصدیوں والہ۔ اور مرزا صاحب نے اس مروجہ سن کی دوصدیاں پائیں ۔مثلاً آپ انیسویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے اور بیسویں صدی عیسوی میں فوت ہوگئے۔ اسی طرح تیرھویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور چودھویں صدی ہجری میں فوت ہوگئے۔ اسی طرح ہندی سن کی دوصدیاں پائیں

مولانا ثناءاللہ امرت سری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

باقی رہا ذولقرنین کی حکومت اور یاجوج ماجوج کی روک تھام، سو اس کا کیا ذکر؟ سب کچھ نصیب اعداء ہے۔ یاجوج ماجوج بقول مرزا صاحب، انگریز وغیرہ یورپی اقوام ہیں (حمامۃ البشری) ان کی تو حکومت ہی میں مرزا صاحب نے پرورش پائی، بلکہ بقول خود اسی یاجوجی حکومت کے لئے تعویذ تھے۔ (نورالحق حصہ دوم ص ۳۲۔۳۳)۔ حیرت ہے کہ یہ (مرزائی) لوگ دنیا کو اتنا بےسمجھ سمجھتے ہیں یا خود بے سمجھ ہیں۔کہاں ذوالقرنین کی شاندار حکومت اور یاجوج ماجوج کی روک تھام کے لئے سد سکندری جیسی عالیشان دیوار۔اور کہاں یاجوج ماجوج کی غلامی؟

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا (اہل حدیث امرتسر ۱۶۔اگست ۱۹۴۰ء ص ۷)

مرزا صاحب اور حکیم نوردین کی منطق کے مطابق وہ ہزاروں لوگ جو ۱۸۴۰ء کے گردوپیش پیدا ہوئے اور ۱۹۱۰ء کے گردوپیش فوت ہوئے، ذولقرنین ہیں کہ انہوں نے سن عیسوی، سن ہجری اور سن بکرمی کی دوصدیاں پائی ہیں، مرزا صاحب کی اس باب میں کیا تخصیص ہوئی؟

بے ادب

حکومت وقت کے ساتھ مرزا صاحب کا طرز عمل ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے اگر چہ اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ وہ حکومت وقت کے تابعدار تھے لیکن ان کے متبعین کا کہنا ہے کہ وہ تابعدار، وفادار تھے تو کیا ہوا؟ دوسرے بھی تو ایسے ہی تھے ۔ یعنی وہ اعور تھے تو کیا ہوا؟ ان کے ہم عصروں میں بھی یک چشم موجود تھے ۔ وہ ناقص العقل تھے تو ان کے ہم عصروں میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی ۔ جلال الدین شمس نے قادیانی خزائن کے مقدمے میں مرزائی علم الکلام کے ایسے ہی موتی بکھیرتے ہوئے مسلمانوں کے اکابرین کا تذکرہ کیا ہے کہ دیکھو وہ بھی حکومت کے حامی ، اور وفادار تھے ۔اس لئے مرزا صاحب ایسے تھے تو کون سا جرم ہے ۔ وہ کہتے ہیں سرسید احمد خان وغیرہ حکومت وقت کے وفادار تھے، اس لئے اگر مرزا صاحب وفادار تھے تو کیا غلط تھا؟

بھلے آدمی ، سرسید احمد وغیرہ کو مسیح اور نبی ہونے کا دعوی نہ تھا ۔ وہ لوگ ایک غلام ملک کے محکوم باشندے، اور خدا کے عاجز بندے تھے ۔ انہیں کشف و کرامات، اور روحانی نشانات کے دعاوی بھی نہ تھے ۔ وہ نہ نبی تھے ، نہ رسول ، نہ مہدی اور مسیح ۔ جب کہ مرزا صاحب کے دعاوی کی نظیر عالم اسلام تو کیا پوری دنیا میں نہیں ملتی ۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے اور اکیلے ،سوا لاکھ سے بھی زیادہ تھے ۔ وہ ظلی اور بروزی محمد تھے اور عین محمد بھی ۔ وہ مہدی بھی تھے ۔ وہ نبی اور رسول بھی تھے ۔ وہ ہندوؤں کے کرشن بھی تھے ۔ (جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے ۔ آریوں کا بادشاہ ۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵ ۔ خزائن ج ۲۲ ص ۵۲۱-۵۲۲ ۔ تذکرہ ص ۳۱۲) اور سکھوں کے مہاراج بھی ۔ وہ ذوالقرنین بھی تھے اور ابراہیم بھی وہ موسی بھی تھے ، اور ہواؤں پر حکومت کرنے والے سلیمان بھی اور لوہے کو موم کرنیوالے داؤد بھی ۔ وہ آدم بھی تھے اور نوح بھی ۔ وہ خدا کے بیٹے بھی تھے اور باپ بھی ۔ اور خود

خدا اور خدا کی بیوی بھی ۔ مرزائیوں کا ایسے شخص کے ساتھ اس کے ہم عصروں کا مقابلہ کرنا اس کی توہین اور اس کے مقام سے ناواقفیت کی دلیل ہے ۔ مرزا صاحب تو کن فیکون کے مالک تھے ۔ ان کے اشارہ ابرو سے مبرم تقدیریں بدلتی تھیں (جیسا کہ ۲۰ فروری ۱۹۰۵ء کو مرزا صاحب کو الہام ہوا ۔ انما امرك اذا اراد شیئاً ان تقول له کن فیکون ۔ بدر ۵ مارچ ۱۹۰۵ء ص ۲ ۔ الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۵ء ص ۱۲ ۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتا ہے ۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ ۔ خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۸، تذکرہ ص ۴۴۳ ۔ اور ایک الہام ہے یحمدك الله و یمشی الیک خدا تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے ۔ تذکرہ ص ۶۳ اور ایک الہام ہے حجۃ اللہ القادر و سلطان احمد مختار ۔ براہین ج ۴ ص ۵۱۵ ۔ ۵۱۶ ۔ خزائن ج اول ۔ ص ۶۱۵ ۔ تذکرہ ص ۸۸) ایسے شخص کو تو صاحب حکومت ہونا چاہیے تھا، نہ کہ تحصیلداروں اور مجسٹریٹوں کے حکم کا پابند۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح ان کے اجداد اپنے دور کی حکومتوں کے کاسہ لیس اور چاپلوس اور نمک خوار رہے، اسی طرح مرزا صاحب اپنے دور حکومت کے افسروں کی چاپلوسی کرتے رہے ۔ ایک ہندو مجسٹریٹ کے سامنے گھنٹوں مئودبانہ کھڑے رہے، ایک انگریز مجسٹریٹ نے آنکھیں دکھائیں تو بولتی بند ہوگئی ۔ ایک مسلمان تحصیل دار نے قادیان میں تحقیقات کی غرض سے ڈیرہ لگایا تو اپنی آمدنی و اخراجات کے رجسٹر کھول کر اس کے سامنے رکھ دیئے ۔ اور آپ نے یہ کام حکومت کے ایسے معمولی کارندوں کے سامنے کئے جنہیں ساری عمر وائسرائے کے حضور مئودبانہ حاضری کا موقع بھی نہ ملا ہوگا۔

مرزا صاحب منافق تھے ۔ جس تھالی میں کھاتے اسی میں سوراخ نکالتے اور جس سے فیض یاب ہوتے اسی کی جڑیں کاٹتے تھے ۔ وہ علمی طور پر سرسید احمد کے شاگرد تھے لیکن سرسید ہی کو بے نصیب کہتے تھے ۔ وہ سید عبداللہ غزنوی (ف ۔ ۱۵ فروری ۱۸۸۱ء) کے مرید تھے ۔ لیکن بے ادب ہونے کی وجہ سے انہی کو ان کی مسند سے اتارنے کے خواہش مند تھے (جیسا کہ وہ خود اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ مجھے (اندازاً ۱۸۷۸ء میں) گورداسپور میں ایک رئیا ہوا کہ میں ایک چارپائی پر بیٹھا ہوں اور اسی چارپائی پر بائیں طرف مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم بیٹھے ہیں ۔ اتنے میں میرے دل میں تحریک ہوئی کہ میں مولوی صاحب موصوف کو چارپائی سے نیچے اتار دوں ۔ چنانچہ میں نے ان کی طرف کھسکنا شروع کیا ۔ یہاں تک کہ وہ چارپائی سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے ...اور میں چارپائی پر بیٹھا رہا ۔ ص ۲۳ تذکرہ ۔ ....اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب نے

میرے خواب میں میرے دعوی کی تصدیق کی ۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ قسم جھوٹی ہے تو اے قادر خدا مجھے ان لوگوں کی ہی زندگی میں جو مولوی عبداللہ صاحب کی اولاد یا ان کے مرید یا شاگرد ہیں ، سخت عذاب سے مار ۔ ورنہ مجھے غالب کر ۔ اور ان کو شرمندہ اور ہلاکت یافتہ ۔ نزول المسیح طبع اول ص ۲۳۶ ۔ ۲۳۸ ۔ خزائن ج ۱۸ ۔ ص ۶۱۴ ۔ ۶۱۶ ۔ تذکرہ ص ۲۴ ۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ۱۸۷۸ء میں مرزا صاحب کا دعوی کیا تھا ؟ کچھ بھی نہیں ۔ اس وقت تک ان کا دعوی مجدد ہونے کا بھی نہ تھا ۔ نہ مہدی اور نہ مسیح ہونے کا دعوی تھا ۔ اور نہ نبی اور رسول ہونے کا ۔ آخر سید عبداللہ غزنوی نے کس دعوی کی تصدیق کی ؟

دوسری بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو مولوی عبداللہ کی اولاد ، مریدوں اور شاگردوں کی زندگی میں ذلت سے مریں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سید عبداللہ صاحب کی اولاد میں مولوی عبدالجبار ، اور مولوی عبدالواحد تھے ، شاگردوں میں مولوی عبدالحق غزنوی تھے ، مریدوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی تھے ۔ اور ان سب کی زندگی میں مرزا صاحب ذلت کی موت لاہور میں مرے ۔ اور اپنی قسم کے مطابق لعنتی بنے ۔

مرزائیوں نے گاڑی کو گھوڑے کے آگے باندھ دیا ہے کہ دوست محمد قادیانی نے لکھ دیا .

آپ (مرزا) کے نیازمندوں میں حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی بھی تھے ۔ تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۱۶ ۔

لا حول و لا قوۃ ۔ مرزا صاحب نے تو سید عبداللہ کے دوست اور مرید مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والوں کے ہاں بھی نیازمندانہ حاضری دی ہے جیسا کہ مرزا کے ایک مرید . مولوی برہان الدین جہلمی نے بتایا کہ

ایک دفعہ مرزا صاحب ، مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ کے پاس گئے ۔ اس وقت آپ (مرزا) بچے تھے ۔ اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں .... مولوی برہان الدین کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا ۔ (حیاۃ طیبہ ۔ ص ۱۱)



تحصیلدار

اگر چہ مرزا صاحب عام انگریز افسروں کا لگایا ہوا پودہ تھے، لیکن ان کے طرز عمل سے محسوس ہوتا ہے کہ شائد وہ انہی (افسروں) کے افسر، یعنی وائسرائے ہند اور گورنر جنرل، بننا چاہتے تھے۔ ان کی نظر اونچی اور پرواز بلند تھی۔ انہیں گورنر جنرل کے الہام بھی ہوئے اور انہوں نے حصول مقصد کی خاطر حکومت وقت کی چاپلوسی کی انتہا کردی۔ اپنا وجود اور اپنی خدمات کا احساس دلانے کے لئے انہوں نے وائسرائے اور گورنروں کو خط بھی لکھے اور ملکہ برطانیہ کی خدمت میں درخواستیں بھی پیش کیں۔ افسران شائد جانتے تھے کہ مرزا صاحب بحکم ہماری بلی ہمیں کو میاؤں ، ہمارے مناصب پر نظر رکھے ہوئے ہیں اسلئے وہ لوگ شائد ان کی درخواستیں اور خطوط اوپر نہیں پہنچاتے تھے۔ آخر مرزا صاحب نے بنفس نفیس ملکہ کی پابوسی کا شرف حاصل کیا، لیکن اپنی مغلئی آن برقرار رکھنے کیلئے، ملکہ کے محل میں حاضری دینے کی بجائے، اس کا دربار اپنے ہاں قادیان میں لگوایا اور عرض مدعا کیلئے اپنے طنبورے، عبدالکریم سیالکوٹی، کو ساتھ لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مرزا صاحب اپنے طنبورے سے کہلوانا چاہتے تھے کہ ملکہ عالیہ، ہمارے مرزا صاحب پشتینی رئیس اور آپکے پشتینی خادم ہیں، انہیں گورنری کی خیرات عطا فرما دیجئے۔ یہ بات ممکن نہ ہو تو سر کا خطاب ہی عنائت فرما دیجئے۔

عبدالکریم نے چونکہ مرزا صاحب کو عام مجسٹریٹوں کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے دیکھا تھا، اس لئے وہ آپ کی حیثیت ایک ایکسٹرا اسسٹنٹ جتنی بھی نہیں سمجھتا تھا، اس نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ (گورنری بھول جائیں اور) تحصیلداری پر اکتفا کریں۔ مرزا صاحب نے حیران ہو کر پوچھا کون سی تحصیلداری؟

عبدالکریم سیالکوٹی نے کہا کہ وہی تحصیل داری جو تمہاری اور تمہارے بھائی اور

باپ کی خدمات کے صلے میں حکومت وقت نے تمہارے بیٹے کو ۲۱ سال سے دے رکھی ہے

(مرزا صاحب کا لڑکا، سلطان احمد ۱۸۸۴ء میں تحصیل داری کے امتحان میں پاس ہوا۔ الحکم ۲۳ ستمبر ۱۸۹۹ء۔ تذکرہ ص ۹۵۔ اور اس کی تقرری فنانشل کمشنر پنجاب کی اس سفارش کی بنا پر ہوئی جس کا وعدہ اس کمشنر نے مرزا غلام قادر کے نام اپنے اس خط میں کیا تھا جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ اور تحصیلدار روالہ الہام آپ کو ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ ۱۸۸۴ء سے ۱۹۰۵ء تک ۲۱ سال ہوتے ہیں)۔ **مرزا صاحب نے خیال کیا کہ شائد طنبورے کی کوئی کل ڈھیلی پڑگئی ہے جو غیر مناسب آواز نکال رہا ہے، اس لئے آپ نے طنبورے کے پیچ کسنے کی کوشش کی، لیکن طنبورے سے اکیس ہی کی آواز نکلتی رہی یہاں تک کہ مرزا صاحب کی آنکھ کھل گئی۔**



ہماری گذارشات کی بنیاد درج ذیل اقتباسات پر ہے

☆ جولائی ۱۸۹۹ء۔ (عبدالکریم سیالکوٹی کہتے ہیں) صبح حضرت اقدس کو یہ رئیا ہوئی کہ ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند سلمہا اللہ تعالی گویا حضرت اقدس کے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں۔ حضرت اقدس رئیا میں عاجز راقم عبدالکریم کو جو اس وقت حضور اقدس کے پاس بیٹھا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ملکہ معظّمہ کمال شفقت سے ہمارے ہاں قدم رنجہ فرما ہوئی ہیں اور دو روز قیام فرمایا ہے ان کا کوئی شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے۔

منقول از خط عبدالکریم از الحکم ۱۰ جولائی ۱۸۹۹ء ص ۳۔

(تذکرہ۔ ص ۲۸۱۔۲۸۰)

☆ ۱۳ ستمبر ۱۸۹۹ء کو مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا

ایک عزت کا خطاب، ایک عزت کا خطاب، لک العزۃ۔ ایک بڑا نشان اس کے ساتھ ہوگا۔ مکتوب مرزا ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء

(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۴۔ خزائن ج ۱۵۔ ص ۵۰۱۔۵۰۴) (تذکرہ۔ ص ۲۸۳)

☆ ۴۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو مرزا صاحب کو الہام ہوا۔

قیصر ہند کی طرف سے شکریہ

ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۴ ص ۲ حاشیہ۔ خزائن ج ۱۵ ص ۵۰۴ حاشیہ۔ اشتہار ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء

مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۱۷۱)۔ (تذکرہ۔ص ۲۸۴)

☆ ۱۸۹۹ء میں مرزا صاحب کو الہام ہوا۔

مبشروں کا زوال نہیں ہوتا۔گورنر جنرل کی پیش گوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔

الحکم۔۱۰ نومبر ۱۸۹۹ء ص ۶ (تذکرہ۔ص ۲۸۵)

☆ ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب کو الہام ہوا

ایک عزت کا خطاب۔ایک عزت کا خطاب۔لک خطاب العزۃ۔ایک بڑا نشان اس کے ساتھ ہوگا۔ (اربعین ۳۔ص ۳۷۔خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۸) (تذکرہ۔ص ۳۲۳)

☆ نومبر ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب نے فرمایا

چند روز ہوئے مولوی عبدالکریم کو رؤیا میں دیکھا۔پہلے کچھ باتیں ہوئیں۔پھر خیال آیا کہ یہ تو فوت شدہ ہیں، آؤ ان سے دعا کرائیں۔تب میں نے ان کو کہا کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ میری اتنی عمر ہو کہ سلسلہ کی تکمیل کے واسطے کافی وقت ملجائے۔اس کے جواب میں انہوں نے کہا تحصیل دار۔ میں نے کہا یہ آپ غیر متعلق بات کرتے ہیں۔جس امر کے واسطے میں نے آپ کو دعا کے لئے کہا ہے، آپ وہ دعا کریں۔ تب انہوں نے دعا کے واسطے سینے تک ہاتھ اٹھائے مگر اونچے نہ کئے اور کہا اکیس۔میں نے کہا کھول کر بیان کرو۔مگر انہوں نے کچھ کھول کر نہ بیان کیا اور بار بار اکیس کہتے رہے اور پھر چلے گئے۔

(بدر ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء ص ۲۔الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء ص ۱) (تذکرہ ۴۹۰۔۴۹۱)

☆ ۲۹ جون ۱۸۷۶ء کو سر رابرٹ ایجرٹن فنانشل کمشنر پنجاب کی طرف سے مرزا غلام قادر کو لکھا جانے والا انگریزی خط اشاعۃ السنہ میں موجود ہے اور مرزا صاحب کے مجموعہ اشتہارات ج ۲ صفحہ ۴۶۲ پر بھی موجود ہے۔اس میں کمشنر نے غلام قادر کو کہا ہے کہ تمہارے ۲ جون ۱۸۷۶ء کے خط سے تمہارے باپ (غلام مرتضی) کی وفات کی خبر معلوم کر کے افسوس ہوا۔وہ گورنمنٹ کا خیر خواہ تھا۔اس کی اور تمہاری خاندانی خدمات کے مدنظر ہم تمہارا بھی خیال رکھیں گے اور جب کوئی مناسب موقع آئے ہم تمہارے خاندان کی بحالی اور بہتری کا خیال رکھیں گے۔

چاپلوس

سطور ذیل میں مرزا صاحب کی چاپلوسی کی داستان بتائی جاتی ہے جو آپ کے زمانہ براہین احمدیہ سے شروع ہوتی ہے ۔آپ فرماتے ہیں

☆ مسلمانوں کی نازک حالت اور انگریزی حکومت

تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں سے اس مضمون کی بابت کہ جو حصہ سوم (براہین) کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہے اعتراض کیا ہے..... کہ انگریزی عمل داری کو دوسری عمل داریوں پر کیوں ترجیح دی ۔ لیکن ظاہر ہے کہ جس سلطنت کو اپنی شائستگی اور حسن انتظام کی رو سے ترجیح ہو، اس کو کیونکر چھپا سکتے ہیں ۔خوبی باعتبار اپنی ذاتی کیفیت کی خوبی ہی ہے گو وہ کسی گورنمنٹ میں پائی جاوے الحکمۃ ضالۃ المئومن اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا احسان اٹھاوے، اس کے ظل حمایت میں بامن وآسائش رہ کر اپنا رزق مقسوم کھاوے ،اس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے، پھر اسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور اس کے سلوک اور مروت کا ایک ذرہ شکر بجا نہ لاوے ۔ بلکہ ہم کو ہمارے خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کے ذریعے یہی تعلیم دی ہے کہ ہم نیکی کا معاوضہ بہت زیادہ نیکی کے ساتھ کریں اور منعم کا شکر بجا لاویں اور جب کبھی ہم کو موقعہ ملے تو ایسی گورنمنٹ سے بدلی صدق کمال ہمدردی سے پیش آویں ۔اور واجب طور پر اطاعت اٹھاویں ۔سو اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے پرچہ مشمولہ میں انگریزی گورنمنٹ کا شکر یہ ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے، جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں، مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے.... انگریز جو ان کو نیم وحشی کہتے ہیں یہ بھی ان کا احسان ہی سمجھئے ورنہ اکثر مسلمان وحشیوں سے بھی بدتر ہیں . (مجموعہ اشتہارات ج اول ص ۴۸-۴۹ - اشتہار نمبر ۱۷)



اسلامی انجمنوں کی خدمت میں التماس ضروری

کے عنوان سے مرزا صاحب لکھتے ہیں

. ایک خط انجمن اسلامیہ لاہور کے سکرٹری کی طرف سے اور ایسا ہی ایک تحریر مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کی طرف سے کہ جو انجمن ہم دردی اسلامی لاہور کے سکرٹری ہیں موصول ہو کر اس عاجز کے ملاحظہ سے گذری۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ ان عرض داشتوں پر معزز برادران اہل اسلام و منصفین اہل ہنود کے دستخط کرائے جائیں کہ جو مسلمانوں کی ترقی و ملازمت و نیز مدارس کی تعلیم میں اردو زبان قائم رکھنے کے لئے گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے طیار کی گئی ہیں۔ مگر افسوس کہ میں اول بوجہ علالت اپنی طبیعت کے اور پھر بوجہ قیام ضروری امرتسر کے اس خدمت کو ادا نہیں کر سکا۔ لیکن بحکم الدین النصیحۃ اس قدر عرض کرنا اپنے بھائیوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کا کام سمجھتا ہوں کہ اگرچہ گورنمنٹ کی رحیمانہ نظر میں مسلمانوں کی شکستہ حالت بہر حال قابل رحم ٹھہرے گی جس گورنمنٹ نے اپنے قوانین میں مویشی اور چارپایوں سے ہم دردی ظاہر کی ہے وہ کیونکر ایک گروہ کثیر انسانوں کی ہم دردی سے کہ جو اس کی رعیت اور اس کے زیر دست ہیں، اور ایک غربت اور مصیبت کی حالت میں پڑے ہیں، غافل رہ سکتی ہے۔..... یہ امر قابل تذکرہ ہے کہ جس پر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقوف ہیں کہ گورنمنٹ ممدوحہ کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیے کہ مسلمانان ہند ایک وفادار رعیت ہے، کیونکہ بعض ناواقف انگریزوں نے خصوصاً ڈاکٹر ہنٹر صاحب کہ جو کمیشن تعلیم کے اب پریسیڈنٹ ہیں، اپنی ایک مشہور تصنیف میں اس دعوی پر بہت اصرار کیا ہے کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیر خواہ نہیں ہیں، اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ گو یہ خیال ڈاکٹر صاحب کا شریعت اسلام پر نظر کرنے کے بعد ہر ایک شخص پر محض بے اصل اور خلاف واقعہ ثابت ہوگا ..... چنانچہ ہمارے والد صاحب نے بھی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش خیر خواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی بہم پہنچا کر سرکار میں بطور مدد کے نذر کئے.......

جس حالت میں شریعت اسلامیہ کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے
کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا،
جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں
اور جس کے عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں
اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں نیکی اور ہدایت پھیلانے کیلئے کامل مددگار ہو،
قطعی حرام ہے تو پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ علمائے اسلام اپنے جمہوری اتفاق سے
اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع نہ کر کے ناواقف لوگوں کی زبان اور قلم سے موردِ اعتراض
ہوتے رہیں ۔ جن اعتراضوں سے ان کے دین کی سستی پائی جائے اور ان کی دنیا کو
ناحق ضرر پہنچے ۔ سو اس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہور
و کلکتہ و بمبئی وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نامی مولوی صاحبان جن کی فضیلت اور علم
اور زہد اور تقوی اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الثبوت ہو اس امر کے لئے چن لئے جائیں
کہ اطراف اکناف کے اہل علم کہ جو اپنے مسکن کے گردونواح میں کسی قدر شہرت رکھتے
ہوں ، اپنی عالمانہ تحریریں جن میں برطبق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے جو مسلمانان
ہند کی مربی و محسن ہے جہاد کرنیکی صاف ممانعت ہو ، ان علماء کی خدمت میں بہ ثبت
مواہیر بھیج دیں کہ جو بموجب قرارداد بالا اس خدمت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور
جب سب خطوط جمع ہو جائیں تو یہ مجموعہ خطوط کہ جو مکتوبات علماء ہند سے موسوم ہو سکتا
ہے کسی خوش خط مطبع میں بہ صحت تمام چھاپا جائے اور پھر دس بیس نسخہ اس کے گورنمنٹ
میں اور باقی نسخہ جات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان خاص کر سرحدی ملکوں میں تقسیم
کئے جائیں ۔ یہ سچ ہے کہ بعض غم خوار مسلمانوں نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے خیالات کا
رد لکھا ہے ۔ مگر یہ دو چار مسلمانوں کا رد جمہوری رد کا ہرگز قائم مقام نہیں ہو سکتا ۔ بلا شبہ
جمہوری رد کا اثر ایسا قوی اور پرزور ہوگا جس سے ڈاکٹر (ہنٹر) صاحب کی تمام غلط
تحریریں خاک میں مل جائیں گی ۔ اور بعض ناواقف مسلمان بھی اپنے سچے اور پاک
اصول سے بخوبی مطلع ہو جائیں گے اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں
کی اور خیر خواہی اس رعیت کی کماحقہ کھل جائے گی اور بعض کوہستانی جہلاء کے خیالات
کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کی وعظ اور نصیحت کے ہوتی رہے گی ۔ بالآخر یہ بات

بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ اگرچہ تمام ہندوستان پر یہ حق واجب ہے کہ بنظر ان احسانات کے کہ جو سلطنت انگلشیہ سے اس کی حکومت اور آرام بخش حکمت کے ذریعہ سے عامہ خلائق پر وارد ہیں، سلطنت ممدوحہ کو خدا تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھیں اور مثل اور نعماء الٰہی کے اس کا شکر بھی ادا کریں ......"

(مجموعہ اشتہارات ج اول ص ۱۰۴ تا ۱۰۷، اشتہار نمبر ۲۹)

☆ مولانا محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کر کے ایک اشتہار میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

. یہ گورنمنٹ دور اندیش اور مردم شناس گورنمنٹ ہے۔ سکھوں کے قدم پر نہیں چلتی کہ دشمن اور خود غرض کے منہ سے ایک بات سن کر افروختہ ہو جائے بلکہ اپنی خداداد عقل سے کام لیتی ہے۔ سو گورنمنٹ دانش مند نے اس شخص کی تحریروں پر کچھ توجہ نہ کی۔ ....گورنمنٹ کو اس عاجز کے خاندان کے خیر خواہ ہونے پر بصیرت کامل تھی اور گورنمنٹ خوب جانتی تھی کہ یہ عاجز عرصہ چودہ سال سے برخلاف ان تمام مولویوں کے بار بار یہ مضمون شائع کر رہا ہے کہ ہم لوگ جو گورنمنٹ برطانیہ کے رعیت ہیں، ہمارے لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے گورنمنٹ ہذا کے زیر اطاعت رہنا فرض ہے اور بغاوت کرنا حرام، اور جو شخص بغاوت کا طریق اختیار کرے یا اس کیلئے کوئی مفسدانہ بنا ڈالے یا ایسے مجمع میں شریک ہو یا راز دار ہو تو وہ اللہ اور رسول کے حکم کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اور جو کچھ اس عاجز نے گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ بننے کیلئے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے وہ سب سچ ہے۔ نادان مولوی نہیں جانتے کہ جہاد کیواسطے شرائط ہیں، سکھا شاہی لوٹ مار کا نام جہاد نہیں اور رعیت کو اپنی محافظ گورنمنٹ کے ساتھ کسی طور سے جہاد درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک گورنمنٹ اپنی ایک رعیت کے جان اور مال اور عزت کی محافظ ہو اور ان کے دین کے لئے بھی پوری پوری آزادی عبادات کے لئے دے رکھی ہو، لیکن وہ رعیت موقع پا کر اس گورنمنٹ کو قتل کرنے کو تیار ہو۔ یہ دین نہیں بلکہ بے دینی ہے اور نیک کام نہیں بلکہ ایک بدمعاشی ہے۔ خدا تعالیٰ ان مسلمانوں کی حالت پر رحم کرے کہ جو اس مسئلہ کو نہیں سمجھتے اور اس گورنمنٹ کے تحت میں ایک منافقانہ زندگی بسر کر رہے ہیں جو ایمان داری سے بہت بعید ہے۔ ہم نے

سارا قرآن شریف تدبر سے دیکھا مگر نیکی کی جگہ بدی کرنے کی تعلیم کہیں نہیں پائی .

(مجموعہ اشتہارات ج دوم۔ص ۲۰۔اشتہار نمبر ۱۱۸)

☆ اپنے ازالہ اوہام میں مرزا صاحب رقم طراز ہیں

ہم پر اور ہماری ذریت پر فرض ہو گیا ہے کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے شکر گذار رہیں۔ (ازالہ اوہام طبع دوم۔ حاشیہ ص ۵۶)

☆ سخت نالائق ہے وہ مسلمان جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے۔ اگر ہم ان کا شکر ادا نہ کریں تو پھر ہم خدا تعالی کے بھی شکر گذار نہیں کیونکہ جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پا رہے ہیں وہ کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے، ہرگز نہیں پا سکتے۔

(ازالہ اوہام۔ ص ۳۷۳، ۵۰۹)

اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ

جو جناب ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند اور جناب گورنر جنرل ہند اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام کے ملاحظہ کے لئے شائع کیا گیا۔ (اس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں)

سول ملٹری گزٹ کے پرچہ ستمبر یا اکتوبر ۱۸۹۴ء میں میری نسبت ایک غلط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی ہے جس کی غلطی گورنمنٹ پر کھولنا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب راقم نے اپنی غلط فہمی یا کسی اہل غرض کے دھوکہ دینے سے ایسا اپنے دل میں میری نسبت سمجھ لیا ہے کہ گویا میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ لیکن یہ خیال ان کا سراسر باطل اور دور از انصاف ہے اگر ان کو سچے واقعات سے کچھ بھی خبر ہوتی تو اس قدر قابل شرم جھوٹ پر ان کا ہاتھ اور قلم ہرگز دلیری نہ کرتا۔ یہ بات گورنمنٹ پر پوشیدہ نہیں کہ یہ راقم ایک نیک نام خاندان میں سے ہے اور میرے والد مرزا غلام مرتضی ایک نیک نام اور معزز رئیس تھے جنہوں نے ہر یک موقعہ پر عمدہ عمدہ خدمات بجا لا کر اپنے تئیں مورد مراحم گورنمنٹ ثابت

کیا تھا، اور گورنری دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی.....انہوں نے ... اپنے افعال سے صاف طور پر بار بار حکام پر ظاہر کر دیا کہ ہم تمام مال و جان سے اپنی طاقت اور حیثیت کے موافق گورنمنٹ برطانیہ کی امداد کے لئے حاضر ہیں۔اور صرف یہی نہیں، بلکہ ۵۰ گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور ۵۰ سوار بھی بہم پہنچا کر ۱۸۵۷ء کے شور وشر کے وقت میں گورنمنٹ کی نذر کیے اور پھر دوسری مرتبہ ۱۴ گھوڑے نذر کئے....اور چالیس برس اپنی عمر عزیز کے انہی خدمات میں انہوں نے بسر کئے۔ پھر بعد ان کے انتقال کے میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات گورنمنٹ میں مشغول رہا۔... میں نے برابر ۱۶ برس سے یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی طرف ترغیب دوں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کی انجام دہی کے لئے اپنی ہر یک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں۔اور نہ صرف اس قدر بلکہ بار بار اس بات پر زور دیا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ برٹش انڈیا کی رعایا کی محسن ہے اس لئے مسلمانان ہند پر لازم ہے کہ نہ صرف اتنا ہی کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے مقابل پر بد ارادوں سے رکیں بلکہ اپنی سچی شکر گذاری اور ہمدردی کے نمونے بھی گورنمنٹ کو دکھلاویں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کا بدلہ بجز احسان کے اور کچھ نہیں۔اور

☆ یہ بات قطعی اور فیصلہ شدہ ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ مسلمانان ہند کی محسن ہے ......

☆ پس اس گورنمنٹ کا شکر نہ کرنا بدذاتی ہے

☆ اور جو شخص ایسے احسانات دیکھ کر پھر نفاق سے زندگی بسر کرے اور سچے دل سے شکر گذار نہ ہو تو بلاشبہ کافر نعمت ہے۔

☆ ہماری ایمانداری کا یہ تقاضا ہونا چاہیے کہ ہم تہ دل سے اقرار کریں کہ درحقیقت یہ گورنمنٹ ہماری محسن ہے....

☆ اگر اب بھی ہم اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ نہ ہوں تو خدا تعالیٰ کے سامنے ناشکرے ٹھہریں گے۔

یہ وہ تمام باتیں ہیں جن کو میں نے مختلف کتابوں میں شائع کیا اور سولہ برس تک

برابر اس خدمت کو بجالاتا رہا۔ مگر نہ اس خیال سے کہ ریاکاروں کی طرح گورنمنٹ کو خوش کروں، بلکہ میں نے ایمان داری کی راہ سے فی الحقیقت گورنمنٹ برطانیہ کے احسانات کو ایسا ہی پایا کہ جن کے شکر میں مجھ سے اب تک یہی ہو سکا کہ میں بذریعہ ان تالیفات کے مسلمانوں کے خیالات درست کروں اور ان کے دل گورنمنٹ کی طرف پھیروں ۔اور میں جانتا ہوں کہ بعض جاہل مولوی میری ان تحریرات سے ناراض ہیں اور مجھے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی کافر قرار دیتے ہیں لیکن مجھے ان کی ناراضگی کی کچھ پرواہ نہیں ۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو شخص بندوں کے احسانات کا شکر گذار نہیں وہ خدا تعالی کا بھی شکر گذار نہیں ۔ کیونکہ نیک اندیش اور عادل بادشاہ خدا تعالی طرف سے ایک نعمت ہے۔ پس جو شخص اس بادشاہ کا شکر گذار نہیں اس نے خدا تعالی کی نعمت کو رد کیا۔اور چونکہ میں نے دیکھا کہ بلاد اسلامی روم ومصر وغیرہ کے لوگ ہمارے واقعات سے مفصل طور پر آگاہ نہیں ہیں اور جس قدر ہم نے اس گورنمنٹ سے آرام پایا اوراس کے عدل اور رحم سے فائدہ اٹھایا وہ اس سے بے خبر ہیں، اس لئے میں نے عربی اور فارسی میں بعض رسائل تالیف کر کے بلاد شام اور روم اور مصر اور بخارا وغیرہ کی طرف روانہ کئے اور ان میں اس گورنمنٹ کے تمام اوصاف حمیدہ درج کئے اور بخوبی ظاہر کر دیا کہ اس محسن گورنمنٹ کے ساتھ جہاد قطعاً حرام ہے ،اور ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے وہ کتابیں مفت تقسیم کیں، اور شریف عربوں کو وہ کتابیں دے کر بلاد شام اور روم کی طرف روانہ کیا اور بعض عربوں کو مکہ اور مدینہ کی طرف بھیجا اور بعض بلاد فارس کی طرف بھیجے گئے اور اسی طرح مصر میں بھی کتابیں بھیجیں۔ اور یہ ہزار ہا روپیہ کا خرچ تھا جو محض نیک نیتی سے کیا گیا۔

شائد اس جگہ ایک نادان سوال کرے گا کہ اس قدر خیر خواہی غیر ممکن ہے کہ ہزار ہا روپیہ اپنی گرہ سے خرچ کر کے اس گورنمنٹ کی خوبیوں کو تمام دیہات میں پھیلایا جاوے ۔لیکن ایک عقل مند جانتا ہے کہ احسان ایک ایسی چیز ہے کہ جب ایک شریف اور ایمان دار آدمی اس سے تمتع اٹھاتا ہے تو بالطبع اس میں عشق اور محبت کے رنگ میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ تا اس احسان کا معاوضہ دے ۔ ہاں کمینہ آدمی اس طرف التفات نہیں کرتا۔ پس مجھے طبعی جوش نے ان کاروائیوں کے لئے مجبور کیا۔ مجھے افسوس

ہے کہ اگر سول ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر کو ان واقعات کی کچھ بھی اطلاع ہوتی تو وہ ایسی تحریر جو انصاف اور سچائی کے برخلاف ہے ہرگز شائع نہ کرتا۔

میرے اس دعوی پر کہ میں گورنمنٹ برطانیہ کا سچا خیر خواہ ہوں، دو شاہد ایسے ہیں کہ اگر سول ملٹری جیسا لاکھ پرچہ بھی ان کے مقابلہ پر کھڑا ہو، تب بھی وہ دروغ گو ثابت ہوگا۔ اول یہ کہ علاوہ اپنے والد کی خدمت کے میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے۔ ...

(مجموعہ اشتہارات ج دوم ص ۱۲۳ تا ۱۲۸۔ اشتہار نمبر ۱۲۶ جو ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء کا ہے)

☆ اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ

اور نیز عام اطلاع کیلئے

چونکہ شیخ محمد حسین بٹالوی اور دوسرے خودغرض مخالف واقعات صحیحہ کو چھپا کر عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسے دھوکوں سے متاثر ہو کر بعض انگریزی اخبارات جن کو واقعات صحیحہ نہیں مل سکے، ہماری نسبت اور ہماری جماعت کی نسبت بے بنیاد باتیں شائع کرتے ہیں، سو ہم اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی محسن گورنمنٹ اور پبلک پر یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ہنگامہ اور فتنہ کے طریقوں سے بالکل متنفر ہیں اور ہم اور ہماری جماعت اول درجہ پر امن اور صلح دوست اور خیر خواہ انگریزی ہیں ......سولہ برس سے میں اپنی جماعت کو یہی سمجھا رہا ہوں کہ گورنمنٹ انگریزی کے سچے خیر خواہ بنے رہو اور دل سے اس کا شکر کرو کیونکہ اس گورنمنٹ کی برکت اور توجہ سے ہماری تمام تکلیفیں دور ہوئیں۔ ہم مظلوم تھے ہمارے لئے عدالت کے دروازے کھلے۔ ہم قید میں تھے ہمارے لئے آزادی حاصل ہوئی اور ہمارے حقوق زائل کئے گئے تھے اور پھر وہ قائم کئے گئے۔ کیا کوئی شریف انسان ایسی بدذاتی کرے گا کہ اپنے محسن سے دل میں کینہ رکھے اور نیکی کی جگہ بدی کرنے کیلئے تاکتا رہے؟ ہرگز نہیں۔

پس جو شخص ہم میں سے اور ہماری جماعت میں سے ہے، چاہیے کہ وہ اس نصیحت

کو ہماری آخری نصیحت سمجھے اور ہمیشہ مرتے دم تک اسی کا پابند رہے اور جو شخص اس اصول کو اپنا دستور العمل نہ بناوے وہ ایک ناپاک طبع اور ہم سے خارج ہے اور ہم میں سے وہی ہے اور وہی ہوگا جو اس نصیحت کا پابند رہے۔ یہ وہ نصائح ہیں جو بار بار ہم اپنی جماعت کو دیتے ہیں جن سے ہماری ۱۶ برس کی تالیفات بھری ہوئی ہیں۔ اور نہ صرف چھپ (خفیہ) کر بلکہ بہادر بن کر غیر ملکوں اور عربستان اور بلاد روم میں ہم نے اس رائے کو شائع کیا ہے۔ اب نتیجہ نکالنے والے نکال لیں کہ اس شد و مد سے دولت برطانیہ کے فرمان بردار ہونے کے لئے برابر ۱۶ برس سے نصیحت کرتے رہنا اور غیر ملکوں تک کتابوں کو پہنچانا، یہ کس کا کام ہے؟ آیا مخالف منافق کا یا سچے مخلص کا؟ اور مذہبی امور میں ہمارا طریقہ کسی اوباشانہ جوش پر ہرگز مبنی نہیں..

مرزا غلام احمد قادیانی ۔ ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء

(مجموعہ اشتہارات ج دوم ص ۱۳۲۔۱۳۳۔ اشتہار نمبر ۱۲۷)

☆ مولانا محمد حسین کو مخاطب کر کے مرزا صاحب کہتے ہیں

. میں گورنمنٹ عالیہ انگریزی کا دل سے خیر خواہ ہوں اور وہ خیر خواہی جو مال اور جان اور قلم سے مجھ سے اور میرے بزرگوں سے گورنمنٹ ممدوحہ کی نسبت ظہور میں آئی، اگر آپ کے وجود اور آپ کے بزرگوں کے وجود میں کوئی شخص اس کا نمونہ تلاش کرنا چاہے، تو تضیع اوقات ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا خیر خواہی ہوگی کہ میں سچے دل سے، نہ منافقانہ طور پر، اس گورنمنٹ کی نسبت بغاوت کا خیال بھی دل میں لانا گناہ سمجھتا ہوں اور اس بات کو فرض جانتا ہوں کہ اس کی شکر گذاری کی جائے اور اس کی خدمت گذاری میں قصور نہ کریں۔ اور اس کی اطاعت سے دریغ نہ کریں۔ اور میں آپ کی طرح کسی خونی مہدی کا منتظر بھی نہیں تا گورنمنٹ کی نظر میں میرے اصول خطرناک ہوں۔ آپ لوگ جو دلوں میں خیالات رکھتے ہیں اس دانا گورنمنٹ پر پوشیدہ نہیں۔ آپ لوگوں کے عقیدے کچھ چھپے ہوئے نہیں۔ مگر میں ایسے عقیدہ پر لعنت بھیجتا ہوں کہ کسی وقت بھی اس محسن گورنمنٹ کی نسبت کوئی بغاوت کا ارادہ مخفی طور پر بھی دل میں رکھا جائے۔

(مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۸۰۔۱۷۹، اشتہار نمبر ۱۳۴ جو ۱۲، اکتوبر ۱۸۹۵ء کا اشتہار ہے)

عریضہ

بعالی خدمت گورنمنٹ عالیہ انگریزی

اس عریضہ میں پہلے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ سو مختصر عرض یہ ہے کہ میں اس نواح کے ایک رئیس اور سرکار انگریزی کے سچے خیر خواہ کا بیٹا ہوں جن کا نام مرزا غلام مرتضی تھا جن کا ذکر رئیسان پنجاب مسٹر گریفن میں موجود ہے۔ وہ گورنمنٹ کے وفادار خیر خواہ تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑوں سے معہ سواروں کے سرکار انگریزی کو مدد دی۔ اور وہ اس ضلع میں ہر یک موقعہ مدد کے وقت سرکار انگریزی کو کام آتے رہے ہیں اور ہر یک مدد کے کام میں اپنی حیثیت کے موافق اس ضلع میں ان کا قدم سبقت رکھتا تھا۔ اور حکام وقت ان کو بڑے لطف اور مہربانی کی نظر سے دیکھتے تھے اور گورنر جنرل کے دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی۔ اور ۱۸۵۷ء کی خیر خواہی کے عوض سرکار انگریزی نے ان کو انعام بھی دیا تھا......اور میں بذات خود سترہ برس سے سرکار انگریزی کی ایک ایسی خدمت میں مشغول ہوں کہ درحقیقت وہ ایک ایسی خیر خواہی گورنمنٹ عالیہ کی مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ میرے بزرگوں سے زیادہ ہے اور وہ یہ کہ میں نے بیسیوں کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف کثیر چھاپ کر بلاد اسلامیہ میں پہنچائی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک پر بھی پڑا ہے۔ اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت طیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں ...اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام اس ملک کے لئے برکت ہیں اور گورنمنٹ کے دلی جان نثار۔

(مجموعہ اشتہارات۔ جلد دوم ص ۳۶۷۔۳۶۶۔ اشتہار نمبر ۱۶۴)

 اور مرزا صاحب فرماتے ہیں

براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۴۱ میں ایک پیش گوئی گورنمنٹ برطانیہ کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ و ما کان اللہ لیعذ بھم و انت فیھم این ما تو لوا فثم و جہ اللہ ۔ یعنی خدا ایسا نہیں کہ اس گورنمنٹ کو کچھ تکلیف پہنچائے حالانکہ تو ان کی عمل داری میں رہتا ہو۔ جدھر تیرا منہ خدا کا اسی طرف منہ ہے۔ چونکہ خدا تعالی جانتا تھا کہ مجھے اس گورنمنٹ کی پر امن سلطنت اور ظل حمائت میں دل خوش ہے اور اس کے لئے میں دعا میں مشغول ہوں کیونکہ میں اس کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا (سکتا ہوں) نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں۔ لہذا وہ اس الہام میں یہ اشارہ فرماتا ہے کہ اس گورنمنٹ کے اقبال اور شوکت میں تیرے وجود اور تیری دعا کا اثر ہے اور اس کی فتوحات تیرے سبب ہیں، کیونکہ جدھر تیرا منہ، ادھر خدا کا منہ ہے۔

(مجموعہ اشتہارات ج دوم ص ۳۷۰-۳۷۱ حاشیہ۔ اشتہار نمبر ۱۶۴۔ ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء کا اشتہار)

☆ مرزا صاحب دافع الوساوس میں فرماتے ہیں.

ثم و جب علینا شکر احسا نا ت القیصرة العا دلة ۔ التی یخا ف اخذ ھا قلب الحا دل و الحا دلة و کیف لا نشکر ھا و ان اللہ قد عصمنا بھذی السلطنة من حلو ل ا لا ھوا ل و طمس بھا آ ثار الظلم و انز ل علینا من الآلاء و ا لا موا ل ۔ اللھم فا جز تلک المملکة منا خیر جزا ئک و انصرھا علی اعدا ئھا و اعدا ئک و ا د خلھا من کل شر فی ذرا ك و ارزقھا من نعمائک و اہد قلبھا و قلب ذراریھا الی دینک دین ا لاسلام و نجھم من انف الشرك و اتخا ز العبد الھا و نجھم من جمیع ا لآ لا م ۔ ر ب احسن الیھم کما احسنوا الینا و اجعل افئدة منھم یقبلو ن دینک فی زمان حیا تی ۔ رب انز ل علیھم ما ئدة من بر کا تک و استجب دعوا تی ۔ آ مین آ مین

ترجمہ فارسی از مرزا صاحب ۔ و چرا شکر نہ کنیم حالانکہ خدا تعالی در زیر سایہ ایں سلطنت از ہر خوف وخطر مارا رہانید وآ ثار ظلم وتعدی را ناپدید کرد و بر ما نعمت ہائے خود

بر یخت اے خدا جل وعلا ایں ملکہ را از ما جزائے خیر بہ بخش و بر دشمنان او بر دشمنان تو اور افتح نصیب کن و بر قومے مدد دہ کہ دشمنان او نیز دشمنان تو ہستند وقیصرہ را از ہر شر بہ پناہ خود در آر و از نعمت ہائے خود او را روزی رساں و دل او را بسوئے دین خود کہ اسلام است رغبتے بخش وایشاں را از ہمہ آفت ہا و رنج ہا و شرک و از ننگ بندہ را خدا قرار دادن توفیق نجات ارزانی دار۔ اے خدائے من بر ایشاں احسان کن ز انسان کہ بما احسان کردند و از ایشاں در زمان حیات من کسانے را برآر کہ دین ترا پذیرند اے خدا بر ایشاں مادہ برکات خود فرود آر واین دعا ہائے مرا قبول فرما۔ آمین ثم آمین۔

(خطبہ۔ دافع الوساوس۔ آئینہ کمالات اسلام۔ ص ۱۹۔ ۲۰۔ خزائن، ج ۵)

☆ . بباعث اس کے جو گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضی کے وقت سے آج تک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلف سے بلکہ میرے رگ وریشہ میں شکر گذاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے

(شہادۃ القرآن ص ۸۲۔ خزائن۔ ج ۶ ص ۳۷۸)

☆ . ہم نے اس گورنمنٹ کے وہ احسانات دیکھے جن کا شکر کرنا کوئی سہل بات نہیں۔ اس لئے ہم اپنی معزز گورنمنٹ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس گورنمنٹ کے اسی طرح مخلص اور خیر خواہ ہیں جس طرح کے ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے ہاتھ میں بجز دعا کے اور کیا ہے؟ سو ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالی اس گورنمنٹ کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے۔ خدا تعالی نے ہم پر محسن گورنمنٹ گورنمنٹ کا شکر ایسا ہی فرض کیا ہے جیسا کہ اس کا شکر کرنا، سو اگر ہم اس محسن گورنمنٹ کا شکر ادا نہ کریں یا کوئی شر اپنے ارادہ میں رکھیں تو ہم نے خدا تعالی کا بھی شکر ادا نہیں کیا، کیونکہ خدا تعالی کا شکر اور کسی محسن گورنمنٹ کا شکر جس کو خدا تعالی اپنے بندوں کو بطور نعمت عطا کرے، در حقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اور ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اور ایک کو چھوڑنے سے دوسری کا چھوڑنا لازم آجاتا ہے۔ بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے

کہ یہ سوال ان کا نہائت حماقت ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب، جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالی کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو ،سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے .... اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں۔

(شہادۃ القرآن ۔ خزائن، ج ٦ ص ۳۸۰۔۳۸۱)

☆ اور اتمام الحجۃ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

. ہم گورنمنٹ کو بلند آواز سے اطلاع دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں جنگ اور جہاد سے دین اسلام کو پھیلانا ہمارا عقیدہ نہیں ہے اور نہ یہ عقیدہ کہ جس گورنمنٹ کے زیر سایہ رہیں اور اس کے ظل حمایت میں امن اور عافیت کا فائدہ اٹھاویں اور اس کی پناہ میں رہ کر اپنے دین کی بخوشیء خاطر اشاعت کرسکیں، اسی سے باغیوں کی طرح لڑنا شروع کردیں۔..... سچ اور بالکل سچ یہ بات ہے کہ ہم جس کوشش اور سعی اور امن اور آزادی سے اسلامی وعظ اور نصائح بازاروں میں، کوچوں میں، گلیوں میں اس ملک میں کرسکتے ہیں اور ہر ایک قوم کو حق پہنچا سکتے ہیں یہ تمام خدمات خاص مکہ معظّمہ میں بھی بجا نہیں لاسکتے چہ جائیکہ کسی اور جگہ۔ تو پھر کیا اس نعمت کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے یا یہ کہ مفسدہ بغاوت شروع کردیں . (اتمام الحجہ۔ص ۳۵۔خزائن، ج ۸)

☆ اور نور الحق میں مرزا قادیانی لکھتے ہیں

ولولا خوف سیف الدولة البریطانیه لمزقونا کل ممزق ولکن ہذہ الدولة القاہرة السائسة المبارکة لنا جزاها الله منا خیر الجزاء تودی الضعفاء تحت جناح التحنن والترحم فما کان لقوی ان یظلم الضعیف فنعیش تحت ظلها بالامن والعافیة شاکرین۔ وان ہذا فضل الله علینا

و احسا نه انه ما فو ض امر نا الی ملک ظا لم یدوسنا تحت ا لاقدا م و لا یر حم بل عطا نا ملکة را حمة التی تر بینا بوا بل ا لا حسا ن و ا لا کرا م و تنهضنا من حضیض الضعف و الھوا ن فجزا ھا اللہ خیراً ما جازی ملکا عا دلا عن رعیتہ و اجز ل لھا ا لا جر و با ر ك فیھا و لھا و تفضل علیھا بنعماء التو حید و ا لاسلام ۔

تر جمہ مرزا ۔ اور اگر انگریزی سلطنت کی تلوار کا خوف نہ ہوتا تو ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے لیکن یہ دولت بر طانیہ غالب اور باسیاست جو ہمارے لئے مبارک ہے خدا اس کو ہماری طرف سے جزا خیر دے ۔ کمزوروں کو اپنی مہربانی اور شفقت کے بازو کے نیچے پناہ دیتی ہے پس ایک کمزور پر زبر دست کچھ تعدی نہیں کر سکتا ۔ سو ہم اس سلطنت کے سایہ کے نیچے بڑے آرام اور امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور شکر گذار ہیں اور یہ خدا کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں کسی ایسے ظالم بادشاہ کے حوالہ نہیں کیا جو ہمیں پیروں کے نیچے کچل ڈالتا اور کچھ رحم نہ کرتا بلکہ اس نے ہمیں ایک ایسی ملکہ عطا کی ہم پر رحم کرتی ہے اور احسان سے اور مہربانی کے مینہ سے ہماری پرورش فرماتی ہے اور ہمیں ذلت اور کمزوری کی پستی سے اوپر کی طرف اٹھاتی ہے سو خدا اس کو وہ جزائے خیر دے جو ایک عادل بادشاہ کو اس کی رعیت پروری کی وجہ سے ملتا ہے اور اس کو بہت ہی بدلہ دے اور اس میں اور اس کے لئے برکت نازل کرے اور اس پر یہ احسان بھی کرے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور توحید و اسلام کی نعمت اس کو ملے

(نور الحق ۔ خزائن ۔ ج ۸ ص ۶)

☆ اسی نور الحق میں آگے چل کر مرزا صاحب اپنی خدمات متعلقہ حکومت برطانیہ شمار کر کے لکھتے ہیں

فقصدت ان اعین الدو لة البر طا نیه ... فقمت لا مد ھا بقلمی و یدی و کا ن اللہ فی مددی و عا ہد ت اللہ تعا لی منذ ذا لک العھد ا ن لا ائو لف کتاباً مبسو طا من بعد ا لا و اذکر فیه ذکر احسا نا ت قیصرہ الھند و ذکر مننھا التی و جب شکر ھا علی المسلمین و مع ذا لک کا ن فی خا طری ان

ادعوا القیصرة المکر ة الی ا لاسلام و اہد یھا الی الر ب الذی ھو خا لق الا نام فا نھا احسنت الینا و الی آ با ئنا و کا ن کا جزاء ا لا حسا ن ا لا ان ندعو لھا فی الد نیا دعاء الخیر و ا لاقبال و فو ز المرا م و نسئل اللہ لعقباھا ان تر ز ق تو حید ا لاسلام و تنتھج سبل احق و تو من بعظمة الملیک العلام و تعرف الر ب الذی ا حد صمد ما و لد و ما ولد و تعطی نعماء ابدا لآ بدین ۔

فا لفت کتباْ و حر ر ت فی کل کتا ب ان الدو لة البر یطا نیة محسنة الی مسلمی الھند و تنتجعھا ذراری المسلمین ۔ فلا یجوز لا حد منھم ان یخر ج علیھا و یسطو کا لبا غین العا صین ۔ بل و جب علیھم شکر ہذہ الدو لة و اطا عتھا فی المعروف فا نھا تحمی دما ئھم و اموا لھم و تحفظھم من سطوة کل ظا لم و قد نجتنا ،م انوا ع الکرو ب و ار تجا ف القلو ب فا ن لم نشکر فکنا ظا لمین ۔ فا لشکر وا جب علینا و دیا نة و من لا یشکر الناس ما شکر اللہ و اللہ یحب المقسطین ۔ و انا لن ننسی ایا ماْ و از منة مضت علینا قبلھا و و اللہ ما کا ن لنا امن فیھا الی دقیقتین فضلاْ عن یو م او یو مین و کنا نمسی و نصبح متو فین فا شعت تلک الکتب الحتو یة علی تلک المضا مین فی کل دیار و فی اناس اجمعین ۔ و ارسلتھا الی دیار بعیدة من العرب و الرجم و غیر ھا لعل الطبا ئع الزائغة تکو ن مستقیمة بمواعظھا و لعلھا تکو ن صا لحة لشکر الدو الة و امتثا لھا و تقل غوا ئل المفسدین ۔ و لعلم یعلمو ن ان ہذہ الدو لة محسنة الیھم فیحبو نھا طا ئعین ۔ ہذا عملی و ہذہ خد متی و اللہ یعلم نیتی و ھو خیر الحا سبین ۔ و ما فعلت ذا لک خو فاْ من ہذہ الدو لة او طمعاْ فی انعامھا و اکرا مھا ان فعلت ا لا للہ و امتثا لا لا مر خا تم النبیین ۔ فا ن نبیینا و سید نا و مو لا نا حبیب اللہ و خلیلہ محمد ن المصطفی ﷺ قد امر نا ان نثنی علی المنعمین و نشکر المحسنین ۔ فلا جل ذا لک شکرتھا و نصر تھا ما استطعت و بثثت مننھا و اشعتھا فی کل بلدة من

ملکنا المعلوم الی بلاد العرب و الروم و حثثت الناس علی اطاعتها و من کا ن فی شک فلیر جع الی کتا بی البرا ہین ۔ و ان لم یکن لشکه فلینظر کتا بی التبلیغ و ان لم یطمئن فلیقرء کتا بی الحما مة و ان بقی معذا لک شک فلیفکر فی کتا بی الشہادة و لیس حرا م علیه ان ینظر فی ہذه الرسا لة ایضاً لیفتح علیه کیف اعلنت بصو ت عا ل فی منع الجہاد و الخروج علی ہذه الدو لة و تخطیة المجا ہد ین ۔ فلو کنت عدواً لہذة الدو لة لفعلت افعا لاً خلاف ذا لک و ما ارسلت ہذه الکتب و ہذه الا شتہارا ت الی دیار العر ب و بلاد اسلا میة و ما قد مت قد می لہذه النصا ئح فا نظروا یا اولی ا لا بصار لم فعلت ہذه ا لافعا ل و لم ارسلت ہذه الکتب التی فیها منع شدید من الجہاد لہذه الہذه الدو لة فی دیار العرب و فی غیر ها من البلاد ء کنت ار جو انعا ماً من سکا ن تلک البلاد او کنت اعلم انهم یر ضو ن عنی بسماع تلک الکلما ت و یز یدو ن فی ا لا خوة و ا لاتحاد فا ن لم یکن لی غر ض من ہذه ا لا غرا ض بل کانت النتیجة البد یهة سخط القو م و غضبهم علی و طعنهم با لا لسنة الحداد فبعده ای شیء حملنی علی ذا لک ء کا نت لنفسی فا ئدة اخری فی ارسا ل تلک الکتب الی دیا ر لیست دا خلة تحت الحکو مة البریطانیة بل ہی مما لک ا لاسلام و لهم خیا لا ت دو ن زا لک کما لا یخفی علی الخوا ص و العوا م فا ن کا نت فا ئدة مخفیة فلیبین لی من کان من المر تا بین و المعتر ضین علی ان کا ن من الصادقین حاشا ما کا نت فا ئدة من غر اظہار الحق بل انی سمعت ان اقوا لی ہذه قد احفظت بعض العلماء و کفرو نی کا لجہلاء فما با لیتهم بعد تفہم الحق و انکشاف طریق ا لا ہتداء و رئیت ان ہذا ہو الحق فبینتها و لو کا ن قو می کا ر ہین ۔ فا ذا ثبت خلو صی الی ہذا المقدار و بر ہنت علیه بقدر کا ف لا ولی ا لا بصار فمن یظن ظن السوء فی امری بعد ا لا الذی خبث عر قه کا لفجار و تدر ب با لشر و ا للد غ و ا لا بر و سیرا لاشرار و تر ك سیر الصا لحین

و ما کا ن تا لیفی فی العر بیة ا لا لمثل ہذہ ا لا غرا ض العظیمة و لم یخل تنتا ب العر بین کتبی حتی رئیت فیھمآ ثار التا ثیر و جاء نی بعض منھم و راسلنی بعض و بعضھم ہجنوا و بعضھم صلحوا و وافقوا کالمسترشدین ۔ و انی صر فت زما ناً طو یلاً فی ہذة ا لامدادات حتی مضت علی احدی عشر سنة فی شغل ا لاشا عا ت و ما کنت من القاصرین ۔ فلی ان اد عی التفرد فی ہذہ الخد ما ت و لی ان اقو ل اننی وحید فی ہذہ التا ئیدا ت ۔ و لی ان اقو ل اننی حرز لھا و حصن حا فظ من الآ فات و بشر نی ر بی و قا ل ما کا ن اللہ لیعذ بھم و انت فیھم فلیس للدولة نظیری و مثیلی فی نصری و عو نی و ستعلم الدو لة ان کا نت من المتوسمین ۔ (نو ر الحق ص ۳۹۔ ۴۵ ۔ خزا ئن جلد ۸)۔

تر جمہ از مرزا صا حب ۔ سو میں نے چا ہا کہ اس مال (اپنے علم وفضل) کے ساتھ گورنمنٹ بر طا نیہ کی مدد کروں ۔ سو میں اس کی مدد کے لئے اپنے قلم اور ہا تھ سے اٹھا اور خدا میری مدد پر تھا ۔ اور میں نے اسی زمانہ میں خدا سے عہد کیا کہ کوئی مبسو ط کتاب بغیر اس کے تا لیف نہیں کروں گا جو اس میں احسا نات قیصرہ ہند کا ذکر نہ ہو اور نیز اس کے تمام احسانوں کا ذکر ہو جن کا شکر مسلما نوں پر وا جب ہے ۔ اور با و جود اس کے میرے دل میں یہ بھی تھا کہ میں قیصرہ مکر مہ کو دعوت اسلام کروں ۔ اور اس رب کی طرف اس کو رہ نمائی کروں جو در حقیقت مخلوقات کا رب ہے کیونکہ اس کا احسان ہم پر اور ہمارے باپ دادوں پر ہے اور احسان کا عوض بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم اس کی دنیا کی خیر اور اقبال کے لئے دعا کریں اور اس کے عقبی کے لئے خدا تعالی سے یہ مانگیں کہ اسلامی تو حید کی راہ اس کے نصیب کرے اور حق کی را ہوں پر چلے اور اس با دشاہ کی بز رگی کی قائل ہو جو غیب کی باتیں جا نتا ہے اور اس رب کو پہچا نے جو اکیلا اور تمام مخلوق کا مرجع اور نہ مولود اور نہ والد ہے ۔ اور اس کو ابدی نعمتیں ملیں ۔

سو میں نے کئی کتا بیں تا لیف کیں اور ہر یک کتا ب میں، میں نے لکھا کی دولت بر طانیہ مسلما نوں کی محسن ہے اور مسلما نوں کی اولا د کی ذ ریعہ معاش ہے ۔ پس کسی کو ان میں سے جا ئز نہیں جو اس پر خروج کرے اور با غیوں کی طرح اس پر حملہ آ ور ہو ۔ بلکہ

ان پر اس گورنمنٹ کا شکر واجب ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے کیونکہ یہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں کی حمایت کرتی ہے اور ایک ظالم کے حملہ سے ان کو بچاتی ہے اور درحقیقت ہمیں اسی نے بے قراریوں اور دل کے لرزوں سے بچایا۔ سو اگر شکر نہ کریں تو ظالم ٹھہریں گے۔ پس شکر ہم پر از روئے دین و دیانت کے واجب ہے اور جو شخص آدمیوں کا شکر نہیں کرتا اس نے خدا کا بھی شکر نہیں کیا اور خدا انہیں کو دوست رکھتا ہے جو طریق انصاف پر چلتے ہیں اور ہم ان دنوں اور ان زمانوں کو بھول نہیں گئے جو اس گورنمنٹ سے پہلے ہم پر گذرے اور بخدا ہمیں ان وقتوں میں دو منٹ بھی امن نہ تھا، چہ جائے کہ دن یا دو دن ہو اور ہم ڈرتے ڈرتے شام کرتے اور صبح کرتے تھے۔

سو میں نے اس مضمون کی کتابوں کو شائع کیا ہے اور تمام ملکوں اور تمام لوگوں میں ان کو شہرت دی ہے اور ان کتابوں کو یعنی دور دور کی ولایتوں میں بھیجا ہے جن میں سے عرب اور عجم اور دوسرے ملک ہیں تا کہ کج طبیعتیں ان نصیحتوں سے براہ راست آجائیں اور تا کہ وہ طبیعتیں اس گورنمنٹ کا شکر کرنے اور اس کی فرمانبرداری کے لئے صلاحت پیدا کریں اور مفسدوں کی بلائیں کم ہو جائیں۔ اور تا کہ وہ لوگ جانیں کہ یہ گورنمنٹ ان کی محسن ہے اور محبت سے اس کی اطاعت کریں۔ یہ میرا کام اور یہ میری خدمت ہے اور خدا میری نیت کو جانتا ہے اور وہ سب سے بہتر محاسبہ کرنے والا ہے۔ اور میں نے یہ کام گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے، بلکہ یہ کام محض للہ اور نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی اور ہمارے سردار اور ہمارے مولا نے جو خدا کا پیارا اور اس کا دوست محمد ﷺ ہے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان کی تعریف کریں جن کے ہم نعمت پروردہ ہیں اور ان کا ہم شکر کریں جن سے ہمیں نیکی پہنچی ہو۔ پس اس وجہ سے میں نے اس گورنمنٹ کا شکر کیا اور جہاں تک بن پڑا اس کی مدد کی اور اس کے احسانوں کو ملک ہند سے بلاد عرب اور روم تک شائع کیا۔ اور لوگوں کو اٹھایا کہ تا اس کی فرمان برداری کریں اور جس کو شک ہو وہ میری کتاب براہین احمدیہ کی طرف رجوع کرے۔ اور اگر وہ اس کے شک کے دور کرنے کے لئے کافی نہ ہو تو پھر میری کتاب تبلیغ کا مطالعہ کرے اور اگر اس سے بھی مطمئن نہ ہو تو پھر میری کتاب حمامۃ البشریٰ کو پڑھے اور اور پھر بھی کچھ شک رہ جائے تو پھر میری

کتاب شہادۃ القرآن میں غور کرے اور اس پر حرام نہیں ہے جو اس رسالہ کو بھی دیکھے تاکہ اس پر کھل جائے کہ میں نے کیوں کر بلند آواز سے کہدیا ہے کہ اس گورنمنٹ سے جہاد حرام ہے اور جو لوگ ایسا خیال رکھتے ہیں وہ خطا پر ہیں۔

پس اگر میں اس گورنمنٹ کا دشمن ہوتا تو میں ایسے کام کرتا جو میری اس کاروائی کے مخالف ہوتے اور یہ کتابیں اور یہ اشتہار بلاد عرب اور تمام بلاد اسلامیہ کی طرف روانہ نہ کرتا اور ان نصیحتوں کے لئے آگے قدم نہ اٹھاتا۔ پس اے آنکھوں والوں۔ تم سوچو کہ میں نے یہ کام کیوں کئے اور کیوں یہ کتابیں جن میں جہاد کی سخت ممانعت لکھی ہے، ملک عرب اور دوسرے اسلامی ملکوں میں بھیجیں۔ کیا میں ان تحریروں سے ان لوگو ں کے انعام کی امید رکھتا تھا یا میں یہ جانتا تھا کہ وہ ان باتوں سے خوش ہو جائیں گے اور دوستی اور برادری میں ترقی کریں گے سو اگر ان غرضوں میں سے کوئی غرض نہیں تھی بلکہ کھلا کھلا نتیجہ قوم کی ناراضگی تھی اور ان کی تیز زبانی کے ساتھ طعن تھے سو اس کے بعد کس غرض نے مجھ کو اس کام پر آمادہ کیا۔ کیا میرے لئے ان کتابوں کی ایسے ملکوں میں بھیجنے میں جو حکومت انگریزی میں داخل نہیں تھے بلکہ وہ اسلامی ملک تھے اور ان کے خیا ل بھی اور تھے، کچھ اور فائدہ تھا۔ اور اگر کوئی فائدہ پوشیدہ تھا تو ایسا شخص جو میرے پر بدظن رکھتا اور اعتراض کرنے والہ ہے اس فائدہ کو بیان کرے اور وہ سچا ہے تو سمجھو کہ بجز اظہار حق کے کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ میں نے سنا ہے کہ یہ میری باتیں اور یہ تحریریں بعض علماء کے غضب ناک ہونے کا موجب ہوئیں اور جہالت سے مجھے کافر ٹھہرایا۔ سو میں نے حق کے سمجھنے کے بعد اور جرئت کا رستہ کھلنے کے پیچھے انکی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور میں نے دیکھا کہ یہی حق ہے سو میں نے بیان کر دیا اگرچہ میری قوم کراہت کرتی رہی۔

پس جب کہ میرا خلوص اس گورنمنٹ سے اس قدر ثابت ہوا اور میں نے اس قدر دلائل سے اس کو ثابت کر دیا جو دانش مندوں کے لئے کافی ہیں۔ پس جو شخص اس کے بعد میرے پر بدگمانی کرے ایسا آدمی بجز ناپاک فطرت اور بجز ایسے شخص کے جس کی عادت میں نیش زنی اور شرارت داخل ہے اور کون ہو۔ درحقیقت یہ اسی کا کام ہے جو شرارت پسند ہے اور نیک نیتی کی راہ کو چھوڑتا ہے۔

اور میرا عربی کتابوں کو تالیف کرنا تو انہی عظیم الشان غرضوں کے لئے تھا اور میری

کتابیں عرب کے لوگوں کو برابر پے در پے پہنچتی رہیں ۔ یہاں تک کہ میں نے ان میں تاثیر کے نشان پائے اور بعض عرب میرے پاس آئے اور بعضوں نے خط و کتابت کی اور بعضوں نے بدگوئی کی اور بعض صلاحیت پر آئے اور موافق ہو گئے جیسا کہ حق کے طالبوں کا کام ہے ۔

اور میں نے ان امدادوں میں ایک طویل زمانہ صرف کیا ہے ۔ یہاں تک کہ گیارہ برس انہی اشاعتوں میں گذر گئے اور میں نے کچھ کوتاہی نہیں کی ۔ پس میں یہ دعوی کر سکتا ہوں کہ میں ان خدمات میں یکتا ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ان تائیدات میں یگانہ ہوں ۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اس گورنمنٹ کے لئے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ کے ہوں جو آفتوں سے بچاوے ۔ (اور خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ خدا ایسا نہیں کہ ان کو دکھ پہنچاوے اور تو ان میں ہو) پس اس گورنمنٹ کی خیر خواہی اور مدد میں کوئی دوسرا شخص میری نظیر اور مثیل نہیں اور عنقریب یہ گورنمنٹ جان لے گی ، اگر مردم شناسی کا اس میں مادہ ہے

(نور الحق ص ۳۹ ۔ ۴۵ ۔ خزائن ج ۸)

☆ . یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے شکر گذار ہیں اور اس کے خیر خواہ ہیں اور جب تک زندہ ہیں ، رہیں گے . (خزائن ، ج ۹ ۔ ص ۳۷۸ ۔ نور الاسلام)

☆ . پہلا فضل خدا تعالی کا گورنمنٹ برطانیہ کا ہمارے اس ملک پر تسلط ہے ۔ ہم نہائت ہی ناسپاس اور منکر نعمت ٹھہریں گے اگر ہم سچے دل سے اس محسن گورنمنٹ کا شکر نہ کریں جس کے بابرکت وجود سے ہمیں دعوت اور تبلیغ اسلام کا وہ موقع ملا جو ہم سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نہ مل سکا . (معیار المذاہب ۔ خزائن ۔ جلد ۹ ۔ ص ۴۶۰)

☆ . مسلمانوں کو چاہیے کہ اس گورنمنٹ کے وجود کو خدا تعالی کا فضل سمجھیں اور اس کی سچی اطاعت کیلئے ایسی کوشش کریں کہ دوسروں کے لئے نمونہ ہو جائیں .

(معیار المذاہب ص ۴ ۔ مندرج خزائن ج ۹ ص ۴۶۳)

☆ . بلاشبہ ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی میں فدا ہے

اور ہوگا اور ہم غائبانہ اس کے اقبال کے لئے دعا گو ہیں ۔

(آریہ دھرم ص ۸۱ ۔نوٹس بنام آریہ صاحبان ص ۳۔ خزائن۔ ج ۱۰)

☆ اور ایک جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں

. اے مسلمانوں کی ذریت میں نے آپ لوگوں کا کیا گناہ کیا ہے کہ آپ لوگ انواع اقسام کے منصوبوں سے میری ایذاء کے درپئے ہو گئے ۔تم میں سے جو مولوی ہیں وہ ہر وقت یہی وعظ کرتے ہیں کہ یہ شخص کافر بے دین دجال ہے اور انگریزوں کی سلطنت کی حد سے زیادہ تعریف کرتا ہے اور رومی سلطنت کا مخالف ہے۔اور تم میں سے جو ملازمت پیشہ ہیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ مجھے اس محسن گورنمنٹ کا باغی ٹھہراویں۔ میں سنتا ہوں کہ ہمیشہ خلاف واقع خبریں میری نسبت پہنچانے کے لئے ہر طرف سے کوشش کی جاتی ہے حالانکہ آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ میں باغیانہ طریق کا آدمی نہیں ہوں ۔میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکھٹی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں ۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ میں اس سلطنت کا بدخواہ ہوتا یا کوئی ناجائز باغیانہ منصوبے اپنی جماعت میں پھیلاتا جب کہ میں بیس برس تک یہی تعلیم اطاعت گورنمنٹ انگریزی کی دیتا رہا۔ اور اپنے مریدوں کو یہی ہدائتیں جاری کرتا رہا تو کیونکر ممکن تھا کہ ان تمام ہدائتوں کے برخلاف کسی بغاوت کے منصوبے کی میں تعلیم کروں ۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالی نے اپنے خاص فضل سے میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے ۔ یہ امن جو اس سلطنت کے زیر سایہ ہمیں حاصل ہے نہ یہ امن مکہ معظّمہ میں مل سکتا ہے نہ مدینہ میں، اور نہ سلطان روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ (استنبول)

میں ۔ پھر میں خود اپنے آرام کا دشمن بنوں اگر اس سلطنت کے بارے میں کوئی باغیانہ منصوبہ دل میں مخفی رکھوں ۔ اور جو لوگ مسلمانوں میں سے ایسے بد خیال جہاد اور بغاوت کے دلوں میں مخفی رکھتے ہیں میں ان کو سخت نادان اور بدقسمت ظالم سمجھتا ہوں ۔ کیونکہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت کے امن بخش سایہ سے پیدا ہوئی ہے ۔

(تریاق القلوب ۔ مندرجہ خزائن ۔ ۱۵۵۔۱۵۶)

☆ اور کتاب البریہ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

. میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے ۔ میرا والد میرزا غلام مرتضی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے ۔ اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی ۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے .... پھر میرے والد صاحب کی وفات کے کے بعد میرا بڑا بھائی میرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا..... پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا ۔ تاہم سترہ برس سے سرکار انگریزی کی امداد و تائید میں اپنی قلم سے کام لیتا ہوں ۔ اس سترہ برس کی مدت میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف کیں ان سب میں سرکار انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لئے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہائت مؤثر تقریریں لکھیں ۔ پھر میں نے قرین مصلحت سمجھ کر اسی امر ممانعت جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لئے عربی اور فارسی میں کتابیں تالیف کیں جن کی چھپوائی اور اشاعت پر ہزار ہا روپیہ خرچ ہوئے اور وہ تمام کتابیں عرب اور بلاد شام اور روم اور مصر اور بغداد اور افغانستان میں شائع کی گئیں ۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت انکا اثر ہوگا ۔ کیا اس قدر بڑی کاروائی اور اس قدر دور دراز مدت تک ایسے انسان سے ممکن ہے جو دل میں بغاوت کا ارادہ رکھتا ہو؟ پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات

کے روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا، کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں، کوئی نظیر ہے؟ اگر میں نے یہ اشاعت گورنمنٹ انگریزی کی سچی خیرخواہی سے نہیں کی تو مجھے ایسی کتابیں عرب اور بلاد شام اور روم وغیرہ بلاد اسلامیہ میں شائع کرنے سے کس انعام کی توقع تھی؟ یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے اور اپنی کتابوں اور رسالوں کے جن مقامات میں، میں نے یہ تحریریں لکھی ہیں ان کتابوں کے نام معہ ان کے نمبر صفحوں کے یہ ہیں جن میں سرکاری انگریزی کی خیرخواہی اور اطاعت کا ذکر ہے

۱۔ براہین احمدیہ۔ حصہ سوم طبع ۱۸۸۲ء۔ الف سے ب تک (شروع کتاب)

۲۔ براہین احمدیہ حصہ چہارم۔ طبع ۱۸۸۴ء۔ الف سے د تک۔ (شروع کتاب)

آریہ دھرم (نوٹس) درباره توسیع دفعہ ۲۹۸۔ طبع ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ ۵۷ سے ۶۴ تک

۴۔ التماس، شامل آریہ دھرم۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ صفحہ ۱ سے ۴ تک۔ (آخر کتاب)

۵۔ درخواست شامل آریہ دھرم۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء۔ ص ۶۹ سے ۷۲ تک (آخر کتاب)

۶۔ خط درباره توسیع دفعہ ۲۹۸۔ طبع ۲۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء۔ صفحہ ۱ سے ۸ تک

۷۔ آئینہ کمالات اسلام طبع فروری ۱۸۹۳ء۔ ص ۱۷ سے ۲۰، اور ۵۱۱ سے ۵۲۸ تک

۸۔ نورالحق اول۔ (اعلان)۔ طبع ۱۳۱۱ھ۔ صفحہ ۲۳ سے ۵۴ تک

۹۔ شہادۃ القرآن۔ طبع ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء۔ صفحہ الف سے ع تک۔ آخر کتاب

۱۰۔ نورالحق۔ حصہ دوم۔ طبع ۱۳۱۱ھ۔ صفحہ ۴۹ سے ۵۰ تک

۱۱۔ سرالخلافہ۔ طبع ۱۳۱۲ھ۔ صفحہ ۷۱ سے ۷۳ تک

۱۲۔ اتمام الحجہ۔ طبع ۱۳۱۱ھ۔ صفحہ ۲۵ سے ۲۷ تک

۱۳۔ حمامۃ البشری۔ طبع ۱۳۱۱ھ صفحہ ۳۹ سے ۴۲ تک

۱۴۔ تحفہ قیصریہ۔ طبع ۲۵ مئی ۱۸۹۷ء۔ تمام کتاب۔

۱۵۔ ست بچن۔ طبع نومبر ۱۸۹۵ء۔ ۱۵۳ سے ۱۵۴ تک اور ٹائٹل پیج۔

۱۶۔ انجام آتھم، طبع جنوری ۱۸۹۷ء۔ صفحہ ۲۸۳ سے ۲۸۴ تک آخر کتاب

۱۷۔ سراج منیر۔ طبع مئی ۱۸۹۷ء۔ صفحہ ۷۴

۱۸۔ تکمیل تبلیغ معہ شرائط بیعت۔ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء صفحہ ۴ حاشیہ اور صفحہ ۶ شرط چہارم
۱۹۔ اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ اور عام اطلاع کیلئے۔ طبع ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء۔
۲۰۔ اشتہار در بارہ سفیر سلطان روم۔ ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء۔ صفحہ ایک سے تین تک
۲۱۔ اشتہار جلسہ احباب بر جشن جوبلی۔ ۲۳ جون ۱۸۹۷ء۔ صفحہ ایک سے چار تک۔
۲۲۔ اشتہار جلسہ شکریہ جشن جوبلی حضرت قیصرہ۔ ۷ جون ۱۸۹۷ء۔
۲۳۔ متعلق بزرگ۔ طبع ۲۵ جون ۱۸۹۷ء۔ صفحہ ۱۰
۲۴۔ اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ، طبع ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء تمام اشتہار، صفحہ ۱ سے ۷ تک۔

اور حال میں جب حسین کامی سفیر روم، قادیان میں میری ملاقات کے لئے آیا اور اس نے مجھے اپنی گورنمنٹ کے اغراض سے مخالف پا کر ایک سخت مخالفت ظاہر کی، وہ تمام حال بھی میں نے اپنے اشتہار مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء میں شائع کر دیا ہے۔ وہی اشتہار تھا جس کی وجہ سے بعض مسلمان اڈیٹروں نے بڑی مخالفت ظاہر کی اور بڑے جوش میں آکر مجھ کو گالیاں دیں کہ یہ شخص سلطنت انگریزی کو سلطان روم پر ترجیح دیتا ہے اور رومی سلطنت کو قصوروار ٹھہراتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص پر خود قوم اس کی ایسے ایسے خیالات رکھتی ہے اور نہ صرف اختلاف عقائد کی وجہ سے بلکہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے سبب سے بھی ملامتوں کا نشانہ بن رہا ہے، کیا اس کی نسبت یہ ظن ہوسکتا ہے کہ وہ سرکار انگریزی کا بدخواہ ہے؟ یہ بات ایسی واضح تھی کہ ایک بڑے سے بڑے دشمن کو بھی جو محمد حسین بٹالوی ہے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے حضور میں اسی مقدمہ ڈاکٹر ہنری کلارک میں اپنی شہادت کے وقت میری نسبت بیان کرنا پڑا کہ یہ سرکار انگریزی کا خیر خواہ اور سلطنت روم کے مخالف ہے۔

(کتاب البریہ ص ۳ تا ۹۔ اشتہار مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء مندرجہ خزائن ج ۱۳ صفحہ ۴ تا ۱۰)

نیز فرماتے ہیں

☆ . ہم دنیا میں فروتنی کے ساتھ زندگی بسر کرنے آئے ہیں اور بنی نوع کی ہمدردی اور اس گورنمنٹ کی خیر خواہی جس کے ہم ماتحت ہیں، یعنی گورنمنٹ برطانیہ، ہمارا اصول ہے۔ ہم ہرگز کسی مفسدہ اور نقص امن کو پسند نہیں کرتے اور اپنی گورنمنٹ

انگریزی کی ہر ایک وقت میں مدد کرنے کے لئے تیار ہیں اور خدا تعالی کا شکر کرتے ہیں جس نے ایسی گورنمنٹ کے زیر سایہ ہمیں رکھا۔ المرقوم ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء۔ مرزا غلام احمد،

(کتاب البریہ۔ص ۱۷۔ اشتہار مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء مندرجہ خزائن ج ۱۳۔ ص ۱۸)

☆ . خدا کا یہ فضل اور احسان ہے کہ ایسی محسن گورنمنٹ کے زیر سایہ ہمیں رکھا۔ اگر ہم کسی اور سلطنت کے زیر سایہ ہوتے تو یہ ظالم ملا (محمد حسین و دیگر) کب ہماری جان اور آبرو کو چھوڑنا چاہتے۔ (کتاب البریہ۔ص ۴۰)

☆ . میرے نزدیک واجب التعظیم اور واجب الاطاعت اور شکر گذاری کے لائق گورنمنٹ انگریزی ہے جس کے زیر سایہ امن کے ساتھ یہ کاروائی (تبلیغ قادیانیت) کر رہا ہوں۔ ترکی سلطنت آج کل تاریکی سے بھری ہوئی ہے اور وہی شامت اعمال بھگت رہی ہے۔ اور ہرگز ممکن نہیں کہ اس کے زیر سایہ رہ کر ہم کسی راستی کو پھیلا سکیں۔

(کتاب البریہ۔ ص ۳۲۰)

☆ . ہم اس گورنمنٹ (انگریزی) سے دلی اخلاص رکھتے ہیں اور دلی شکر گذار ہیں۔ کیونکہ اس کے زیر سایہ اس قدر امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں کہ کسی دوسری سلطنت کے نیچے ہرگز امید نہیں کہ وہ امن حاصل ہو سکے۔ (کتاب البریۃ۔ص ۳۲۱)

☆ . اے نادانو۔ گورنمنٹ انگریزی کی تعریف تمہاری طرح میری قلم سے منافقانہ نہیں نکلتی۔ بلکہ میں اپنے اعتقاد اور یقین سے جانتا ہوں کہ درحقیقت خدا تعالی کے فضل سے اس گورنمنٹ کی پناہ ہمارے لئے بالواسطہ خدا کی پناہ ہے۔ اس سے زیادہ اس گورنمنٹ کی پر امن سلطنت ہونے کا اور کیا میرے نزدیک ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا تعالی نے یہ پاک سلسلہ (قادیانیت) اسی گورنمنٹ کے ماتحت برپا کیا ہے۔ وہ لوگ میرے نزدیک سخت نمک حرام ہیں جو حکام انگریزی کے روبرو ان کی خوش آمدیں کرتے ہیں۔ ان کے آگے گرتے ہیں۔ اور پھر گھر آکر کہتے ہیں کہ جو اس گورنمنٹ کا شکر کرتا ہے، وہ کافر ہے۔ (کتاب البریہ۔ص ۳۳۴)

☆ میرا باپ اور میرا بھائی اور خود میں بھی روح کے جوش سے اس بات میں مصروف رہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد اور احسانات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں اور اس کی اطاعت کی فرضیت کو دلوں میں جما دیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں ۱۸ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مشغول ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کر رہے ہیں ۔ (کتاب البریۃ ۔ص ۳۴۱)

☆ نیز لکھا ہے

. گورنمنٹ متوجہ ہو کر سوچے کہ یہ مسلسل کاروائی جو مسلمانوں کو اطاعت گورنمنٹ برطانیہ پر آمادہ کرنے کے لئے برابر اٹھارہ برس سے ہو رہی ہے، کس غرض سے ہے ۔

(کتاب البریۃ ۔ ص ۳۴۳)

اور فریاد درد میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

☆ . بے شک ہمارا فرض ہے کہ اس گورنمنٹ محسنہ کے سچے دل سے خیر خواہ ہوں اور ضرورت کے وقت جان فدا کرنے کو بھی تیار ہوں ۔ لیکن ہم اس طرح پر بھی غیر قوموں اور غیر ملکوں میں اپنی محسن گورنمنٹ کی نیک نامی پھیلانی چاہتے ہیں کہ کس طرح اس عادل گورنمنٹ نے دینی امور میں بھی پوری آزادی دی ہے ۔ عملی نمونے ہزاروں کوس تک چلے جاتے ہیں اور دلوں پر ایک عجیب اثر ڈالتے ہیں اور صدہا دل سے وسوسے دور ہو جاتے ہیں ۔ یہ مذہبی آزادی ایسی پیاری چیز ہے کہ اس کی خبر پا کر بہت سے ملک یہی چاہتے ہیں کہ اس مبارک گورنمنٹ کا ہم تک قدم پہنچے کیونکہ جس طرح اچھے دکاندار کا سن کر اسی طرف خریدار دوڑتے ہیں، اسی طرح جس گورنمنٹ کے ایسے بے تعصب اور آزاد اصول ہوں، وہ گورنمنٹ خواہ مخواہ پیاری اور ہر دل عزیز معلوم ہوتی ہے اور بہت سے غیر ملکوں کے لوگ حسرت کرتے ہیں کہ کاش ہم بھی اس کے ماتحت ہوتے ۔ پس کیا آپ چاہتے نہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کا ان تمام تعریفوں کے ساتھ دنیا میں نام پھیلے اور اس کی محبت دور دور تک دلوں میں جاگزین ہو ۔

(رسالہ البلاغ یا فریاد درد ص ۳۳ ۔ خزائن ۔ ج ۱۳ ص ۴۰۱ ۔ ۴۰۰)

☆ . چونکہ ہم اس گورنمنٹ کی رعایا ہیں اور دن رات بے شمار احسانات دیکھ رہے ہیں اس لئے ہمارا یہ فرض ہونا چاہیے کہ سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کریں اور اس کے مقاصد کے مددگار ہوں اور اس کے مقابل پر ادب اور غربت اور فرمان برداری کے ساتھ زندگی بسر کریں . (البلاغ۔ص ۵۵۔خزائن۔ج ۱۳ص ۴۲۶)

☆ . میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے دینی مقاصد کے حارج نہیں ہیں ۔ بلکہ ہم کو ان کے وجود سے بہت آرام ملا ہے ۔ اور ہم خیانت کریں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ انگریزوں نے ہمارے دین کو ایک قسم کی وہ مدد دی ہے کہ جو ہندوستان کے اسلامی بادشاہوں کو بھی میسر نہ آسکی ۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض اسلامی بادشاہوں نے اپنی کوتاہ ہمتی سے صوبہ پنجاب کو چھوڑ دیا تھا۔ اور ان کی غفلت سے سکھوں کی متفرق حکومتوں کے وقت میں ہم پر اور ہمارے دین پر وہ مصیبتیں آئیں کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور بلند آواز سے اذان دینا بھی مشکل ہو گیا تھا اور پنجاب میں دین اسلام مر چکا تھا۔ پھر انگریز آئے اور انگریز کیا ہمارے نیک طالع پھر ہماری طرف واپس ہوئے انہوں نے دین اسلام کی حمایت کی اور ہمارے مذہبی فرائض میں ہمیں پوری آزادی بخشی اور ہماری مسجدیں واگذار کی گئیں ۔ اور پھر مدت دراز کے بعد پنجاب میں شعار اسلام دکھائی دینے لگا۔ پس کیا یہ احسان یاد رکھنے کے لائق نہیں ؟ ... پس انگریزوں کے خلاف بغاوت کی کھچڑی پکاتے رہنا خدا تعالی کی نعمتوں کو فراموش کرنا ہے

(ضرورۃ الامام ص ۲۳۔خزائن ج ۱۳ص ۴۹۳۔۴۹۴)

☆ ہم ابتداء سے انگریزی حکومت اور انگریزی حکام کے شکر گذار اور مداح اور ثناخواں ہیں کہ وہ انصاف کو بہر حال مقدم رکھتے ہیں .

(ضرورۃ الامام۔ص ۴۱، خزائن۔جلد ۱۳۔ص ۵۱۳)

درخواست

جسکا ترجمہ بحضور نواب لفٹننٹ گورنر روانہ کیا گیا ہے

(امید رکھتا ہوں کہ اس درخواست کو جو میرے اور میری جماعت کے حالات پر مشتمل ہے، غور اور توجہ سے پڑھا جائے۔ مرزا غلام احمد)

☆ بحضور نواب لفٹننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ

چونکہ مسلمانوں کا ایک نیا فرقہ جس کا پیشوا اور امام یہ راقم ہے، پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں زور سے پھیلتا جاتا ہے اور بڑے بڑے تعلیم یافتہ مہذب اور معزز عہدہ دار اور نیک نام رئیس اور تاجر پنجاب اور ہندوستان کے اس فرقہ میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور عموماً پنجاب کے شریف مسلمانوں کے نوتعلیم یاب جیسے بی اے اور ایم اے اس فرقہ میں داخل ہیں اور داخل ہو رہے ہیں۔ اور ایک گروہ کثیر ہو گیا ہے جو اس ملک میں روز بروز ترقی کر رہا ہے اس لئے میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشوا ہوں، حضور لیفٹننٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں۔ اور یہ ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ ہر ایک فرقہ جو ایک نئی صورت سے پیدا ہوتا ہے گورنمنٹ کو حاجت پڑتی ہے کہ اس کے اندرونی حالات دریافت کرے اور بسا اوقات ایسے نئے فرقہ کے دشمن اور خودغرض جن کی عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لئے ضروری ہے گورنمنٹ میں خلاف واقعہ خبریں پہنچاتے ہیں اور مفتریانہ مخبریوں سے گورنمنٹ کو پریشانی میں ڈالتے ہیں۔ پس چونکہ گورنمنٹ عالم الغیب نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ایسی مخبریوں کی کثرت کی وجہ سے کسی قدر بدظنی پیدا کرے یا بدظنی کی طرف مائل ہو جائے۔ لہذا گورنمنٹ عالیہ کی اطلاع کے لئے چند ضروری امور ذیل میں لکھتا ہوں۔ (اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنی وفاداری کے ثبوت میں سرکاری چٹھیاں نقل کی ہیں۔ پھر لکھا ہے) دوسرا امر قابل گذارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں، اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے

بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں ۔ اور اس ارادہ اور قصد کی اول وجہ یہی ہے کہ خدا تعالی نے مجھے بصیرت بخشی اور اپنے پاس سے مجھے ہدائت فرمائی کہ تا میں ان وحشیانہ خیالات کو سخت نفرت اور بے زاری سے دیکھوں جو بعض نادان مسلمانوں کے دلوں میں مخفی تھے جن کی وجہ سے وہ نہائت بے وقوفی سے اپنی گورنمنٹ محسنہ کے ساتھ ایسے طور سے صاف دل اور سچے خیر خواہ نہیں ہو سکتے تھے جو صاف دلی اور خیر خواہی کی شرط ہے، بلکہ بعض جاہل ملاؤں کے ورغلانے کی وجہ سے شرائط اطاعت اور وفاداری کا پورا جوش نہیں رکھتے تھے ۔ سو میں نے نہ کسی بناوٹ اور ریا کاری سے، بلکہ محض اس اعتقاد کی تحریک سے جو خدا تعالی کی طرف سے میرے دل میں ہے بڑے زور سے بار بار اس بات کو مسلمانوں میں پھیلایا ہے کہ ان کو گورنمنٹ برطانیہ کی جو درحقیقت ان کی محسن ہے سچی اطاعت اختیار کرنی چاہیے ۔ اور وفاداری کے ساتھ اس کی شکر گذاری کرنی چاہیے ورنہ خدا تعالی کے گنہ گار ہوں ۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا ہے اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے اور میں نے نہ صرف اسی قدر کام کیا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی اطاعت کی طرف جھکایا بلکہ بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کر کے ممالک اسلامیہ کے لوگوں کو بھی مطلع کیا کہ ہم لوگ کیوں کر امن وامان اور آزادی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایسی کتابوں کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہزارہا روپیہ خرچ کیا گیا مگر با ایں ہمہ میری طبیعت نے کبھی نہ چاہا کہ ان متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں کیونکہ میں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا. اور درحقیقت وجود سلطنت انگلشیہ خدا تعالی طرف سے ہمارے لئے نعمت تھی ...اس لئے ہمارا فرض تھا کہ اس نعمت کا بار بار اظہار کریں ...اس نعمت کی عظمت تو ہمارے دل و جان اور رگ و ریشہ میں منقوش ہے... (پھر مرزا صاحب نے ان کتابوں وغیرہ کے نام لکھے ہیں جو حکومت کی وفاداری اور جہاد کی ممانعت میں لکھی گئیں اور پھر طویل گذارشات کے بعد کہتے ہیں) .... میں ایسے کسی مہدی ہاشمی قرشی خونی کا قائل نہیں ہوں جو دوسرے مسلمانوں کے اعتقاد میں بنی فاطمہ سے ہوگا

،اور زمین کو کفار کے خون سے بھر دے گا ۔ میں ایسی حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتا اور محض ذخیرہ موضوعات جانتا ہوں ۔ ہاں میں اپنے نفس کے لئے اس مسیح موعود کا ادعا کرتا ہوں جو حضرت مسیح کی طرح غربت کے ساتھ زندگی بسر کرے گا اور لڑائیوں اور جنگوں سے بیزار رہو گا ۔ ...... میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مہدی اور مسیح مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے ۔ میں بار بار اعلان دے چکا ہوں کہ میرے بڑے پانچ اصول ہیں ۔..... تیسرا یہ کہ دین اسلام کی دعوت محض دلائل عقلیہ اور آسمانی نشانوں سے کرنا اور خیالات غازیانہ اور جہاد اور جنگ جوئی کو اس زمانہ کے لئے قطعی حرام اور ممتنع سمجھنا اور ایسے خیالات کے پابند کو صریح غلطی پر قرار دینا ۔ چوتھے یہ کہ اس گورنمنٹ محسنہ کی نسبت، جس کے ہم زیر سایہ ہیں یعنی گورنمنٹ انگلشیہ، کوئی مفسدانہ خیالات دل میں نہ لانا...... مجھے متواتر اس بات کی خبر ملی ہے کہ بعض حاسد بداندیش جو بوجہ اختلاف عقیدہ یا کسی اور وجہ سے مجھ سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں یا جو میرے دوستوں کے دشمن ہیں میری نسبت اور میرے دوستوں کی نسبت خلاف واقعہ امور گورنمنٹ کے معزز حکام تک پہنچاتے ہیں ۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ ان کی ہر روز کی مفتریانہ کاروائیوں سے گورنمنٹ عالیہ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو کر وہ تمام جانفشانیاں پچاس سالہ میرے والد مرزا غلام مرتضی اور میرے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر کی جن کا تذکرہ سرکاری چٹھیات اور سر لیپل گرفن کی کتاب رئیسان پنجاب میں ہے اور نیز میری قلم کی وہ خدمات جو میرے اٹھارہ سال کی تالیفات سے ظاہر ہیں، سب کی سب ضائع اور برباد نہ جائیں ۔ اور خدانخواستہ سرکار انگریزی اپنے ایک قدیم وفادار اور خیر خواہ خاندان کی نسبت کوئی تکدر اپنے دل میں پیدا کرے ۔ اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا منہ بند کیا جائے کہ جو اختلاف مذہبی کی وجہ سے یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں، صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار

انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہائت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنائت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں ۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا.

مرقومہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء ۔.

(مجموعہ اشتہارات ۔ سوم ۔ ص ۱۰۔ ۲۱ ۔ اشتہار نمبر ۱۸۳ ۔ مکمل درخواست ص ۳۱ پر ختم ہوتی ہے)

☆ کشف الغطا کا ٹائٹل صفحہ مرزا صاحب نے یوں مرتب کیا ہے

اے قادر خدا اس گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کو ہماری طرف سے نیک جزا دے اور اس سے نیکی کر جیسا کہ اس نے ہم سے نیکی ہے ۔ آمین

کشف الغطا

یعنی ایک اسلامی فرقہ کے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے بحضور گورنمنٹ عالیہ اس فرقہ کے حالات اور خیالات کے بارے میں اطلاع اور نیز اپنے خاندان کا کچھ ذکر اور اپنے مشن کے اصولوں اور ہدائتوں اور تعلیموں کا بیان اور نیز ان لوگوں کی خلاف واقعہ باتوں کا رد جو اس فرقہ کی نسبت غلط خیالات پھیلانا چاہتے ہیں ۔ اور یہ مئولف تاج عزت جناب ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند دام اقبالہا کا واسطہ دے کر بخدمت گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کے اعلی افسروں اور معزز حکام سے باادب گذارش کرتا ہے کہ براہ غریب پروری و کرم گستری اس رسالہ کو اول سے آخر تک پڑھا جائے یا سن لیا جائے

(خزائن ۔ ج ۱۴ ص ۱۷۷ ۔ کشف الغطا ٹائٹل پیج ۔ طبع ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء قادیان)

☆ ہر شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے، اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے، کیونکہ مسیح آ چکا۔ خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ اس کو بننا پڑتا ہے۔

(درخواست بنام وائسرائے لارڈ کرزن ۷ جولائی ۱۹۰۰ء۔

مندرجہ ۔ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ۔ ص ۳۱)

☆ مرزا صاحب کے اشتہار نمبر ۲۷۶ کا عنوان یہ ہے

اپنی تمام جماعت کیلئے ضروری نصیحت

(یہ اشتہار، مجموعہ اشتہارات جلد سوم کے صفحہ ۵۸۲ سے شروع کر ۵۸۵ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں مرزا صاحب اپنے مریدوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں)۔

. کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عمل داری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ ہی میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو۔نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کیئے جاؤ گے ...تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتوؤں کی رو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو۔سو خدا تعالی کا یہ فضل اور احسان ہے کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمہیں اپنے سایہ پناہ کے نیچے لے لیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ نے، جو عیسائی تھا، آنحضرت ﷺ کے صحابہ کو پناہ دی تھی ۔ میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوش آمد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں، بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لئے نصیحت کرتا رہوں ۔سو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ خیال دل میں رکھے ۔اور میرے نزدیک یہ سخت بد ذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجے سے بچائے جاتے ہیں اور اس کے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکر گذار نہ ہوں۔اللہ تعالی قرآن میں فرماتا ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر کہاں تمہارا ٹھکانہ ہے؟ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گی ۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کے لئے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔سو تم اس نعمت خداداد کی قدر کرو ۔ اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالی نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کے لئے ہی اس ملک میں قائم کی ہے۔اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کر دے گی ۔ یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں تم

ان کے علماء کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم ان کے نزدیک واجب القتل ہو اور ان کی آنکھ میں ایک کتا بھی رحم کے لائق ہے مگر تم نہیں ہو ۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو ...سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کئے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے ۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لئے ایک رحمت ہے، تمہارے لئے ایک برکت ہے، اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے ۔ پس تم دل و جان سے سپر کی قدر کرو ۔ اور تمہارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزار ہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمہیں واجب القتل نہیں سمجھتے ۔ وہ تمہیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے ۔

(مجموعہ اشتہارات ۔ جلد سوم ۔ ص ۵۸۳ ۔ ۵۸۴)

☆ مرزا صاحب براہ راست ملکہ برطانیہ کی خدمت میں یوں عرض کرتے ہیں

وہ جماعت جو میرے ساتھ بیعت و مریدی رکھتی ہے وہ ایک سچی مخلص اور خیر خواہ اس گورنمنٹ (برطانیہ) کی بن گئی ہے کہ میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی نظیر دوسرے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی ۔ وہ گورنمنٹ کے لئے ایک وفادار فوج ہے جن کا ظاہر و باطن گورنمنٹ برطانیہ کی خیر خواہی سے بھرا ہوا ہے ۔ (تحفہ قیصریہ ۔ ص ۱۲) ۔

۳۲ صفحات کے تحفہ قیصریہ میں اسکے بعد جلسہ احباب کی کاروائی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس تحفہ کی خوبصورت مجلد کاپی ملکہ کو بذریعہ ڈی سی ارسال کی گئی اور ایک گورنر جنرل کو اور ایک لفٹیننٹ گورنر کو۔ اور اسکے ساتھ ملکہ کیلئے چھ زبانوں میں دعا کی گئی ہے ۔

☆ مرزا صاحب اپنی کشتی نوح میں لکھتے ہیں

بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے ۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا، تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسی ابن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سری نگر کشمیر مر گیا ۔ اور نہ وہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا ۔ کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اس فقرہ

سے مجھ سے بے زار نہیں ہوں گے۔ پس سنو اے نادانوں۔ میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوش آمد نہیں کرتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی، اور نہ وہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلواریں چلاتی ہے، قرآن شریف کی رو سے جنگ مذہبی کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔ اوران کا شکر کرنا ہمیں اس لئے لازم ہے کہ ہم اپنا کام مکہ اور مدینہ میں بھی نہیں کر سکتے، مگر ان کے ملک میں۔ یہ خدا کی طرف سے حکمت تھی کہ مجھے اس ملک میں پیدا کیا۔ پس کیا میں خدا کی حکمت کی کسرشان کروں۔ اور جیسا کہ قرآن شریف کی آیت وا وینا هما الی ربوة ذا ت قرار و معین (مومنون۔۵۱) میں اللہ تعالی یہ بات ہمیں سمجھاتا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے بعد ہم نے عیسی مسیح کو صلیبی بلا سے رہائی دے کر اس کو اور اس کی ماں کو ایک ایسے اونچے ٹیلے پر جگہ دی تھی کہ وہ آرام کی جگہ تھی اور اس میں چشمے جاری تھے یعنی، سری نگر۔ اسی طرح خدا نے مجھے اس گورنمنٹ کے اونچے ٹیلے پر جہاں مفسدین کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا جگہ دی جو آرام کی جگہ ہے اور اس ملک میں سچے علوم کے چشمے جاری ہیں اور مفسدوں کے حملوں سے امن اور قرار ہے۔ پھر کیا واجب نہ تھا کہ ہم اس گورنمٹ کے احسانات کا شکر کرتے .

(کشتی نوح۔ص ۷۵۔خزائن۔ج ۱۹ حاشیہ از مرزا) .

☆ اپنے لیکچر سیالکوٹ میں جناب مرزا صاحب کہتے ہیں

. اخیر پر ہم گورنمنٹ انگریزی کا سچے دل سے شکر کرتے ہیں جس نے اپنی کشادہ دلی سے ہمیں مذہبی آزادی عطا فرمائی۔ یہ آزادی جس کی وجہ سے ہم نہائت ضروری دینی علوم لوگوں تک پہنچاتے ہیں یہ ایسی نعمت نہیں ہے جس کی وجہ سے معمولی طور پر ہم اس گورنمنٹ کا شکر کریں بلکہ تہ دل سے شکر کرنا چاہیے۔ اگر یہ گورنمنٹ عالیہ ہمیں کئی لاکھ کی جاگیر دیتی مگر یہ آزادی نہ دیتی تو ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وہ جاگیر اس کے برابر نہ تھی، کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے، مگر یہ وہ مال ہے جس کو فنا نہیں۔ ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کے سچے دل سے شکر گذار رہیں۔ کیونکہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی نہیں کرتا۔ نیک انسان وہی ہے کہ جیسے خدا تعالی کا شکر ادا کرتا ہے اس انسان کا بھی شکر کرے جس کے ذریعہ سے اس منعم حقیقی کی کوئی

نعمت اس کو پہنچی ہے ۔ مرزا غلام احمد یکم نومبر ۱۹۰۴ء سیالکوٹ ۔

(لیکچر سیالکوٹ ص ۴۵ مندرجہ خزائن ج ۲۰ ص ۲۴۷)

☆ اور لاہور میں مرزا صاحب نے فرمایا

میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ایسی پر امن گورنمنٹ کے سایہ میں ہمیں جگہ دی ہے جو ہمیں اپنے مذہبی اشاعت سے نہیں روکتی اور اپنے عدل اور دادگستری سے ہر ایک کانٹا ہماری راہ سے دور کرتی ہے ۔ سو ہم خدا کے شکر کے ساتھ اس گورنمنٹ کا بھی شکر کرتے ہیں ۔ (لیکچر لاہور ۔ ص ۳ ۔ خزائن ۔ جلد ۲۰ ص ۱۴۲)

☆ اور لدھیانہ میں انہوں نے فرمایا ۔

. میں سچ سچ کہتا ہوں اور تجربہ سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اس قوم کو حق کیلئے جرئت دی ہے ۔ پس میں اس جگہ پر مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان پر فرض ہے کہ وہ سچے دل سے گورنمنٹ کی اطاعت کریں ۔ (لیکچر لدیانہ ص ۲۴ ۔ خزائن ج ۲۰ ص ۲۷۲)

حرز سلطنت

☆ مرزا صاحب کی درج بالا تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی سیاست ، ان کی ذات اور ان کے خودساختہ مذہب کی حفاظت وترویج کے گرد گھومتی تھی اور چونکہ برصغیر کے عیسائیوں ، مسلمانوں ، سکھوں اور ہندؤں کو ان کے عقائد ونظریات سے کوئی ہمدردی نہ تھی اس لئے وہ اپنی جان کی حفاظت اور عقائد کی ترویج کیلئے حکومت وقت کی خوشنودی کے محتاج تھے جس کے حصول کی خاطر وہ منافقت ، خوش آمد اور چاپلوسی کے ہتھیاروں کا بلا دریغ استعمال کرتے تھے ۔ وہ تضادات کا مجموعہ تھے ، کان و ما یکون کے مالک ہونے کا دعوی کرتے لیکن ہر وقت کاسہ گدائی ہاتھ میں لئے چندوں کی بھیک مانگتے رہتے ۔

دعوی کرتے کہ وہ سلطنت برطانیہ کے محافظ ہیں ، لیکن اپنی جان کی حفاظت کیلئے کرائے کے سپاہیوں اور چوکیداروں کے محتاج رہتے ۔

دعوی کرتے کہ بڑے سے بڑے مخالف کو وہ مرے ہوئے کیڑے سے زیادہ

وقعت نہیں دیتے، لیکن خود اپنی جاگیر قادیان دارالامان میں معمولی حیثیت کے دیہاتی ہندوؤں سے ڈر کے مارے کانپتے رہتے۔

ایں شوراشوری وایں بے نمکی کی اس چلتی پھرتی تصویر کو مولانا بٹالوی نے آئینہ دکھاتے ہوئے ایک جگہ فرمایا ہے

مرزا صاحب اپنے عریضہ اسمی گورنمنٹ ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء (جو مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۳۶۶ تا ۳۷۷ پر موجود ہے) میں گورنمنٹ سے التجا کرتے ہیں۔

میں گورنمنٹ کی پولیٹکل خدمت وحمایت کے لئے ایسی جماعت تیار کر رہا ہوں جو آڑے وقت میں گورنمنٹ کے مخالفوں کے مقابلے کیلئے نکلے گی۔اور گورنمنٹ کے متعلق مجھے الہام ہوا ہے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم واینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی جب تک تو گورنمنٹ کی عملداری میں ہے، خدا گورنمنٹ کو کچھ تکلیف نہیں پہنچائے گا اور جدھر تیرا منہ ہوگا اسی طرف خدا کا منہ ہوگا۔اور چونکہ میرا منہ گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف ہے اور اس کے اقبال وشوکت کیلئے دعا میں مصروف ہے، کیونکہ مجھ کو جیسا گورنمنٹ کی سلطنت وظل حمایت میں امن ہے نہ مکہ میں ہے، نہ مدینہ میں، نہ روم میں، نہ شام میں، نہ کابل میں، نہ ایران میں۔لہذا خدا کا منہ بھی اسی گورنمنٹ کی طرف ہے۔اور اس امر کی شہادت گورنمنٹ خود ہی دے سکتی ہے کہ اسکو میرے زمانے میں کسقدر فتوحات نصیب ہوئے۔

ان وجوہات سے گورنمنٹ میری جان کی حفاظت کرے اور میری حفاظت کے لئے قادیان میں جہاں اس وقت بجز چوکیداروں کے نہ کوئی تھانہ ہے نہ چوکی پولیس، پولیس متعین کرے جو میری جان کو ہندوؤں سے بچاوے۔اور جن ہندوؤں نے مجھے ڈرایا اور دھمکایا ہے گورنمنٹ ان کی ضمانتیں اور مچلکے لے۔

مولانا بٹالوی کہتے ہیں کہ اس التجا اور عجز والحاح کے وقت مرزا صاحب اپنے وہ سب الہامات بھول گئے جن کو وہ اس التجا سے سات روز پہلے اشتہار ۱۵۔مارچ ۱۸۹۷ء میں اور کئی سال پہلے دیگر تحریرات میں شائع کر چکے تھے کہ

☆ جب مشکلات کے پہاڑ پر خدا تجلی کرے گا تو انہیں پاش پاش کر دے گا (یعنی تجھے ان سے بچالے گا) اے عیسی (مرزا) تجھے میں تیری اپنی موت ماروں گا اور جو ہندو تیری ذلیل اور لعنتی موت کیلئے کوشش کر رہے ہیں میں ان سے تجھے بچالونگا (اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء)

☆ اور یہ کہ تجھے خدا تعالی اسی (۸۰) برس کی عمر تک یا اس کے قریب تک زندہ رکھے گا۔ (ازالہ اوہام۔ ص ۶۳۵)

☆ اور یعصمک اللہ من عندہ و ان لم یعصمک الناس۔ (براہین احمدیہ۔ ص ۵۱۰)۔ اگر چہ تمام لوگ تیرے بچانے سے دریغ کریں مگر خدا تجھے بچائے گا۔

☆ اور انا کفیناك المستہزئین۔ (انجام آتھم ص ۵۱)۔ ہم تیرے لئے ٹھٹھا کرنے والوں کو سنبھالنے کے لئے کافی ہیں۔

☆ اور سیہزم الجمع و یولون الدبر یا عبدی لا تخف انی اسمع و اری (انجام آتھم۔ص ۵۴) سب بھاگ جائیں گے اور پیٹھ دکھلائیں گے اے میرے بندے مت خوف کر۔ میں دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں

☆ اور یخوفون من دونہ آئمۃ الکفر لا تخف انک انت الاعلی۔ یعنی تجھے خدا کے سوا اوروں سے ڈراتے ہیں۔ یہ کفر کے پیشوا ہیں۔ مت ڈر غلبہ تجھی کو ہے۔ (انجام آتھم۔ص ۵۹)

مرزا صاحب اس خوف و دہشت کے وقت یہ خیال نہ کر سکے کہ جب مجھے خدا تعالی خاص طور پر ہندؤں سے بچانے اور سلامت رکھنے کا وعدہ دے چکا ہے تو میں جھوٹی خوش آمد کر کے گورنمنٹ سے کیوں التجا کرتا ہوں کہ جس طرح ہو سکے میری جان کو بچالے جب آسمانی عدالت سے حفاظت کا یقین دلایا گیا ہے تو پھر کونسی ضرورت پیش آئی ہے کہ انگریزوں کے دروازہ پر سرگردانی اور سرافگندگی کر رہا ہوں جس سے انجام آتھم کے صفحہ ۲۱ میں بایں الفاظ انکار کر چکا ہوں

. جس حالت میں آسمانی عدالت سے ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ عبداللہ آتھم عنقریب آسمانی وارنٹ سے گرفتار کیا جائے گا تو پھر ہمیں کون سی ضرورت پیش آئی تھی کہ انگریزوں کی عدالت کے دروازہ پر اپنے تئیں سرگرداں کرتے (اشاعۃ السنہ ج ۱۸۔ص ۴ تا ۶)

مولانا بٹالوی مزید لکھتے ہیں کہ

. مرزا صاحب نے عریضہ اسمی گورنمنٹ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء میں جو لکھا ہے کہ میں ۱۷ برس سے گورنمنٹ کی اس پولیٹکل خدمت میں مصروف ہوں کہ میں نے گورنمنٹ سے جہاد جائز نہ ہونے کی بابت بیسیوں کتابیں عربی فارسی اردو میں لکھی ہیں۔ اور میں نے گورنمنٹ کی رعایت وحمایت کیلئے ایک جماعت تیار کی ہے جو گورنمنٹ کے مخالفوں کے

مقابلہ میں کام آنیوالی ہے، اور مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ جب تک تو اس گورنمنٹ کی عملداری میں ہے تب تک گورنمنٹ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے گا۔ اور اس سے پہلے اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء (جو مجموعہ اشتارات ج ۲ ص ۳۴۲ تا ۳۶۳ پر موجود ہے) میں لکھا ہے

کہ گورنمنٹ کو یہ فخر ہونا چاہیے کہ اس کے ملک میں اور اس کی بادشاہت میں خدا اپنے بندوں سے وہ تعلق پیدا کر رہا ہے جو قصوں اور کہانیوں کے طور پر کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اور اس ملک پر یہ رحمت ہے کہ آسمان زمین کے نزدیک ہو گیا ہے۔ ورنہ دوسرے ملکوں میں اس کی نظیر نہیں۔

یہ سب زور وفریب و افتراء ہے۔ آپکو خدا تعالی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور آپ خدا تعالی کے مخاطب و ملہم نہیں ہو سکتے۔ آپکا پولیٹکل خدمت کرنے اور ممانعت جہاد کے رسالے شائع کرنے کا دعوی اس لئے زور وفریب اور دھوکہ ہے کہ آپکی کتاب آئینہ کمالات اسلام جس کا دوسرا نام دافع الوساوس ہے، کے صفحہ ۶۰۱ کا وہ فقرہ کہ

نافرمان انسان کا مال اور جان اس کے ملک (ملکیت) سے خارج ہو کر خدا کے ملک ہو جاتے ہیں۔ اور خدا تعالی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا واسطہ رسولوں کے ان نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض عدم میں پہنچا دے، یا کسی رسول کے واسطے سے یہ تجلی قہری نازل کرے۔ ایک ہی بات ہے۔

ان تمام رسائل کو ملیا میٹ کرتا ہے اور بتا رہا ہے کہ جس وقت آپ کی جماعت کامل قوت پکڑ لے گی اس وقت آپ گورنمنٹ کے مال و جان پر ہاتھ صاف کریں گے۔ آپ تو بلا واسطہ رسولوں کے ان کی ہلاکت کو تجویز کر رہے ہیں۔ اور جس حالت میں آپ خود مدعی رسالت بھی ہیں تو پھر انکے ہلاک کرنے میں بجز تکمیل جمیعت کیا کسر وتوقف ہے۔

پیش گوئی میعادی ہشت سال (سلطنت برطانیہ تا ہشت سال) کی طرف ہم گورنمنٹ کو توجہ دلا چکے ہیں۔ ہم نے اس فقرہ آئینہ کمالات اسلام کو اپنے رسالہ میں کئی دفعہ کوٹ (نقل) کیا ہے۔ مرزا صاحب نے اس کا جواب تو کچھ نہیں دیا لیکن ہمارے ریویو براہین احمدیہ کی عبارت نقل کر کے آپ نے گورنمنٹ کو جتایا ہے کہ یہ شخص اپنے ریویو مذکور میں ہماری طرف سے گورنمنٹ کو مطمئن کر چکا ہے۔ اب اس کے برخلاف اس کے قول وخیال کا کیا اعتبار؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خاکسار نے اس وقت (۱۸۸۵ء) گورنمنٹ کو آپ کی

طرف سے مطمئن کیا تھا جب کہ آپ نے موعود مسیح اور مہدی ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا۔ اور اس اطمینان کی ایک یہ دلیل بیان کی تھی کہ آپ مغل ہیں اور امام مہدی کا سید ہونا مسلم ہے، لہذا ممکن نہیں کہ آپ مہدی ہونے کا دعوی کریں۔ آپ نے میری اس دلیل اور خیال کو توڑ کر مہدی ہونیکا بھی دعوی کرلیا تو آپ میرے خیال کے محل کیونکر ہو سکتے ہیں؟

آپ کا یہ دعوی کہ گورنمنٹ کی حفاظت کا باعث آپ کا وجود، دعا و برکت ہے، محض دروغ ہے۔ آپ ایسے ہوتے اور یہ الہام خدا کی طرف سے ہوتا، تو آپ یہ کہتے کہ موجودہ فوج جو سرحد کی اور ملک کی حفاظت کیلئے گورنمنٹ نے رکھی ہوئی ہے، اسے موقوف کردے۔ میرے ہوتے کسی فوج کی حاجت نہیں۔ آپ نے اسکے برعکس حکومت کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مجھے قاتلوں سے بچاؤ اور میری حفاظت کیلئے قادیان میں پولیس بھیجو۔

اور اگر مذکورہ بالا الہام خدا کی طرف سے ہوتے، تو آپ گورنمنٹ کے آگے ہاتھ نہ جوڑتے جیسا کہ عبداللہ آتھم پر الزام خلاف واقعہ کی علت سے نالش نہ کرنے کی وجہ انجام آتھم کے صفحہ ۲۰۔۲۱ میں یہ بیان کی ہے

> جس حالت میں آسمانی عدالت سے ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ عبداللہ آتھم عنقریب آسمانی وارنٹ سے گرفتار کیا جائے گا۔ تو پھر ہمیں کون سی ضرورت پیش آئی تھی کہ انگریزوں کی عدالت کے دروازہ پر اپنے تئیں سرگرداں کرتے۔

آپ کے اس قول کی رو سے آپ کی درخواست حفاظت اور گورنمنٹ کی جھوٹی خوش آمد پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جس حالت میں خدا نے الہامات مذکورہ بالا میں آپکو حفاظت کا وعدہ دیدیا تھا، بلکہ آپکے وجود کے ذریعہ اور طفیل سے گورنمنٹ کو حفاظت کا وعدہ دیدیا تھا، تو پھر آپ گورنمنٹ کے دروازہ پر کیوں سرگردان ہوئے اور کیوں ہاتھ جوڑے؟

آیت حفاظت واللہ یعصمک من الناس جسکے اپنے حق میں نزول کا مرزا صاحب کو دعوی ہے، جب آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اس باڈی گارڈ کو جو آپ ﷺ پیشتر رکھوایا کرتے تھے، اٹھوا دیا۔ اور صاف فرما دیا کہ تم سب اٹھ جاؤ، خدا نے میری حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے۔ مگر مرزا صاحب نے اسکے برعکس اس آیت کے نزول اور دیگر بشارات والہامات حفاظت کے نزول کے بعد گورنمنٹ سے اپنی حفاظت کیلئے پہرہ کا سوال کیا۔ اور جب گورنمنٹ نے اس سوال کو لغو اور فضول سمجھ کر قبول نہ کیا تو آپ نے

اپنے وظیفہ خواروں سے پہرہ مقرر کر دیا جو رات دن آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ امر صاف اور قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ وہ الہامات نہیں محض ڈھکوسلہ اور من گھڑت ہیں۔

الہام عریضہ میں یہ بھی آپ نے گورنمنٹ کو جتایا ہے کہ جس قدر گورنمنٹ کو فتوحات ہوئے ہیں، میرے ہی طفیل سے نصیب ہوئے اور میں اس سلطنت کیلئے بمنزلہ حرز ہوں اور جب تک اس سلطنت میں ہوں، اسے تکالیف سے امن رہے گا۔ اس پر ہم حکومت کو صلاح دیتے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کی ایسی حفاظت کرے جیسی اپنی جان کی کر رہی ہے۔ کسی مفسدہ کے خوف سے ان کو اپنی حدود سے خارج کرنے کا کبھی اور ہرگز قصد نہ کرے۔ جب یہ برٹش سلطنت سے نکالے جائیں گے تو پھر گورنمنٹ کی بھی خیر نہ ہوگی۔

گورنمنٹ خیر چاہتی ہے تو اس ناقۃ اللہ کو حفاظت سے رکھے ...بہتر تو یہ ہے کہ ان کو لاہور یا شملہ یا کلکتہ کے گورنمنٹ ہاؤس کے ایک کمرہ میں مقفل رکھے۔ یہ نہ ہوسکے تو قادیان میں آپ کی حفاظت ونگرانی کے لئے پولیس مقرر کر دے۔ اور جب کسی ملک کے الحاق یا اس پر چڑھائی کرنے کا قصد کرے تو بجائے لشکر کے صرف آپ سے دعا کرا لیا کرے۔ مگر آپ کے اس الہام پر ایک شبہ گذرتا ہے کہ آپ کا سلسلہ الہامات و برکات پچیس برس سے جاری ہے پھر اس عرصہ میں ایک دفعہ سلطنت کابل، گورنمنٹ انگریزی کے ہاتھ سے کیوں نکل گئی؟ اور حال ہی میں سر کوگناری کے نائب اور اعلی افسر کابل میں کیوں قتل ہوئے؟ آپ نے اس کے بچ جانے اور گورنمنٹ کے ہاتھ سے اس سلطنت کے نکل نہ جانے کیلئے کیوں دعا نہ کی؟ سابق امیر کابل یعقوب خان نے کچھ چٹا دیا تھا یا اس وقت الہام کا قبض تھا؟ اس کا جواب شافی نہ دیں تو پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ گورنمنٹ آپ سے کیا سلوک کرے۔ کیونکہ یہ ایک پولیٹکل سوال ہے اور ہم پالیٹکس میں کم دخل رکھتے ہیں۔ مگر گورنمنٹ کو یہ مشورہ دیتے کہ مرزا صاحب کو ایسے الہامات کے ارزاں کرنے اور عام لوگوں کی نسبت الہام بازی کرنے سے روک دے۔ اور اس نعمت کبری کو اپنے ہی لئے ریزروڈ (محفوظ) کر دے۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۸ نمبر ۳۔ص ۷۹ تا ۸۴)

و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

کتابیات

قرآن مجید، کتب احادیث و تفاسیر اوراناجیل اربعہ کے علاوہ درج ذیل کتب و رسائل سے مدد لی گئی ہے

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔۲۔اگست ۱۹۴۰ء

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔۱٦۔اگست ۱۹۴۰ء

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد۱۳

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد۱۴

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد۱۵

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد۱۸

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۲۱

شحنہ ہند میرٹھ۔ہفتہ وار ضمیمہ۔ ۱۹۰۳ء

قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ از الیاس برنی

ثبوت حاضر ہیں۔از متین خالد۔ حیاۃ طیبہ۔از عبدالقادر قادیانی

سیرۃ المہدی۔از مرزا بشیر احمد

اور مرزا غلام احمد کی درج ذیل کتابیں

براہین احمدیہ، فتح اسلام ،توضیح المرام، ازالہ اوہام، مباحثۃ الحق لدھیانہ، اربعین نمبر۳، اتمام الحجہ، دافع البلاء شہادۃ القرآن، انجام آتھم، نور الحق، کتاب البریہ، تریاق القلوب، نزول المسیح۔ضرورۃ لاامام، معیار المذاہب، مواہب الرحمان، فریاد درد، لیکچر سیالکوٹ، لیکچر لاہور، لیکچر لدھیانہ، تحفہ قیصریہ، دافع الوساوس، کشتی نوح، حقیقۃ الوحی۔

مکتوبات احمدیہ جلد چہارم، مجموعہ اشتہارات (مرزا)، تذکرہ (مجموعہ الہامات مرزا)

تبصرے اور تقریضات

☆ تحریک ختم نبوت حصہ اول میں اظہار تشکر کے عنوان سے حضرت مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی لکھتے ہیں

جمیعت اہل حدیث برطانیہ تاریخ تحریک ختم نبوت پر یہ کتاب شائع کر کے اپنے اکابرین کے ان کارناموں کو اجاگر کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے جسے اپنی جماعت کی بے حسی اور دیگر جماعتوں کے پروپیگنڈے نے لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ کام بہت پہلے ہو جاتا لیکن ہندو پاک کی اہل حدیث تنظیموں نے اس طرف کماحقہ توجہ نہیں دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک ختم نبوت کے آغاز اور اس کے ارتقائی مراحل میں کام کرنے کا سہرا دیگر مکاتیب فکر نے اپنے اکابرین کے سر باندھ دیا.. حالانکہ ان مراحل میں اہل حدیث علماء ہی کا حصہ سب سے زیادہ ہے.. ہم اہل حدیث علماء کی خدمات کو منظر عام پر لانے والی اس کتاب کی اشاعت پر اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس خدمت کا اعزاز برطانیہ کی جمیعت اہل حدیث کو بخشا۔

ہم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہندوستان پاکستان اور برطانیہ کے کتب خانوں سے علمی موتی چن کر انہیں ایک تسبیح میں پرو دیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بڑی محنت سے وہ تمام کتب حاصل کی ہیں جن کی اس موضوع پر لکھنے والے کو ضرورت محسوس ہو سکتی ہے.. حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر جنون کی حد تک کام کر کے وہ قرضہ ادا کر دیا ہے جو اکابرین کا جماعت اہل حدیث کے ذمہ تھا۔ انہوں نے اس علمی تشنگی کو بھی دور کر دیا ہے جسے جماعت کا ہر فرد محسوس کرتا تھا اور جماعت کا ہر فرد اس بات پر ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں قدامت اہل حدیث، برصغیر میں اہل حدیث کی خدمات اور تحریک اہل حدیث کے اثرات جیسے موضوعات پر کام کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

ثناء اللہ سیالکوٹی۔ نائب امیر جمیعت اہل حدیث برطانیہ

☆ مورخ شہیر جناب مخدوم محمد اسحاق بھٹی صاحب تحریک ختم نبوت حصہ اول میں حرفے چند کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں

مرزائیت سے متعلق اہل حدیث کی بہت سی اولیات ہیں جو ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہیں۔ ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کی زیر نظر کتاب بھی ان اولیات میں شامل ہے۔ اس کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات بھی معرض تحریر میں آ گئے ہیں اور تحریک ختم نبوت کا پورا پس منظر بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ پھر فتوائے تکفیر کے بعد جن حضرات نے اس تحریک میں حصہ لیا اور اس موضوع پر کتابیں لکھیں، ایک خاص تاریخی ترتیب سے ان کی سرگرمیوں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ کتاب کی زبان نہائت عمدہ اور اسلوب بیان انتہائی دل کش۔ ہر بات با حوالہ لکھی گئی ہے۔ کتاب کی یہ پہلی جلد ہے۔ اس دور میں جن حضرات نے، جس انداز میں اس تحریک میں حصہ لیا، ان سب کا تذکرہ اس میں آ گیا ہے۔ علمائے احناف میں مولانا رشید احمد گنگوہی، علمائے لدھیانہ اور دیگر حضرات شامل کتاب ہیں۔

کتاب کے فاضل مصنف جماعت اہل حدیث کے ایک مشہور مقرر و خطیب کے صاحب زادے ہیں۔ بہاء الدین ان کا قلمی نام ہے۔ انہوں نے جس خوب صورتی سے اس خشک موضوع کو دلچسپ اسلوب میں بیان کیا ہے، اور حوالوں کی تلاش میں جو محنت کی ہے، اس پر قارئین کی طرف سے وہ بجا طور پر مبارک باد کے متسحق ہیں۔ اب کتاب کی دوسری جلد کا شدت سے انتظار ہے، ہمیں یقین ہے، دوسری جلد میں بھی یہ انداز برقرار رہے گا اور فاضل مصنف اسی اسلوب میں با حوالہ اپنا سفر تحریر طے کریں گے۔ دعا ہے اللہ تعالی مصنف کو صحت و عافیت سے رکھے اور انہوں نے جو بہترین سلسلہ شروع کیا ہے وہ بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچے۔ آمین

محمد اسحاق بھٹی۔ اسلامیہ کالونی ساندہ لاہور۔ ۳۔ مئی ۲۰۰۱ء

☆ تحریک ختم نبوت حصہ اول، طبع دوم کے عرض ناشر میں حافظ شکیل احمد میرٹھی لکھتے ہیں

گذشتہ کافی دنوں سے ہند و پاک کے کچھ متعصب دیو بندی مقلدین علماء کی طرف سے اہل حدیث جماعت کے خلاف جو تحریریں آ رہی ہیں ان میں یہ پروپیگنڈہ بھی کیا جا رہا ہے کہ یہ (غیر مقلدین) قادیانیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں، ان کو کافر نہیں مانتے اور قادیانی فرقہ غیر مقلدین سے نکلا ہے وغیرہ۔ حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے حنفی تھا اور نبوت کے دعوی کے بعد بھی عملاً حنفی رہا اور حنفی مسلک پر چلنے کی تعلیم و تاکید بھی اپنے ماننے والوں کو کرتا رہا۔

زیر اشاعت کتاب .تحریک ختم نبوت ہمارے محترم جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ کی ترتیب ہے جسے موصوف نے مختلف رسائل ومجلّات اور کتب سے اخذ کر کے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا ہے۔ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں فاضل مرتب نے ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۶ء کے درمیان قادیانی فتنہ کے خلاف اہل حدیث علماء کی مساعی کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب محترم تمام اہل حق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالی موصوف کو اجر عظیم سے نوازے اور دین متین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عنائت فرمائے۔ خوشی ومسرت کی بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں پہلی بار اس کتاب کی اشاعت کا شرف ادارہ اشاعۃ السنۃ دہلی کو حاصل ہو رہا ہے۔ اشاعۃ السنہ دہلی ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہے کہ موصوف نے ادارہ کو اس کتاب کی طباعت کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہماری دعا ہے کہ رب العالمین اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے اور مرتب و ناشر کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی النبی

شکیل احمد میرٹھی۔ مدیر ادارہ اشاعۃ السنۃ دہلی۔ ۳۱ جنوری ۲۰۰۴ء

☆ حضرت مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی امیر جمعیت اہل حدیث برطانیہ، تحریک ختم نبوت جلد دوم، مطبوعہ ادارہ اشاعۃ السنۃ دہلی، پر یوں تبصرہ کناں ہیں

ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم میں تقریباً دس سال قبل تحریک ختم نبوت کی تاریخ پر ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کی نگارشات کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی سال تک جاری رہا۔ جب اسے کتابی شکل میں ڈھالنے کا عمل شروع ہوا تو چار سال قبل تحریک ختم نبوت حصہ اول (۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۶ء تک) منظر عام پر آئی جسے جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے مکتبہ قدوسیہ لاہور سے شائع کرایا۔ اس کتاب کو بعد میں ادارہ اشاعۃ السنہ دہلی نے بھی شائع کیا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے کتاب کا دوسرا حصہ مرتب کیا جو اپریل ۲۰۰۵ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑی عرق ریزی سے مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی اور ان کے معاصرین کی تحریروں اور گزشتہ صدی کے اوائل کے اخبارات و رسائل سے جمع کر کے ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۵ء تک تحریک کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ مرزا غلام احمد نے اس دور میں کون کون سے دعوے اور کیا کیا پیش گوئیاں کیں۔ اور اپنے مشن کی خاطر اپنے مریدوں کی مدد سے کیا کچھ کیا۔ نیز انہوں نے بتایا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کی مساعی کا توڑ کن کن بزرگوں نے کس کس انداز میں کیا ...

ڈاکٹر صاحب نے شخصیات کے تذکرہ میں چند ایسی باتوں کا انکشاف بھی کیا جن سے ان شخصیات کے نظریات کا پتہ بھی چلتا ہے جیسا کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ان کی شخصیت دیوبندی اور بریلوی حدبندیوں سے آزاد تھی۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے سوانح نگار مولوی فیض احمد (مہر منیر۔ص ۱۴۲) لکھتے ہیں

دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بنا پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔

ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے متعلق فرماتے تھے، ان کے متبحر عالم اور خادم دین ہونے میں کلام نہیں مگر بعض اجتماعی مسائل میں رعایت توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں۔

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے پیر صاحب کے بارے میں لکھا کہ

. وہ نہ بریلوی تھے، نہ بریلوی مدرسہ سے فارغ، نہ مولانا احمد رضا خان کے شاگرد تھے، نہ ہی ان سے متاثر تھے، نہ ان دونوں کی کبھی ملاقات ہوئی، نہ پیر صاحب کبھی بریلی گئے، نہ مولانا احمد رضا خاں گولڑہ تشریف لائے۔ پیر صاحب خود صاحب مشرب تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا انداز بعض مقامات پر بڑا دل چسپ ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب کے علم کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کتاب ہذا کے صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں کہ

مرزا غلام احمد نے براہین احمدیہ کی پانچ جلدوں کو پچاس کے برابر قرار دے دیا تھا کہ ۵، اور ۵۰ میں ایک صفر ہی کا تو فرق ہے۔ یہ دراصل ان کی سادگی تھی، کیونکہ وہ اس دس ہزار روپئہ کو جو انہوں نے مسلمانوں سے براہین احمدیہ کے لئے پیشگی وصول کیا تھا، یہ کہہ کر بڑی آسانی سے ہضم کر سکتے تھے، کہ مسلمانوں کو اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے، میں نے تو ایک ہی روپئہ کھایا ہے۔ ۱ (ایک) روپئہ اور ۱۰۰۰۰ (دس ہزار) روپئہ میں چار صفروں ہی کا تو فرق ہے۔ اور صفریں جتنی بھی ہوں ان کا حاصل جمع صفر ہی ہوتا ہے۔

(ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم۔ جنوری ۲۰۰۶ء)

☆ حضرت مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی اڈیٹر جریدہ ترجمان، تحریک ختم نبوت پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فتنہ قادیانیت دور استعمار کا ایک عظیم فتنہ تھا۔ اس فتنہ نے جہاں بہت سے اہل ایمان کو شک وشبہ میں مبتلاء کیا، وہیں بے انتہاء قوت وصلاحیت ضائع کی۔ ایسے وقت میں جو اسلام کے لئے انتہائی نازک وقت تھا، علماء اسلام کے ایک گروہ کو اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے بڑے بڑے مصائب کو جھیلنا پڑا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اللہ نے جس پر اپنی رحمتیں نچھاور کیں اس کو اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے آخر دم تک پر ہمت رکھا۔ ہندوستان سے استعمار کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس فتنہ کا زور بھی ٹوٹا اور علمائے وقت کی محنتیں بھی کارگر ثابت ہوئیں۔ اگر اس وقت عمل استعمار کے مکروفریب سے ڈر کر علماء حق مداہنت سے کام لیتے تو اس میں شک نہیں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ ایک عظیم اور کربناک سانحہ ہوتا۔

یہ فتنہ اگر چہ اہل علم کے یہاں اب زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا، اسی لئے اس طرف توجہ کم ہورہی ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے آج بہت ساری شکلیں اختیار کر رکھی ہیں اور گمراہ کرنے کے لئے وہ سارے ہتھکنڈے اپنا رکھے ہیں جو عیسائی مشنریاں اپناتی ہیں۔ ہندو پاک کے ان علاقوں میں جن میں غربت وجہالت ہے، قادیانی مبلغوں نے ان کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے اور ہر طرح کی ترغیبات سے مسلمانوں کو مرتد بنا رہے ہیں۔ آج اس کا فتنہ بہار، آسام، اڑیسہ، جھارکھنڈ، پنجاب، ہریانہ اور شمالی ریاستوں میں پورے مکروفریب کے ساتھ جاری ہے۔ والعیاذ باللہ

ماضی میں جب اس فتنہ نے سرابھارا تو علماء حق بلا امتیاز مسلک ومشرب اس کی سرکوبی میں لگ گئے تھے۔ اگر چہ ہر میدان میں جس نے اس کے بانی کو ناکوں چنے چبوائے وہ علمائے اہل حدیث ہی تھے۔ مگر آج جب تاریخ لکھنے کا وقت آیا تو تاریخ لکھی نہیں بنائی جا رہی ہے۔ اور ایک طبقہ پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے انہی علماء کو جو ہر وقت بانی فتنہ کو ہر میدان میں شکست پر شکست دیتے رہے، قادیانیت کے ساتھ ساز باز کا مجرم گردانتا ہے۔ یہ باتیں جس تسلسل کے ساتھ کہی گئیں ان سے بہت سے اہل علم اور واقف کاران احوال کو دکھ پہنچا اور اس کا درد انہوں نے وقتاً فوقتاً ظاہر بھی کیا۔ لیکن ظاہر ہے شکوہ وشکایت سے نہ کبھی مسائل حل ہوئے ہیں اور نہ اب ہو سکتے ہیں، اس کا معقول جواب یہی تھا کہ تاریخی

دستاویزات کے حوالے سے اس جھوٹے پروپیگنڈے کو باطل کیا جائے۔ اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ڈاکٹر محمد بہاء الدین حفظہ اللہ وتولاہ کو کہ انہوں نے یہ عظیم ذمہ داری نبھانے کا ارادہ فرمایا اور اس کے لئے ہزاروں لاکھوں صفحات کھنگال کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے تحریک ختم نبوت کے شہسواروں کے ساتھ کوئی حق تلفی نہیں کی اور اس بارے میں کسی تعصب کا شکار نہیں ہوئے۔ زبان و بیان اسلوب ولہجہ ہر اعتبار سے کتاب کو معتبر بنا دیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ کوئی بھی حق پسند ڈاکٹر صاحب کی محنت اور لیاقت، شرافت و دیانت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ پائے گا۔

ہمارے بعض بھائی اہل حدیث سے بلا وجہ کی دشمنی کے نتیجہ میں جو کچھ افتراءات اور بہتانات تراشتے ہیں، ان افتراءات کو جس خوبصورت معقول اور تاریخی شواہد سے باطل کیا ہے وہ ڈاکٹر صاحب ہی کا حصہ ہے۔ ورنہ ایسے مواقع پر بڑے بڑوں کے قلم شدت ریز ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب تحریک ختم نبوت مکمل تین حصوں پر مشتمل ہے اور بلا مبالغہ لاکھوں صفحات سے بے نیاز اور بیسیوں کتابوں سے مستغنی کرنے والی ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے مفید کارآمد اور لائق مطالعہ ہے۔ جو لوگ قادیانیت کے تعلق سے خالی الذہن ہیں یا اس بارے میں تفصیلی معلومات کے خواہاں ہیں تحریک ختم نبوت کے مالہ و ما علیہ سے معتبر حوالوں کے ذریعہ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ حضرات اس کتاب کو آج ہی خریدیں۔

علماء طلباء دعاۃ ومبلغین کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ ہمیں امید ہے کہ علمی حلقوں کی طرف سے کتاب کی کما حقہ پذیرائی کی جائے گی اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ ادارہ اشاعت السنہ، ومکتبہ ترجمان اس عمدہ اور بے حد ضروری پیش کش پر اہل علم سے مبارک باد کے مستحق ہے۔ کتاب کے مؤلف کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے دوسرے اڈیشن میں متعدد فہرستوں کے اضافے کے ساتھ ساتھ مرزا کے حالات زندگی کی تفصیلات اور تاج برطانیہ سے اس کی وفاداری اور مسلم مسائل سے بے زاری پر سیر حاصل تبصرہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ مولوی عبد اللہ معمارؒ کی کتاب محمدیہ پاکٹ بک اور تحریک ختم نبوت از ڈاکٹر بہاء الدین اگر کسی کے پاس ہوں تو اس کو کسی اور کتاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ (جریدہ ترجمان۔ دہلی ۱۶۔۳۱ مارچ ۲۰۰۶ء)

☆ تحریک ختم نبوت جلد سوم کی دسمبر ۲۰۰۵ء میں دہلی سے اشاعت کے موقع پر کلمۃ الناشر کے عنوان سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے لکھا تھا۔

جماعت وعلماء اہل حدیث ہند کی متنوع اور گونا گوں خدمات جس قدر وسیع وعظیم ہیں، اسی قدر اس کی تدوین وتحریر کا کام بھی ہونا چاہیے تھا، مگر افسوس کہ غیروں نے تاریخ سازی کر لی مگر ہم چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی اپنی مہتم بالشان اور بے مثال داستانوں کو جو تاریخ کی عظیم امانت اور لازوال کارنامہ ہے، یکجا طور پر مدون نہ کر سکے۔ مرور ایام کے ساتھ منظّم طور پر سینوں سے سفینوں کی طرف منتقل نہ ہونے اور قرطاس وقلم کے حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض حقائق دست برد زمانہ کا شکار ہو گئے اور بعضے زمانہ کی چیرہ دستیوں اور اغیار کی عیاریوں اور چالاکیوں نیز تاریخ سازیوں کے ساتھ قلب حقائق کے ماہرین کی ہوس یریدو ن ان یحمدوا بما لم یفعلوا کا شکار ہو گئے۔ اب ہمیں یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم سے جو کوتاہی اور غفلت ہوئی ہے ان زریں کارناموں اور اسلاف کی بے مثال خدمات کے تئیں وہ بڑا گناہ ہے یا غیروں کے غلط پروپیگنڈہ اور تاریخ سازیوں کا شاخسانہ کھڑا کرنا بڑا جرم ہے

الغرض ان ہر دو نقائص کے دور کرنے اور تلافی مافات کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے وہ عظیم خسارے کا بدل بھلے ہی پورے طور پر نہ ہو، لیکن ان ہر دو محاذوں پر جس قدر کوشش صرف کی جائے بسا غنیمت ہی نہیں ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ اور اس مد میں جو کچھ جہاں کہیں سے بھی ہو جائے اسے بڑا اور اہم کارنامہ مانتے ہوئے اس کی قدر دانی ہونی چاہیے۔ اس کی تشجیع اور ہر ممکنہ وسائل سے اس کی تائید وتوثیق ہو اور اس کی ترویج واشاعت اور تعمیم کا بیڑا حتی المقدور اٹھانا چاہیے۔

ہمیں خوشی ومسرت ہے کہ جماعت کے علماء وفضلاء میں آج بھی ایسے غیور اہل قلم وزبان موجود ہیں جو تاریخ کے بکھرے اوراق اور نایاب ہوتے صفحات کو منصۂ شہود پر لانے کی ٹھانے ہوئے ہیں، اور ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کر کے تاریخ کی کڑیوں کو جہاں جوڑتے نظر آ رہے ہیں، وہیں اس قصہ پارینہ کی بازخوانی کی دعوت عمل دے رہے

ہیں ۔انہوں نے سمندر کی گہرائیوں کو ناپا ہے۔اوراس سے لعل و گہر ڈھونڈ نکالنے میں کامیابی حاصل کی ہے کیونکہ جو یندہ یابندہ۔

انہی اصحاب دانش وبینش اور غیور و با بصیرت اور رمز شناس تاریخ میں سے ایک ذات عمدہ صفات ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ کی بھی ہے جنہوں نے اس پوری تاریخ کو یہی نہیں کہ کھنگھال ڈالا ہے اور دور غلامی کے غلامان زرخرید کی جہاں حقیقت آشکارا کیا ہے، وہیں ان غلاموں کے حواریوں ، ان کے پشت پناہوں اور دیگر طالع آزماؤں کی قلعی کھول کران کی ابن الوقتیوں اور تاریخ سازیوں کی پول بھی کھول کے رکھ دی ہے ۔اورخود مرزا غلام غلام احمد قادیانی اوران کی امت کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس فتنہ وقت کے سد باب کے لئے اس میدان میں تن تنہا علماء اہل حدیث ہی تھے۔

والفضل ما شهدت به الاعداء

مرزا غلام احمد قادیانی استعمار کی پیداوار ہیں اور استعمار کے پیدا کئے ہوئے فتنوں اور سازشوں میں سے ایک دیرپا اور مؤثر دسیسہ کاری کے طور پر اب تک مغرب اس کے چیلوں سے کام لے رہا ہے۔اس ضمن میں اس فتنہ کے سد باب کے لئے جس طرح ماضی میں علماء اہل حدیث نے استعمار کا بھرپور مقابلہ کیا اور جدوجہد اور جہاد کا علم بلند کئے رکھا، اسی طرح اس ولید الاستعمار قادیانیت کا بھی قلع قمع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اس میدان کے تن تنہا شہسوار تھے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

قادیان کے جھوٹے نبی، دروغ گومہدی اور انگریز کا کاشت کیا ہوا، جو لوگوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرنے کے لئے نہیں اپنی نحوست سے صرف مارنے کے لئے آیا تھا، کا فتنہ اتنا منہ زور تھا کہ اس کو لگام لگانے والہ کوئی نظر نہیں آتا تھا۔مگر بھلا کرے اللہ تعالیٰ ان مردان عالی مقام اور اولوالعزمان وقت کا جنہوں نے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کو اس کے گھر پہنچا کر دم لیا اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک اس کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دیا اور صادق کی زندگی میں کاذب کی ہلاکت نہ ہوگئی ۔ مرزا غلام احمد قادیانی بڑے جلد باز واقع ہوئے تھے ادنی ادنی سی ذاتی خودغرضیوں سے مجبور ہوکر بڑے بڑے دعوی کر بیٹھتے جو ان کے دام تزویر میں نہ پھنستا، بلکہ ٹکا سا جواب دے دیتا، اسے دھمکاتے اور مرجانے کی پیشین گوئی کرتے اور

مار دینے کی دھمکی دیتے۔ گویا مسیح زمان برعکس نام نہاد زنگی کافور کے مصداق
زندوں کو مارنے کو مسیح زماں ہوئے

اس کی اس حقیقت کو علمائے اہل حدیث نے خوب آشکارا کیا۔ علماء اہل حدیث کی خدمات اس سلسلے میں اتنی عظیم الشان ہیں کہ اس کا انکار کوئی بھی انصاف پسند نہیں کرسکتا۔ ..انہوں نے کذاب و دجال نبی کی دروغ گوئی اور دعوائے نبوت کا پول کھول کر تحریک ختم نبوت کی ایک سنہری تاریخ رقم کردی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے کچھ حضرات قلب ماہیت اور مسخ حقائق پر اترے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں کہ وہ تاریخ سازی کے ذریعہ اپنے حلقہ کو اس تحریک کا رواح رواں ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں بلکہ اہل حدیث پر یہ الزام بھی دھرنے لگے ہیں کہ انہوں نے قادیانیت کے خلاف کچھ نہ کیا، بلکہ مرزا غلام احمد انہی میں سے پیدا ہوا تھا۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ ایسے میں ضرورت تھی کہ کوئی صاحب قلم مورخ اٹھتا اور تحریک ختم نبوت اور اس کے سپوتوں کی حقیقی تاریخ مرتب کردیتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام دیر آید درست آید کے طور پر ہورہا ہے

زیر نظر کتاب تحریک ختم نبوت، جس کا تیسرا جزء بھی اسی سلسلہ تحریک ختم نبوت اور اس میں علماء اہل حدیث کی خدمات لازوال اور عظیم کارناموں کا ذکر خیر ہے جو ایک بے لاگ و بابصیرت صاحب قلم محترم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ کی انتھک کوششوں، ذوق مطالعہ، وسعت معلومات، مخلصانہ جد و جہد اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہی ہے۔ اللہ تعالی اس کے ذریعہ اس فتنہ کا سد باب فرمائے اور مؤلف، ناشر، اور تمام معاونین و قاری حضرات کے لئے نفع بخش بنائے۔ آمین۔ اور متحدہ طور پر ارتدادی مہم کو روکنے کی توفیق ارزانی کرے۔

اصغر علی امام مہدی سلفی

ناظم عمومی مرکزی جمیت اہل حدیث ہند۔ دہلی

۱۲۔ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ۔ ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵ء